۴

# خطبات حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
کی مؤثر اور انقلاب آفریں تقریروں کا اہم مجموعہ

حقوق الزوجین
گھر کی ذمہ داریاں
دینی امور میں خواتین کا کمال
ازالہ اوہام
اصلاح خواتین
خواتین کا شرعی لباس
عقلمند اور پاک دامن عورتیں
زمانہ جاہلیت کی ظلم وزیادتی
اتباع وفرمانبرداری
مستورات کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ
نکاح کے معاملے میں کامیابی
نفس کشی

زمزم بک ڈپو دیوبند

# خطباتِ حکیم الامّت (۴)

# حقوق الزوجین

مجددِ وقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

ترتیب

مفتی عبدالرحمٰن خانؒ

زمزم بکڈپو دیوبند

# ترتیب مواعظ

## حقوق البیت ، گھر کی ذمہ داریاں صد ۱۳

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ

## الکمال فی الدین للنسآء ، دینی امور میں خواتین کا کمال صد ۶۱

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

## رفع الالتباس ، ازالۂ اوہام صد ۱۳۱

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ

## اصلاح النسآء ، اصلاح خواتین صد ۱۷۲

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَلِمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ مَا رَاَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِیْنٍ اَذْھَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدَاکُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِیْنِنَا وَعَقْلِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَلَیْسَ شَھَادَۃُ الْمَرْاَۃِ مِثْلَ نِصْفِ شَھَادَۃِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِکَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِھَا قَالَ اَلَیْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِکَ مِنْ نُقْصَانِ دِیْنِھَا ۔

## کساءالنساء ، خواتین کا شرعی لباس صہ۱۹۷

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ الخ

## العاقلات الغافلات ، عقلمند اور پاک دامن عورتیں صہ۲۹۸

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

## عضل الجاهلیه ، زمانہ جاہلیت کی ظلم و زیادتی صہ۲۵۳

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ الخ

## الاستماع والاتباع ، اتباع و فرمانبرداری صہ۲۸۶

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ

منازعۃ الھوی صہ۴۳

قال النبی صلی اللہ علیہ لا یؤمن احدکم حتی یکون ھوٰہ تبعًا لما جئت بہ

غایۃ النجاح فی آیات النکاح صہ۴۲۸ ، نکاح کے معاملہ میں کامیابی کا راز

نصرۃ النساء ،،،،،، مستورات کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ؕ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

# فہرست عنوانات

## "حقوق الزوجین"

## ازالۃ الاوہام

## اصلاح خواتین



## خواتین کا شرعی لباس

## عقلمند اور پاک دامن عورتیں



# حقوق البیت

یعنی

# حقوق خانہ داری

## گھر کی ذمہ داریاں

مستورات کی اصلاح و تعلیم کی ضرورت، مردوں عورتوں کے باہمی حقوق نیز امورِ خانہ داری کی اِصلاح سے متعلق یہ وعظ، مؤرخہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ بوقت شب. بمقام غازی پور سیکرٹری صاحب کے مکان میں بیٹھ کر بیان فرمایا، جو ایک گھنٹہ ۵۵ منٹ میں ختم ہوا. مسودہ اجمالی مولانا سعید احمد صاحبؒ نے ضبط کیا اور ان کے برادر خرد جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے تفصیل کی.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**تمہید:** الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

اما بعد فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ الحدیث:

یہ ایک حدیث ہے یعنی ارشاد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا، اس میں ایک ضروری مضمون ہے جو اسوقت کی ضرورت و مصلحت کے مناسب ہے یعنی اس وقت زیادہ ضرورت مستورات کو سنانے کی ہے۔ اس لئے میں نے ایک ایسا مضمون اختیار کیا ہے جس میں اُن کے متعلق بعض ذمہ داریوں کا ذکر ہے یعنی حقوق خانہ داری کا کیونکہ مرد کا گھر عموماً اُن کے سپرد ہوتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اُس کے متعلق اُن کو احکام شرعی معلوم ہوں۔ ہرچند کہ اسمیں بعض مضامین مردوں کے متعلق بھی بیان ہوں گے مگر زیادہ مقصود اِس وقت عورتوں کو سنانا ہے کیونکہ اُن کو خود بھی علم کم ہوتا

ہے اور علمی مجلس بھی میسر نہیں ہوتی۔ مواعظ کے سُننے کا بھی اُن کو اتفاق کم ہوتا ہے اور مَرد تو اکثر اپنے متعلق احکام سُنتے رہتے ہیں اور جس بات کو چاہیں اہل علم سے دریافت بھی کر سکتے ہیں۔

## مقصدِ بیان

اس وقت جو حدیث میں نے تلاوت کی ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس کا ایک ٹکڑا میں نے اِسوقت پڑھا ہے۔ تمام حدیث کو احتیاط کی وجہ سے نقل نہیں کیا کیونکہ پُورے الفاظ یاد نہ تھے۔ اسی لئے میں نے الحدیث کہہ دیا تھا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ یہ پوری حدیث نہیں بلکہ اس کے اور بھی اجزاء ہیں جو یاد نہیں رہے مگر مضامین قریب قریب سب محفوظ ہیں۔ "بعض یقیناً بعض ظناً" ——— اور دراصل وہ سب مضامین اسی جملہ کی تفاصیل ہیں جو میں نے اِسوقت پڑھا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول ایک قاعدہ کلیہ اجمالاً بیان فرمایا ہے۔ پھر اس کے چند جزئیات بطور تفصیل کے بیان فرمائے ہیں اس وقت میں نے اجمالی مضمون کے الفاظ تو نقل کر دیئے۔ تفصیلی مضمون کے الفاظ نہیں پڑھے کیونکہ وہ بلفظہا یاد نہ تھے اور ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ اس اجمال میں وہ سب تفصیل مندرج ہے۔ بہر حال وہ اجمالی مضمون جو بطور قاعدہ کلیہ کے ارشاد ہوا ہے۔ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ کہ ہر ایک تم میں سے با اختیار ہے (اور ہر کسی چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے) اور ہر ایک سے پُوچھا جاوے گا کہ تمہارے سُپرد جو چیزیں تھیں ان میں تم نے کیا کیا۔ یہ ہے اجمالی مضمون کا حاصل۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی ہے جس کے دو جزو تو یقیناً یاد ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ متفق علیہ۔ کہ عورت کے متعلق شوہر کا گھر ہوتا ہے اور اس کے بال بچے ان میں اسکو اختیار دیا گیا ہے اور ان کے متعلق اس سے دریافت کیا جاوے گا کہ تم نے شوہر کے گھر اور

اولاد کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اس کے بعد ایک جزو یہ ہے وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ متفق علیہ۔ یعنی غلام خادم اپنے آقا کے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے وہ بھی مسئول الیہ ہے اس لئے اس سے بھی پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنے آقا کے مال میں کس طرح تصرف کیا۔ یہ دو جزو تو یقیناً ہیں۔ تیسرا جزو شاید یہی ہے کہ ہر شخص اپنے گھر میں با اختیار ہے اور اس سے گھر والوں کے متعلق سوال ہوگا کہ تو نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور ان کے حقوق ادا کئے یا نہیں۔

قلت و نص الحدیث ھذا فالامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسئول عن رعیتہ وذکر بعدہ المرأۃ والعبد ثم قال الا فکلکم رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ متفق علیہ۔ کذا فی المشکوٰۃ ص۳۲ وفی الترغیب عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ سَائِلٌ کُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاہُ حَفِظَ اَمْ ضَیَّعَ رواہ ابن حبان فی صحیحہ اھ (ملخصاً ص۳۱) اور تیسرا جزو یعنی (وَالرَّجُلُ رَاعٍ) قرآن میں بھی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا۔ اس میں ایمان والوں کو صاف حکم ہے کہ جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بھی بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی تو اس کا بھی وہی مطلب ہوگیا جو اَلرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰٓی اَھْلِ بَیْتِہٖ کا تھا کہ مرد اپنے گھر والوں کی اصلاح کا ذمہ دار ہے بلکہ قرآن میں جن لفظوں سے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے اس میں رجال کی بھی تخصیص نہیں بلکہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں تغلیباً عورتیں بھی داخل ہیں جیسا کہ قرآن میں تمام جگہ یہی طرز ہے کہ عورتوں کو مستقلاً خطاب نہیں کیا جاتا بلکہ مردوں کی ساتھ طبعاً انکو بھی خطاب ہوتا ہے تو یہاں بھی اسی قاعدہ کے موافق یہ خطاب مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے تو عورتوں

کے لئے بھی یہ بات ضروری ہوئی کہ وہ اپنے خاوند اور اولاد کو جہنم کی آگ سے بچادیں اور انکو خلافِ شرع امور سے روکنے میں کوشش کریں۔ قرآن میں تو یہ مضمون عورتوں کے متعلق اجمالاً ہے اور حدیث میں اجمالاً بھی ہے اور تفصیلاً بھی۔ بہرحال خواہ اجمالاً ہو خواہ تفصیلاً قرآن و حدیث دونوں بتلا رہے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے متعلق کچھ حقوق ہیں جن کے متعلق اُن سے باز پرس ہوگی۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم اپنی حالت میں غور کریں کہ ہم لوگ ان احکام کے ساتھ کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔ آیا اُن کا امتثال کرتے ہیں یا نہیں تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو مرد اُن حقوق کو ادا کرتے ہیں۔ جو اُن کے ذمہ ہیں اور نہ عورتیں۔ اور اسی وجہ سے میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہے تاکہ عورتیں بالخصوص اور مرد بھی متنبہ ہوں کہ اُن کے ذمہ کیا کیا حقوق ہیں اور اُنکے ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

**حقیقتِ حقوقِ خانہ داری**

اب یہ سمجھئے کہ وہ حقوق کیا ہیں کیونکہ اپنی کوتاہی کا علم بھی اسی سے ہوگا۔ اور ابتک کوتاہی کا علم نہ ہونا بھی اسی وجہ سے ہے کہ ہم ان حقوق سے واقف نہیں۔ مردوں نے تو اپنے ذمہ عورتوں کے یہ حقوق سمجھ رکھے ہیں کہ کھانے کو دیدیا۔ کپڑا دے دیا۔ زیور دیدیا۔ گھر دیدیا۔ اور کبھی بیمار ہوئیں تو علاج کر دیا۔ کبھی کوئی فرمائش کی تو اُس کو پورا کر دیا۔ اور عورتیں اپنے ذمہ مردوں کے یہ حقوق سمجھتی ہیں کہ کھانا پکا کے دیدیا۔ رات کو بستر کر دیا۔ اور دھوبن کو مردوں کے کپڑے شمار کر کے دیدیئے اور جب لائی تو شمار کر کے لے لئے اور حفاظت سے بکس میں بند کر کے رکھدیئے اور شمار کر کے دینا لینا بھی بعض گھروں میں ہے ورنہ اکثر تو یہ کہتی ہیں کہ ہماری دھوبن بڑی ایماندار ہے یہ خود گن کر لیجاتی ہے اور پورے کپڑے دے جاتی ہے۔ پھر دیتے ہوئے کپڑوں کی شمار ہوتی ہے نہ لیتے ہوئے۔ دھوبن کی ایمانداری پر اعتماد

ہے اور وہی مختار کل ہے جو چاہے کرے۔ اسی طرح پسنہاری کو بھی خود وزن کر کے غلہ نہیں دیا جاتا اُسی سے کہہ دیتی ہیں کہ اپنے آپ وزن کر کے اتنی دھڑی لے جائے چاہے وہ چار دھڑی کی جگہ پانچ لے جائے اور اُن سے چار ظاہر کرے پھر جب وہ آٹا پیس کر لاتی ہے اُس وقت بھی وزن نہیں کیا جاتا۔ وہی پسنہاری خود تول کر برتنوں میں بھر دیتی ہے اور آئندہ کے لئے دوبارہ اناج لے جاتی ہے۔ گھر والوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ پہلی پسائی کتنی تھی اور اگلی کتنی۔ بس مہینہ ختم ہونے پر جتنی رقم پسنہاری نے بتلا دی وہی اس کے ہاتھ پر رکھدی۔ میں نے ایک گھر میں دیکھا ہے کہ ایک پسنہاری کی بہت سی پسائیاں چڑھی ہوئی تھیں اور گھر میں نہ کوئی حافظہ تھی نہ کوئی ضابطہ تھا بعض دفعہ گھر والوں اور پسنہاری میں اختلاف ہوتا وہ کچھ کہتی پسنہاری کچھ کہتی مگر حجت کسی کے پاس نہ تھی بالآخر جھک مار کر وہی دینا پڑتا تھا جو پسنہاری نے بتلا دیا اور جن گھروں میں حساب کا خیال بھی ہوتا ہے تو وہاں یہ طریقہ ہے کہ دیوار پر کوئلہ سے لکیر کھینچ دیتی ہیں۔ جب ایک دھڑی پس کر آئی انھوں نے اُسی وقت دیوار پر لکیر کھینچ دی۔ میں نے دیکھا کہ ایک مکان میں تمام دیوار سیاہ تھی حالانکہ دیوار کی لکیر کوئی معتبر چیز نہیں۔ ذرا سا ہاتھ لگنے سے مٹ سکتی ہے اور پسنہاری ایک آدھ لکیر بڑھا بھی سکتی ہے پھر اس صورت میں وہی دینا پڑے گا جو پسنہاری بتلا دے۔ اس سے تو آسان صورت یہ ہے کہ قلم اور دوات سے کسی تختی یا کاغذ ہی پر جو اپنے قبضہ میں رہے لکیر کھینچ دیا کریں تاکہ کمی بیشی کے احتمال سے تو محفوظ رہے مگر گھروں میں اس کا مطلق اہتمام نہیں (۲) وجہ یہ کہ عورتیں ان کاموں کو اپنے ذمہ سمجھتی ہی نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے ذمہ صرف اتنا سمجھتی ہیں کہ مردوں کو کھلا دیا پلا دیا۔ اور اگر کوئی بچہ ہوا تو اس کو ہگا موتا دیا اور یہ بھی اُسوقت کہ گھر میں بچہ کے لینے کو کوئی آدمی نوکر نہ ہو اور یہ کام اُنہیں خود کرنا پڑے، ورنہ اُنکو اسکی بھی خبر نہیں ہوتی کہ بچے کہاں

ہیں اور کس طرح ہیں اور اگر گھر میں کھانا پکانیوالی بھی نوکر ہوئی تو ان کو چولہے کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ اب نوکرانی سیاہ و سفید جو چاہے کرے، غرض شوہر کے مال کی حفاظت کا عورتوں کو مطلقاً خیال نہیں ہوتا۔ اسی طرح مَردوں کو عورتوں کے حقوق میں سے صرف بعضے دنیوی امور کا اہتمام ہے یعنی زیور کپڑے کا یا کھانے پینے کا۔ باقی اُن کے دین کی اصلاح کا کچھ بھی اہتمام نہیں تو دونوں نے دو دو قسم کی کوتاہیاں کر رکھی ہیں دو قسم کی مَردوں نے اور دو قسم کی عورتوں نے مجموعہ چار قسم کی کوتاہیاں ہوئیں۔

**حق و کوتاہی**

مردوں سے ایک کوتاہی تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ذمہ صرف دنیوی حقوق سمجھتے ہیں دینی حقوق اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں کہ ہمارے ذمہ اُن کے دین کا بھی کوئی حق ہے مثلاً گھر میں آکر یہ تو پوچھتے ہیں کہ کھانا تیار ہوا یا نہیں مگر یہ کبھی نہیں پُوچھتے کہ تم نے نماز بھی پڑھی یا نہیں۔ اگر کھانا کھانے گھر میں آئے اور معلوم ہوا کہ ابھی تیار نہیں ہے تو خفا ہوتے ہیں یا تیار تو ہو گیا مگر مرضی کے موافق تیار نہیں ہوا تب بھی خفا ہوتے ہیں اور اگر کبھی یہ معلوم ہوا ہو کہ بیوی نے اس وقت کی نماز ابتک نہیں پڑھی تو انکو ذرا بھی ناگوار نہیں ہوتی نہ بی بی پر خفا ہوتے ہیں۔ بلکہ اگر کسی کی بی بی عمر بھر بھی نماز نہ پڑھے تو بہت مردوں کو اس کی بھی پرواہ نہیں ہوتی ــــــــــــ

اور جو کبھی کسی کو کچھ خیال بھی ہوتا ہے اور یہ وہ ہیں جو دیندار کہلاتے ہیں تو وہ بھی یونہی چلتی سی بات کہہ دیتے ہیں کہ بی نماز پڑھا کرو نماز کا ترک کرنا بڑا گناہ ہے۔ بس اتنا کہہ کر اپنے نزدیک یہ سبکدوش ہو گئے اور جب کسی نے اُن سے کہا کہ تم اپنی بی بی کو نماز کے لئے تنبیہ کیوں نہیں کرتے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ کہہ تو دیا تھا اب وہ نہیں پڑھتی تو میں کیا کروں لیکن میں کہتا ہوں کہ انصاف سے بتلائیے کیا آپ نے نماز کے لئے اسی طرح کہا تھا جیسے نمک تیز ہونے پر کہا تھا۔ اور اگر ایک دو دفعہ کے کہنے سے اس نے نمک کی درستی کا اہتمام نہ کیا تو وہاں بھی آپ ایسے ہی خاموش ہو

جاتے ہیں جیسے نماز کے لئے ایک دو دفعہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ ہرگز نہیں —— نمک تیز ہونے پر تو آپ سر توڑنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں اور ایسی بُری طرح خفگی ظاہر کرتے ہیں کہ بی بی سمجھ جاتی ہے کہ میاں بہت ناراض ہو گئے ہیں اس لئے وہ بہت جلد نمک کی اصلاح کا اہتمام کرتی ہے۔

صاحبو! نماز کے لئے آپ نے اس طرح کبھی نہیں کہا جس سے بی بی سمجھ جائے کہ میاں بہت ناراض ہو گئے ہیں۔ اگر میاں بھی اسی طرح خفگی ظاہر کرتے تو وہ اس کا بھی ضرور اہتمام کرتی اور اگر ایک دفعہ کے کہنے سے نہ پڑھتی تو دوسرے وقت پھر خفا ہوتے پھر نہ پڑھتی تو تیسرے وقت پھر کہتے اور جب تک وہ نماز نہ پڑھتی برابر کہتے رہتے اور مختلف طریقوں سے اپنی خفگی ظاہر کرتے۔ مثلاً پاس لیٹنا ترک کر دیتے یا اس کے ہاتھ کا پکا ہوا نہ کھاتے۔ جیسا کہ نمک کی تیزی پر اگر ایک بار خفا ہونے سے اثر نہ ہوا تو آپ خاموش نہیں ہو جاتے بلکہ برابر کہتے رہتے ہیں اور وہاں کبھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اتنی دفعہ تو کہہ دیا ہے اب بھی وہ نہیں مانتی تو میں کیا کروں۔ بس خاموش ہو جاؤں۔

صاحبو! انصاف سے بتلایئے کہ ہم نے کبھی کھانے پینے کے باب میں بھی اپنے جی کو اس طرح سمجھا لیا ہے جیسا نماز کے باب میں سمجھا لیا جاتا ہے ہرگز نہیں۔ تو یہ سراسر کوتاہی ہے اگر آپ بی بی کو نمازی بنانا چاہیں تو کچھ دشوار بات نہیں کیونکہ عورت حاکم نہیں بلکہ محکوم ہے۔ چنانچہ اپنی اغراض کے لئے ان پر حکومت بھی کی جاتی ہے مگر دین کے لئے اس حکومت سے ذرا کام نہیں لیا جاتا۔ ایک تو یہ کوتاہی ہے۔ دوسری کوتاہی یہ ہے کہ ان کے حقوق دنیویہ کو بھی پوری طرح اپنے ذمہ نہیں سمجھتے بلکہ دنیوی حقوق میں انہی باتوں کو اپنے ذمہ سمجھتے ہیں، جو عرفاً مردوں کے ذمہ سمجھی جاتی ہیں اور جو حقوق معاشرت کے شریعت نے ہمارے ذمہ کئے ہیں ان کو عموماً مرد اپنے ذمہ نہیں سمجھتے مثلاً بعضے گھروں میں دیکھا ہے کہ مرد بیوی سے

بالکل لاپرواہ رہتا ہے۔ سال بھر باہر بیٹھک میں سوتے ہیں گھر میں نہیں سوتے۔ اب یا تو کہیں اور تعلق پیدا کیا جاتا ہے یا ویسے ہی باہر سوتے رہتے ہیں اور بیوی کے اس حق سے غافل ہیں حالانکہ رات کو اس کے پاس سونا بھی شرعاً اس کا حق ہے۔ بعض جگہ دیکھا ہے کہ مرد عورتوں سے بولتے بھی نہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو بزرگ کہلاتے ہیں یا کسی بزرگ کے مرید ہیں، نماز روزہ اور ذکر و شغل کے پابند ہیں اپنے نزدیک جنت خرید لیے ہیں۔ مگر بیوی کے حقوق سے غفلت۔ یاد رکھو بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ ایک وقت میں اس سے بات چیت بھی کیجائے اور اس کی تکلیف و راحت کی باتیں سُنی جائیں اور دل جوئی کی باتوں سے اس کو خوش کیا جائے مگر اس حق سے دنیادار اور دیندار سب ہی غافل ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں بس کھانا کپڑا ہی اپنے ذمہ سمجھ لیا ہے۔ بعض جگہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بات بات میں عورتوں کی خطائیں نکالی جاتی ہیں اور ان کی وجہ سے بات چیت ترک کی جاتی ہے یا گھر میں سونا چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ دو قسم کی خطائیں ہیں بعض تو اختیاری ہیں جن میں عورتوں کے اختیار کو دخل ہے مگر وہ اس درجہ کی نہیں ہوتی کہ ان پر اتنی بڑی سزا دیجائے چنانچہ عورتوں کی ایک خطا بیان کی جاتی ہے کہ وہ گفتگو میں مرد کے آگے لجتی نہیں ہیں اور برابر جواب دیئے چلی جاتی ہیں حالانکہ وہ محکوم ہیں، ان کو محکوم بن کر رہنا چاہیے۔

**حقیقت تعلق زوجین** سو میں کہتا ہوں کہ عورت بیشک محکوم ہے لیکن وہ ایسی محکوم نہیں ہے جیسے ماما یا لونڈی محکوم ہوتی ہے بلکہ اس کو مرد کے ساتھ دوستی کا تعلق بھی ہے اور اس تعلق کا خاصہ ہے کہ اس میں ایک قسم کا ناز بھی ہوتا ہے۔ اس تعلق کے ساتھ مرد کا عورت پر وہ رعب نہیں ہوسکتا جو نوکروں پر ہوا کرتا ہے۔ مرد یہ چاہتے ہیں کہ بیوی پر بھی اسی

طرح رعب جمائیں جس طرح نوکر پر جمایا کرتے ہیں۔ یہ نہایت سنگ دلی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اس تعلق کی حقیقت کو سمجھا نہیں (بھلا غور تو کیجئے کہ کیا آپ اپنے دوستوں پر ویسا رعب جما سکتے ہیں جیسا نوکروں پر جمایا جاتا ہے ہرگز نہیں اور اگر آپ ایسا کرنے لگیں تو سارے احباب آپ کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں دوستوں کے ساتھ نوکروں کا سا برتاؤ کوئی عاقل نہیں کر سکتا پھر حیرت ہے کہ آپ بیوی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔ تجربہ ہے کہ زمانہ افلاس و مصیبت میں سب احباب الگ ہو جاتے ہیں اور ماں باپ تک انسان کو چھوڑ بیٹھتے ہیں مگر بیوی ہر حالت میں مرد کا ساتھ دیتی ہے۔ اسی طرح بیماری میں جیسی راحت بیوی سے پہنچتی ہے کسی دوست سے بلکہ ماں باپ سے بھی نہیں پہنچتی اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیوی کے برابر دنیا میں مرد کا کوئی دوست نہیں پھر کیا یہ ستم نہیں ہے کہ مرد اُن کو نوکروں کے برابر کرنا چاہتے ہیں۔

اور اگر وہ کسی وقت گفتگو میں اپنے اس تعلق کی بنا پر بطور ناز کے برابری کرنے لگیں تو اس پر یہ سزا دی جاتی ہے کہ بولنا چالنا، پاس بیٹھنا، اٹھنا یک لخت بند کر دیا جاتا ہے (۱۲ جامع)

صاحبو! یہ وہ تعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بعض دفعہ ازواج مطہرات ناز میں آ کر برابر کے دوستوں کا سا برتاؤ کرتی تھیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کون ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کمال میں بے نظیر تھے کوئی آپ کے برابر نہ تھا۔ نیز اس کے ساتھ آپ صاحب سلطنت تھے رعب سلطنت بھی آپ میں بہت زیادہ تھا (چنانچہ حدیث میں ہے کہ مہینہ بھر کی مسافت تک آپ کے رعب کا اثر پہنچتا تھا کہ سلاطین آپ کا نام سن سن کر کانپتے تھے ۱۲ جامع) مگر

بایں ہمہ حبیبوں پر آپ نے کبھی رعب کا اثر نہیں ڈالا بلکہ اُن کے ساتھ آپ کا ایسا برتاؤ تھا جس میں حکومت اور دوستی کے دونوں پہلو ملحوظ رہتے تھے تعلق حکومت کا تو یہ اثر تھا کہ ازواج مطہرات حضور کے احکام کی مخالفت کبھی نہ کرتی تھیں آپ کی تعظیم اور ادب اس درجہ کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی کی عظمت بھی اُن کے دل میں حضور کے برابر نہ تھی اور تعلق دوستی کا یہ اثر تھا کہ بعض دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ پر ناز کرتیں مگر کبھی آپ کو ناگوار نہ ہوتا تھا مثلاً جس وقت قصۂ افک ہوا اور منافقین نے حضرت صدیقہ رضؓ پر بہتان باندھا تو اوّل اوّل حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت دلگیر رہے حتی کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جبکہ وہ اپنے باپ کے گھر پر تھیں یہ فرمایا کہ اے عائشہ اگر تم بالکل بری ہو تو حق تعالیٰ تمہاری برارت ظاہر کردیں گے ۔ اور اگر واقعی تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو حق تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرلو ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات سے بہت رنج ہوا ، (کیونکہ اس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا تھا کہ حضور کو بھی (نعوذ باللہ) میری نسبت کچھ احتمال ہے ۱۲) تو انھوں نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتی کہ اس بات کا کیا جواب دوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بالکل بری ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بالکل بری ہوں تو اس کو آپ لوگوں کے دل قبول نہ کریں گے ۔ اور اگر میں یہ کہہ دوں کہ ہاں مجھ سے غلطی

---

لہ چنانچہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ ابوسفیان بن حرب ایک دفعہ اسلام لانے سے پہلے مدینہ منورہ میں آگئے اور اپنی بیٹی کے پاس قیام کیا تو گھر میں داخل ہوکر انھوں نے ایک بستر پر بیٹھنا چاہا جو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک تھا حضرت ام حبیبہؓ نے نہایت سرعت سے اس بستر کو لپیٹ کر ایک طرف رکھدیا اور اپنے باپ کو اس پر بیٹھنے نہ دیا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیٹی یہ بستر تم نے اس لئے طے کردیا کہ میرے قابل نہ تھا یا اس لئے لپیٹا ہے کہ میں اس کے قابل نہ تھا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تم ناپاک مشرک ہو ابوسفیان یہ جواب سُن کر خاموش ہوگئے اور کچھ دیر خاموش رہ کر کہا کہ افسوس میرے بعد تیری حالت بدل گئی ۱۲ ظ

ہوئی ہے اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو اس بات کو آپ فوراً تسلیم کرلیں گے پس اس وقت میں وہی بات کہتی ہوں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمائی تھی فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ - یہ کہہ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرطِ غم سے بستر پر لیٹ گئیں اور رونے لگیں، تو اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کے آثار نمایاں ہوئے اور مکان میں سناٹا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وحی ختم ہو چکی تو پہلی بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منھ سے نکلی وہ یہ تھی اَبْشِرِی یَا عَائِشَةُ فَقَدْ بَرَّأَكِ اللّٰهُ، یعنی اے عائشہ خوشخبری سن لو کہ حق تعالیٰ نے تمہاری براءت ظاہر کر دی پھر آپ نے وہ آیات پڑھ کر سنائیں جو اس وقت نازل ہوئیں تھیں۔ اس بات کے سنتے ہی سب کو ایسی خوشی ہوئی کہ سارے گھر میں ہر شخص کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ اور حضرت عائشہ کی والدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا قُومِی یَا عَائِشَةُ اِلَيْهِ وَقَبِّلِی (ای الی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اے عائشہ اٹھو یعنی حضور کو سلام کرو، تو حضرت عائشہ نے فرمایا، وَاللّٰهِ لَا اَقُوْمُ اِلَيْهِ وَاِنِّیْ لَا اَحْمَدُ اِلَّا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ بخدا میں آپ کے پاس اٹھ کر نہ جاؤں گی اور میں اپنے خدا کے سوا کسی کی حمد نہیں کرتی کیونکہ آپ نے تو مجھے آلودہ سمجھ ہی لیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بری کیا۔

اب مردوں کو سمجھنا چاہیئے کہ حضرت عائشہ کی یہ بات کس بنا پر تھی اس کا منشأ وہی ناز تھا جو بی بی کو تعلق دوستی کی وجہ سے شوہر پر ہوتا ہے اور شریعت نے عورتوں کی اس قسم کی باتوں پر جو وہ ناز میں کہہ ڈالیں کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ اگر عورت کو ناز کا حق نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو اس بات پر ضرور تنبیہ فرماتے کیونکہ ظاہر میں یہ کلمہ نہایت سخت تھا اور یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں کسی کی رعایت فرمائیں۔ چنانچہ ایک

عورت نے چوری کی تھی جن کا نام فاطمہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم شرعی کے موافق ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لوگوں نے سفارش کرنا چاہی اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بن حارثہ کو سفارش کے لئے تجویز کیا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور محبوب زادے تھے چنانچہ وہ بھولے بھالے سفارش کرنے بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت برہم ہوئے۔ اور فرمایا کہ حدود میں سفارش کرنا پہلی اُمتوں کو ہلاکت میں ڈال چکا ہے۔ اس کے بعد ایسی بات فرمائی کہ ہم تو اس کو نقل بھی نہیں کر سکتے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سمجھ کر نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتی (نعوذ باللہ، اعوذ باللہ، نعوذ باللہ) تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا (پھر فاطمہ مخزومیہ تو کیا چیز ہیں۔ چنانچہ ان کا ہاتھ کاٹا گیا (کذا فی ابوداؤد صـ۲۵۳ جلد ۲) اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ تو اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول خلافِ شریعت ہوتا تو آپ اُن کی ہرگز رعایت نہ فرماتے اور ضرور تنبیہ فرماتے یہ بات بیشک ہے کہ حضرت عائشہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت تھی مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایسی خصوصیتیں ہیں کہ اُن میں کوئی اُن کا شریک نہ تھا اور برتاؤ میں اُن خصوصیتوں کا زیادہ ظہور ہوتا تھا۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سفر میں تشریف لے جاتے تو جاتے ہوئے سب سے اخیر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے تھے اور واپسی میں سب سے پہلے اُن سے ملتے تھے۔ تاکہ جُدائی کا زمانہ کم ہو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہؓ سے کس قدر محبت تھی نیز جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم غایت محبت سے اُن کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے تو اُن کی محبت کے ساتھ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

کی بھی رعایت نہ کر سکتے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تو کیا رعایت فرماتے
پس ثابت ہوا کہ اُن کا یہ کہنا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُٹھ کر نہیں جاتی
اور اپنے خدا کے سوا کسی کا شکریہ ادا نہیں کرتی خدا و رسول کے خلاف نہ تھا۔ تو
بی بی کا شوہر سے وہ تعلق ہے جس میں اتنی بڑی بات کو خدا و رسول نے گوارا کر لیا۔
ورنہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرفت فرماتے یا اس پر کوئی آیت ضرور نازل ہوتی
چنانچہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خرچ زیادہ
مانگا تھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی حالانکہ ظاہر میں ان کی درخواست کی وجہ معقول
بھی تھی کیونکہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتوحات بہت ہونے لگی تھیں۔
اور سب مسلمان فتوحات کی وجہ سے مالدار ہونے لگے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ وسلم
نے اس پر بھی اپنی ذات خاص اور اپنے گھر والوں کے لئے دنیوی وسعت کو گوارا
نہ کیا تو ازواج مطہرات نے اس موقع پر زیادہ خرچ کی درخواست کی تنگی کے
وقت اُنھوں نے ایسی درخواست کبھی نہیں کی حتیٰ کہ تنگی کے زمانہ میں بعض وقت
پانی بھی گھر میں نہیں ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ شکایت نہیں کی۔ ہاں جب
فتوحات سے سب مسلمان مالدار ہونے لگے اور تنگی رفع ہوگئی اُس وقت اُنھوں نے
بھی اپنے لئے وسعت چاہی۔ مگر یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذاق کے خلاف
تھی۔ آپ بیبیوں کے لئے تو وسعت کو کیا پسند کرتے اپنی بیٹی تک کے لئے
بھی اس کو گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس بہت سے باندی غلام قید ہو کر آئے۔ اور آپ مسلمانوں میں ان کو
تقسیم فرمانے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ
تم چکی پیسنے اور پانی بھرنے میں بہت تکلیف اُٹھاتی ہو اور اس وقت حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس باندی غلام بہت سے آئے ہوئے ہیں جن کو آپ لوگوں میں تقسیم

فرمایا ہے ہیں اگر تم بھی حضور سے ایک باندی غلام مانگ لو تو اس محنت سے تم کو راحت ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لے گئیں تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں نہ تھے۔ انھوں نے حضرت عائشہؓ سے اپنی درخواست کا مضمون بیان کر دیا کہ حضور تشریف لائیں تو میری طرف سے یہ عرض کر دی جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آپ گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے حضور سے عرض کر دیا کہ صاحبزادی صاحبہ اس مقصود کے لئے تشریف لائی تھیں آپ اسی وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا اے فاطمہ تم غلام اور باندی چاہتی ہو یا میں اس سے بھی اچھی ایک چیز تم کو بتلاؤں۔ انھوں نے عرض کیا کہ جو چیز اس سے بھی اچھی ہو وہی بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا لیٹنے کے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لئے غلام لونڈی سے بہتر ہے۔ وہ ایسی لائق صاحبزادی تھیں کہ اسی پر خوش ہو گئیں اور اخروی راحت کو دنیاوی راحت پر ترجیح دی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کے لئے بھی باندی غلام رکھنا پسند نہیں فرمایا تو بیبیوں کے لئے ان باتوں کو کیسے پسند فرماتے۔

**حقیقت ناز زوجہ** آپ تو ہمیشہ یہ دعا فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا یعنی اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کا رزق بقدر قوت کر دیجئے جس سے زندگی قائم رہ سکے۔ غرض مال کا زیادہ ہونا آپ کے مذاق کے خلاف تھا، اس لئے ازواج کی اس فرمائش سے آپ تنگ دل ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ط وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ

اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ط یعنی ازواج مطہرات سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا چاہتی ہو اس صورت میں تم میرے پاس نہیں رہ سکتیں آؤ میں تم کو متاع دنیا دے کر خوبی کے ساتھ رُخصت کر دوں اور اگر اللہ و رسول اور آخرت کی طالب ہو تو پھر صبر و شکر کے ساتھ اس تنگی کی حالت میں گُزر کرو اور نیک اعمال میں سعی کرتی رہو ۱۲) اللہ تعالیٰ نے تمہارے میں سے نیک کام کرنیوالوں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ سب سے اول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور چونکہ حضرت عائشہ رض نو عمر تھیں کیونکہ نو برس کی عمر میں وہ آپ کے پاس آئی تھیں اور آپ کی وفات کے وقت اُن کی عمر کُل اٹھارہ سال کی تھی تو آپ نے یہ خیال کیا کہ اس عمر میں سمجھ کم ہوتی ہے ایسا نہ ہو کہ اُن کے مُنھ سے یہ نکل جائے کہ ہم تو دنیا چاہتے ہیں اس لئے آپ نے آیات سُنانے سے پہلے یوں فرمایا کہ اے عائشہؓ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں مگر اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا (کیونکہ آپ خُوب جانتے تھے کہ اُن کے والدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی کی رائے کبھی نہیں دے سکتے) اس کے بعد آپ نے یہ آیات اُن کو سُنائیں. حضرت عائشہ رضؓ کو یہ مضمون سن کر جوش ہوا اور عرض کیا. اَفِیْ هٰذَا اَسْتَاْمِرُ اَبَوَیَّ کیا میں اس بات کے لئے اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں گی. میں نے اللہ کو اور اُس کے رسول کو اور آخرت کو اختیار کیا. حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے جواب سے بہت مسرور ہوئے تو حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کسی اور بی بی سے یہ نہ کہیے کہ عائشہ نے یہ جواب دیا ہے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھ سے کسی نے پوچھا تو میں چھپاؤں گا نہیں. غور کرنے کی بات ہے کہ حق تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو زیادہ خرچ مانگنے سے تو منع فرمایا اور ان کو

ناز کی بات سے منع نہیں فرمایا، تو معلوم ہوا کہ ناز کرنے میں اتنی بُرائی نہ تھی جتنی خرچ مانگنے میں تھی مگر آجکل کتنی اُلٹی بات ہے کہ زیادہ خرچ مانگنے کو تو بُرا نہیں سمجھتے جو کسی درجہ میں مذموم بھی ہے اور بی بی کے ناز اور بے تکلفی کو بُرا سمجھتے ہیں جو ذرا بھی بُری بات نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مذاق فاسد ہیں ہمارے نفوس کی اصلاح نہیں ہوئی ہمارے اندر مرض ہے جس کی وجہ سے ہر بات اُلٹی ہے کہ جو چیز ناگوار ہونا چاہیئے تھی وہ تو گوارا ہے اور جو گوارا ہونا چاہیئے تھی وہ ناگوار ہے۔ جیسے صفراوی المزاج کو مٹھائی کڑوی معلوم ہوتی ہے تو کیا وہ مٹھائی واقع میں کڑوی ہوتی ہے۔ ہر گز نہیں بلکہ صفراویت کی وجہ سے اس کا مذاق بگڑ رہا ہے۔ اسی طرح باطنی مذاق بگڑ رہا ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ زیادہ خرچ مانگنے کو تو عورت کے لئے گوارا کرتے ہیں اور بے تکلفی اور ناز کی باتوں کو اس کے لئے گوارا نہیں کرتے اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیبیوں کے ساتھ برتاؤ سُن کر ہم کو تعجب ہوتا ہے جیسا صفراوی المزاج کو مٹھائی کھانے والے کی حالت پر تعجب ہوا کرتا ہے یہ ہے ہماری غلطی جس کا حاصل یہ کہ عورتوں کے دینی حقوق تو اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں، ادا تو کیا ہی کرتے اور دنیوی حقوق کو اپنے ذمہ کچھ سمجھتے ہیں مگر ان کو بھی پوری طرح ادا نہیں کرتے چنانچہ ایک حق دنیوی یہ ہے کہ انکی بے تکلفی اور ناز کو گوارا کریں اور نیز اُن کی بے تمیزی کو بھی گوارا کریں۔

ان حقوق کو مردوں نے عموماً نظر انداز کر رکھا ہے یوں چاہتے ہیں کہ عورتیں باندیوں کی طرح محکوم اور تابع ہو کر رہا کریں اور کبھی ہماری بات کا اُلٹ کر جواب نہ دیا کریں اور جو کسی نے ایسا کیا تو اس سے بولنا چالنا پاس لیٹنا بیٹھنا سب موقوف کر دیتے ہیں یہ بہت بے جا حرکت ہے۔ نیز بعضے مرد یوں چاہتے ہیں کہ عورتیں ہماری طرح تمیز اور سلیقہ شعار ہو کر رہیں۔ اسی لئے جب کسی عورت سے کوئی

بات بے تمیزی کی ہو جاتی ہے تو اس پر سخت سزا دی جاتی ہے۔ حالانکہ عورتوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اُن کی بے تمیزی کو گوارا کیا جائے۔ حدیث میں ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس کے اخلاق میں کجی ہے۔ اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائیگی بس اس سے نفع اٹھانا ہے تو کجی کے ساتھ نفع اُٹھاتے رہو۔ دُوسرے کچھ عورتوں کے زیادہ مناسب حال یہی ہے کہ وہ تھوڑی سی بے تمیز بھی ہوں۔ کیونکہ اکثر بے تمیز وہی ہوتی ہیں جو سیدھی سادی ہوتی ہیں اور ایسی عورتیں نہایت عفیف اور تابعدار ہوتی ہیں اور جو بہت سلیقہ دار ہیں وہ اکثر نہایت چالاک ہوتی ہیں۔ اگرچہ بعض ایسی بھی ہیں کہ سلیقہ دار ہونے کے ساتھ خاوند کی مطیع اور تابعدار بھی ہیں۔ مگر ایسی بہت کم ہیں۔ زیادہ تو یہی دیکھا گیا ہے کہ سلیقہ دار عورتیں تابعدار نہیں ہوتیں۔ نیز ان میں عفت وحیا بھی کم ہوتی ہے اور جو سیدھی سادی ہیں وہ خاوند کی بہت تابعدار اور جان نثار ہوتی ہیں۔ بعض عورتوں کو یہاں تک دیکھا ہے کہ وہ خود بیمار ہیں اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں۔ مگر اسی حالت میں اگر کہیں خاوند بیمار ہو گیا تو وہ اپنی بیماری کو بھول جاتی ہیں۔ اب ان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔ نہ آرام ہے نہ چین ہر وقت خاوند کی تیمارداری میں مشغول رہتی ہیں اور یہ تو روزمرہ کی بات ہے کہ عورتیں خود کھانا اخیر میں کھاتی ہیں اور سب سے پہلے مردوں کو کھلاتی ہیں اور بعض دفعہ اخیر میں کوئی مہمان آیا تو خود بھوکی رہیں گی اور مہمان کے سامنے اپنے کھانے سے پہلے کھانا بھیج دیں گی۔ اگر اس کے کھانے کے بعد کچھ بچ گیا تو خود بھی کھا لیا ورنہ فاقہ کر لیا۔ اگر کبھی خاوند آدھی رات کو سفر سے آ گیا تو اُسی وقت اپنا چین و آرام چھوڑ کر اس کے لئے کھانا پکا دینگی اور اس کی خدمت میں لگ جاویں گی تو اس قسم کی عورتیں جو خاوند پر مرمٹیں اکثر وہی ہیں جو تھوڑی سی بے تمیز بھی ہوتی ہیں۔ سلیقہ داروں میں یہ باتیں نہیں ہوتیں۔

## تعلیمِ نسواں

اور اسی وجہ سے میری رائے ہے کہ عورتوں کو دنیوی تعلیم مختصر سی ہونی چاہیے ہاں دین کی تعلیم کافی ہونا چاہیے۔ میں نے کانپور میں ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی عورت کو جغرافیہ پڑھاتا تھا میں نے کہا کہ جغرافیہ کی عورت کو کیا ضرورت؟ کیا بھگانے کے لئے پڑھاتے ہو کیونکہ جب اس کو سب راستے بتلا دیئے گئے اور مختلف شہروں کے عجائبات معلوم ہو گئے تو اب وہ گھر کی چار دیواری میں کیوں بیٹھے گی۔ عورت کا تو کمال یہی ہے کہ اس کو اپنے گھر کے سوا کسی اور جگہ کا رستہ معلوم نہ ہو نہ کسی شہر کی اُسے خبر ہو اسی جہالت ہی سے وہ گھر میں قید رہ سکتی ہے کیونکہ اس حالت میں وہ بھاگنا بھی چاہے تو کیونکر بھاگے۔ اس کو یہ خبر ہی نہیں کہ ریل میں کس طرح بیٹھا کرتے ہیں ٹکٹ کہاں ملتا ہے اور اسٹیشن کس طرف کو ہے اور جغرافیہ پڑھ کر تو وہ دنیا بھر سے باخبر ہو جائے گی اور جہاں چاہے گی آسانی سے چلی جائیگی۔ واقعی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کو جغرافیہ پڑھنے میں کیا مصلحت ہے۔ بجز اس کے کہ ان کو بھاگنے کا رستہ بتلانا ہے۔ اسی لئے تو تعلیم یافتہ طبقہ میں جو لوگ عاقل ہیں وہ عورتوں کو اس قسم کے علوم نہیں پڑھاتے۔ ریل میں ایک جنٹ عربی دان مجھ سے ملے تھے کہنے لگے کہ میں لڑکوں کو تو فلسفہ و جغرافیہ بھی پڑھاتا ہوں مگر لڑکیوں کو محض دینیات کی کتابیں پڑھاتا ہوں۔ دینیات کے سوا کچھ نہیں پڑھاتا۔ کیونکہ دنیوی علوم سے اُنکے اخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہے واقعی صحیح رائے ہے۔ بس عورتوں کو دین تو پڑھائیں مگر جغرافیہ فلسفہ ہرگز نہ پڑھائیں باقی اخبار اور ناول پڑھانا تو عورتوں کے لئے زہر قاتل ہے۔ یہ نہایت سخت مضر ہے اس سے بعض دفعہ عورتوں کی آبرو برباد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مستورات کو باہر پھرنے والی عورتوں سے بھی بہت بچانا چاہیے خصوصاً شہروں میں جو یہ رواج ہے کہ لڑکیوں کو میمیں گھر پر آکر پڑھاتی ہیں اس کو سختی سے بند کر دینا چاہیے۔ میں کانپور میں سُنا کرتا تھا کہ آج فلاں عورت بھاگ گئی اور کل فلاں کی

بیٹی بھاگ گئی اور یہ صرف اسی کا نتیجہ تھا کہ عورتوں کو پڑھانے کے لیے میم گھر پر آتی تھی تو یہ ہرگز نہ چاہیے۔ اسی طرح شرفاء نے کبھی اس کو بھی پسند نہیں کیا کہ لڑکیوں کیلئے زنانہ مدرسہ ہو، قصبات میں لڑکیاں عموماً لکھی پڑھی ہوتی ہیں مگر سب اپنے اپنے گھروں پر تعلیم پاتی ہیں۔ مدرسہ میں کسی نے بھی تعلیم نہیں پائی۔ گھروں پر تعلیم پانے سے لڑکیوں کا کسی طرح کا نقصان نہیں ہوتا کیونکہ پڑھانے والی بھی نیک اور پردہ نشین ہوتی ہے اور لڑکیاں بھی پردہ ہی میں رہ کر تعلیم پاتی ہیں، باقی یہ جو آجکل زنانے اسکول ہوئے ہیں تجربے سے معلوم ہوئے کہ یہ بہت ہی مضر ہیں۔ رہا یہ کہ کیوں مضر ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب اسکول میں پردہ کا پورا اہتمام کیا جاتا ہے اور پردہ کے ساتھ لڑکیوں کو بند گاڑی میں پہنچایا جاتا ہے تو پھر اُن کے مضر ہونے کی کیا وجہ ہے، تو ہمیں اس کی علت[1] کی خبر نہیں مگر تجربہ یہی ہے کہ اسکولوں کی تعلیم عورتوں کو بہت ہی مضر ہوتی ہے اس سے اُن میں آزادی اور بے حیائی اور پردہ سے نفرت کا مضمون پیدا ہو جاتا ہے۔

غرض عورتوں کو دین کی تعلیم تو دینا چاہیئے اتنی تعلیم تو ضروری ہے اس سے زیادہ مضر ہے۔ اب تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ اخباروں میں عورتوں کے اشعار چھپتے ہیں اور اخیر میں اُن کا نام یا فلاں کی بیٹی یا فلاں کی بیوی بھی چھپتا ہے۔ میں نے یہاں تک دیکھا ہے کہ ایک شخص میرے سامنے اخبار پڑھ رہے تھے اُس میں ایک عورت کا پورا پتہ لکھا ہوا تھا کہ فلاں کی بیٹی فلاں شہر فلاں محلہ کی لکھنے والی۔ وہ کہنے لگے عورتوں کے نام اس طرح اخباروں میں چھاپنا گویا اُن کو سرِ بازار بٹھلا دینا ہے واقعی سچ ہے اس طرح

[1] اس کے اسباب کی کچھ مجمل تفصیل احقر کی ایک تحریر میں ہے جو اصلاح انقلاب جلد اول بذیل حقوق تعلیم نسواں اور بہشتی زیور حصہ اول کے ضمیمہ اول کے آخر کے قریب تحت عنوان اصلاح مسائل متعلق تعلیم نسواں میں شائع ہوئی ہے جو نہایت مفید مضمون اور قابلِ ملاحظہ ہے اس مقام پر ان میں سے صرف یہ جزو خاص جو زنانہ اسکول کے متعلق ہے مع نصاب ضروری و بحث تعلیم کتابت نقل کر کے وعظ کے اخیر میں ملحق کیا جاتا ہے"

تو گویا ظاہر کر دیتا ہے کہ جو کوئی ہم سے ملنا چاہے اس پتہ پر چلا آوے اور اگر کسی کی یہ نیت بھی نہ ہو تو بدمعاشوں کو پتہ معلوم ہو جانے سے سہولت تو ہو جائے گی۔

**ضرورتِ حیا۔** صاحبو! عورتوں کو اس طرح رکھنا چاہیئے کہ محلہ والوں کو بھی خبر نہ ہو کہ اس گھر میں کتنی عورتیں ہیں اور ہیں بھی یا نہیں؟ اسی میں آبرو کی خیر ہے۔ ہمارے قصبات میں یہ حالت ہے کہ جب بعض لڑکیوں کی شادی ہوئی تو بستی والوں کو تعجب ہوا کہ میاں کیا تمہارے بھی لڑکی تھی۔ حیرت ہے کہ ہم کو بستی میں رہ کر بھی اسکی خبر نہ ہوئی۔ عورت کے لئے یہی مناسب ہے کہ اسکی خبر اپنے گھر والوں کے سوا کسی کو بھی نہ ہو۔ ہمارے یہاں ایک رسم یہ بھی ہے اور مجھے پسند ہے کہ لڑکیوں کا مردوں سے تو پردہ ہوتا ہی ہے غیر عورتوں سے بھی اُن کا پردہ کرایا جاتا ہے چنانچہ نائن یا دھوبن یا کنجڑن وغیرہ جہاں گھر میں آئی اور سیانی لڑکیاں فوراً پردہ میں ہوگئیں۔ اس طریقہ سے ان میں حیا، و شرم پوری طرح پیدا ہو جاتی ہے۔ بیباکی اور دیدہ چشمی نہیں ہونے پاتی۔ پہلے لوگوں نے اس قسم کی بعض حکمت کی باتیں ایجاد کی تھیں سو واقعی ان میں بڑی مصلحت ہے۔ گو بعضی فخر کی باتیں بھی ہیں ان کو مٹانا چاہیئے۔ لیکن یہ حکمت کی باتیں دستور العمل بنانے کے قابل ہیں اور جہاں ان پر عمل ہے وہاں کی لڑکیاں عموماً حیادار اور عفیف اور خاوند کی تابعدار ہوتی ہیں مگر اب تو شہروں میں یہ حالت ہے کہ میں نے ایک عورت کی عاشقانہ غزل پیر کی شان میں چھپی ہوئی دیکھی تھی۔ خدا جانے وہ پیر بھی کیسے تھے جنہوں نے اس کو گوارا کیا۔ واقعی شریعت کے چھوڑنے سے حیا، اور غیرت بھی بالکل جاتی رہتی ہے۔ میں نے بعض جگہ یہ دستور دیکھا ہے کہ عورتیں پیروں سے پردہ نہیں کرتیں۔ اُن کے سامنے آتی ہیں، اور غضب کہ بعض دفعہ تنہائی میں بھی اُنکے پاس آتی جاتی ہیں کہ کوئی محرم بھی اُس جگہ نہیں ہوتا۔ یہ کس قدر حیا سوز طریقہ ہے۔ بیبیو! پیر سے فقط دین کی تعلیم حاصل کر لو۔ اس کے سوا خدمت وغیرہ کچھ نہ کرو۔ نہ اُس کے

سامنے آؤ۔ نہ خط و کتابت کرو۔ بلکہ جو کچھ لکھوانا ہو اپنے مردوں سے کہہ دو کہ وہ خود لکھ دے اور اگر کبھی مجبوری کی حالت میں تم کو خود ہی خط لکھنا پڑے تو اس میں اس بات کا ضرور لحاظ رکھو کہ خط لکھ کر اپنے شوہر یا بھائی یا بیٹے کو دکھلا دیا کرو۔ اور پتہ کا لفافہ مرد ہی سے لکھوایا کرو۔ اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی اور نہ مردوں کو اس طرح خط و کتابت گراں ہوگی اور اگر اس میں بھی اُن کے دل پر کچھ گرانی دیکھو تو خود ہرگز خط نہ لکھو بلکہ مرد ہی سے لکھوا دیا کرو۔ مگر ان باتوں کی آجکل مطلق پرواہ نہیں۔ بلکہ یہاں تک بے حیائی ہے کہ ایک عورت نے پیر کی شان میں عاشقانہ غزل لکھی جس میں خط و خال اور فراق و وصال تک کا حال لکھا تھا اور وہ ایک پرچہ میں شائع ہوئی پرچہ میرے پاس آتا تھا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو مجھے سخت غصہ آیا اور اس پرچہ کا اپنے نام پر آنا بند کر دیا۔

تو صاحبو! جس کا نام سلیقہ رکھا گیا ہے وہ تو بدون ان باتوں کے آتا نہیں مگر اس سلیقہ کے ساتھ عورتوں کی حیا۔ اور عفت و اطاعت سے ہاتھ دھو لینا چاہیے اور اگر حیا۔ اور عفت و اطاعت چاہتے ہو تو یہ جواہر تو اُن ہی عورتوں میں پائے جاتے ہیں جن کو تم بدسلیقہ اور بے تمیز کہتے ہو اور قاعدہ ہے من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما جو شخص دو بلاؤں میں پھنس جائے اُسے آسان صورت اختیار کرنا چاہیے۔ اب تم خود دیکھ لو کہ سلیقہ سکھا کر عورتوں کی آزادی اور بے حیائی اور دیدہ چشمی پر صبر آسان ہے یا بے سلیقہ رکھ کر تھوڑی سی بے تمیزی پر صبر آسان ہے سو عقلاء۔ اور شرفاء کے نزدیک تو بے تمیزی ہی پر صبر کر لینا آسان ہے۔ شریف آدمی عورت کی آزادی اور دیدہ چشمی پر ہرگز صبر نہیں کر سکتا۔ رہا یہ کہ عورتوں کی جہالت اور بدتمیزی سے دل تو دُکھتا ہے۔ کلفت تو بہت ہوتی ہے اور دل دُکھنا اچھا نہیں۔ سو اس کا علاج یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان کو دین کی کتابیں پڑھاؤ۔ اس سے اُن کو سلیقہ اور تمیز بھی بقدر ضرورت آجاتی ہے بلکہ اسکول کی تعلیم پانے والے زیادہ اُن میں تہذیب آجاتی ہے کیونکہ دین

کی تعلیم سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں، خدا کا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے۔ شوہر کے حقوق پر اطلاع ہوتی ہے۔ باقی یہ ہرگز اُمید نہ رکھو کہ وہ بالکل تم جیسی ہو جائیں، کیونکہ ان میں جو خلقی کجی ہے وہ زائل نہیں ہو سکتی۔ کتے کی دم کو چاہے برسوں نلکی میں رکھو مگر جب نکالو گے ٹیڑھی ہو گی۔ تو مرد کو اتنا سخت مزاج نہ ہونا چاہیے کہ عورت کی ذرا ذرا سی بدتمیزی پر غصہ کیا کرے۔

## ضرورتِ اولاد

سو بعض دفعہ تو وجہ ہوتی ہے مرد کی سختی اور تند مزاجی کی یہ تو ایسی وجوہ ہیں جن میں کچھ عورت کے اختیار کو بھی دخل ہے اور کبھی غیر اختیاری باتوں پر غصہ کیا جاتا ہے، یہ تو نہایت سخت غلطی ہے مثلاً بعض لوگ بیوی سے کہتے ہیں کہ کم بخت تیرے کبھی اولاد ہی نہیں ہوتی تو اس میں بیچاری کیا کرے اولاد کا ہونا کسی کے اختیار میں تھوڑا ہی ہے بعض دفعہ بادشاہوں کے اولاد نہیں ہوتی حالانکہ وہ ہر قسم کی مقوی غذائیں اور مجبل دوائیں بھی استعمال کرتے ہیں، مگر پھر بھی خاک نہیں ہوتا یہ تو محض خدا تعالیٰ کے قبضہ و اختیار کی بات ہے اس میں عورتوں کا کیا قصور ہے بعض مردوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ بیوی سے اس بات پر خفا ہوتے ہیں کہ کم بخت تیرے تو لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوتی ہیں سو اول تو اس میں اس کی کیا خطا ہے (بلکہ اطبا سے پوچھو تو شاید وہ اس میں آپ کا ہی قصور بتلائیں) دوسرے یہ ناگواری کی بات بھی نہیں، کیونکہ ؎

آنکس کہ تو نگرت نمی گرداند　　　او مصلحت تو از تو بہتر داند

حضرت آپ کو خوب یاد ہو گا۔ کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کر دیا تھا اس کے لئے اور اس کے والدین کے لئے مصلحت بھی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

آں پسر را کش خضر ببرید حلق　　　سرِّ آں را در نیابد عام خلق

اسی طرح خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوار ہو کر اس کا ایک تختہ توڑ دیا تھا ظاہر میں کشتی کو عیب دار کرنا تھا مگر اس میں بڑی مصلحت تھی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

گر خضر در بحر کشتی را شکست صد درستی در شکست خضر ہست

پھر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس لڑکے کے قتل ہونے کے بعد حق تعالیٰ نے اُس کے والدین کو ایک لڑکی دی جس کی اولاد میں انبیاء ہوئے تو بتلایئے اگر آپ کے لڑکا ہوتا اور ویسا ہی ہوتا جیسا وہ لڑکا تھا جسے خضر علیہ السّلام نے مار ڈالا تھا تو آپ کیا کر لیتے یہ خدا کی بڑی مصلحت ہے کہ اُس نے آپ کو لڑکیاں دیں کیونکہ عموماً لڑکیاں خاندان کو بدنام نہیں کیا کرتیں اور والدین کی اطاعت بھی خوب کرتی ہیں اور لڑکے تو آجکل ایسے خودسر ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ اُن کے ہونے سے تو نہ ہونا ہی بھلا تھا۔ اب آجکل اگر خضر علیہ السّلام ایسے لڑکوں کو نہیں مارتے تو اللہ میاں تو ذبح کر سکتے ہیں۔ اور لڑکے پیدا نہ کرنا یہ بھی ایک گونہ ذبح ہی کے مثل ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ کچھ بھی اولاد نہ دیں نہ لڑکا نہ لڑکی اس کے لئے یہی مصلحت ہے کہ وہ بندوں کے مصالح کو اُن سے زیادہ جانتے ہیں۔ دیکھئے آج ایک شخص بے فکری سے دین کے کام میں لگا ہوا ہے کیونکہ اس کے اولاد نہیں اب اگر اُس کے اولاد ہو جائے تو کیا خبر ہے اُسوقت یہ بے فکری رہے یا نہ رہے اولاد کے ساتھ ہزاروں افکار لگے ہوئے ہیں۔ آج کسی کے کان میں درد ہے، کسی کے پیٹ میں درد ہے، کوئی گر پڑا ہے، کوئی گم ہو گیا ہے اور ماں باپ پریشان ہیں تو ممکن ہے خدا نے اُس کو اسی لئے اولاد نہ دی ہو کہ وہ اُس کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ جب میں حج کو حاضر ہوا تو میرے گھر میں کی خالہ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ دُعا کر دیجئے کہ اُس کے اولاد ہو۔ حضرت نے خلوت میں مجھ سے فرمایا کہ تمہاری خالہ اولاد کے لئے دعاء کو کہتی تھیں۔ دعاء سے کیا انکار ہے بھائی! مجھے تو یہی بات پسند ہے کہ تم بھی مجھ جیسے ہو پھر آپ نے اولاد کی مذمت بیان فرمائی کہ انکی وجہ سے یوں افکار پڑ جاتے ہیں اور بڑے ہو کر یوں ستاتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت میں بھی پسند وہی کرتا ہوں جس کو آپ پسند کریں اس سے حضرت بہت خوش ہوئے اور واقعی جیسی بے فکری

مجھے آجکل بے اولاد کے ساتھ تھوڑا ہی ہو سکتی تھی ، میرے بھائی ایک ظرافت کی کہانی سناتے تھے . ایک شخص نے کسی صاحب خیال سے پوچھا کہ تمہارے گھر خیریت ہے تو بڑا خفا ہوا کہ میاں خیریت تمہارے یہاں ہو گی مجھے بددعا دیتے ہو ہمارے یہاں خیریت کہاں ماشاء اللہ بیٹے بیٹیاں ہیں پھر ان کی اولاد ہے سارا گھر بچوں سے بھرا ہوا ہے آج کسی کے کان میں درد ہے کسی کو دست آتے ہیں کسی کی آنکھ دکھ رہی ہے کوئی کھیل کود میں چوٹ کھا کر رو رہا ہے . خیریت ہو گی اُس کے یہاں جو منحوس ہو جس کے گھر میں کوئی بال بچہ نہ ہو ، ہمارے یہاں خیریت کیوں ہوتی تو واقعی بچوں کے ساتھ خیریت کہاں . بچپن میں ان کے ساتھ اس قسم کے رنج و افکار ہوتے ہیں اور جب وہ سیانے ہوئے تو اگر صالح ہوئے تو خیر اور آجکل اسکی بہت کمی ہے ورنہ پھر جیسا وہ ناک میں دم کرتے ہیں معلوم ہے . پھر ذرا اور بڑے ہوئے جوان ہو گئے تو ان کے نکاح کی فکر ہے بڑی مصیبتوں سے نکاح بھی کر دیا تو اب یہ غم ہے کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی . اللہ اللہ کر کے تعویذوں گنڈوں اور دواؤں سے اولاد ہوئی تو بڑے میاں کی اتنی عمر ہو گئی کہ پوتے بھی جوان ہو گئے . اب بچہ بچہ ان کو بات بات میں بے وقوف بناتا اور ان کی خدمت سے اکتاتا ہے . اور بیٹے پوتے منہ پر کوری کوری سناتے ہیں . اور یہ بیچارے معذور ایک طرف پڑے ہیں . یہ اولاد کا پھل ہے تو پھر خواہ مخواہ لوگ اسکی تمنائیں کرتے ہیں مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ میرے استاد مولانا سید احمد صاحب دہلوی کے ماموں مولانا سید محبوب علی صاحب جعفری کے اولاد نہ ہوتی تھی . ایک دفعہ وہ غمزدہ بیٹھے تھے میرے استاد نے پوچھا اور یہ ان کے لڑکپن کا زمانہ ہے کہ آپ غمگین کیوں ہیں ، کہا مجھے اس کا رنج ہے کہ بڑھاپا آ گیا اور میرے اب تک اولاد نہیں ہوئی . استاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سبحان اللہ یہ خوشی کی بات ہے یا غم کی . انھوں نے کہا کہ یہ خوشی کی بات کیونکر ہے ؟ فرمایا یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کے سلسلہ نسل میں آپ

مقصود بالذات ہیں اور تمام آباؤ اجداد مقصود بالغیر بخلاف اولاد والوں کے کہ وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ اُن کو تو تخم کے واسطے پیدا کیا گیا۔ دیکھئے گیہوں دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جن کو کھانے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ دوسرے وہ جو تخم کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ تو ان دونوں میں مقصود وہ ہے جو کھانے کے لئے رکھا جاتا ہے کہ کھیت بونے سے مقصود یہی گیہوں تھے اور جس کو تخم کے واسطے رکھتے ہیں وہ مقصود نہیں بلکہ وہ واسطہ ہیں مقصود کے اسی طرح جس کے اولاد نہ ہو آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک ساری نسل میں مقصود وہی تھا اور سب اس کے وسائط اور مقدمات تھے اور جن کے اولاد ہوتی ہے وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ تخم کے واسطے رکھے گئے ہیں تو واقعی ہے یہ علمی مضمون، بے اولادوں کو اپنی حسرت اس مضمون کو سوچ کر ٹالنی چاہیئے اور اگر اس سے بھی حسرت نہ جائے تو دنیا کی حالت کو دیکھ کر تسلی کر لیا کریں کہ جن کے اولاد ہے وہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور اس سے بھی تسلی نہ ہو تو یہ سمجھ لے کہ جو خدا کو منظور ہے وہی میرے واسطے خیر ہے نہ معلوم اولاد ہوتی تو کیسی ہوتی؛ اور یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم یہ تو سمجھے کہ اولاد نہ ہونے میں بیوی کی کیا خطا ہے۔؟

## ضرورتِ نکاح ثانی

بعض لوگ محض اتنی بات پر کہ اولاد نہیں ہوتی دوسرا نکاح کر لیتے ہیں حالانکہ دوسرا نکاح کرنا اس زمانہ میں اکثر حالات میں زیادتی ہے کیونکہ قانون شرعی یہ ہے۔ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کہ اگر متعدد بیویوں میں عدل نہ ہو سکنے کا اندیشہ ہو تو صرف ایک عورت سے نکاح کرو۔ یا کچھ باندیاں خرید لو۔ اور ظاہر ہے کہ آجکل طبائع کی خصوصیات سے عدل نہیں ہو سکتا ہم نے تو کسی مولوی کو بھی نہیں دیکھا جو دو بیویوں میں پورا پورا عدل کرتا ہو، دنیادار تو کیا ہی کریں گے۔ بس یہ ہوتا ہے کہ دوسرا نکاح کر کے پہلی کو معلق چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ طبائع میں آجکل انصاف ورحم کا مادہ بہت کم ہے۔ تو آجکل

کے اعتبار سے تو عدل قریب قریب قدرت سے خارج ہے۔ پھر جس غرض کے لئے دوسرا نکاح کیا جاتا ہے اُس کا کیا بھروسہ ہے کہ دوسرے نکاح سے وہ حاصل ہو ہی جائے گی، ممکن ہے کہ اس سے بھی اولاد نہ ہو تو پھر کیا کرلو گے۔ بلکہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بانجھ سمجھ کر دُوسرا نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہی پہلی بیوی کے اولاد ہوئی تو خواہ مخواہ ایک محتمل امر کے لئے اپنے کو عدل کی مُصیبت میں گرفتار کرنا اچھا نہیں۔ اور جو عدل نہ ہو تو پھر دنیا و آخرت دونوں کی مصیبت سر پر رہی۔ لوگ زیادہ تر اولاد کے لئے ایسا کرتے ہیں اور اولاد کی تمنا اس لئے ہوتی ہے کہ نام باقی رہے۔ تو نام کی حقیقت سُن لیجئے کہ ایک مجمع میں جاکر ذرا لوگوں سے پوچھئے تو پڑدادا کا نام بہت سوں کو معلوم نہ ہوگا۔ جب خود اولاد ہی کو اپنے پڑدادا کا نام معلوم نہیں تو دُوسروں کو خاک معلوم ہوگا۔ تو بتلایئے نام کہاں رہا۔ صاحب نام اس سے چلتا ہے۔ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔ خدا کی فرمان برداری کرو۔ اس سے نام چلے گا۔ اولاد سے نام نہیں چلا کرتا۔ بلکہ اولاد نالائق ہوئی تو اُلٹی بدنامی ہوتی ہے۔ اور نام چلا بھی تو نام چلنا ہی کیا چیز ہے جس کی تمنا کی جائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اسکی تمنا کی ہے تو اس سے صرف نام کا چلنا مقصود نہ تھا بلکہ اُن کا مقصود یہ تھا کہ لوگ ہماری اقتداء کرینگے اور ہم کو ثواب ہوگا۔ اسی لیے اس کے ساتھ فرماتے ہیں وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ کہ اے اللہ مجھے جنت کے وارثوں میں کر دیجئے تو اصل نام چلنا تو یہ ہے کہ قیامت میں رُسوائی نہ ہو اور وہاں اعمالِ صالحہ کی بدولت علی رؤس الاشہاد تعریف ہو اور یہ بات اولاد سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ نیک اعمال سے حاصل ہوتی ہے۔ اس میں کوشش کرنا چاہئے اور یُوں کسی کو طبعی طور پر اولاد کی بھی تمنّا ہو تو میں اس کو بُرا نہیں کہتا کیونکہ اولاد کی محبت انسان میں طبعی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ جنّت میں بھی اولاد کی تمنا کریں گے۔ حالانکہ وہاں نام کا چلنا بھی مقصود نہ ہوگا، کیونکہ جنّت کے رہنے

والے کبھی فنا ہی نہ ہوں گے بلکہ وہاں اس تمنا کا منشا محض طبعی تقاضا ہو گا۔ تو میں اس سے منع نہیں کرتا میرا مقصود یہ ہے کہ اس طبعی تقاضے کی وجہ سے عورت کی خطا نکالنا کہ تیرے اولاد نہیں ہوتی یا لڑکیاں ہی ہوتی ہیں بڑی غلطی ہے اور اس قسم کے غیر اختیاری جرائم نکال کر اُن سے خفا ہونا اور اُن پر زیادتی کرنا ممنوع ہے۔

## اخلاقِ نسواں

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا۔

یہ کیسے معاملہ کی بات ارشاد فرمائی ہے، مردوں کو اس میں غور کرنا چاہیے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنی بیبیوں سے (کسی بنا پر) کراہت کرتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ بہت قریب ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو اور حق تعالیٰ نے اُس میں بہت بڑی مصلحت رکھی ہو شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ اولاد کے ہونے نہ ہونے میں تو مصلحت ہو سکتی ہے (جیسا کہ اُوپر کچھ اس کا بیان بھی ہوا ہے) مگر عورتوں کی بدتمیزی اور زبان درازی کی وجہ سے جو نفرت ہوتی ہے تو اس میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے تو اس لئے کہ اس میں مرد کے لئے مصلحت ہوتی ہے ایک تو یہ کہ اُسکی ایذاؤں پر صبر کرنے سے اُس کے درجے بلند ہوتے ہیں، دُوسرے اسکے مزاج میں تحمل پیدا ہو جاتا ہے اور بُردباری اخلاقِ حمیدہ میں سے ایک اعلیٰ خلق ہے۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ کی بی بی بڑی بدمزاج تھیں اور آپ ایسے نازک مزاج تھے کہ ایک دفعہ حضرت کی ایک مُریدنی جو بُڑھیا تھی ایک رضائی آپ کے لئے سی کر لائی اُس وقت آپ لیٹ رہے تھے۔ فرمایا میرے اُوپر ڈال کر چلی جاؤ۔ چنانچہ اُس نے آپکے اُوپر ڈال دی، صبح کو جو اُٹھے تو آنکھیں سُرخ تھیں، خدام نے وجہ دریافت کی فرمایا کہ رات نیند نہیں آئی۔ خدام نے کہا کیا سردی معلوم ہوئی تھی۔ فرمایا نہیں سردی تو رضائی سے دفع ہو گئی تھی مگر رضائی میں تگندے ٹیڑھے پڑے

ہوئے تھے انکی وجہ سے طبیعت کو الجھن رہی اور نیند نہ آئی۔ تو خیال کیجئے کہ رات کو اندھیرے میں منہ لپیٹے ہوئے نگندے نظر نہ آتے تھے۔ مگر آپ کو اوڑھتے ہی سے اس کا احساس ہوا تو یہ کس قدر لطافتِ مزاج تھی کہ محض کپڑے کے بدن پر پڑنے سے بدون دیکھے نگندوں کا ٹیڑھا ہونا معلوم ہو گیا پھر اس سے اتنی الجھن ہوئی کہ رات بھر نیند بھی نہ آئی۔ اتنے تو آپ نازک مزاج تھے، مگر مجبور ایسے کہ بیوی نہایت بدمزاج ملی تھی جو آپ کو نہایت کوری کوری سُناتی تھی۔ اور آپ اسکی سب باتیں سہتے تھے کبھی طلاق کا خیال نہ کیا نہ اپنی طرف سے کچھ ایذا دی۔ بلکہ اس قدر خاطر داری کرتے تھے کہ صبح کو روزانہ خادم کو بھیجا کرتے کہ بیگم صاحبہ کا مزاج پوچھ کر آئے۔ خادم جاتا اور مرزا صاحب کی طرف سے مزاج پرسی کرتا اور وہ حضرت کو برملا برا بھلا کہتی تھیں۔ خادم یہاں آکر کچھ عرض نہ کرتا بس اتنا کہہ دیتا کہ حضرت وہ اچھی طرح ہیں۔ ایک مرتبہ کوئی آغا سرحدی خادم تھے ان کو بھی حسبِ معمول بی بی صاحبہ کی مزاج پرسی کے لئے بھیجا گیا، اُس نے آغا کے سامنے بھی مرزا صاحب کو خوب برا بھلا کہا، یہ سرحدی پٹھان تھے اُن کو غصہ آگیا اور حضرت سے آکر عرض کیا کہ وہ تو آپ کو بہت برا بھلا کہتی ہیں۔ پھر آپ ہی اتنی خاطر کیوں کرتے ہیں، فرمایا بھائی ان کی باتوں کا برا نہ مانو۔ تمہاری تو وہ بزرگ ہیں، اور میں اس لئے انکی خاطر کرتا ہوں کہ میری وہ بڑی محسن ہیں، مجھ میں یہ سب کمالات انہی کی بدولت ہیں۔ اللہ اکبر، اتنی نازک مزاج کو بیوی کی بدتمیزیوں سے کتنی ایذا ہوتی ہوگی۔ مگر کمال یہ کہ پھر بھی صبر کرتے ہیں۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا ۔۔۔ دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام ۔۔۔ کہ با دوستانت خلاف است جنگ

اہل اللہ نے تو دشمنوں کا دل بھی تنگ نہیں کیا، افسوس ہم سے دوستوں کی ایذا بھی برداشت نہیں کی جاتی جن میں بیوی سب سے زیادہ دوست ہے اس کی ایذا کا بھی

ہم سے تحمل نہیں ہوتا اگر ثواب حاصل کرنے کو تحمل نہیں کرتے یہی سمجھ کر تحمل کر لو کہ مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہوگا اس کا اس سے کفارہ ہو رہا ہے۔ جیسا لکھنؤ میں ایک مرد و عورت کی میں نے حکایت سُنی کہ مرد تو بہت ہی بزرگ تھے اور بیوی بہت ہی بدمزاج تھیں، ایک دن انھوں نے بیوی سے کہا کہ تو بڑی کم بخت ہے کہ تجھے میرے پاس رہتے ہوئے اتنا زمانہ گزر گیا اور ابتک تیری اصلاح نہیں ہوئی۔ تو بیوی نے کہا میں کمبخت کیوں ہوتی مجھ سے زیادہ تو کوئی بھی سعادتمند نہ ہوگی کہ مجھے تم جیسا مرد ملا کمبخت تو تم ہو کہ تم کو ایسی عورت ملی۔ اسی طرح کتابوں میں ایک مرد و عورت کی حکایت لکھی ہے کہ مرد تو نہایت حسین تھا، اور عورت نہایت بدصورت اور اس کے ساتھ وہ بدمزاج بھی تھی آج کل ایسا ہو تو مرد اسی دن میں طلاق دے کر الگ ہو جائے مگر وہ اللہ کا بندہ اسکی سب باتوں پر صبر کرتا تھا۔ کسی نے اُس سے کہا کہ تم اس بیوی کو طلاق کیوں نہیں دے دیتے۔ کہا نہیں میں طلاق کیوں کر دے دوں۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا تھا، خدا نے اسکی سزا میں مجھے ایسی بیوی دے دی۔ اور اس سے کوئی نیک کام ہو گیا ہوگا اس کے صلہ میں خدا نے اسکو مجھ جیسا حسین مرد دیا۔ تو میں اس کا ثواب ہوں اور وہ میرا عذاب ہے۔ پھر طلاق کی کیا وجہ ؛ تو بزرگوں نے اپنے دلوں کو یوں سمجھا لیا ہے اور کبھی عورتوں کی بے عنوانیوں سے انکو اپنے سے الگ نہیں کیا اور ہمیشہ تحمل فرماتے رہے۔ تو اگر بیوی کی واقعی خطا بھی ہو جب بھی اس سے درگزر کرنا چاہیے۔ اس تحمل سے دین کا بڑا بھاری نفع ہوتا ہے اور بہت اجر ملتا ہے۔

## حقوقِ زوجہ

بعضے مرد اس طرح عورتوں کا حق ضائع کرتے ہیں کہ بے حمیت بن کر اپنے آپکو راحت دیتے ہیں عمدہ کھاتے اور عمدہ پہنتے ہیں اور بیوی بچوں کو تکلیف میں رکھتے ہیں —— انکے بارہ میں شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

ببیں آں بے حمیت را کہ ہرگز نخواہد دید روئے نیک بختی
تن آسانی گزیند خویشتن را زن و فرزند بگذارد بسختی

یہ بہت ہی بے غیرتی کی بات ہے کہ مرد تو خود بنا ٹھنا رہے، اور بیوی کو بھنگنوں کی طرح رکھے کہ نہ اُس کے کپڑے کا خیال ہے نہ کھانے کا، حالانکہ زینت و آرائش کی مستحق زیادہ تر عورت ہے مردوں کو زیادہ زینت زیبا نہیں ہے۔ بعضے مرد ایسے گندہ طبیعت کے ہوتے ہیں کہ فاحشہ عورتوں میں آوارہ پھرتے ہیں اور اُن کے گھروں میں حورکی مانند بیویاں موجود ہوتی ہیں مگر وہ بیکار پڑی رہتی ہیں، اُن کی طرف رُخ بھی نہیں کیا جاتا اور ہندوستان کی عورتیں صابر و شاکر ہیں کہ وہ سوائے رونے دھونے کے اور کچھ نہیں کرتیں کسی سے اپنے مرد کا بھید نہیں کھولتیں۔ اس پر ایک قصہ یاد آیا کہ بھوپھال میں ہمارے وطن کے ایک بزرگ تھے جو تحصیلدار بھی تھے اور انکی بیوی بہت ہی مسرف اور کم عقل تھی، مگر تحصیلدار صاحب کی یہ حالت تھی کہ جب اس کی باتیں بیان کرتے تو یوں کہا کرتے تھے کہ میری باولی کی یہ بات ہے۔ آج میری باولی نے یوں کہا۔ غرض میری باولی کہہ کر نام لیتے تھے کسی نے کہا حضرت آپ تو اپنی بیوی سے بہت ہی محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ بہت ہی بے تمیز اور تکلیف دہ ہے۔ فرمایا کہ بھائی شریف عورتوں میں جہاں بہت سے نقائص ہیں وہاں ایک جوہر ایسا ہے کہ اگر انکو ایک کونہ میں بٹھلا کر کوئی سفر میں چلا جائے اور بیس برس کے بعد آوے تو اسی کونہ میں ساتھ آبرو و عزت کے بیٹھا پاوے گا۔ اس خوبی کی وجہ سے میں اسکی قدر کرتا ہوں واقعی ہندوستان کی بیبیاں تو اکثر ایسی ہی ہیں کہ ان کو اپنے کونے کے سوا دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ چاہے اُن پر کچھ ہی گزر جائے۔ مگر اپنے کونے سے الگ نہیں ہوتیں۔ بس انکی وہ شان ہے جو حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے وَالْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ۔ یعنی پاک دامن ہیں اور بھولی ہیں۔ چالاک نہیں ہیں۔ اسمیں غافلات کا لفظ ایسا پیا

معلوم ہوتا ہے کہ واقعی نقشہ کھینچ دیا۔ اور یہ صفت عورتوں کے اندر پردہ کی وجہ سے ہوتی ہے کہ اُن کو اپنی چار دیواری کے سوا دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی جس کو آجکل کہا جاتا ہے کہ عورتوں کے پردہ نے مسلمانوں کا تنزل کر دیا کیونکہ عورتوں کو قید میں رہنے کی وجہ سے دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی نہ صنعت و حرفت سیکھتی ہیں نہ علوم و فنون سے آگاہ ہیں۔ بس کمانے کا سارا بوجھ مردوں پر رہتا ہے، دُوسری قوموں کی عورتیں خود بھی صنعت و حرفت سے کماتی رہتی ہیں۔ تو صاحبو! میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے عورتوں کو موقع مدح میں بے خبر فرمایا ہے تو ہزار خبرداریاں اس بے خبری پر قربان ہیں جب حق تعالیٰ عورتوں کے بھولے پن اور بے خبری کی تعریف فرماتے ہیں تو سمجھ لو اسی میں خیر ہے اور اس خبرداری میں خیر نہیں، جس کو تم تجویز کرتے ہو۔ تجربہ خود بتلادے گا اور جو قرآن کو نہ مانے گا اُسے زمانہ ہی خود بتلادے گا۔ تمام دنیا کی قومیں اس پر متفق ہیں کہ قرآن کی برابر کسی کتاب کی تعلیم یہ ہے کہ عورتوں کے لئے غافل و بے خبر ہونا ہی اچھا ہے یہ صفت ہندوستان کی عورتوں میں بے نظیر ہے کہ خاوند کے کونہ سے الگ ہونا انکو گوارا نہیں ہوتا۔ میری ایک تائی تھیں (یعنی بڑی چچی) وہ جوانی ہی میں بیوہ ہوگئیں تھیں۔ مگر ساری عمر خاوند ہی کے کونہ میں گزار دی، اخیر میں انکی بہت عمر ہوگئی تھی نگاہ بھی کم ہوگئی تھی، پاس کوئی رہنے والا بھی نہ تھا۔ مگر اپنے کونہ سے الگ نہ ہوتی تھیں۔ وہ مجھے بہت چاہتی تھیں میں نے ہر چند اصرار کیا کہ تم میرے گھر میں آجاؤ۔ یہاں اکیلی پڑی ہوئی کیا لیتی ہو۔ تو یہ فرمایا کہ بچہ جہاں ڈولی آئی تھی وہیں سے کھٹولی نکلے گی۔ میں نے کہا کہ اگر تم یہی چاہتی ہو تو مرنے کے بعد تمہارا پلنگ اسی گھر میں لے آئیں گے پھر یہاں سے نکال لیں گے۔ مگر صاحب انہوں نے ایک نہ سُنی تمام عمر وہیں رہیں اور اپنے حدِ اختیار تک وہاں سے جُدا نہ ہوئیں۔ پھر جب سخت مریض ہوگئیں تو اسی حالت میں ہم لوگ انکو اپنے گھر اُٹھا لائے، کیونکہ اُن کا مکان ذرا دُور تھا ہر وقت نگہداشت مشکل تھی اور مکان انکا اتنا

وسیع نہ تھا جس میں اور مستورات جاگر رہ سکتیں۔ تو واقعی ہندوستان کی عورتوں میں جہاں بے تمیزی وغیرہ ہے وہاں یہ خوبیاں بھی تو ہیں انکو بھی تو دیکھنا چاہیئے ع

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

(تعلیم یافتہ قوموں کی عورتوں میں جو خوبیاں سلیقہ و تمیز کی بیان کی جاتی ہیں وہ تو مکتسب امور ہیں جو دوسری عورتیں بھی تعلیم سے حاصل کر سکتی ہیں۔ اور ہندوستان کی عورتوں میں جو خاص خوبیاں ہیں وہ فطری ہیں کہ تعلیم سے حاصل نہیں ہو سکتیں ۱۲) اور ان خوبیوں کا مقتضا یہ ہے کہ بیبیوں پر رحم کرو اور اُن سے بے پروائی اختیار نہ کرو اور بڑی بات یہ ہے کہ وہ تمہاری خادم ہیں طرح طرح سے تم کو آرام پہنچاتی ہیں اور

آزار کہ بجائے تست ہر دم کرمے ۔ عذرش بنہ اگر کند بعمرے ستمے

جس نے سو دفعہ آرام پہنچایا ہو اُس کے ہاتھ سے ایک دفعہ تکلیف بھی پہنچ جائے تو اس کو زبان پر نہ لانا چاہیئے۔ ہماری پیرانی صاحبہ اخیر میں بہت معذور ہو گئی تھیں تو حضرت کی ایک خادمہ گھر کے کاروبار کیلئے یہاں سے مکہ معظمہ پہنچ گئیں اور سارا کام اپنے ذمہ لے لیا مگر وہ خادمہ بڑی تند مزاج تھیں پیرانی صاحبہ سے لڑا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ میرے گھر میں پیرانی صاحبہ سے کہنے لگیں کہ حضرت یہ آپ سے لڑتی ہیں اور آپ انکو کچھ نہیں فرماتیں نہ گھر سے الگ کرتی ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ راحت بھی بہت دیتی ہیں اور جو شخص راحت بہت دیتا ہو اسکی بے عنوانیوں پر صبر نہ کرنا بے مروتی ہے اس لئے جب مجکو ستاتی ہے تو میں اسکی راحتوں کو یاد کر کے سب معاف کر دیتی ہوں۔ حضرت پیرانی صاحبہ نہایت خلیق اور بہت ہی عالی فہم تھیں۔ صاحبو! جب ایک بی بی اتنی فہیم تھیں تو ہم کو مرد ہو کر ضرور فہم سے کام لینا چاہیئے اور اپنی بیبیوں کی راحت رسانی پر نظر کر کے اُنکی بے تمیزیوں کا تحمل کرنا چاہیئے۔ یہ عورتوں کے حق دنیویہ ہیں اور اس سے پہلے جو حقوق بیان ہوئے وہ دینی حقوق تھے

دنیوی حقوق پر ——— افسوس ہم دینی حقوق تو کیا ادا کرتے بھی ہم کو توجہ نہیں چنانچہ نہ بیوی کی نماز پر توجہ ہے نہ روزہ پر ان باتوں کو انکے کانوں میں ڈالتے ہی نہیں۔ یاد رکھو قیامت میں تم سے اسکی باز پرس ہوگی۔ کہ تم نے بیوی بچوں کو دیندار بنانے کی کتنی کوشش کی تھی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز کے لئے ان پر حد سے زیادہ سختی کرو ہر وقت ہاتھ میں لٹھ ہی لئے رہو بلکہ اول نرمی سے سمجھاؤ پھر برتاؤ میں ذرا ناراضی اور رنج ظاہر کرو۔ انشاء اللہ اس کا اچھا اثر ہوگا اور انکو اردو میں دینی رسالے پڑھاؤ لکھاؤ۔ اس سے اُن کے اخلاق بھی درست ہو جائیں گے اور دین کا خیال خود بخود ہوگا اور پڑھنے پر مادہ نہ ہوں تو اس صورت کے لئے میں نے بہت جگہ یہ طریقہ بتلایا ہے کہ تم ایک وقت مقرر کر کے اول سے آخر تک بہشتی زیور سارا سنا دو۔ اور پہلے بھل بی بی سے یہ بھی نہ کہو کہ یہاں بیٹھ کر سنتی رہ بلکہ خود بلند آواز سے پڑھنا شروع کرو۔ انشاء اللہ وہ خود شوق سے آکر سنے گی چنانچہ اس طرح عمل کرنے سے فوراً ساری شکایتیں جاتی ہیں۔ عورتوں کے دل پر اثر بہت جلدی ہوتا ہے۔ اگر ان کو دین کی کتابیں سنائی جائیں تو انشاء اللہ بہت جلد اصلاح ہو جائے گی مرد اپنی بیبیوں کی شکایتیں تو کرتے ہیں کہ ایسی بے تمیز اور ایسی جاہل ہیں مگر وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھیں کہ انھوں نے اُن کے ساتھ کیا برتاؤ کیا بس یہ اپنی راحت ہی کے اُن سے طالب ہیں اور اُن کے دین کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ ایک شخص نے خوب کہا ہے کہ مقرب کی بے تمیزی اور بے دنائی بادشاہ کی بے تمیزی یا غفلت کی دلیل ہے تو عورتوں کی خطا ہے ہی مگر ان کی بے تمیزی میں مردوں کی بھی خطا ہے کہ یہ اُن کے دین کی درستی کا اہتمام نہیں کرتے اور اُن کے دینی حقوق کو تلف کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجلاس میں ایک باپ اور بیٹے کا مقدمہ پیش ہوا۔ باپ نے بیٹے پر دعوی کیا تھا کہ یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے لڑکے سے جواب طلب کیا۔ تو اس نے کہا حضور کیا باپ ہی کے حقوق بیٹے پر ہیں یا بیٹے کا بھی باپ پر کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹے کا حق بھی باپ پر ہے۔ ایک یہ کہ شریف عورت سے نکاح کرے کہ اولاد اچھی ہو اور نام اچھا رکھے کہ اس کی برکت ہو اور اس کو علمِ دین سکھائے۔ وہ بولا کہ اُن سے دریافت کیا جائے کہ اُنھوں نے باپ ہو کر میرے کیا حقوق ادا کئے ہیں۔ ایک حق تو اُنہوں نے یہ ادا کیا کہ میری ماں لونڈی تھی، جن کے اخلاق جیسے ہوتے ہیں معلوم ہے۔ دوسرا حق ادا کیا کہ میرا نام جُعل رکھا جس کے معنی ہیں گُو کا کیڑا۔ تیسرا حق یہ کہ مجھکو ایک بھی دین کی بات نہیں سکھلائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقدمہ خارج کر دیا اور باپ سے فرمایا تو نے اس سے زیادہ اس کی حق تلفی کی ہے۔ جاؤ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا کرو۔ اسی طرح ہماری حالت ہے کہ ہم بیویوں کی شکایت تو کرتے ہیں، مگر یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے بیویوں کا کونسا حق ادا کیا ہے۔ چنانچہ ان کا ایک حق یہ تھا کہ اُن کے دین کا خیال کرتے، اُن کو احکامِ الٰہیہ بتلاتے۔ دوسرا حق یہ تھا کہ معاشرت میں اُن کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے باندیوں اور نوکروں کا سا برتاؤ نہ کرتے۔ مگر ہم نے سب حقوق ضائع کر دیئے۔

**کوتاہی نسواں** اب رہ گئیں عورتیں ان سے بھی دو قسم کی کوتاہیاں ہوتی ہیں ایک کوتاہی تو وہ دنیوی حقوق میں کرتی ہیں وہ یہ کہ بعض عورتیں خاوندوں کی اطاعت وخدمت میں کمی کرتی ہیں۔

بعض عورتیں مرد کی خدمت ماماؤں پر ڈال دیتی ہیں ——— خود اس کے کاموں کا اہتمام نہیں کرتیں۔ بعض عورتیں مردوں سے خرچ بہت مانگتی ہیں چنانچہ ایک بی بی کہتی ہیں کہ ہماری حالت تو دوزخ کی سی ہے۔ جیسے اس کا پیٹ نہیں بھرتا ہر دم ھل من مزید ہی کہتی رہتی ہے۔ اسی طرح روپے، کپڑے، زیور وغیرہ سے ہمارا پیٹ ہی نہیں بھرتا کتنا ہی دو مگر سب خرچ ہو جاتا ہے۔ مولوی عبدالرب صاحب واعظ دہلوی کا ایک لطیفہ ہے کہ عورتوں کے پاس چاہے کتنے ہی کپڑے ہوں مگر جب

پوچھو یہی کہیں گی کہ کیا ہیں دو چیتھڑے اور جوتوں کے دو چار جوڑے دھرے ہونگے۔ سو اس کے متعلق دستور العمل یہ رکھو کہ تم نصیحت کر کے اپنے کام میں لگو۔ آگے وہ جانیں ان کا کام۔ تم کیوں فکر میں پڑے اور دوسری شکایت کا جواب اس مصرعہ میں ہے

ع در زمین دیگراں خانہ مکن

(ترجمہ) دوسرے کی جگہ میں گھر نہ بناؤ۔

کہ غیر کی زمین میں گھر نہ بساؤ۔ میں نے لکھا کہ تم اسی وقت کوئی مکان کرایہ پر لیکر الگ رہنے لگو۔ چنانچہ انھوں نے اس پر عمل کیا اور الگ مکان میں رہنے لگے۔ بس اسی روز سے امن وامان ہو گیا۔ انکے والد صاحب بہت بھولے ہیں وہ کہتے تھے کہ آپس میں چھری کٹارے چلے مگر سب ایک ہی جگہ رہیں۔ مگر آج کل میں اس رائے کے خلاف ہوں میری رائے یہ ہے کہ نکاح کے بعد اولاد کی اور ماں باپ کی معاشرت الگ الگ ہونی چاہیئے تو ہر چند کہ مناسب یہی ہے مگر جدا ہونے کا بھی تو طریقہ ہے بے طریقہ جدا کرنے کا عورت کو کیا حق ہے بعض عورتوں کی یہ عادت ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ زبان درازی سے پیش آتی ہیں۔ اس کے سامنے خاموش ہی نہیں ہوتیں۔ حتّٰی کہ بعض خاوند مارتے بھی ہیں مگر یہ چپ نہیں ہوتیں۔

مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک عورت ایسی زبان دراز تھی اور اس کا خاوند اس کو بہت مارتا تھا یہ عورت ایک بزرگ کے پاس گئی کہ مجھے ایسا تعویذ دے دیجئے جس کے اثر سے میرا خاوند مجھے مارا نہ کرے۔ وہ بزرگ تھے بہت عاقل وہ سمجھ گئے کہ یہ زبان درازی کرتی ہوگی۔ اس لئے پٹتی ہے آپ نے فرمایا کہ اچھا تم تھوڑا پانی لے آؤ میں اُسے پڑھ دوں گا۔ چنانچہ پڑھ دیا اور فرمایا کہ جب خاوند غصہ ہوا کرے تو اس میں سے ایک چلو منہ میں گھونٹ لے کر بیٹھ جایا کرو۔ انشاءاللہ پھر نہیں مارے گا۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتی اور منہ میں گھونٹ لے کر بیٹھ جایا کرتی۔ اب ساری زبان درازی جاتی رہی۔ بیچاری بولے کیونکر منہ کو تو تالا لگ گیا آخر تھوڑے دنوں میں میاں

جب پوچھو یہی کہیں گی کیا ہیں ڈولیتڑے اور برتن رکھنے ہی صندوق بھرے ہوں گے مگر یہی کہیں گی کیا ہیں ٹوٹھیکرے۔ اُنھوں نے تو قافیہ بھی ملایا ہے۔ مگر حقیقت میں ہے یہی حالت۔ ان کا زیور، کپڑے اور برتنوں سے کبھی جی نہیں بھرتا۔ اور ہمیشہ اپنی چیز کو کم ہی بتلائیں گی کہ میرے پاس کیا ہے کچھ بھی نہیں، ناشکری کا مادہ ان میں بہت ہی زیادہ ہے حدیث میں عورتوں کی اس صفت کا ذکر آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عورتوں کو خطاب کرکے فرمایا تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ کہ تم لعنت اور پھٹکار بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ ایک حدیث میں ہے۔ اگر تم عورت کے ساتھ عمر بھر احسان اور بھلائی کرتے رہو۔ پھر کبھی کوئی بات اس کے خلافِ مزاج ہوجائے تو ساف یُوں کہے گی مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ —— کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔ ساری عمر کے احسان کو ایک منٹ میں بُھلا دیتی ہیں۔ بعض عورتیں یہ کرتی ہیں کہ وہ خاوند کے گھر میں آتے ہی ماں باپ سے اُس کو جُدا کرنا چاہتی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس زمانہ میں مُناسب یہی ہے کہ نکاح ہوتے ہی جوان اولاد ماں باپ سے علیحدہ علیحدہ رہیں اسی میں جانبین کو راحت ہوتی ہے۔ میں نے میرٹھ میں ایک گھرانے کی حالت دیکھی کہ ان میں باہم ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔ اُس گھر کے ایک مرد کو مُجھ سے تعلق تھا۔ اُن کا خط میرے پاس آیا جس میں دُو شکایتیں لکھی تھیں۔ ایک یہ کہ میں اپنے گھر کے مردوں اور عورتوں کو دین کی باتیں بتلاتا ہوں وہ مانتے نہیں ہیں دوسری شکایت لکھی تھی کہ گھر میں روزانہ لڑائی رہتی ہے میں نے لکھا آپ کی دونوں شکایتوں کا علاج اس شعر میں ہے ؎

کار خود کُن کار بیگانہ مکن

(ترجمہ) اپنا کام کرو (اور) غیروں کے کام میں (پڑ کے) (مزید) کر اپنا بھی کام چھوٹ جائے)
اس مصرعہ میں تو اس کا جواب ہے کہ وہ دین کی باتیں سُن کر عمل نہیں کرتے

راضی ہو گیا حقیقت میں خوب علاج کیا، غرض عورتوں میں زبان درازی کا بڑا مرض ہے اور یہ ساری خرابی تجربہ کی ہے۔ عورتیں یہ چاہتی ہیں کہ ہم ہاریں نہیں تاکہ ہیٹی نہ ہو چنانچہ شوہر سے لڑ جھگڑ کر اپنی ہمجولیوں میں بیٹھ کر فخر کرتی ہیں کہ دیکھا ہم کیسا مرد کو بھبکا کر آئے ہیں۔

## دعوئ مساوات

حالانکہ مردوں اور عورتوں میں قدرتی فرق ہے، یہ کسی طرح مردوں کی برابری نہیں کر سکتیں، عقل ان میں کم، برداشت کی قوت ان میں کم، قویٰ اُن کے کمزور، اس لئے یہ جلدی ضعیف بھی ہو جاتی ہیں، جب خدا نے تم کو ہر بات میں مردوں سے کم رکھا ہے تو آخر کس بات میں تم مساوات کی مدعی ہو اور آجکل بعض قومیں مساوات کی بہت مدعی ہیں وہ عورتوں کو مردوں کے برابر کرنا چاہتے ہیں مگر کسی نے کر تو نہ لیا، چنانچہ آجکل اس دعوئ مساوات کی بناء پر عورتیں پارلیمنٹ کی ممبری کا دعویٰ کر رہی ہیں مگر کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ اب وہ سارے دعوے جاتے رہے بھلا کہیں قدرتی فرق بھی کسی کے مٹانے سے مٹ سکتا ہے اور اگر ایسا کیا بھی گیا اور عورتوں کو مردوں کی برابر سب عہدے دیدیئے بھی گئے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس کے لئے عورتوں کو لیاقت بھی حاصل کرنا پڑے گی۔ علوم وفنون بھی حاصل کرنا ہوں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اولاد کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ کیونکہ میں نے امریکن ڈاکٹر کا قول دیکھا ہے کہ عورت کو زیادہ تعلیم دینے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو کمزور ہوتی ہے جو جلد مر جاتی ہے تو قدرتی طور پر عورتوں کے قویٰ دماغیہ زیادہ تعلیم کے متحمل نہیں ہیں، جب یہ بات ہے تو قدرتی طور پر مردوں اور عورتوں میں مساوات نہیں ہو سکتی۔ پھر نہ معلوم عورتوں کو برابری کا دعویٰ کیوں ہے۔ تم تو مردوں کے سامنے اتنی چھوٹی ہو کہ حدیث میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت

کو حکم کرتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے کچھ ٹھکانا ہے، مرد کی عظمت کا کہ اگر خدا کے بعد کسی کے لئے سجدہ جائز ہوتا تو عورت کو مرد کے سجدہ کا حکم ہوتا۔ مگر اب عورتیں مردوں کی یہ قدر کرتی ہیں کہ اُن کی ساتھ زبان درازی اور مقابلہ سے پیش آتی ہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ صاحب مرد کے غصہ سے ہم کو بھی غصہ آجاتا ہے تو سمجھو کہ غصہ ہمیشہ اپنے چھوٹے یا برابر پر آیا کرتا ہے۔ اور جس کو آدمی اپنے سے بڑا سمجھا کرتا ہے اس پر کبھی نہیں آیا کرتا۔ چنانچہ نوکر کو آقا پر غصہ نہیں آسکتا۔ اسی طرح رعیت کے آدمی کو حاکم پر غصہ نہیں آتا۔ بیٹے کو باپ پر غصہ نہیں آسکتا، چاہے وہ اس پر کتنا ہی غصہ کرے۔ کیونکہ یہ اس کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے۔ بس تمہارا یہ عذر ہی خود ایک جرم کو بتلا رہا ہے۔ عذرِ گناہ بدتر از گناہ اسی کو کہتے ہیں۔

بیبیو! تم کو مرد کے غصہ سے غصہ آنا یہ بتلاتا ہے کہ تم اپنے کو مرد سے بڑا یا برابر درجہ کا سمجھتی ہو اور یہ خیال ہی سرے سے غلط ہے۔ اگر تم اپنے کو مرد سے چھوٹا اور محکوم سمجھو تو چاہے وہ کتنا ہی غصہ کرتا تم کو ہرگز غصہ نہ آسکتا۔ بس تم اس خیالِ فاسد کو اپنے دل سے نکال دو اور جیسا خدا نے تم کو بنایا ہے ویسا ہی اپنے کو مرد سے چھوٹا سمجھو اور اس کے غصہ کے وقت زبان درازی کبھی نہ کرو۔ اسوقت خاموش رہو اور جب اُس کا غصہ اُتر جائے تو دوسرے وقت کہو کہ میں اسوقت بولی نہ تھی اب بتلاتی ہوں کہ تمہاری فلاں بات بیجا تھی یا زیادتی کی تھی۔ اس طرح کرنے سے بات بھی نہ بڑھے گی اور مرد کے دل میں تمہاری قدر بھی ہوگی۔ تو عورتیں ایک کوتاہی تو یہ کرتی ہیں۔

## رقمِ بے جا خرچ

اور ایک کوتاہی یہ کرتی ہیں کہ خاوند کے مال کو بڑی بیدردی سے اُڑاتی ہیں۔ خاص کر شادی بیاہ کی خرافات رسموں میں اور شیخی کے کاموں میں بعض جگہ تو مرد و عورت دونوں مل کر خرچ کرتے ہیں اور بعض جگہ صرف عورتیں ہی خرچ کی مالک ہوتی ہیں پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا

ہے کہ مرد رشوت لیتا ہے۔ یا مقروض ہوتا ہے تو زیادہ تر جو مرد حرام آمدنی میں مشغول ہیں اس کا بڑا سبب عورتوں کی فضول خرچی ہے۔ مثلاً کسی گھر میں شادی ہوئی تو یہ فرمائش ہوتی ہے کہ قیمتی جوڑا ہونا چاہیے۔ اب وہ سو دو سو روپے میں تیار ہوتا ہے۔ مرد نے سمجھا تھا کہ خیر سو دو سو ہی میں پاپ کٹا۔ مگر بیوی نے کہا کہ یہ تو شاہانہ جوڑا ہے، چوتھی بھوڑے کا الگ ہونا چاہیے وہ بھی اتنی کے قریب لاگت میں تیار ہوا پھر فرمائش ہوتی ہے کہ جہیز میں دینے کو بیس پچیس جوڑے اور ہونے چاہئیں۔ غرض کپڑے ہی کپڑے میں سینکڑوں روپے لگ جاتے ہیں۔ جہیز میں اس قدر کپڑے دیئے جاتے ہیں کہ ایک بار میں ضلع میرٹھ کے ایک گاؤں میں گیا تھا، معلوم ہوا کہ وہاں ایک بہو صرف کپڑا پندرہ سو روپیہ کا لائی ہے۔ برتن اور زیور اور لچکے گوٹے اس سے الگ تھے میں نے بعض گھروں میں دیکھا ہے کہ جہیز میں اتنے کپڑے دیئے گئے تھے کہ لڑکی ساری عمر بھی پہنے تو ختم نہ ہوں۔ اب وہ کیا کرتی ہے، اگر سخی ہوئی تو منہ ملاقات کی جگہ بانٹنا شروع کر دیا۔ ایک جوڑا کسی کو دیا، ایک کسی کو۔ اور بخیل ہوئی تو صندوق میں بند کر کے رکھ لئے۔ پھر بہت سے جوڑوں کو تو پہننا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ وہ یوں ہی رکھے رکھے گل جاتے ہیں۔ غرض اس فضول خرچی کے ساتھ عورتیں خاوند کا مال برباد کرتی ہیں۔ بھلا جہیز میں اتنے کپڑے دینے کی کیا ضرورت ہے مگر کیونکر نہ دیں اس میں نام بھی ہوتا ہے کہ فلانی نے اپنی بیٹی کو ایسا جہیز دیا اور اتنا اتنا دیا، بس شیخی کے واسطے مرد کا گھر برباد کیا جاتا ہے میں نے ایک تعلق دار کی حکایت سنی جو بہت بڑے مالدار ہیں کہ انھوں نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا اور جہیز میں صرف ایک پالکی دی اور ایک قالین اور ایک لوٹا اور ایک قرآن مجید اس کے سوا کچھ نہ دیا، نہ برتن نہ کپڑے بلکہ اس کی بجائے ایک لاکھ روپیہ کی جائیداد بیٹی کے نام کر دی اور کہا کہ میری نیت اس شادی میں ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی تھی اور یہ رقم اس کے واسطے پہلے ہی تجویز کر لی تھی۔ خیال تھا کہ خوب دھوم دھام سے شادی

کرونگا۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ اس دھوم دھام سے میری بیٹی کو کیا نفع ہوگا۔ بس لوگ کھا پی کر چلد ینگے میرا روپیہ برباد ہوگا اور بیٹی کو کچھ حاصل نہ حصول اس لئے میں نے ایسی صورت اختیار کی جس سے بیٹی کو نفع پہنچے۔ اور جائداد سے بہتر اس کے لئے نفع کی کوئی چیز نہیں اس سے وہ اور اسکی اولاد پشہا پشت تک بے فکری سے عیش کرتے رہیں گے۔ اور اب کوئی مجھے بخیل اور کنجوس بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں نے دھوم دھام نہیں کی تو رقم اپنے گھر میں بھی نہیں رکھی۔ دیکھو، یہ ہوتا ہے عقلاً کا طرز، اگر خدا کسی کو دے تو بیٹی کے جہیز میں بہت دینا بُرا نہیں۔ مگر طریقہ سے ہونا چاہیے جو لڑکی کے کچھ کام بھی آوے۔ مگر عورتوں کو کچھ نہیں سوجھتا۔ یہ تو ایسی بیہودہ ترکیبوں سے روپیہ برباد کرتی ہیں جن سے نہ ان کو کچھ وصول ہوتا ہے نہ لڑکی کو۔ یہ وہ کوتاہیاں ہیں جو عورتیں دنیوی حقوق میں کرتی ہیں۔ مگر یہ ظاہر میں دُنیا ہے اور واقع میں سب دین ہے۔ کیونکہ شریعت نے مرد کے مال کی حفاظت اور اس کی تعظیم و خدمت عورتوں کے ذمہ لازم کی ہے اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گی تو ان سے باز پرس ہوگی۔

## دینی حقوق میں کوتاہی

ایک کوتاہی دینی حقوق میں کرتی ہیں کہ مرد کو جہنم کی آگ سے بچانے کا اہتمام نہیں کرتیں۔ یعنی اسکی کچھ پرواہ نہیں کرتیں کہ مرد ہمارے واسطے حلال وحرام میں مُبتلا ہے۔ اور کمانے میں رشوت وغیرہ سے باک نہیں کرتا۔ تو اس کو سمجھائیں کہ تم حرام آمدنی مت لیا کرو ہم حلال ہی میں اپنا گذر کرلیں گے۔ علیٰ ہذا اگر مرد نماز نہ پڑھتا ہو تو اس کو مطلق نصیحت نہیں کرتیں حالانکہ اپنی غرض کے لئے اس سے سب کچھ کرالیتی ہیں۔ اگر عورت مرد کو دیندار بنانا چاہے تو اس کو کچھ مشکل نہیں۔ مگر اس کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ پہلے تم دیندار بنو۔ نماز اور روزہ کی پابندی کرو۔ پھر مرد کو نصیحت کرو، تو انشاء اللہ اثر ہوگا۔ مگر بعضی عورتیں دینداری پر آتی ہیں تو یہ طریقہ اختیار کرلیتی ہیں کہ تسبیح اور

مصلی لے کر بیٹھ گئیں۔ اور گھر کو ماماؤں پر ڈالدیا۔ یہ طریقہ بھی اچھا نہیں کیونکہ گھر کی نگہبانی اور خاوند کے مال کی حفاظت عورت کے ذمہ فرض ہے جس میں اس صورت سے بہت خلل واقع ہوتا ہے۔ اور جب فرض میں خلل آگیا تو یہ نفلیں اور تسبیحیں کیا نفع دیں گی۔ اس لئے دینداری میں اتنا غلو بھی نہ کرو کہ گھر کی خبر ہی نہ لو، نماز روزہ اس طرح کرو کہ اس کیساتھ گھر کا بھی پورا حق اداکرو۔ اور تمہارے واسطے یہ بھی دین ہی ہے کہ تم کو گھر کے کام کاج میں بھی ثواب ملتا ہے (اگر اِس نیّت سے کرو کہ میں حق تعالیٰ کے حکم کا امتثال کرتی ہوں کیونکہ حق تعالیٰ نے گھر کی حفاظت اور خبر گیری میرے ذمہ کی ہے) ہاں گھر کے کاموں میں ایسی منہمک ہو کر دین کو چھوڑ دو، بلکہ اعتدال سے کام لو کہ دین کے ضروری کام بھی ادا ہوتے رہیں اور گھر کا کام بھی نگاہ کے سامنے نکلتا ہے۔ یہ سخت بے تمیزی ہے کہ تسبیح اور نفلوں میں مشغول ہو کر گھر کے کام کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ اور اللہ اللہ تو گھر کے کام کرتے ہوئے بھی ہوسکتا ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ تسبیح اور مصلیٰ ہی کے ساتھ اللہ اللہ کیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ

لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

ترجمہ :- زبان کو خدا کی یاد سے ہر وقت تر رکھنا چاہیئے۔

اور ظاہر ہے کہ تسبیح اور مصلیٰ ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتا، تو معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کے لئے کسی قید اور پابندی کی ضرورت نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں ہوسکتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جنکو خدا نے مامائیں اور نوکر دیئے ہوں وہ اپنے ہاتھ سے بھی کچھ کام کیا کریں، یہ نہ ہو کہ دن رات پلنگ ہی توڑتی رہیں اور کسی کام کو ہاتھ نہ لگائیں۔ کیونکہ اس طرح کام کی عادت چھوٹ جاتی ہے۔ اور آدمی ہمیشہ کے لئے محتاج بن جاتا ہے اور کام کرتے رہنے میں عادت بھی رہتی ہے اور قوت وصحت بھی اچھی رہتی ہے حدیث میں ہے :- اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ وَفِي

کُلٍّ خَیْرٌ کہ مسلمان قوی مسلمان کمزور سے اچھا ہے اور یوں تو سب ہی اچھے ہیں تو ہمت کی بات یہ ہے گھر کے کام کو بھی دیکھو، نوکروں باندیوں سے اپنی نگرانی میں کام لو۔ اور کبھی کسی کام کو اپنے ہاتھ سے بھی کر لیا کرو۔ اور اس کے ساتھ کچھ وقت نکال کر نفلیں اور تسبیحیں بھی پڑھو اگر زیادہ وقت نہ ملے تو چلتے پھرتے ہی اللہ اللہ کرتے رہا کرو۔

## کوتاہی حقوق اولاد

ایک کوتاہی عورتیں اولاد کے حقوق میں کرتی ہیں۔ بعضی تو اپنے بچوں کو کوستی ہیں۔ اور کبھی وہ کوسنا لگ بھی جاتا ہے پھر سر پکڑ کر روتی ہیں۔ اور بعضی اولاد کے حقوق میں دینی کوتاہی کرتی ہیں کہ انکو دین کی تعلیم نہیں دیتیں۔ نہ نماز روزہ کی ترغیب دیتی ہیں چاہیے کہ اپنی اولاد کو نماز سکھلاؤ۔ اور نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ اور تاکید کرو اور علم کی رغبت دلاؤ۔ یہ تو قول کی تعلیم ہوئی۔ مگر اس کے ساتھ فعل سے بھی تعلیم کرو کہ تم خود بھی اپنی حالت کو درست کرو۔ والدین کے افعال دیکھ کر بچہ وہی کام کرنے لگتا ہے جو ان کو کرتے دیکھتا ہے۔ بلکہ ایک بات تجربہ کی بتلاتا ہوں کہ اگر بچہ پیدا ہونے سے پہلے والدین اپنی حالت درست کرلیں تو بچہ نیک ہی پیدا ہوگا بچہ کی پیدائش سے پہلے بھی جو افعال و احوال والدین پر گذرتے ہیں۔ ان کا بھی اثر اس میں آتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کا بچہ بڑا شریر تھا کسی نے ان سے کہا کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ تو ایسے بزرگ اور آپ کا بچہ ایسا شریر، فرمایا کہ ایک دن میں نے ایک امیر کے گھر کا کھانا کھا لیا تھا۔ اس سے نفس میں ہیجان ہوا۔ اسوقت میں اسکی ماں کے پاس گیا اور حمل قرار پا گیا۔ تو یہ بچہ اس مشتبہ غذا کا ثمرہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ حمل قرار پانے کے وقت والدین کی جو حالت ہوتی ہے — اچھی یا بری اس کا بھی اثر بچہ میں آتا ہے۔ بعض کتابوں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ دو میاں بی بی نے آپس میں یہ صلاح کی کہ آؤ ہم دونوں سب گناہوں کی توبہ کرلیں۔ اور آئندہ کوئی گناہ نہ کریں۔ تاکہ بچہ نیک پیدا ہو۔ چنانچہ اس کا اہتمام کیا گیا۔ اسی حالت میں

حمل قرار پایا اور بچہ پیدا ہوا تو وہ بہت صالح اور سعید پیدا ہوا۔ ایک روز اُس بچہ نے کسی دکان پر سے ایک بیر چُرا لیا۔ مَرد نے بیوی سے کہا سچ بتلا یہ اثر کہاں سے آیا۔ اُس نے بیان کیا کہ پڑوسی کے گھر میں جو بیری کا دَرخت کھڑا ہے اُسکی ایک شاخ ہمارے گھر میں ہے اُس میں ایک بیر لگ رہا تھا میں نے وہ توڑ لیا تھا۔ مَرد نے کہا بس اس کا اثر ہے آج ظاہر ہوا۔ پس اولاد نیک ہونے کے لئے اوّل درجہ تو یہ ہے کہ والدین خود نیک بنیں دُوسرا درجہ یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اس کے سامنے بھی کوئی حرکت بیجا نہ کریں۔ اگرچہ وہ بالکل ناسمجھ بچہ ہو۔ کیونکہ حکماء نے کہا ہے کہ بچہ کے دماغ کی مثال پریس جیسی ہے کہ جو چیز اس کے سامنے آتی ہے وہ دماغ میں منقش ہو جاتی ہے۔ پھر جب اس کو ہوش آتا ہے تو وہی نقوش اس کے سامنے آجاتے ہیں اور وہ ایسے ہی کام کرنے لگتا ہے جیسے اس کے دماغ میں پہلے ہی سے منقش تھے۔ غرض مت سمجھو کہ یہ تو ناسمجھ بچہ ہے یہ کیا سمجھے گا۔ یاد رکھو جو افعال تم اس کے سامنے کرو گے اُن سے اُس کے اخلاق پر ضرور اثر پڑے گا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب بچہ بڑا ہو جائے تو اس کو علمِ دین سکھاؤ۔ اور خلافِ شریعت کاموں سے بچاؤ اور نیک لوگوں کی صحبت میں رکھو بُرے لوگوں کی صحبت سے بچاؤ۔ غرض جس طرح بزرگوں نے لکھا ہے اسی طرح بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرو۔ بعض عورتیں اس میں بہت کوتاہی کرتی ہیں۔ اور اولاد کے حقوق کو تلف کرتی ہیں اور اولاد کے یہ حقوق صرف عورتوں ہی کے ذمہ نہیں، بلکہ مَردوں کے بھی ذمہ ہیں، مگر بچوں کے اخلاق کی دُرستی زیادہ تر عُورتوں ہی کے اہتمام کرنے سے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بچے ابتداء میں زیادہ تر ان ہی کے پاس رہتے ہیں۔ یہ ہیں حقوق عورتوں کے مردوں کے ذمہ میں اور مردوں کے عورتوں ذمہ میں، مگر ان میں مَرد تو عورت کی رعیّت نہیں ہے بلکہ حاکم ہے۔ تو اس کے جو عورت کے ذمہ ہیں وہ حاکمانہ حقوق ہیں۔ اور عورتوں کے حقوق جو مَردوں کے ذمہ ہیں وہ سب رعیّت کے حقوق ہیں کیونکہ عورتیں اُنکی محکوم ہیں اسی کو فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ، آجکل نماز روزہ کی تعلیم تو سب کرتے ہیں مگر جو باتیں میں نے بیان کی ہیں اُن کو کوئی نہیں بتلاتا اسی لئے ان حقوق کو بہت لوگ نہیں جانتے اس واسطے میں نے اس وقت مختصراً یہ مضمون بیان کیا ہے تاکہ یہ باتیں کان میں تو پڑ جائیں۔ اب ایک بات اخیر میں یہ کہتا ہوں کہ اسوقت جتنے حقوق آپ نے سُنے ہیں اُن کے بجالانے کے لئے آپ کو ایک تو علم کی ضرورت ہوگی کیونکہ بدون جانے کیونکر ادا ہوں گے۔ اور اسوقت کا بیان یاد نہیں رہ سکتا اور نہ یہ کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اسوقت میں نے تمام حقوق کو تفصیل کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے۔ محض اجمالاً و مختصراً کچھ باتیں بیان کر دی ہیں۔ اس لئے علم حاصل کرنے سے چارہ نہیں۔ دُوسری ضرورت ہوگی ہمت کی کیونکہ جان لینے کے بعد بھی بدونِ ہمت کے عمل نہیں ہو سکتا۔ تو میں ان دونوں کا آسان طریقہ بتلاتا ہوں جس کی مستورات کیلئے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ مردوں کو تو کسی قدر علم خود بھی ہوتا ہے اور ان میں ہمت بھی بہت کچھ ہے مگر عورتوں کو نہ تو علم ہے نہ ہمت، تو علم حاصل کرنے کا آسان طریقہ تو یہ ہے کہ جو کتابیں مسئلے مسائل کی اہلِ تحقیق نے لکھی ہیں انکو پڑھو اور اگر پڑھنے کی عمر نہ ہو تو کسی سے بالالتزام سُن لو اور روزمرہ سُنا کرو۔ جب تمام کتاب ختم ہو جائے تو پھر اوّل سے دَور شروع کر دو۔ اس سے تو تم انشاء اللہ باخبر ہو جاؤ گی حقوق کا اچھی طرح تم کو علم ہو جائے گا اور ہمت کے لئے ایک آسان تدبیر تو یہ ہے کہ بزرگوں کے پاس جا کر بیٹھا کرو مگر یہ صُورت مَردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں، وہ یہ کریں کہ —— بزرگوں کے حالات اور حکایات اور ملفوظات دیکھا کریں اس سے انشاء اللہ انہیں عمل کی ہمت پیدا ہوگی بس یہ طریقہ ہے ان حقوق کے ادا کرنے کا۔ اب دُعا کرو کہ حق تعالیٰ ہم کو اسکی توفیق عطا فرمائیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولٰنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہم اجمعین وآخر دعونا ان الحمد للہ الذی بنعمتہ وجلالہ یتم الصلحٰت وھو ھٰذا۔

# مضمون متعلق بہ تعلیم زنانہ اسکول

جس کا حوالہ وعظ ہذا کے تقریباً ثلث حصہ کے بعد کے حاشیہ میں ہے۔ بعضے آدمی اپنی لڑکیوں کو آزاد بیباک عورتوں سے تعلیم دلاتے ہیں، یہ تجربہ ہے کہ ہم صحبت کے اخلاق وجذبات کا آدمی میں ضرور اثر آتا ہے۔ خاص کر جب وہ شخص ہم صحبت ایسا ہو کر متبوع اور معظم بھی ہو اور ظاہر ہے کہ استاد سے زیادہ ان خصوصیات کا کون جامع[1] ہوگا تو اس صورت میں وہ آزادی و بیباکی ان لڑکیوں میں بھی آوے گی۔ اور میری رائے میں سب سے بڑھ کر جو عورت کا حیا اور انقباض طبعی ہے۔ اور یہی مفتاح[2] ہے تمام چیزوں کی جب یہ نہ رہا تو اس سے پھر نہ کوئی خیر متوقع ہے، نہ کوئی شر مستبعد ہے، ہر چند کہ اذا فاتک الحیاء فافعل ماشئت[3] حکم عام ہے لیکن میرے نزدیک ماشئت کا عموم نساء کے لئے بہ نسبت رجال کے زیادہ ہے اس لئے کہ مردوں میں پھر بھی عقل کسی قدر مانع ہے اور عورتوں میں اسکی بھی کمی ہوتی ہے اس لئے کوئی مانع ہی نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر استانی ایسی نہ ہو لیکن ہم سبق اور ہم مکتب لڑکیاں ایسی ہوں تب بھی اسی کے قریب مضرتیں واقع ہوں گی۔ ______ اس تقریر سے دو جزئیوں کا حال بھی معلوم ہو گیا ہو گا جن کا اس وقت بے تکلف شیوع[4] ہے۔ ایک لڑکیوں کا عام زنانہ اسکول بنانا اور مدارس عامہ کی طرح اسمیں مختلف طبقات اور مختلف خیالات لڑکیوں کا روزانہ جمع ہونا گو معلمہ مسلمان ہی اور یہ آنا ڈولیوں ہی میں ہو اور گو یہاں آکر بھی پردہ ہی کے مکان میں رہنا ہو لیکن تاہم واقعات نے دکھلا دیا ہے اور تجربہ کرا دیا ہے کہ یہاں ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جن کا اُن کے اخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اور صحبت اکثر عفت سوز ثابت ہوئی ہے اور اگر استانی بھی کوئی آزاد یا مکار مل گئی تو کریلا اور

---

[1] جمع کرنیوالا ۱۲ [2] کنجی ۱۲ [3] جب تجھ سے حیا جاتی رہے تو کر جو جی چاہے ۱۲
[4] رواج ۱۲

نیم چڑھا کی مثال صادق آجاتی ہے اور دوسری جسنائی یہ کہ اگر کہیں مشن کی میم سے روزانہ یا ہفتہ وار نگرانی تعلیم یا صنعت سکھلانے کے بہانہ اختلاط ہونے لگا تو نہ آبرو کی خیر ہے اور نہ ایمان کی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ بعض لوگ ان آفات کو مایۂ افتخار سمجھ کر خود اپنے گھروں میں بلاتے ہیں۔ میرے نزدیک تو ان آفاتِ مجسمہ سے بچی تو بچی اور تابع ہو کر تو کیا ذکر کسی بڑی بڈھی مسلمان عورت کا متبوع ہو کر عمر بھر میں ایک بار ہمکلام ہونا بھی خطرناک ہے۔ جن مضرتوں کے ذکر کا اُوپر وعدہ تھا ان میں سے بعض یہی ہیں اور بعض کا ذکر اُوپر دُوسرے کے طبقہ کے منشاء وخیال کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ اسلم طریق لڑکیوں کے لئے یہی ہے جو زمانہ دراز سے چلا آتا ہے کہ دو دو چار چار لڑکیاں اپنے اپنے تعلقات کے مواقع میں آویں اور پڑھیں اور حتی الامکان اگر ایسی اُستانی مل جاوے جو تنخواہ نہ لے تو تجربہ سے یہ تعلیم زیادہ بابرکت اور باثر ثابت ہوئی ہے اور بدرجہ مجبوری اس کا بھی مضائقہ نہیں اور جہاں کوئی ایسی اُستانی نہ ملے اپنے گھر کے مَرد پڑھا دیا کریں۔ پڑھانے کا تو یہ طرز ہو اور نصابِ تعلیم یہ ہو کہ اوّل قرآن مجید حتی الامکان صحیح پڑھایا جاوے پھر کتُب دینیہ سہل زبان کی جن میں تمام اجزاءِ دین کی مکمل تعلیم ہو (میرے نزدیک اس وقت بہشتی زیور کے دسوں حصے ضرورت کے لئے کافی ہیں) اور اگر گھر کا مَرد تعلیم دے جو مسائل شرمناک ہوں ان کو چھوڑ دیں۔ اور اپنی بی بی کے ذریعہ سمجھوا دے اور اگر یہ نظام بھی نہ ہو سکے تو ان پر نشان کر دے تاکہ ان کو یہ مقامات محفوظ رہیں۔ پھر وہ سیانی ہو کر خود سمجھ لیں گی۔ یا اگر عالم شوہر میسر ہوا اس سے پُوچھ لیں گی یا شوہر کے ذریعہ کسی عالم سے تحقیق کرا لیں گی چنانچہ بندہ نے بہشتی زیور کے دستور العمل میں جو ٹائٹل پر مطبوع ہوا ہے اس کا خلاصہ لکھ دیا ہے مگر بعضے لوگ اس کو دیکھتے نہیں اور اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی مَرد پڑھانے لگے تو ایسے مسائل کس طرح پڑھائے اسلئے انکا لکھنا ہی کتاب میں مناسب نہ تھا کیسی کچی سمجھ ہے۔ بہشتی زیور کے اخیر میں مفید رسالوں کا نام بھی لکھ دیا گیا ہے جن کا

پڑھنا اور مطالعہ عورتوں کو مُفید ہے۔ اگر سب نہ پڑھیں ضروری مقدار پڑھ کر باقیوں کو
مطالعہ میں ہمیشہ رکھیں اور تعلیم کے ساتھ ان کے عمل کی بھی نگرانی رکھیں اور اس کا بھی
انتظام کریں کہ ان کو تدریس[1] کا شوق ہو تاکہ عمر بھر شغل رہے تو اس سے علم و عمل کی تجدید[2]
تحریص[3] ہوتی رہتی ہے۔ اور اسکی بھی ترغیب دیں کہ مطالعۂ کتب مُفیدہ سے کبھی غافل نہ
رہیں اور ضروری نصاب کے بعد اگر طبیعت میں قابلیت دیکھیں عربی کی طرف متوجہ کریں،
تاکہ قرآن و حدیث و فقہ اصلی زبان میں سمجھنے کے قابل ہو جاویں، اور قرآن کا خالی ترجمہ
جو بعض لڑکیاں پڑھتی ہیں میرے خیال میں سمجھنے میں زیادہ غلطی کرتی ہیں۔ اس لئے اکثر
کے لئے مناسب نہیں، یہ تو سب پڑھنے کے متعلق بحث تھی رہا لکھنا تو اگر قرآن سے
طبیعت میں بیباکی معلوم نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، ضروریاتِ خانگی کے لئے اس کی بھی
حاجت ہو جاتی ہے اور اگر اندیشہ خرابی کا ہو تو مفاسد سے بچنا جلب[4] مصالح غیر واجبہ[5]
سے اہم ہے۔ ایسی حالت میں لکھنا نہ سکھاویں اور نہ خود لکھنے دیں اور یہی فیصلہ ہے عقلاء
کے اس اختلاف کا کہ لکھنا عورت کے لئے کیسا ہے؟ ، فقط۔



[1] پڑھانا ۱۲ [2] رغبت ۱۲ [3] مفید چیزوں کا حاصل کرنا ۱۲ [4] غیر ضروری ۱۲ ،
[5] ضروری ۱۲ ،

# الکمال فی الدّین للنساء

یعنی

# خواتین اسلام اور تکمیلِ دین کا طریقۂ کار

## دینی امور میں خواتین کا کمال

یہ وعظ محمد رفیع صاحب کے مکان پر ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۰ھ بعد ظہر بروز سہ شنبہ اڑھائی گھنٹہ بیٹھ کر ارشاد فرمایا:
سامعین کی تخمینی تعداد تقریباً دو سو تھی اور مستورات کی تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قلمبند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

**تمہید**

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ و رسولہٗ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ و بارک وسلم ـــــــ اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ٥ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ٥ اے ایمان والو! تقویٰ حاصل کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

بیان کرنے سے پہلے اتنا کہہ دینا مناسب ہے کہ اگر مردوں کو آواز کم پہنچے یا مضامین اُن کے مُناسب کم ہوں تو وہ مجھ کو معذور سمجھیں کیونکہ یہ بیان خاص عورتوں کے لئے ہے۔ اوّل تو اس بیان سے مقصود وہی ہیں مردوں میں اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے دُوسرے عورتوں کو مواعظ کے سُننے کا بھی موقع کم ملتا ہے اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ گاہے گاہے خاص اُن کے مُناسب مضامین بیان کئے جائیں تاکہ اُن کو بھی اپنی اصلاح کا طریقہ معلوم ہو۔ مردوں کو مواعظ سُننے کا بہت موقع ملتا رہتا ہے دُوسرے

اُن کو وقتاً فوقتاً علماء سے ملنے کا بھی موقع ملتا رہتا ہے اگر مواعظ بھی نہ سنیں تو ضروری باتیں وہ زبانی دریافت کر سکتے ہیں بیچاری مستورات کو اس کا بھی موقع نہیں ملتا۔ اس لئے اُن کی اصلاح کے لئے خاص طور پر اہتمام کی ضرورت ہے کہ ایک بیان ایسا ہو جس میں اُنہی کے مُناسب مضامین ذکر کئے جائیں۔

## تربیت اولاد

پھر عورتوں کے متعلق بچّوں کی بھی تربیت ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ بچہ ابتدائے عمر میں اپنی ماؤں کے پاس زیادہ رہتے ہیں باپ کے پاس کم رہتے ہیں اس لئے بچّوں کی تربیت اسی طرح عمدہ ہو سکتی ہے کہ مستورات کی اصلاح ہو جائے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ابتدائے عمر میں بچّوں کو سمجھ ہی کیا ہوتی ہے جو وہ اچھی یا بُری بات سے اثر لیں۔ بچپن میں اُن کا تربیت کرنے والا خواہ کیسا ہو، سمجھ آنے کے بعد کسی نیک آدمی کے پاس اُن کو رکھنے کی ضرورت ہونی چاہئیے۔ سو خُوب سمجھ لیجئے کہ یہ خیال غلط ہے بچپن میں جبکہ بچہ دُودھ پیتا ہے اس وقت بھی اُس کے دماغ میں اخذ کا مادہ ہوتا ہے گو وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے اور اُس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جیسے فوٹو گراف کہ تم جو کچھ کہتے ہو وہ سب اُس میں جا کر محفوظ و منقش ہو جاتا ہے گو اُسوقت آواز نہ نکلے لیکن جس وقت اُن نقوش پر سوئی چلے گی وہ سب باتیں اُس میں بعینہٖ نکلیں گی۔ یہی حال بچّوں کے دماغ کا ہے۔ کہ ابتدائے عمر میں بھی وہ سب باتوں کو اخذ کر کے محفوظ کر لیتا ہے گو اُسوقت اُن پر عمل نہ کر سکے یا زبان سے ظاہر نہ کر سکے پھر جب اُس میں قوّتِ عمل و نطق کامل ہو جاتی ہے تو پہلی باتوں کے آثار اس سے ظاہر ہونے لگتے ہیں ایک تجربہ کار کا مقولہ ہے کہ بچّوں کی اصلاح کا وقت پانچ سال تک ہے۔ اس عرصہ میں جتنے اخلاق اس میں پختہ ہونے ہوتے ہیں پختہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد اُس میں پھر کوئی عادت پختہ نہیں

ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہم جس زمانہ کو ناسمجھی کا زمانہ خیال کرتے ہیں وہی وقت بچوں کی اصلاح کا ہے اور بچے اُسی زمانہ میں سب کچھ اخذ کر لیتے ہیں ایک مسماۃ نے بیان کیا کہ بچوں کی اصلاح کا سہل طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے بچہ کی کامل طور پر تربیت کر دی جائے پھر سارے بچے اُسی جیسے اُٹھیں گے، جیسے کام کرتا ہوا اس کو دیکھیں گے اگلے بچے بھی وہی کام کریں گے اور اسی کی عادتیں خصلتیں سیکھ لیں گے غرض بچوں کی تربیت چونکہ زیادہ تر عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے اُن کی اصلاح سے مردوں کی بھی اصلاح متوقع ہے کیونکہ یہ بچے ایک وقت مرد بھی بنیں گے ان وجوہ سے اس وقت کا بیان زیادہ تر مستورات کے لئے مخصوص ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مردوں کے لئے یہ بیان کسی درجہ میں بھی مفید نہ ہوگا کیونکہ اس میں بھی آخر احکام شرعیہ ہی بیان ہوں گے اور احکام اکثر مردوں اور عورتوں میں مشترک ہی ہیں البتہ طرز بیان میں مردوں کی دلچسپی کا لحاظ نہ کیا جائے گا بلکہ زیادہ تر عورتوں کی دلچسپی کے مضامین ہوں گے سو دلچسپی اگر نہ ہوئی بلا سے نہ ہو یہ مقصود تھوڑا ہی ہے اور جو مشترک نہ ہو تب بھی ایک نفع تو یقیناً سب کو ہے۔

**فضیلت وعظ** وہ یہ کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب کہیں اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو فرشتوں کی ایک جماعت وہاں مجتمع ہو جاتی ہے پھر وہ ذاکرین کے اُوپر سکینہ نازل کرتے ہیں پھر جب وہ حق تعالیٰ کے پاس چلے جاتے ہیں تو وہاں سوال ہوتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ ہم نے اُن کو آپ کا ذکر کرتے ہوئے چھوڑا حق تعالیٰ سوال فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے ہم کو دیکھا ہے وہ عرض کرتے ہیں کہ نہیں یا اللہ انہوں نے آپ کو دیکھا نہیں اگر دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ کوشش کرتے پھر سوال ہوتا ہے کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ آپ سے جنت اور آپ کی رضا کو طلب

کرتے ہیں اور آپ کی ناراضگی اور جہنم سے پناہ مانگتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ گواہ رہو ہم نے اُن سب کو بخش دیا۔ اسپر بعض فرشتے کہتے ہیں کہ یا اللہ فلاں شخص تو ذکر کے قصد سے نہ آیا تھا ویسے ہی آکر اُن کے پاس بیٹھ گیا تھا ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اُس کو بھی بخش دیا یہ جماعت ایسی نہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم ہو۔ یہ تو حدیث کا مختصر مضمون ہے اور ظاہر ہے کہ وعظ کی مجلس بھی مجلسِ ذکر ہے اُس میں خدا تعالیٰ کے احکام کا ذکر ہوتا ہے اور یہ بھی ذکر اللہ ہی ہے ذکر اللہ فقط تسبیح و تہلیل وغیرہ میں منحصر نہیں صاحب حصن حصین نے اس مسئلہ پر متنبہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں بل کل مطیع اللہ فھو ذاکر، کہ ہر شخص جو خدا کی اطاعت میں مشغول ہو وہ ذاکر ہی ہے۔ تو اگر مردوں کو اس بیان سے دلچسپی بھی نہ ہوئی تو یہ نفع کیا تھوڑا ہے کہ وہ جتنی دیر مجلس وعظ میں بیٹھے رہیں گے اتنی دیر تک وہ ملائکہ کی صحبت سے مستفید ہوں گے اور ذاکر شمار ہوں گے اور رحمت و مغفرت کے مورد ہوں گے (اس وقت کچھ مستورات کی باتوں کی آواز آئی حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ بھائی اسوقت باتیں نہ کرو بلکہ غور سے ہماری باتوں کو سنو یہ کیا انصاف ہے کہ ہم تو تمہارے لئے اپنا وقت اور دماغ صَرف کریں اور تم اُس کی بے قدری کرو اور تھوڑی دیر کے لئے بھی تم اپنی باتیں قطع نہ کرو۔ اول تو یہ تہذیب کے بھی خلاف ہے دُوسرے شریعت کے بھی خلاف ہے علماء نے لکھا ہے کہ جس طرح خطبہ جمعہ کا سُننا فرض ہے اور اسوقت باتیں کرنا حرام ہے اسی طرح جس مجلس میں بھی احکامِ شرعیہ بیان ہو رہے ہوں، وہاں خاموش رہنا اہلِ مجلس کے ذمّہ لازم ہے باتیں کرنے سے گناہ ہوتا ہے پس جن مستورات کو باتیں کرنا ہوں وہ یہاں سے اُٹھ کر دوسرے کمرہ میں چلی جائیں تاکہ گناہ سے بھی محفوظ رہیں اور دُوسری سُننے والیوں کے سُننے میں خلل انداز بھی نہ ہوں تیسرے باتیں کرنے سے بیان بھی خبط ہو جاتا ہے بیان کرنے والے کے ذہن میں

مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے کیونکہ مضامین کی آمد نشاط وانشراح قلب پر موقوف ہے اور سامعین کی بے توجہی دیکھ کر بیان کرنے والے کی طبیعت مکدّر ہو جاتی ہے۔ لبعض دفعہ جو رات کو مجھے بیان کرنے کا اتفاق ہوتا ہے تو بعض لوگ اس وقت اونگھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُونگھنے والے کی صُورت دیکھ کر مجھے مضمون کی آمد بند ہو جاتی ہے پس یہ سخت ناانصافی ہے کہ میں تو اپنا دماغ صرف کردوں آپ کے لئے اپنا وقت خرچ کردوں اور تم اسکی یہ قدر کرو کہ اپنی اپنی باتوں میں لگی رہو باتوں کے لئے ساری عمر پڑی ہے جب میں چلا جاؤں گا پھر جتنی چاہے باتیں کر لینا )

## مرتبۂ نسواں

اسوقت جو آیت میں نے تلاوت کی ہے یہ وہی آیت ہے جو پرسوں مردوں کے سامنے تلاوت کی گئی تھی۔ اسوقت اُسی آیت کو اختیار کرنے کی چند وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ بعض مضامین اس آیت کے متعلق اس روز بیان سے رہ گئے تھے دُوسرے یہ بھی بتلانا مقصود ہے کہ حق تعالیٰ نے جس طرح مردوں کو کمالِ دین حاصل کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ حکم عورتوں میں بھی مُشترک ہے گو خطاب صیغہ کے اعتبار سے بظاہر مردوں کو ہے۔ لیکن حکم مشترک ہے۔ پس کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حق تعالیٰ کو مردوں ہی کی طرف توجہ ہے عورتوں کا اعتنا نہیں ہے یہ وہم پہلے بھی ہو چکا ہے اور منشا اس وہم کا مجتث ہے حدیث میں آتا ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں دیکھتی ہوں کہ حق تعالیٰ احکام میں مُردوں ہی کا ذکر فرماتے ہیں ہمارا (یعنی عورتوں کا) ذکر نہیں فرماتے ازواج مطہرات کو یہ خیال اس لئے بھی ہوا کہ وہ صاحب زبان تھیں عربی زبان کو خوب سمجھتی تھیں اور عربی میں مذکر و مؤنث کے لئے جُدا جُدا صیغے استعمال کئے جاتے ہیں تو اُن کو تمام احکام میں مذکر صیغے دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ حق تعالیٰ ہم کو خطاب نہیں فرماتے نہ ہمارا ذکر فرماتے ہیں اور ہماری مستورات

تو عربی زبان حاصل ہی نہیں کرتیں اور یہ بھی ایک بڑی کمی ہے جس کا افسوس ہوتا ہے کیونکہ پہلے زمانہ میں عورتیں بھی مثل مردوں کے عربی کی تحصیل کرتی تھیں تو عربی زبان سے ناواقف ہونے کے سبب مذکر و مؤنث کے صیغوں کا فرق وہ نہیں سمجھ سکیں اور اگر ترجمہ پڑھیں گی تو اس میں ان صیغوں کا اردو ترجمہ نظر سے گزرے گا اور اردو میں خطاب کا صیغہ مردوں و عورتوں میں مشترک ہے دونوں کے لئے الگ الگ صیغہ موضوع نہیں مثلاً "وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ" و "اتَّقُوا اللّٰهَ" کا ترجمہ یکساں ہوگا دونوں جگہ اردو میں یہی بولتے ہیں کہ خدا سے ڈرو، خواہ اس کے مخاطب مرد ہوں یا عورتیں۔ اس لئے اوامر و نواہی کے صیغوں میں وہ ترجمہ دیکھ کر یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ یہ خطاب خاص مردوں کو ہے لیکن پھر بھی بعض جگہ اردو ترجمہ سے بھی مردوں کی تخصیص سمجھ میں آ سکتی ہے مثلاً يَا أَيُّهَا النَّاسُ کا ترجمہ ہے اے لوگو! اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کا ترجمہ اے ایمان والو! یہ لفظ اردو میں بھی مردوں کے لئے مخصوص ہے عورتوں کو اے لوگوں یا اے ایمان والو کہہ کر ندا نہیں کر سکتے بلکہ اگر انکو خطاب خاص ہوگا تو اے عورتو! یا اے ایمان والیو! کہا جائے گا۔ پس ہر چند کہ اوامر و نواہی کے صیغوں میں ترجمہ دیکھ کر انکو تخصیص رجال کا وہم نہیں ہو سکتا مگر ندا کے صیغوں میں ان کو بھی وہم ہو سکتا ہے۔ اور ازواج مطہرات تو اس فرق کو خطاب کے مواقع میں بھی سمجھتی تھیں، اس لئے ان کو غایت محبت کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ہائے اللہ تعالیٰ ہم کو خاص طور پر خطاب نہیں فرماتے جیسا مردوں کو خطاب فرماتے ہیں، دیکھئے وہ عورتیں کیسی تھیں اللہ اکبر! ان کا کیسا مذاق تھا اگر آجکل کی عورتوں جیسی وہ سست اور کم ہمت اور کام چور ہوتیں تو یوں سمجھتیں کہ اچھا ہوا ہم ان احکام سے بچ گئے کیونکہ ان میں تو خاص مردوں کو مخاطب بنایا گیا ہے، مگر اس زمانہ میں مستورات کو اس کا وہم بھی نہیں ہوا کہ یہ احکام ہمارے لئے نہیں ہیں بلکہ

وہ خوب سمجھتی تھیں کہ احکام سب کو عام ہیں (بجز چند مخصوص باتوں کے جن کا مردوں کے ساتھ خاص ہونا دوسرے دلائل سے ان کو معلوم ہوگیا تھا اور ایسی خصوصیت عورتوں کے لئے بھی ہے کیونکہ بعض احکام صرف عورتوں ہی کے لئے مخصوص ہیں مردوں کے لئے نہیں ہیں ان کے علاوہ بقیہ احکام میں جن کا کسی کے لئے خاص ہونا دلائل سے معلوم نہ ہوا تھا انہوں نے یہی سمجھا کہ مردوں اور عورتوں سب کے لئے مشترک ہیں گو لفظاً خطاب خاص مردوں کو کیا گیا ہے ۱۲) اور عموم احکام پر نظر کر کے پھر ان کو یہ تمنا ہوئی کہ جب یہ احکام سب کو عام ہیں تو ان میں ہمارا تذکرہ بھی ہوتا تو اچھا تھا اُن کے دل نے اُس کو گوارا نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ تمام احکام میں مردوں کے واسطہ ہی سے اُن کو خطاب فرماویں۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ کبھی کبھی ہم کو مردوں سے جدا کر کے بھی خطاب فرما دیا کریں اور وجہ اس تمنا کی یہ تھی کہ ان کو خدا تعالیٰ سے محبت تھی (اور عاشق کا دل چاہا کرتا ہے کہ اس کا تذکرہ کبھی تو محبوب کی زبان پر آجایا کرے ؎

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے ۱۲ جامع)

خدا تعالیٰ کا کسی کو اپنے احکام کا مخاطب بنانا ایک بڑا شرف ہے جو مردوں کو حاصل تھا تو ازواج مطہرات کو اسکی تمنا ہوئی کہ اس شرف سے ہم بھی محروم نہ رہیں۔ (اسوقت پردہ کے پیچھے سے پھر عورتوں کی کچھ آواز آئی حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا کہ بھائی باتیں کرنے سے طبیعت اُچاٹ ہوئی جاتی ہے مضمون گڑبڑ ہوجاتا ہے اگر تم اپنی باتیں بند نہیں کرتیں تو پھر ہم سے کہہ دو ہم اپنی باتوں کو بند کردیں ورنہ اسکی احتیاط رکھو اوّل تو اسوقت باتیں کرنا جائز نہیں جیسا کہ ابھی میں نے حکم تبلایا تھا اور اگر کسی کی طبیعت باتوں سے نہیں رُکتی تو بلند آواز سے نہ کرو آہستہ ہی کرلو ۱۲) غرض وہ عورتیں دین کی عاشق تھیں وہ اپنے اُوپر بوجھ لادنا چاہتی تھیں وہ یہ نہ چاہتی تھیں کہ ہم احکام کے مخاطب نہ بنیں تو اچھا ہے کیونکہ ان کو دین کے ثمرات پر اطلاع تھی

اور وہ جانتی تھیں کہ دین کے ثمرات ایسے ہیں کہ اُن کے لئے محنت کرنا کوئی چیز نہیں اسی پر یہ آیت نازل ہوئی فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ یعنی احکام میں کسی کی کچھ تخصیص نہیں جو کوئی بھی عمل کرے مرد ہو یا عورت سب کو اجر ملے گا اور کسی کا عمل ضائع نہ ہوگا، باقی رہی خصوصیت خطاب کی وجہ سو وہ یہ ہے بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ کہ تم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو پس حکم بھی دونوں کا یکساں ہے اس لئے ضرورت جدا خطاب کرنے کی نہیں اس کے بعد بعض جگہ خاص عورتوں کو بھی خطاب کیا گیا ہے جیسے يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ الخ میں دور تک ازواج مطہرات کو خطاب ہے اور وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ میں سب مسلمان عورتوں کو ایک خاص حکم کا مخاطب بنایا گیا ہے اس سے اس وہم کا ازالہ مِنْ كُلِّ الْوُجُوهِ ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ مردوں کی طرح حق تعالیٰ کو عورتوں پر بھی عنایت ہے اور بعض جگہ مذکر و مؤنث کے دونوں صیغے مخلوط لائے گئے ہیں۔

## قرآن اور ذکر نسواں

چنانچہ اس آیت میں إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

ترجمہ:۔ بیشک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانیوالی عورتیں اور فرمانبرداری کرنیوالے

مرد اور فرما برداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنیوالی عورتیں اور خیرات کرنیوالے مرد اور خیرات کرنیوالی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنیوالی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنیوالے مرد اور یاد کرنیوالی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے اس آیت میں مردوں اور عورتوں دونوں کا ذکر دوش بدوش کیا گیا ہے۔ اور عورتوں کی تمنا کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس جگہ صرف عورتوں ہی کا ذکر ہوتا۔ مردوں کا ذکر اُن کے ساتھ مخلوط نہ کیا جاتا مگر اس خلط میں اشارہ ہو گیا جواب کی طرف کہ چونکہ اکثر احکام مردوں اور عورتوں میں مُشترک ہیں چنانچہ یہی احکام دیکھ لو کہ ان میں کسی کی کچھ تخصیص نہیں اس لئے عورتوں کا ذکر جُدا کرنے کی ضرورت نہیں جو احکام مردوں کے لئے ہیں وہی عورتوں کے لئے ہیں ۱۲ (جامع) رہی یہ بات کہ ہر جگہ ایسا ہی کیوں نہ کیا گیا جیسا اس آیت میں دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کی دو وجہ ہیں ایک وجہ تصحیح کی، اور ایک وجہ ترجیح کی تصحیح کی وجہ تغلیب ہے (تغلیب کے معنے یہ ہیں کہ ایک نوع کو دوسری نوع پر غلبہ دیکر ایک کو ذکر کر کے دونوں کا ارادہ کر لیا جائے ۱۲ جامع) مثلاً باپ ماں کو والدین یا ابوین کہا کرتے ہیں۔ اسی طرح اہل عرب چاند اور سورج کو قمرین کہہ دیتے ہیں حالانکہ ابوین کا لفظی ترجمہ ہے دو باپ اور قمرین کا ترجمہ ہے دو چاند۔ ظاہر میں باپ ماں کو ابوین کہنا غلط معلوم ہوتا ہے اُن کو اب وام کہنا چاہیے اسی طرح چاند اور سورج کو قمرین کہنا بھی بظاہر غلط ہے اُن کو "شمس و قمر" کہنا چاہیے۔ لیکن چونکہ اس طرح عبارت طویل ہو جاتی ہے اس لئے اہل زبان اب وام کی جگہ تغلیباً بغرض اختصار ابوین اور شمس و قمر کی جگہ قمرین کہہ دیتے ہیں اسیطرح اگر قرآن میں مردوں اور

عورتوں کے لئے جُدا جُدا صیغہ استعمال کیا جاتا تو کلام میں طُول ہو جاتا اس لئے تغلیباً صیغۂ مذکر ہی میں مؤنث کو بھی داخل کر لیا گیا جس سے کلام میں اختصار پیدا ہو گیا۔ البتہ ایک دو جگہ عورتوں کے وہم مذکور کو دفع کرنے کے لئے اُن کے واسطے جُدا صیغے بھی استعمال کئے گئے تاکہ اُن کی تسلی ہو جائے اور اتنی مقدار سے ایجاز کلام بھی فوت نہیں ہوتا۔

## درجاتِ مرد و زن

اور ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں تابع ہیں مردوں کی۔ ہر طرح سے خلقت کے اعتبار سے بھی، چنانچہ آدم علیہ السلام کے ایک جزو سے حوا علیہا السلام کی پیدائش ہوئی ہے

یعنی حق تعالیٰ نے اُن کی بائیں پسلی میں سے کوئی مادہ نکالا پھر اس مادہ سے حوّا علیہا السلام کو پیدا کیا جس کا اثر یہ ہے کہ عورتیں عموماً مردوں سے خلقتہً کمزور ہوتی ہیں اُن کے تمام قویٰ جسمانی اور دماغی مردوں کے برابر نہیں ہوتے نیز تربیت کے اعتبار سے بھی وہ مردوں کے تابع ہیں چنانچہ کمانا اور کھیتی کرنا تجارت کرنا محنت و مشقت کے کام کرنا مردوں کے متعلق ہے اور پکانا کھانا عورتوں کے متعلق ہے دُوسری وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی اصل یہ ہے کہ وہ پردہ دار ہوں اور تعلقاتِ انتظامیہ کے لئے پردہ مانع ہے اس لئے امور انتظامیہ ان کے متعلق نہیں ہو سکتے۔ انتظام کا تعلق مردوں ہی سے ہو سکتا ہے اسوجہ سے تمام تر تعلق انتظام کا مردوں کے سپرد کیا گیا پس جہاں دیگر انتظامات ان کے متعلق ہیں وہاں عورتوں کی اصلاح کا انتظام بھی مردوں کے سپرد کیا گیا اور جب مردوں کے متعلق عورتوں کی اصلاح کا انتظام ہے تو وہ ان کے سردار ہوئے اور یہ قاعدہ ہے کہ سلطنت کیطرف سے جو احکام صادر ہوا کرتے ہیں ان کے مخاطب سردار ہوتے ہیں۔ رعایا کو مخاطب نہیں کیا جاتا نہ اسکی کچھ ضرورت سمجھی جاتی ہے کیونکہ لوگ خود سمجھ لیں گے کہ جب سرداران احکام کے مخاطب ہیں تو چھوٹے بھی اُنکے ساتھ ضرور شریک ہیں پھر سردار

اپنے ماتحت لوگوں کو اُن احکام کی اطلاع بھی کر دیتے ہیں اور اُن سے کام بھی لیتے ہیں، اسی طرح قرآن میں اکثر مردوں کو احکام کا مخاطب بنایا گیا ہے چونکہ وہ عورتوں پر سردار ہیں تو اُن کے مخاطب ہونے سے عورتوں کا اُن احکام میں شریک ہونا خود سمجھ میں آجاتا ہے پھر مردوں کے ذمہ ہے کہ عورتوں کو احکام سے بھی اطلاع کریں اور اُن سے کام بھی لیں۔

کیونکہ سرداروں کے ذمہ یہ کام ہمیشہ ہوتا ہے کہ اپنے ماتحت لوگوں کو احکام سلطنت سے مطلع کرتے رہیں اور اُن سے کام لیں اگر وہ اسمیں کوتاہی کریں گے تو اُن سے بھی بازپرس ہوگی۔ افسوس ہے کہ آج کل مردوں نے یہ بات تو یاد کرلی ہے کہ ہم عورتوں کے سردار ہیں مگر انکو یہ خبر نہیں کہ سردار کے فرائض کیا ہوتے ہیں، وہ نہ تو عورتوں کو احکام سے مطلع کریں اور مطلع کریں کس طرح، سردار صاحب کو خود ہی خبر نہیں اور نہ اُن سے کام لیں یعنی جن کو احکام معلوم بھی ہیں اور وہ عورتوں کو احکام سے بھی مطلع بھی کرتے ہیں وہ اسکی نگہداشت نہیں کرتے کہ ہمارے گھروں میں اُن احکام پر عمل بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ غرض جو احکام ایسے ہیں جن میں اشتراک کی خاصیت ہے، جیسے نماز روزہ وغیرہ اُن میں مردوں کو خطاب کافی ہے۔

## دین دخواتین

اس تمہید کے بعد یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ اس آیت میں جو کہ میں نے اسوقت تلاوت کی تھی جس طرح حق تعالیٰ نے مردوں کو تکمیل دین کا حکم فرمایا ہے اسی طرح وہ حکم عورتوں کے لئے بھی ہے اور جو طریق کمال دین کے حاصل کرنے کا مردوں کے لئے اُس میں مذکور ہے وہ طریق عورتوں کے لئے بھی ہے پس حق تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

(ترجمہ) اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو (خدا سے ڈرو) اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ ـــــــ یہ تو اس آیت کا ترجمہ ہے اور پہلے بیان میں اس

بات کو اچھی طرح ثابت کر دیا گیا ہے کہ تقویٰ اور صدق سے کمالِ دین مراد ہے پس حاصل یہ ہوا کہ اے مسلمانو! دین میں کمال حاصل کرو اور کاملین کے ساتھ رہو پس اس میں اولاً حق تعالیٰ نے تکمیل دین کا حکم فرمایا ہے، پھر اُس کا طریق تبلایا ہے کہ دین میں کامل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ راسخ فی الدین ہیں اُنکی صحبت حاصل کرو کیونکہ کاملین کی صحبت سے اعمال میں سہولت بھی ہوتی ہے اسطرح سے کہ ان کی برکت سے تقاضائے نفس مضمحل ہو جاتا ہے جو کہ اکثر اعمال میں مزاحم ہوتا ہے، نیز اُنکی صحبت سے طریق عملی بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کس عمل کو کس طرح ادا کرنا چاہیئے، یہ بات محض مسائل جاننے سے حاصل نہیں ہوتی جب تک کسی کو عمل کرتے ہوئے نہ دیکھا جاوے اور یہ بات کچھ دین ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دنیوی کاموں میں بھی طریق عمل معلوم کرنے کے لئے اہلِ کمال کی صحبت ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص یوں چاہے کہ محض کتاب دیکھ کر قسم قسم کے کھانے پکانے سیکھ لے تو ایسا نہیں ہو سکتا جبتک وہ کسی ماہر فن سے ہر کھانے کی ترکیب عملی نہ سیکھے گا اسوقت تک کبھی اُس کو کھانا پکانے کا طریقہ معلوم نہ ہوگا اور اگر کسی نے کتاب دیکھ کر عمل شروع بھی کر دیا تو اُس کو قدم قدم پر دشواریاں پیش آئیں گی چنانچہ جب چاہے اس کا تجربہ کر لیا جائے اور یہی حال ہر عمل کا ہے کہ محض ترکیب جان لینے سے کسی عمل میں کمال حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ استاد سے سیکھنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

---

لے احقر جامع عرض کرتا ہے کہ اس آیت سے اشارۃً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جب تک دنیا میں قرآن اور اسلام کا وجود ہے اس وقت تک ہر زمانہ میں کاملین کا بھی وجود ضرور رہیگا کیونکہ جب تک دنیا میں قرآن ہے وقت تک ہر شخص اس آیت کا مخاطب ہے اور اس آیت میں کمال دین کا طریقہ صحبت کاملین بتلایا گیا ہے بصورت امر جس کا امتثال بدون تحقق کاملین کے نہیں ہو سکتا اور اوامر شرعیہ کے لئے متعذر الامتثال ہونا خلاف اصل ہے اس لئے یہ مطلب ثابت ہو گیا کہ ہر زمانہ میں کاملین کا وجود ضرور رہے گا گو وہ قلیل ہی ہوں پس جو لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ صاحب آجکل اہل کمال کہاں ہیں اب تو کمال کا حاصل ہونا دشوار ہے یہ آیت اشارۃً ان پر رد کرتی ہے، فافہم ۱۲ جامع۔

## طریق حصولِ دین کامل

پس دین میں بھی کمال حاصل کرنا صحبتِ کاملین پر موقوف ہے عادۃ اللہ اسیطرح جاری ہے

پس میں نے اس آیت کو عورتوں میں اس لئے پڑھا ہے کہ دو شبہے مرتفع ہوجائیں ایک ارام طلب عورتوں کا شبہ کہ وہ یوں نہ سمجھیں کہ یہ حکم مردوں ہی کے لئے مخصوص ہے کیونکہ وہی اس کے مخاطب ہیں اور ہم اس سے بچے ہوئے ہیں چنانچہ اکثر عورتوں کا یہ خیال ہے کہ بس خدا نے ہم کو تو کھانا پکانے اور سینے پرونے ہی کے لئے پیدا کیا ہے دین کا کمال حاصل کرنا ہمارا کام نہیں بلکہ مردوں کا کام ہے۔ دوسرے خدا طلب عورتوں کا شبہ کہ وہ اپنے دل میں یوں نہ کہیں کہ بس خدا تعالیٰ کو مردوں ہی پر عنایت ہے ہم کو منہ بھی نہ لگایا۔ ان دونوں شبہوں کا جواب میں نے دیدیا ہے کہ مردوں کو خطاب کرنا اس وجہ سے نہیں کہ عورتیں ان احکام سے مستثنیٰ ہیں اور نہ اس واسطے کہ حق تعالیٰ کو عورتوں پر عنایت نہیں بلکہ خصوصیت خطاب کا منشاء کچھ اور ہے جس کو میں مفصلاً بیان کر چکا ہوں پس عورتوں کو جان لینا چاہیئے کہ ان کو بھی حق تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اپنا دین کامل کرو ہر چند کہ مقصود اتنے ہی بیان سے پورا ہو گیا کیونکہ آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ اسمیں دین کے کامل کرنے کا حکم ہے اب ہر شخص دیکھ لے کہ دین کیا ہے اور اس کے کیا کیا اجزاء ہیں اس کے بعد سب کاموں کو طریقہ شرعیہ کے موافق بجالانا شروع کر دے۔ بس دین کامل ہو جائے گا مثلاً نماز دین کا کام ہے اُس کا کمال یہ ہے کہ اچھی طرح پڑھو وقت پر پڑھو جلدی جلدی نہ ادا کرو اطمینان و سکون کے ساتھ پڑھو۔ ایسے ہی زکوٰۃ دین کا کام ہے اور اُس کے کمال کا طریقہ یہ ہے کہ سال پورا ہونے کے بعد فوراً ادا کرو اور خوشی سے ادا کرو بیگار مت سمجھو۔ نیز ریا و نمود سے بچو محض رضاء حق کو مقصود سمجھو۔ پس دین کے کام اکثر لوگوں کو معلوم ہیں اور اُنکے کمال کا طریقہ مسائل پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر میں اس

وقت اجزاء دین کی تفصیل بیان کروں اور ہر اک کے کمال کا طریقہ جُدا جُدا بتلاؤں تو اس کے لئے عمر طویل بھی کافی نہیں لیکن مقصود کی تعیین تفصیل پر موقوف نہیں اجمالاً سب کو دین کے کاموں کا علم ہے اور اُنکے کمال کا طریقہ دریافت کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے

**غفلتِ نسواں**

لیکن اب مجھ کو عورتوں کی غفلت کی شکایت کرنا باقی ہے کہ افسوس اُن کو دنیا کی تکمیل کا تو خیال ہے دین کی تکمیل کا مطلق خیال نہیں میرا مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو دین کی تکمیل سے کبھی غافل نہ ہونا چاہیے جیسا کہ اُن کو اپنے زیور، کپڑے اور مکان کی ضروریات کی تکمیل سے کسی وقت بھی غفلت نہیں ہوتی اور وقتاً فوقتاً مردوں سے اُس کے متعلق فرمائشیں کرتی رہتی ہیں اور اگر مرد کسی وقت کسی فرمائش کو غیر ضروری بتلاتے ہیں برتنوں اور مکان کی ضرورتوں کے متعلق اختلافات ہونے لگتا ہے کہ مرد یوں کہتے ہوں کہ اُن چیزوں کی ضرورت نہیں اور مستورات کے نزدیک اُن کی ضرورت ہو تو ایسے موقع پر عورتیں کہہ دیا کرتی ہیں کہ تم کو ان چیزوں کی کیا خبر تمکو گھر میں رہنا تھوڑا ہی ہے اسکو تو ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں اور بعض دفعہ تو عورتوں کا یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کیونکہ واقعی مردوں کو ان ضرورتوں کا علم پوری طرح نہیں ہوتا اور بعض دفعہ اس اختلاف کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مردوں میں قناعت کا مادہ عورتوں سے زیادہ ہے مرد تھوڑے سے سامان میں بھی گزر کر لیتا ہے اور عورتوں میں قناعت کا مادہ ہے ہی نہیں ان کی طبیعت میں بکھیڑا بہت ہے اُن سے تھوڑے سامان میں گزر ہوتا ہی نہیں جب تک سارا گھر سامان سے بھرا بھرا نظر نہ آوے۔

مردوں کے نزدیک تو ضرورت کا درجہ یہ ہے کہ جس کے بغیر تکلیف ہو سو اتنا سامان تو اکثر متوسط الحال لوگوں کے گھروں میں بحمد اللہ موجود ہوتا ہی ہے اس لئے مردوں کو اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ ہاں اگر خدا وسعت دے تو اس کا بھی مضائقہ نہیں کہ اتنا سامان جمع کر لیا جاوے جس سے زیادہ راحت نصیب۔

ہو۔ یہ درجہ مردوں کے نزدیک کمال کا مرتبہ ہے مگر عورتوں کے نزدیک ضرورت کا درجہ تو کوئی چیز ہی نہیں مرد جس کو ضرورت کا درجہ سمجھتے ہیں وہ عورتوں کے نزدیک قلت اور تنگی کا درجہ ہے اُن کے نزدیک ضرورت کا درجہ وہ ہے جس کو مرد کمال کا درجہ سمجھتے ہیں اور کمال کا درجہ وہ ہے جو حقیقت میں ہوس کا درجہ ہے۔

## ناشکری و حرص

اور اس کا منشا یہ ہے کہ عورتوں میں ناشکری کا مادّہ زیادہ ہے اگر خدا تعالیٰ اُن کو ضرورت کے موافق سامان عطا فرما دیں تو یہ اُس کو غنیمت نہیں سمجھتیں نہ اُس پر خدا کا شکر کرتی ہیں بلکہ ناشکری کرتی رہتی ہیں کہ ہائے ہمارے پاس کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ حدیث میں بھی ان کی اس صفت کا تذکرہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناشکری کا مادّہ عورتوں میں ہمیشہ سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰی اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔

کہ اگر تم کسی عورت کے ساتھ عمر بھر اچھا برتاؤ کرتے رہو پھر کبھی ایک دفعہ کوئی خلافِ مزاج بات دیکھ لے تو وہ یوں کہے گی کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی بس ذرا سی بات میں ساری عمر کے احسانات فراموش کر جاتی ہیں۔ جہاں کسی دن ان کو شوہر کے گھر میں کھانے پہننے کی تنگی ہوئی اور انہوں نے اُس کو منہ پر لانا شروع کیا کہ اس نگوڑے کے گھر میں آ کر تو میں نے سدا تنگی ہی دیکھی، باپ ماں نے مجھے جان بوجھ کر کنویں میں دھکا دے دیا میں نے اس منحوس کے گھر میں کیا آرام دیکھا غرض جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتی ہیں اور اس کا ذرا خیال نہیں کرتیں کہ آخر اسی گھر میں ساری عمر میں نے عیش برتا ہے۔ مجھے اس کو نہ بھولنا چاہیے اور خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے کلفت آج ہی دکھلائی اور زیادہ زمانہ عیش میں گزرا۔ سو عورتوں میں چونکہ ناشکری کا مادّہ زیادہ ہے اس لئے انکو تھوڑے سامان پر قناعت نہیں ہوتی چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض عورتوں کے پاس سالہا سال کے کپڑے موجود ہوتے ہیں جو صندوق میں

بکھرے رکھے ہیں۔ لیکن پھر بھی کیا مجال ہے کہ پھیری والا بزاز ان کے گھر کے سامنے سے خالی گزر جائے جہاں بزاز کی آواز سُنیں گی فوراً اُس کو دروازہ پر بٹھلا کر اور کپڑا پھڑوا لیں گی۔ برتن گھر میں ضرورت سے زیادہ ہوں گے مگر پھر بھی ان کی فرمائشوں کا سلسلہ ختم نہ ہوگا۔ واعظوں کا بیان بڑا چٹخارے دار ہوتا ہے۔ دہلی میں مولانا عبدالرب صاحبؒ ایک واعظ تھے وہ عورتوں کی اس صفت کو بڑے چٹخے دار فقروں میں بیان کیا کرتے تھے کہ ان عورتوں کی یہ عادت ہے کہ ان کے پاس چاہے کتنے ہی کپڑے ہوں مگر جب پوچھئے کہ تمہارے پاس کتنے کپڑے ہیں تو یوں ہی کہیں گی کہ میرے پاس کیا ہیں دو چیتھڑے اور جوتوں کے چاہے کتنے ہی جوڑے ہوں مگر جب پوچھو یوں ہی کہیں گی کیا ہیں دو لتیڑے اور برتن چاہے کتنے ہی ضرورت سے زیادہ ہوں مگر جب پوچھو یوں ہی کہیں گی کیا ہیں دو ٹھیکرے۔ خیر یہ تو مولوی صاحبؒ کا لطیفہ ہے مگر حقیقت میں عورتوں کی عادت کا فوٹو انہوں نے خوب کھینچا۔ غرض اُن کو دنیا کی تکمیل کی بہت زیادہ فکر ہے ہر وقت اسی دُھن میں رہتی ہیں۔ اُن کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوتی، زیور کی ہوس کا یہ حال ہے کہ بعض عورتیں سر سے پیر تک لدی پھدی رہتی ہیں مگر پھر بھی بس نہیں اگر نیا زیور نہ بنوائے گی تو پہلے ہی زیور کی توڑ پھوڑ میں روپیہ برباد کرتی رہیں گی۔ آج ایک زیور بڑے شوق سے بنوایا تھا۔ کل کو کسی عورت کے پاس وہی زیور دُوسرے نمونہ کا دیکھ لیا تو اب اُن کو توڑ پھوڑ کی بیکلی لگتی ہے کہ میں بھی اُسی نمونہ کا بنواؤں گی۔

**تقلیدِ مغرب**

مگر آج کل کچھ دنوں سے تو عمر لڑکیوں میں زیور کا شوق کم ہوگیا ہے یہ نیا فیشن چلا ہے کہ نو عمر لڑکیاں آج کل کان وغیرہ ننگے رکھتی ہیں یہاں بھی یہ اثر ضرور ہوگا یہاں کی مجھ کو زیادہ تحقیق نہیں مگر جب قصبات میں یہ اثر پہنچ گیا ہے تو شہروں میں بھی ضرور ہوگا چاندی کا زیور تو آجکل عیب شمار ہونے لگا یہ تو نیلوں بھلا ہیوں کا زیور رہگیا۔ شرفاء کی لڑکیاں صرف سونے کا زیور پہنتی ہیں وہ بھی صرف کانوں میں دُو ہلکے ہلکے بُندے ہیں اور سارا بدن زیور سے ننگا ہے۔ ہاں پیروں میں

کچھ چاندی بھی ڈال لیتی ہیں کیونکہ وہ حقیر چیز ہے پیروں ہی میں رہنی چاہیئے تو آج کل
زیور میں لڑکیوں نے اختصار کرلیا ہے اور اس مذاق کی ابتدا میموں کے اتباع سے
ہوئی ہے میمیں زیور نہیں پہنتیں، کیونکہ انکی قوم میں اُس کا رواج نہیں، حکمران قوم ہے
اُن کو دیکھ دیکھ کر ہندوستانی عورتوں میں بھی یہ مذاق پیدا ہوگیا اور ان کو میموں
کا طرز اس طرح معلوم ہوا کہ آجکل جابجا شفا خانے کھلے ہوتے ہیں جن میں زنانے
شفا خانے بھی ہیں ہندوستانی عورتیں وہاں جاکر میموں کا علاج کراتی ہیں اس ذریعہ
سے اُن کے پاس آمد و رفت ہوتی ہے اور جو زیادہ وسعت والے ہیں وہ میموں کو اپنے
گھروں پر بُلاتے ہیں دُوسرے آجکل ریلوں میں بھی عورتیں سفر کرتی ہیں اسٹیشنوں پر
میمیں نظر پڑجاتی ہیں علم اجمالی تو اسطرح حاصل ہوا۔ پھر تفصیلی علم شفاخانوں میں
جاکر یا ان کو گھر پر بُلانے سے ہوگیا پھر بعض عورتوں پر تو میموں کا اثر بلا واسطہ ہوا
اور بعض پر بواسطہ ہوا کہ ایک نے تو میموں کو دیکھ کر اُن کا طرز اختیار کیا پھر اس کو دیکھ
دیکھ کر دوسریوں نے اپنا رنگ بدلا، لوگ اِس میں احتیاط نہیں کرتے اور یوں سمجھتے
ہیں کہ یہ تو عورتیں ہیں ان سے کیا احتیاط اُس لیئے بے تکلف میموں سے علاج کراتے
ہیں حالانکہ میمیں مردوں سے زیادہ قابلِ احتیاط ہیں کیونکہ مردوں سے تو مردوں کو سابقہ
پڑتا ہے اور مردوں میں تاثر کا مادہ کم ہے وہ ان کی باتوں سے متاثر بہت کم ہوتے
ہیں اور میموں سے عورتوں کو سابقہ پڑتا ہے اور اُن میں تاثر کا مادہ زیادہ ہے یہ ہر نئی
چیز سے بہت جلد متاثر ہوتی ہیں پھر میموں کی طرزِ تقریر میں ایک خاص بات ہوتی ہے
جو ہندوستانی عورتوں میں نہیں ہوتی اس لئے وہ میموں کی باتوں سے بہت جلد متاثر
ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ ایک دیندار عورت نے اس حقیقت کو خوب سمجھا اسکی آنکھ میں
کچھ نقص تھا ڈاکٹر کو آنکھ دکھانے سے وہ انکار کرتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ آنکھ ہی کی تو
شرم ہے جب غیر مرد کے سامنے آنکھ ہوگئی پھر پردہ کلہے کا رہا پھر اس نے ایک میم

کو اپنی آنکھ دکھائی اُس نے دیکھ کر کہا کہ میں اس علاج میں ماہر نہیں ہوں تم کو ڈاکٹر صاحب کو آنکھ دکھانا چاہیے اُس نے ڈاکٹر کو دکھانے سے انکار کیا اس پر میم نے ایسی تقریر کی کہ اُنکی رائے فوراً بدل گئی اور ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے تیار ہوگئیں پھر انکو شبہ ہوا اور عہد کیا کہ اب ساری عمر بھی ان میموں کا منہ کبھی نہ دیکھوں گی کہ اس ساحرہ نے تو میری عمر بھر کی غیرت و حیا کو ایک منٹ میں اپنی تقریر سے مغلوب کر دیا کہ اس وقت مجھے ڈاکٹر کے سامنے آنے سے بھی غیرت مانع نہ ہوتی تھی انکا کیا اعتبار یہ ظالم تو اپنی تقریر سے کسی کا دین بھی بدل دیں تو تعجب نہیں۔ صاحبو! اس بات کو معمولی نہ سمجھو اسکی بہت احتیاط ضروری ہے خصوصاً یہ جو مشن کی میمیں ہیں ان سے تو بہت ہی احتیاط لازم ہے یہ اپنے مذہب کی تبلیغ بڑی باریکی سے کر دیتی ہیں کہ سُننے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا مگر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے ذہن میں انکے مذہب سے نفرت نہیں رہتی اور بعض دفعہ تو علاج کے ساتھ ساتھ وہ مذہبی گفتگو بھی صاف صاف کرتی رہتی ہیں میں نے بہت واقعات ایسے سُنے ہیں کہ بعض عورتوں نے میموں کا علاج شروع کیا پھر ان پر ایسا اثر پڑا کہ کمبختوں نے دین بدل دیا۔ بعض نے دین نہیں بدلا تو پردہ کرنا چھوڑ دیا اور بعض نے لباس اور زیور وغیرہ میں انکا طرز اختیار کر لیا ہے یہ تو سب سے ادنیٰ اثر ہے اور اب روز بروز اس کی زیادتی ہے علاج کرانے کا کافر عورت سے مضائقہ نہیں مگر اس میں چند باتوں کا خیال رکھیں۔

۱۔ ان سے بجز علاج معالجہ کے اور کوئی بات نہ کریں۔

۲۔ ضرورت کے سوا زیادہ میل جول نہ بڑھاویں اُن سے ہنسا یا نہ کریں۔ آجکل تو غضب یہ ہے کہ جس گھر میں ایک دفعہ میم صاحبہ کا قدم آجاتا ہے پھر وہ روز کے روز اُسی میں گھر کی نظر آتی ہیں اگر وہ خود بھی نہ آئی تو گھر والیاں بُلاتی ہیں اسکی بہت سختی کے ساتھ بندش کرنی چاہیے۔

۳۔ اگر وہ مذہبی باتیں شروع کرے تو فوراً روک دینا چاہیے یا کم از کم سُننا نہ چاہیے اور اگر وہ کسی بات کا جواب مانگے تو صاف کہہ دو کہ شہر میں علماء موجود ہیں تم اُن سے جا کر کہو وہ تم کو ہر بات کا جواب دیں گے۔

## پردہ کی سختی

اور ایک بات خاص ایسی ہے جس کی طرف اکثر عورتیں تو کیا خاص خاص مرد بھی توجہ نہیں کرتے وہ یہ کہ جن مواضع جسم کا چھپانا محرم مرد سے فرض ہے کافر عورتوں سے بھی اُن کا چھپانا فرض ہے مثلاً سر کا کھولنا یا گلا کھولنا محرموں کے سامنے جائز نہیں ان مواضع کا کھولنا کافر عورت کے سامنے بھی بلا ضرورت معالجہ کے حرام ہے البتہ اگر ان مواضع کو علاج کی غرض سے کھولنا پڑے تو جائز ہے لیکن بلا ضرورت ہرگز نہ کھولنا چاہیے۔ جس کی دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ اونساءھن اس سے پہلے حق تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کے سامنے عورتوں کو آنا جائز ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ الآیۃ۔

(ترجمہ) اور اپنی زینت (کے مواقع) (کو کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر (خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی اور چچا زاد ماموں زاد بھائی وغیرہ مراد نہیں) یا اپنے بھائیوں کی اولاد پر یا اپنی بہنوں کی اولاد پر (یہاں بھی حقیقی و علاتی و اخیافی بہنیں مراد ہیں چچا زاد خالہ زاد ماموں زاد بہنیں مراد نہیں) یا اپنی عورتوں سے مراد

مسلمان عورتیں ہیں کیونکہ وہی اپنی کہلاتی ہیں / یا اپنی باندیوں پر (مطلقاً خواہ کافر ہوں یا مسلمان) الآیۃ - تو ان آیتوں میں یہ نہیں فرمایا او النساء اگر اس طرح فرماتے تو یہ مطلب ہوتا کہ مسلمان عورتوں کو سب عورتوں کے سامنے آنا اور اپنے مواقع زینت کا کھولنا جائز ہے بلکہ حق تعالیٰ نے او نسائهن فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہے اپنی عورتیں اور باتفاق مفسرین اپنی عورتیں وہی ہیں جو مسلمان ہیں پس مطلب یہ ہوا کہ مسلمان عورتوں کو مسلمان عورتوں کے سامنے اپنی زینت کے مواقع کا کھولنا جائز ہے کافر عورتوں کے سامنے گلا اور سر اور کلائیاں اور پنڈلیاں کھولنا جائز نہیں؛ اسمیں بکثرت مستورات مبتلا ہیں وہ یہ سمجھتی ہیں کہ عورتوں سے کیا پردہ؟ حالانکہ شریعت میں کافر عورتوں کا حکم مثل اجنبی مرد ہے میموں سے تو ان کو کبھی کبھار ہی واسطہ پڑتا ہے مگر اکثر بھنگنوں، چماریوں یا کنجڑیوں یا پٹھانیوں سے بہت واسطہ پڑتا ہے یہ عورتیں رات دن گھر میں گھسی رہتی ہیں ان سے بہت کم احتیاط کی جاتی ہے سو خوب سمجھ لو کہ یہ عورتیں مثل اجنبی مرد کے ہیں ان کے سامنے بدن کا کھولنا ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر مردوں کے سامنے بدن کھولنا پس ان سے تمام بدن کو احتیاط کے ساتھ چھپاؤ صرف منہ اور قدم اور گٹے تک ہاتھ کھولنا ان کے سامنے جائز ہے باقی تمام بدن کا چھپانا فرض ہے خصوصاً سر کھول کر گھر میں پھرنے کا عورتوں کو زیادہ مرض ہے تو ان عورتوں کے آنے کے وقت تمام سر کو چھپا لینا چاہیے کہ بال تک بھی ان کو نظر نہ آویں - اسکی طرف عورتوں کو بالکل التفات نہیں جس کا سبب یہ ہے کہ انکو احکام کی طرف توجہ کم ہے دنیا ہی میں ہر وقت لگی رہتی ہیں انکو اپنے زیور کپڑے سے اتنی بھی فرصت نہیں ملتی کہ تھوڑی دیر کے لئے کوئی کتاب مسائل کی پڑھ لیا کریں - میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان میموں وغیرہ سے عورتوں کو بچنا چاہیے - بلا ضرورت ان سے ہرگز نہ ملیں نہ اپنے گھر پر بلادیں اور اس کا پورا انتظام مردوں کو کرنا چاہیے ان عورتوں کے اختلاط کا بہت برا نتیجہ ہے مستورات کو ان کی اوضاع و اطوار سے

بچنا چاہیئے۔

## فیشن پرستی

چنانچہ انہی کے اوضاع میں سے ایک اثر یہ بھی ہے کہ نوعمر لڑکیوں کو زیور کا خیال کم ہو گیا ہے اس کا منشا کفایت شعاری ہرگز نہیں کیونکہ پہلی ساری کفایت شعاری زیور ہی میں رہ گئی اچھا کپڑوں میں کفایت شعاری کیوں نہیں کی جاتی جو لڑکیاں زیور کم پہنتی ہیں وہ کپڑوں میں بڑی رقم صرف کرتی ہیں اسی طرح گھر کی آرائش اور زینت میں بھی خرچ کی پرواہ نہیں کرتیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصود محض میموں کا اتباع ہے۔ جس چیز میں وہ رقم صرف نہیں کرتیں اس میں یہ بھی صرف نہیں کرتیں، اور جس میں ان کو زیادہ غلو ہے اس میں یہ بھی خرچ کی پرواہ نہیں کرتیں۔ بلکہ یہ مذاق اس درجہ غالب ہوا ہے کہ جن عورتوں میں مالی وسعت زیادہ بھی نہیں ہے وہ معمولی کپڑوں اور معمولی زیوروں ہی میں ایسی تراش خراش کرتی ہیں اور ایسی وضع سے انکو بناتی ہیں جس سے وہ میم کی طرح نظر آنے لگیں پس ایسی حالت میں انکو زیور کا خیال کم ہونا کچھ باعث مسرت نہیں بلکہ یہ تو اس کا مصداق ہو گیا۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ــــ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اگر یہ اپنی پرانی وضع پر قائم رہیں پھر زیور کا شوق کم کر دیں اس وقت البتہ خوشی کی بات ہے اور جن لڑکیوں میں یہ مذاق نہیں آیا ان کی حالت یہ ہے کہ زیور سے کسی وقت ان کا پیٹ ہی نہیں بھرتا کانوں میں بالے بھی ہیں بالیاں بھی ہیں پتے بھی ہیں انکو کچھ حس ہی نہیں کہ اس سے کان ٹوٹیں گے یا کیا ہو گا چاہے کان جھک پڑیں مگر ان کو سب زیور لادنا فرض ہے ناک میں نتھ بھی ہے اور لونگ بھی ہے پھر چاہے لونگ سے ناک میں آگ ہی لگ جائے مگر کیا مجال جو کسی وقت اترے۔ پھر اس زیور کے شوق میں ان کو ساری مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں یعنی کان چھدوانے میں کتنی تکلیف ہوتی ہے مگر لڑکیاں ہنسی خوشی سب کام کرا لیتی ہیں بلکہ اگر کوئی ان سے یہ کہے کہ کان چھدوا

کر بجالو گی خواہ مخواہ تکلیف اپنے سر مول لیتی ہو کان مت چھدواؤ تو اُس سے لڑنے کو تیار ہوجاتی ہیں۔ میرے ایک دوست ہیں اُن کو اپنی لڑکی سے بہت محبت تھی ایک دن وہ مجھ سے کہنے لگے کہ اگر میں اس بچی کے کان نہ چھدواؤں تو کچھ حرج تو نہیں مجھے اسکی تکلیف سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے کہہ دیا نہیں حرج کیا ہوتا یہ خبر کہیں اُس لڑکی کو پہنچ گئی مجھ پر بڑی خفا ہوئی کہ اپنی بیوی اور ماں بہن کو نہیں دیکھتے بھلا یہ مسئلہ میرے ہی واسطے نکالا پہلے اپنے گھر والوں کو اسکی تعلیم دی ہوتی میں تو ضرور کان چھدواؤں گی۔ وہ دوست میرے پاس آئے کہ صاحب اُس لڑکی نے وہ بات سُن لی۔ تو آپ پر بڑی خفا ہوئی۔ میں نے کہا بھائی! تم اُس کے ایک ایک کی جگہ دُو دُو سوراخ کرا دو۔

## حقیقت حرص

ایک بنئے کا قصہ مشہور ہے کہ اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ذرا سل کا باٹ اُٹھا لائے اُس نے کہا مجھ سے سل کا باٹ کھونگر اُٹھے گا بھاری پتھر ہے کہیں میری کمر میں لچک آجائے اُس نے پتھر تو خود اُٹھا لیا لیکن سل کو کسی بہانہ سے باہر لے گیا اور ایک سُنار کو بلا کر کہا کہ اس سل کے اُوپر سونے کے پتر خوبصورتی کے ساتھ جڑدے اور اُس میں ایک مضبوط زنجیر ڈال دے۔ جب وہ تیار ہو کر آگئی تو اُسی بیوی کو لا کر دی کہ لو ہم نے تمہارے واسطے ایک ہنسیل بنوایا ہے لے پہن لو تو اُس نے خوش ہو کر اُسے گلے میں ڈال لیا اور گلے میں لٹکائے پھرنے لگی۔ اگر دن بوجھ سے جھکی جاتی تھی مگر زیور کے شوق میں سب تکلیف گوارا تھی اس کے بعد بنئے نے نکال جوتا خوب خبر لی کہ کمبخت اُس روز تو تجھ سے سل کا باٹ بھی نہ اُٹھتا تھا اور آج اُسی سل کو گلے میں لٹکائے پھرتی ہے آج تیری کمر میں کچھ نہیں ہوتا۔ خیر یہ قصہ تو گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر جس نے تصنیف کیا ہے اُس نے عورتوں کے مذاق کو خوب سمجھا ہے حقیقت میں اُن کو زیور کی حرص ایسی ہی ہے کہ اگر سونے کا زیور

بہت بھاری بھی ہو تو یہ کبھی اُس کے پہننے سے انکار نہ کریں گو گردن اور گلا کیسا ہی دُکھتا ہے۔ اور یوں تو عورتوں میں زیور کپڑے کی حرص طبعی طور پر ہوتی ہی ہے لیکن آپس میں ملنے جلانے سے یہ حرص اور بڑھ جاتی ہے۔ اُن کا آپس میں ملنا جلنا بڑا غضب ہے ایک دوسری کو دیکھ کر رنگ ملیتی ہے اگر کبھی کو خدا تعالیٰ نے زیور اور کپڑا حیثیت کے موافق دے رکھا ہو تو وہ اُسی وقت تک خوش ہے جب تک برادری کی بہنوں میں نہ جائے اور جہاں برادری میں نکلتا ہوا پھر انکی نظر میں اپنا زیور اور کپڑا حقیر معلوم ہونے لگتا ہے دوسروں کا زیور دیکھ کر اُن کا دل للچاتا ہے کہ ہمارے پاس بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے اور اسمیں اپنی حیثیت پر بھی اُن کو نظر نہیں ہوتی کہ جس کے پاس ہمسے زیادہ زیور ہے اُسکی حیثیت کیا ہے۔ جس کے مرد کی آمدنی پچاس روپے ماہوار ہے وہ بھی برابری کرتی ہے اُس کی جس کے مرد کی آمدنی ہزار روپیہ ماہوار ہے۔

## اختلاطِ نسواں

عورتوں پر ملنے جلنے کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ سہارنپور میں ایک کورٹ انسپکٹر تھے جن کی تنخواہ چار سَو، پانچ سَو روپے ماہوار تھی مگر اُن کی عادت یہ تھی کہ ساری تنخواہ اپنے غریب رشتہ داروں میں خرچ کرتے تھے گھر میں کم رکھتے تھے۔ اُنکی بیوی کے پاس زیور کا ایک چھلا بھی نہ تھا نہ گھر میں کوئی خادمہ تھی بیچاری اپنے ہاتھ سے آٹا پیستی تھی اور خود ہی پکاتی تھی اور اسی حالت میں خوش تھی۔ میرے ایک عزیز بھی اُس زمانے میں سہارنپور میں ملازم تھے اور ان کا مکان کورٹ انسپکٹر صاحب کے مکان سے متصل ہی تھا وہ اپنی بیوی کو کسی کے یہاں بھیجتے نہ تھے مگر ایک دفعہ اُن عزیز کے گھر والوں کے اصرار پر اُنہوں نے ملنے کی اجازت دی وہ جو یہاں آئی تو اس نے یہاں باندیوں کو بھی اپنے سے اچھا پایا اُن کے پاس بھی کچھ زیور تھوڑا بہت تھا۔ اور کورٹ انسپکٹر کی بیوی کے پاس چھلا تک نہ تھا بس یہاں سے جا کر اُس نے اپنے میاں کی خوب خبر لی کہ واہ سر رشتہ دار صاحب کی تنخواہ بھی

تم سے کم ہے پھر بھی اُن کے گھر والے زیور میں لدے پھندے ہیں اور میں بالکل ننگی ہوں اور اُن کی بیوی اپنے ہاتھ سے ایک کام بھی نہیں کرتیں، ایک چھوکری کئی باندیاں ہیں سارا کام وہی کرتی ہیں اور میں سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتی ہوں اب تو مجھ سے اس طرح نہیں رہا جاتا تم مجھے بھی زیور بنا کر دو اور عمدہ لباس بنا کر دو اور گھر میں خادمہ نوکر رکھو۔ وہ کورٹ انسپکٹر کہیں مجھ سے الہ آباد میں ملے تھے بیچارے کہتے تھے کہ شیخ کامل کی صحبت کا اثر ایک منٹ میں ایسا ہوا کہ میری ساری عمر کا اثر فوراً زائل ہو گیا۔ اب میرے گھر میں رات دن زیور کی فرمائش کرتی ہے۔ اور کوئی کام خود نہیں کرتی۔ زیور بناتا بناتا تھک گیا مگر سلسلہ ختم ہی نہیں ہوتا اور میری ساری خیر خیرات بند ہو گئی۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ان کا آپس میں ملنا جلنا بڑا غضب ہے۔

## شرائط اختلاطِ نسواں

اور میں یہ نہیں کہتا کہ مستورات کا آپس میں ملنا جلنا بالکل بند کر دو۔ میرا مطلب یہ ہے عورتوں کو اپنے اس مرض کی اصلاح کرنی چاہیئے اگر کسی کا دل دوسروں کے زیور کپڑے دیکھ نہ للچائے اُس کو ملنے جلنے کا مضائقہ نہیں مگر جس پر دوسروں کو دیکھ کر یہ اثر ہو اس کو ضرور نہ ملنا چاہیئے۔ قرآن شریف میں عورتوں کو حکم ہے وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کہ تم اپنے گھروں میں جم کر بیٹھی رہو اس میں تعمیم الآحاد علی الآحاد ہے جس سے یہ مطلب حاصل ہوا کہ ہر عورت اپنے گھر میں جم کر بیٹھی رہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے اصلی حکم یہی ہے کہ وہ اپنے اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں نہ عورتوں سے ملنے کے لئے نہ مردوں سے ملنے کے لئے۔ پھر آخر کچھ تو بات ہے جو حق تعالیٰ نے عورتوں کو گھر میں رہنے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر سے باہر نکلنا ان کے لئے مضر ہے (لیکن مواقع ضرورت اس سے مستثنیٰ ہیں ۱۲) پس جس کو ملنے جلنے سے یہ ضرر ہوتا ہو اس کے لئے یہی حکم ہو گا کہ وہ کسی سے نہ

سے اپنے گھر ہی میں بیٹھی رہے۔ ہاں جس کو ضرر نہ ہوتا ہو وہ اپنے خاوند کی اجازت سے دوسروں کے گھر جا سکتی ہے۔ بیبیو! آخر تم کھجلی والوں سے تو بچتی ہو اور ان کے پاس بیٹھنا اور اُن سے ملنا جلنا تم کو گوارا نہیں ہوتا کہ کہیں ہم کو بھی کھجلی نہ ہو جاوے اور یہ حالت تو کھجلی سے بھی بدتر ہے۔ کھجلی کا ضرر تو محض جسمانی ہے اور اس کا ضرر جسمانی بھی ہے اور روحانی بھی۔ جسمانی ضرر تو یہ ہے کہ جب تم دوسری عورتوں کو اپنے سے اچھی حالت میں دیکھو گی اور اُن جیسا بننا چاہو گی اور تمہاری حیثیت اُن کی برابر نہیں ہے تو تم کو خواہ مخواہ اس سے اُلجھن اور پریشانی ہوگی اور رات دن تم اسی فکر میں گھلو گی کہ ہائے میرے پاس بھی یہ چیز ہوتی وہ ہوتی پھر بعض دفعہ تم مردوں سے بھی اس قسم کی فرمائش کرو گی جو اُن کی حیثیت سے زیادہ ہے، اُنکو یہ فرمائش ناگوار ہوگی جس سے خواہ مخواہ دلوں میں کدورت پیدا ہوگی جس سے بعض اوقات دُور تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور روحانی ضرر یہ ہے کہ اس سے ناشکری کا مرض بڑھتا ہے جب تم دوسروں کو اپنے سے بڑھا ہوا دیکھو گی تو اُن نعمتوں کی قدر نہ کرو گی جو خدا تعالیٰ نے تم کو عطا فرمائی ہیں ہمیشہ یہی سمجھو گی کہ میرے پاس کیا ہے کچھ بھی نہیں اس لئے جس پر ملنے کا ایسا اثر پڑتا ہو اُسکو یہی حکم دیا جائے گا کہ وہ کسی سے نہ ملے اور اگر ملے تو غریب نادار عورتوں سے ملے کیونکہ غریبوں سے مل کر تمہارا جی خوش ہوگا اور خدا کا شکر کرو گی کہ الحمد للہ میں بہت سی عورتوں سے اچھی حالت میں ہوں۔ اور یہی نکتہ ہے اس حدیث میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا: یَا عَائِشَةُ قَرِّبِي الْمَسَاكِينَ وَجَالِسِيهِمْ، کہ اے عائشہ مساکین کے پاس بیٹھا کرو اور اُن کو اپنے سے نزدیک کیا کرو۔ مساکین کے پاس بیٹھنے سے خدا کی نعمتوں کی قدر ہوتی ہے اور دل خوش رہتا ہے۔

**طریق اختلاط** ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اُمرا کے پاس بیٹھنے سے

دن بدن میری پریشانی بڑھتی رہی اور میں یہ سمجھتا تھا کہ میرے اُوپر خدا کی کچھ بھی نعمت نہیں پھر میں نے غرباء کے پاس بیٹھنا شروع کیا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بادشاہ ہوں اور میری ساری پریشانی دُور ہو گئی اور خوشی بڑھ گئی۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ دین کے باب میں انسان کو اپنے سے اونچے کو جو اس سے زیادہ دیندار ہو اور دنیا کے باب میں اپنے سے نیچے کو دیکھنا چاہیئے۔ مگر آج کل معاملہ برعکس ہے لوگ دین کے باب میں تو اُن لوگوں پر نظر کرتے ہیں جو زیادہ کام نہیں کرتے پھر اپنے دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ اگر ہم رات کو نہیں اُٹھتے تو کیا ہوا فلاں مولوی صاحب بھی تو رات کو نہیں اُٹھتے اگر ہم عمدہ عمدہ کپڑے پہنتے ہیں تو کیا ہوا فلاں شاہ صاحب بھی تو بڑا عمدہ لباس پہنتے ہیں، دین کے باب میں لوگ اُن بزرگوں کو نہیں دیکھتے جن کا تہجد کبھی قضا نہیں ہوتا اور بیچارے معمولی حیثیت میں رہتے ہیں اور دنیا کے بارہ میں ہمیشہ اپنے سے زیادہ پر نظر کرتے ہیں کہ ہائے میں فلاں رئیس کے برابر نہ ہو گیا فلاں سوداگر کے برابر نہ ہوا جس سے بجز پریشانی بڑھنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ عورتوں کو بھی چاہیئے کہ دنیا کے بارہ میں اپنے سے گھٹیا کو دیکھیں مثلاً تمہارا گھر کسی رئیس زادی کے گھر سے کم ہے تو تم ان لوگوں پر نظر کرو جن کے گھر تم سے بھی گھٹیا ہیں کہ نہایت تنگ ہیں پلنگ بچھنے کے بعد چلنے کو بھی رستہ نہیں رہتا، وہاں ہوا کا تو کہاں گزر بارش کا بھی بچاؤ نہیں اور تم ہوادار صحن میں ایسے آرام سے سوتی ہو کہ صبح کی نماز بھی قضا ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے مکانات دیکھ کر تم کو اپنے مکان کی قدر ہو گی کہ بلا سے اس میں جھاڑ فانوس نہیں ہیں تو کیا ہوا بارش کا بچاؤ تو ہے ہوا کا گزر تو ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔ کہ ایک مرتبہ میرے پاس جوتہ نہ تھا تو میں رنجیدہ تھا کہ اچانک میں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس کے پیر ہی نہ تھے میں نے خدا کا شکر کیا کہ میرے پیر تو ہیں جس سے جوتا نہیں تو کیا ہوا۔ تو حقیقت میں دنیا کے باب میں اپنے سے کمتر حیثیت والوں کو دیکھنے

سے بڑی راحت دل کو ہوتی ہے ۔

**دین و دنیا** مگر اب ایسا مذاق بدلا ہے کہ دنیا میں جہاں ذرا کمی ہوئی اس کا تو قلق ہوتا ہے اور اس پر کبھی نظر نہیں ہوتی کہ اللہ کی بہت سی مخلوق ہم سے بھی ابتر حالت میں ہے ہم پھر اُن سے بہت اچھے ہیں اور دین میں ایسا استغنا برتا جاتا ہے کہ پانچ وقت کی نماز پر اکتفا کر لیا ہے اگر کوئی ان سے تہجد و اشراق کو کہہ دے تو جواب میں یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم مر جائیں بہت تو کام کرتے ہیں کہ پانچ وقت کی نماز پڑھ لیتے ہیں گویا اُنہوں نے نماز کیا پڑھی ساری جنت ہی خرید لی جیسے ایک گنوار کا لڑکا کسی مُلّا کے پاس پڑھتا تھا تو ایک دن وہ گنوار ملا جی سے کہنے لگا کہ میرے بیٹے کو بہت نہ پڑھا دیجو کہیں لوٹ پوٹ پگمبر نہ ہو جاوے (یعنے پیغمبر نہ ہو جاوے) تو جس طرح اس جاہل کا خیال تھا کہ زیادہ پڑھنے سے آدمی پیغمبر ہو جاتا ہے اسی طرح آج کل لوگوں کا خیال ہے کہ بس پانچ وقت کی نماز پڑھ لینے سے آدمی جنید و شبلی ہو جاتا ہے پھر اُسے اور کسی کام کی ضرورت نہیں رہتی ۔ اسی طرح ایک گنوار کے سر میں درد تھا ۔ ایک دوسرے گنوار نے کہا کہ آ میں تیرا سر جھاڑ دوں مجھے سر کے درد کی جھاڑ آتی ہے وہ سر کھول کے اس کے آگے بیٹھ گیا تو آپ نے کُلْ بِاللهِ هَدْ پڑھ کر اس کے سر کو جھاڑا (یہ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدْ کو بگاڑا تھا) تو وہ دوسرا گنوار کہتا ہے جس کے سر میں درد تھا کہ جا سارے کے سارے تو تو ھاپچ ہی ہو گیا (سارے کے سارے یہ خرابی ہے سالے کی جو گالی کا لفظ ہے اور ھاپچ خرابی ہے حافظ کی) سو دیکھئے اس کے نزدیک کُل باللہ ھد ہی سے آدمی حافظ ہو جاتا ہے جس میں پوری قُلْ هُوَ اللهُ بھی یاد ہونا شرط نہیں اور اس کا صحیح پڑھنا بھی شرط نہیں ۔

**حقیقت کمالات** یہی حال آج کل عام لوگوں کا ہو رہا ہے کہ اُن کے نزدیک

بلند وشبلی بننے کے لئے پانچ وقت کی نماز سے زیادہ اور کچھ ضرورت نہیں اور اُن نمازوں کا اچھی طرح اُدا کرنا بھی ضروری نہیں بس اُلٹی پلٹی نماز پانچ وقت پڑھ لینا کافی ہے جیسا ایک جُلاہے کا قصہ ہے کہ اُس کا لڑکا انگریزی پڑھتا تھا کسی نے پُوچھا کہ تمہارا لڑکا انگریزی پڑھتا ہے اب کتنی لیاقت ہو گئی۔ کہنے لگا کہ کھڑا کھڑا تو موتنے لگا ہے اب ذرا سی کسر رہ گئی ہے۔ اُس کے نزدیک بس کھڑے ہو کر موتنے لگنا بڑی لیاقت تھی کہ اس کے بعد کامل لیاقت میں ذرا ہی سی کسر رہ جاتی ہے شاید وہ کسر یہ ہو کر کھڑا کھڑا ہگنے بھی لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ ادچھا آدمی ذرا سی بات میں اِترانے لگتا ہے کہ جو بات کسی دُرجہ میں بھی قابلِ فخر نہیں ہوتی وہ اسی پر ناز کرنے لگتا ہے اور یہ ساری خرابی جہل کی ہے ان لوگوں کو اصلی کمالات کی خبر ہی نہیں اسی لئے اُن کی نظر میں چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کمالات معلوم ہوتی ہیں۔ مولانا نے اسکی خوب مثال دی ہے کہ جیسے ایک مچھر ایک تنکے پر بیٹھا ہوا تھا اُس کے قریب بیل بندھا ہوا تھا، بیل نے جو پیشاب کیا تو وہ تنکا اس میں تیرنے لگا مچھر اپنے دل میں بڑا خوش ہوا کہ آج میں نے سمندر کے اندر کشتی پر سواری لے لی۔ وہ بیوقوف بیل کے پیشاب کو سمندر اور گھاس کے تنکے کو کشتی سمجھ گیا کیونکہ اُس نے اصلی سمندر کو دیکھا نہ تھا، یہی حال ہم لوگوں کا ہے کہ ہم نے اصلی کمالات تو دیکھے نہیں ذرا ذرا سی باتوں کو کمالات سمجھنے لگے مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک بوڑھے میاں پڑھتے تھے اور قسمت سے بیٹے میاں بھی ابا جان کے ساتھ پڑھتے تھے باپ اور بیٹے دونوں ایک ہی سبق میں شریک تھے مگر اُن کو عقل کم تھی سبق کے وقت میں بڑے اینڈے بینڈے سوالات کرتے مولانا بڑے میاں کے سوالات کا جواب کم دیتے تھے جماعت میں ایک ذہین نوجوان طالب علم بھی تھے مولانا اُن کے سوالات کے جوابات نہایت شوق سے دیتے تھے۔ ایک دن وہ بڑے میاں ان نوجوان طالب علم سے کہنے لگے کہ مولانا تمہارے سوالات کے جوابات خوب

دیتے ہیں اور ہمارے سوالات کا جواب نہیں دیتے حالانکہ ہم اتنے بڑے آدمی ہیں اسکی کیا وجہ . وہ طالب علم ہنسنے لگے اور کہا کہ اسکی وجہ تم مولانا ہی سے پوچھو میں کیا بتلاؤں وہ انکو پکڑ کر مولانا کے پاس لے گئے اور پکڑ کر اسواسطے لے گئے تاکہ مولانا کے سامنے اُن کی طرف اشارہ کر کے بتلادیں کہ آپ اُنکے سوالات کے جواب کیوں دیتے ہیں جیسے ایک دیہی آدمی نے نیتِ اقتدا. کرتے ہوئے امام کی کمر میں انگلی ماری تھی کہ نماز پڑھتا ہوں پیچھے اس امام کے . اُس بندہ خدا کو بدون انگلی لگائے تسلی نہ ہوتی تھی .

## حقیقتِ فاتحہ

اور جیسے فاتحہ دینے والے کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دیتے ہیں تاکہ معاذ اللہ حق تعالیٰ کو ثواب دینے میں غلطی نہ ہوجائے کبھی ایسا نہ ہو کہ پلاؤ کی جگہ کسی دُوسری چیز کا ثواب مُردہ کو پہنچ جائے اس لئے وہ کھانا سامنے رکھ کر نام بنام ثواب بخشتے ہیں . ایک گنوار نے مجھ سے پُوچھا کہ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا کیسا ہے، میں نے کہا بدعت ہے کہنے لگا کہ اس میں کیا حرج ہے میں نے کہا کہ سامنے رکھنے کی کیا ضرورت ہے آخر تم روپیہ اور کپڑا بھی تو اللہ کے نام پر دیا کرتے ہو کیا اُس پر بھی فاتحہ دیا کرتے ہو، کہنے لگا جی نہیں میں نے کہا پھر کھانے پر فاتحہ دینے کی کیا ضرورت ہے جیسا روپیہ کپڑے کا، ثواب بدون فاتحہ کے پہنچ سکتا ہے اسی طرح کھانے کا ثواب بھی بدون فاتحہ کے پہنچ سکتا ہے . دونوں میں کیا فرق ہے . بیچارہ تھا سمجھدار . فوراً سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ جی بات تو یہی ہے یہ ہمارے ڈھونگ ہیں، تم سچ کہتے ہو . بعضے گنوار بہت سمجھدار ہوتے ہیں کیونکہ ان کی طبیعت میں اینچ پینچ نہیں ہوتا سیدھی بات کو جلدی قبول کر لیتے ہیں مگر بعضے گنوار اکھڑ بھی ہوتے ہیں چنانچہ ایک گنوار نے فاتحہ کے ثبوت میں یہ دلیل بیان کی تھی کہ قرآن میں تو اس کے لئے ایک خاص سُورت اُتری ہے جس کا نام ہی سُورۂ فاتحہ ہے . بیوقوف . بھلا اس سے کوئی پوچھے کہ یہ دلیل کیسی ہوئی ؟ کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ تم نے اس بدعت کو ایجاد کر کے اس کا نام سورۂ فاتحہ کے نام پر رکھ دیا ہو . اور واقعہ بھی یہی ہے کیونکہ

نزول قرآن کے وقت اس رسم کا کہیں پتہ بھی نہ تھا نہ اس طرح ثواب بخشنے کو کوئی فاتحہ کہتا تھا۔ تو بعضے گنوار ایسے کوڑ مغز بھی ہوتے ہیں۔

**حقیقتِ تکبّر** غرض وہ بڑے میاں اُن طالب علم کو پکڑ کر مولانا قدس سرہٗ کے پاس لائے اور کہا کہ حضرت اسکی کیا وجہ کہ آپ انکے سوالات کا تو جواب دیتے ہیں اور ہمارے سوالات کا جواب نہیں دیتے حالانکہ ہم اتنے بڑے آدمی ہیں مولانا رحمۃ اللہ کے جوابات بہت مختصر اور چبھتے ہوئے ہوا کرتے تھے۔ فرمایا کہ وجہ تو تم نے خود بیان کر دی۔ بس یہی تو وجہ ہے کہ تم اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہو، ہائے یہ تکبّر بڑا سدِّ راہ ہے یہ کمبخت انسان کو تمام فیوض و برکات سے محروم کر دیتا ہے۔ یہی تو وہ بلا ہے جس سے شیطان مردود ہوا۔ صاحبو! ہمارے اندر یہ تکبّر گھسا ہوا ہے اسی واسطے ہم کمالِ دین سے محروم ہیں۔ اسی کا ایک اثر یہ ہے کہ ہم نے جہاں تھوڑا سا کام کر لیا —— پانچ وقت کی نماز پڑھ لی اور اپنے آپ کو کچھ سے کچھ سمجھنے لگے۔ عورتوں میں بھی یہ مرض بہت ہے۔ اوّل تو ان میں دیندار بہت ہی کم ہیں اور جو دو چار دیندار ہیں بھی وہ اپنے آپ کو نہ معلوم کیا سمجھتی ہیں جس کا منشاء یہ ہے کہ عورتیں کم حوصلہ ہوتی ہیں اور ذرا سی بات میں تکبّر اور بڑائی کرنا کم حوصلہ آدمی کا کام ہے۔ ایک عورت بڑی نمازن تھی اتفاق سے اُس کی شادی کسی ڈاڑھی منڈے بے نمازی سے ہوگئی تو وہ کیا کہتی ہے کہ اللہ رے تیری شان ایسی پارسا ایسے بے دین سے بیاہی گئی۔ گویا نعوذ باللہ اُسے خدا پر بھی اعتراض تھا کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کچھ ضابطہ نہیں ہے جوڑ بیجوڑ کچھ نہیں دیکھتے" استغفر اللہ ارے تم کو کیا خبر ہے کہ خاتمہ کس کا اچھا ہو؟ خدا تعالیٰ کس کو بخشے کس کو جہنم میں بھیج دے کیا تعجب ہے کہ خدا اُس بے نمازی کو کسی ادا پر بخشش دے اور تم کو اس تکبّر کی وجہ سے دوزخ میں ڈالدے۔ اوّل تو خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ دوسرے جن اعمال پر تم کو ناز ہے کیا خبر ہے وہ قبول بھی

ہوتے ہیں یا نہیں گو اُمید تو یہی رکھنی چاہیئے کہ قبول ہوتے ہیں مگر کوئی وحی بھی نہیں آگئی اس لئے ڈرتے بھی رہنا چاہیئے اور کبھی اپنے اعمال پر ناز نہ کرنا چاہیئے نہ دُوسروں کو حقیر سمجھنا چاہیئے کہ اس سے اندیشہ ہے حبطِ نورِ اعمال کا۔

**حقیقتِ نسبت** اسی طرح بعض لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں ذرا اُنکے قلب میں حرارت پیدا ہوئی اور وہ سمجھنے لگے کہ میں صاحبِ نسبت ہوگیا۔ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی (شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے والد بزرگوار) کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرا دل جاری ہوگیا۔ شاہ صاحب ہنسنے لگے فرمایا کہ لوگوں کو کبھی حرارتِ ذکر سے خفقان (اختلاج قلب) ہوجاتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ذکر جاری ہوگیا۔ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ قلب جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل کو حرکت کھٹ کھٹ کی آواز سُنائی دیتی ہو یاد رکھو یہ اختلاج قلب ہے جو کہ سخت مرض ہے اس کا نام دل کا جاری ہونا نہیں ہے مکہ معظمہ سے جب ہم غارِ ثور پر گئے اور پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا تو سب لوگوں کے سانس پھُول گئے اسوقت بے تکلف دل کی حرکت صاف محسوس ہوتی تھی اور کھٹ کھٹ کی آواز آرہی تھی میں نے ساتھیوں سے کہا کہ لو آج سب کے دل جاری ہوگئے، سب صاحبِ نسبت ہوگئے۔ اگر یہی نسبت ہے تو بس روزانہ ایک میل دوڑ لیا کرو دل جاری ہوجایا کرے گا یہ محض غلط خیال ہے ذکر جاری ہونے کے لئے آواز اور کھٹکا کچھ ضروری نہیں بلکہ ذکر جاری ہوجانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سالک کو اکثر اوقات حق تعالیٰ سے ذہول وغفلت نہ ہوتی ہو زیادہ اوقات میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ رہے اسی کا نام ملکۂ یادداشت ہے لیکن یہ بھی نسبت مطلوبہ نہیں ہے۔ بعض لوگ ملکۂ یادداشت ہی کو نسبت سمجھتے ہیں یہ بھی غلطی ہے اور اس سے ایک بڑا دھوکہ سالکین کو پیش آتا ہے وہ یہ کہ صوفیہ کرام نے فرمایا ہے کہ معصیت سے نسبت

سلب ہوجاتی ہے اور ملکۂ یادداشت معصیت سے زائل ہوتا نہیں تو جو شخص اسی کو نسبت سمجھتا ہے وہ ائمہ فن کے خلاف یہ سمجھنے لگتا ہے کہ معاصی مجھ کو مضر نہیں بعض تو معاصی کو حلال سمجھنے لگتے ہیں وہ تو زندیق ہیں بعض حلال تو نہیں سمجھتے مگر یوں خیال کر لیتے ہیں کہ ہم کو نسبت حاصل ہوگئی ہے جس سے ہر وقت ہم ذکر میں رہتے ہیں اور ذکر حسنہ ہے اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ کہ حسنات سیئات کو زائل کرتی رہتی ہیں۔ پس یہ نسبت ایسا حسنہ ہے جس سے تمام گناہ دُھلتے رہتے ہیں اور کوئی گناہ ہم کو مضر نہیں ہوتا وہ نسبت سب گناہوں کا کفارہ ہوتی رہتی ہے یہ بڑی گمراہی ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ ان لوگوں نے ملکۂ یادداشت کو جو کہ مشق ذکر سے پیدا ہوجاتا ہے۔ نسبتِ مقصودہ سمجھ رکھا ہے خوب سمجھ لو کہ نسبت اس کا نام نہیں ہے نسبتِ مقصودہ کے لئے گناہ اور معصیت کے لئے سخت مضر بلکہ سم قاتل ہے۔ نسبت کی حقیقت و احکام کی تفصیل زیادہ ہے (جس کو میں کسی قدر پرسوں کے وعظ میں بیان کر چکا ہوں) مگر اجمالاً ایک حکایت سے اسکی حقیقت سمجھ میں آجائے گی۔ وہ حکایت یہ کہ ایک طالب علم سے اُن کے کسی مہمان نے پوچھا تھا کہ میاں آجکل کیا شغل ہے کہنے لگے کہ شاہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں اس نے پوچھا کہ پھر کچھ سامان کر لیا ہے کہنے لگے کہ آدھا سامان تو ہوگیا آدھا باقی ہے۔ اُس نے کہا یہ کیونکر کہا میں تو راضی ہوں مگر وہ راضی نہیں اور نکاح طرفین کی رضا سے ہوتا ہے لہذا ایک کا راضی ہونا آدھا نکاح ہے تو جو لوگ ملکۂ یادداشت حاصل کر کے معاصی سے اجتناب نہیں کرتے اور اپنے کو صاحب نسبت سمجھتے ہیں انکی نسبت ایسی ہی ہے جیسے اس طالب علم کا آدھا نکاح۔ کہ یہ لوگ تو خدا تعالیٰ سے یادداشت کا تعلق رکھتے ہیں مگر خدا کو اُن سے کچھ علاقہ نہیں۔ یاد رکھو نسبت اس تعلق کو کہتے ہیں جو طرفین سے ہو یعنی بندہ کو خدا سے تعلق ہو اور خدا کو بندہ سے تعلق ہو اور نصوص سے یہ

بات معلوم ہو چکی ہے کہ عاصی سے خدا کو رضا کا تعلق نہیں ہوتا لہذا معصیت کے ساتھ نسبت مطلوبہ کبھی جمع نہیں ہو سکتی مگر افسوس ہے کہ لوگ اس غلطی میں بہت مبتلا ہیں کہ وہ ملکۂ یادداشت ہی کو نسبت سمجھتے ہیں خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا میں یہ بیان کر رہا تھا کہ عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے کہ جہاں ذرا نماز پڑھنے لگیں اپنے آپ کو رابعہ سمجھنے لگیں۔ اور بعض آدمی بہت جلدی اپنے معتقد ہو جاتے ہیں مثل مشہور ہے۔ الحائک اذا صلی یومین انتظر الوحی۔ جُلاہا دو دن نماز پڑھ کر تیسرے دن وحی کا منتظر ہو جاتا ہے۔ بہت لوگ اپنے کمالات کے معتقد ہیں مگر اُن کو یہ خبر نہیں کہ ہم دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں ان لوگوں کو امام غزالی کی احیاء میں کتاب الغرور دیکھنی چاہیے اغرور بمعنی تکبر نہیں یہ اُردو کا محاورہ ہے عربی میں غرور کے معنے دھوکے کے ہیں حق تعالیٰ فرماتے وغرکم باللہ الغرور یہاں دھوکہ میں ڈالنا ہی مراد ہے یہ وہ کتاب ہے جس نے امام غزالیؒ پر کفر کے فتوے لگوائے کیونکہ اسمیں انہوں نے ہر فرقہ کی غلطیاں ظاہر کی ہیں اور اُن دھوکوں پر متنبہ کیا ہے جن میں وہ مبتلا ہیں تو چونکہ اس سے دنیا بھر کے اترے پترے کھلتے تھے اس لئے سب لوگ ان کے درپے ہو گئے پھر کافر بنانے کو موقع مل ہی جاتا ہے۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد  عیب نماید ہنرش در نظر

جب آدمی کسی کے درپے ہو جاتا ہے تو اُس کو کمالات بھی عیوب نظر آتے ہیں وہ کتاب دعوے پست کرنے والی ہے جو لوگ اپنے کمالات کے معتقد ہیں اس کو دیکھیں پھر غور کریں کہ وہ کس دھوکہ میں مبتلا تھے۔

**عمل و ناز** بعض لوگ اپنے اعمال پر ناز کرتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ مگر ہماری طاعات کی ایسی مثال ہے جیسے بعض دفعہ نوکر آقا کو پنکھا جھلتا ہے کبھی اتنے زور سے کہ ٹوپی بھی اس کے سر سے

اڑ جاتی ہے۔ کبھی اتنے آہستہ کہ اس کو ہوا بھی نہ لگے آقا کو ایسا پنکھا جھلنے سے تکلیف ہوتی ہے مگر وہ خوش اخلاقی کی وجہ سے کچھ نہیں بولتا تو اگر وہ نوکر ایسی خدمت کر کے ناز کرے کہ میں نے آج دو گھنٹہ آقا کی خدمت کی تو اس کا یہ ناز بجا ہے یا بیجا۔ یقیناً ہر شخص اس کو احمق بتلائے گا کہ تو ناز کس بات پر کرتا ہے جتنی دیر تو نے خدمت کی ہے آقا کو تکلیف پہنچائی ہے تو اسی کو غنیمت سمجھ کہ اس نے تجھ کو سزا نہیں دی نہ کہ الٹا ناز کرتا اور اپنے کو انعام کا مستحق سمجھتا ہے۔ صاحبو یہی حالت ہماری طاعات کی ہے کہ حق تعالیٰ ان طاعات پر ہم سے مواخذہ ہی نہ فرمائیں تو بسا غنیمت ہے یہ الٹا ناز کیسا؟ آخر کیا ہم کو اپنی طاعات کی حقیقت معلوم نہیں کہ ہم ان کو کس طرح بے سر و پا ادا کرتے ہیں۔ مولانا نے مثنوی میں ایک بہرہ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ اپنے ایک دوست کی عیادت کرنے گیا تھا راستہ میں سوچنے لگا کہ میں تو بہرہ ہوں مجھے دوسرے کی خصوص ضعیف مریض کی بات سنائی نہ دے گی۔ اس لئے ابھی سے حساب لگا لینا چاہیے کہ میں جا کر پہلے کیا کہوں گا وہ اس کا کیا جواب دے گا پھر مجھ کو اس کے جواب میں کیا کہنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے حساب لگایا کہ پہلے میں اس سے پوچھوں گا کہ مزاج کیسا ہے وہ کہے گا شکر ہے پہلے سے افاقہ ہے میں کہوں گا الحمد للہ حق تعالیٰ اور زیادہ کرے پھر میں کہوں گا کہ معالجہ کون سے طبیب کا ہے وہ کہے گا فلاں حکیم صاحب کا۔ میں کہوں گا سبحان اللہ بہت ہی لائق طبیب ہیں بڑی شفقت فرماتے ہیں ان کا علاج ترک نہ کرنا چاہیے۔ پھر پوچھوں گا کون سی دوا استعمال میں ہے وہ کسی دوا کا نام لے گا میں کہوں گا خدا اسکو آپ کی رگ رگ دے تن پیوستہ کرے اور خوشگوار فرمائے سر حساب لگا کر وہ پہنچے بیمار نے جو بہرہ کی صورت دیکھی گھبرا گیا کہ یہ کمبخت کہاں سے آ گیا اب یہ میرا دماغ کھائے گا اپنی سب کچھ کہہ لیگا میری بات سنے گا نہیں۔ اب بہرے میاں آگے بڑھے اور مزاج پوچھا کہ اب طبیعت کیسی ہے۔ بیمار نے جھلا کر کہا حال کیا ہوتا مر رہا ہوں۔ آپنے کہا الحمد للہ خدا اور زیادہ

کرے، بیمار اور بھی جھلا گیا پھر پوچھا کہ کون سے حکیم صاحب کا علاج ہے اُس نے کہا ملک الموت علیہ السلام کا، آپ نے کہا سُبحان اللہ بڑے ہی لائق طبیب ہیں اُن کا علاج کبھی نہ چھوڑیئے، ماشاء اللہ بڑے ہی شفیق ہیں اللہ تعالیٰ اُن کا قدم مبارک فرماوے، پھر پوچھا کہ آجکل کونسی دوا استعمال میں ہے اُس نے کہا زہر پی رہا ہوں آپ بولے ماشاء اللہ انگبیں ہے خدا اس کو آپ کی رگ رگ میں پیوستہ کرے اور خوشگوار فرمائے۔ تو اب آپ غور کیجئے کہ ایسی عیادت سے کیا کسی کا جی خوش ہو سکتا ہے ہرگز نہیں مگر وہ بہرہ اپنے دل میں خوش تھا کہ میں نے اپنے دوست کا حق ادا کر دیا اُسکی عیادت کر لی اور اُس کا جی خوش کر دیا۔ ڈرے پتھر جی خوش کر دیا وہ تو اسکی جان کو کوستا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسی ہی عبادت کرتے ہیں جیسی اس شخص نے عیادت کی تھی اور اُن کا اپنی عبادت پر خوش ہونا ایسا ہی ہے جیسا وہ بہرہ اپنی عیادت پر خوش تھا۔

## نتیجہ عبادت ناقص

صاحبو! یہ حال ہے ہماری اُن عبادات کا جن پر ہم ناز کرتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ عبادت ٹوٹی پھوٹی ہم کر رہے ہیں اُسکو بھی چھوڑ دیا جائے۔ بعضے ایسے احمق بھی ہیں جو یہی مطلب سمجھے ہوں گے کہ جب ہماری عبادت کسی کام کی نہیں تو پھر کیوں سر مارا۔ ارے وہ ایسے کریم ہیں کہ اکثر تو ٹوٹی پھوٹی عبادت کو بھی قبول کر لیتے ہیں نقل کو اصل کی جگہ کر دیتے کا ہیں جیسا آپنے دیکھا ہوگا کہ بعضے کاریگر مٹی کا خربوزہ بنا کر رؤساء کے سامنے پیش کرتے ہیں اور وہ اُن کو انعام دیدیتے ہیں حالانکہ اُسمیں سوا مٹی کے اور کچھ نہیں ہوتا مگر چونکہ خربوزہ کی شکل ہوتی ہے اس لئے وہ اسکی وہی قدر کرتے ہیں جو اصلی خربوزہ کی کرتے ہیں بلکہ اصلی خربوزہ سے بھی بعض دفعہ زیادہ قیمت دے دیتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ نقل پوری ہو۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے اعمال میں تو نقل بھی صحیح نہیں ہوتی۔ اب یہ کیا نماز ہے کہ قیام میں ہاتھ زانوں پر پڑے ہوئے ہیں ہاتھ بھی ڈھنگ سے نہیں باندھے جاتے،

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی کچھ بھی عظمت دل میں نہیں، عورتیں الحمد کو الہد پڑھتی ہیں الفاظ بھی درست نہیں، خشوع خضوع کا تو کیا ذکر۔ یاد رکھو! قرآن کا صحیح پڑھنا واجب ہے کم از کم جتنا قرآن نماز میں پڑھو اس کو تو ضرور صحیح کرلو اس کی کوشش کرنا ہر ایک کے ذمہ واجب ہے کوشش کے بعد بھی درست نہ ہو تو معذور ہے تو دیکھئے ہم تو نماز کی نقل بھی صحیح طور پر نہیں کرتے باقی امید تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ اس گروہ نماز کو بھی قبول فرما لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ مہمل ہیں ان کے پاس ہے ہی کیا۔؟ اس مہمل نماز کو بھی رد کر دیا جائے تو یہ بالکل ہی محروم رہ جائیں گے۔ اس لئے اکثر تو وہ ہماری بے ڈھنگی طاعات کو بھی قبول ہی فرما لیتے ہیں۔ حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ بھائی جس عبادت کے بعد پھر اسکی توفیق دوبارہ ہوجاوے تو یہ اس کے قبول ہونے کی علامت ہے اگر پہلی عبادت قبول نہ ہوئی ہوتی تو دوبارہ اسکی توفیق نہ ہوتی کیونکہ بادشاہ کو جس شخص کا اپنے دربار میں آنا ناگوار ہوتا ہے تو ایک بار کے بعد دوبارہ اس کو اپنے دربار میں گھسنے نہیں دیا کرتا یہ دلیل امید کے واسطے بہت ہے گو قطعی دلیل نہیں اور انا عند ظن عبدی بی کو اسکی ساتھ ملا لو تو پھر کافی ہے۔

## طریق معمول دین کامل

غرض میرا یہ مطلب نہیں کہ اگر اسوقت تم کو کامل عبادت کی توفیق نہیں تو ناقص کو چھوڑ دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس پر بس نہ کرو بلکہ اسکی تکمیل کی کوشش کرو۔ دین کا طریقہ معلوم کرو اور دین میں کامل بننے کی سعی کرو جس کا طریقہ کتب دینیہ کا پڑھنا سننا ہے خصوصا عورتوں کے لیے تو یہی ایک طریقہ ہے کیونکہ ان کو علماء سے ملنے اور ان سے مسائل دریافت کرنے اور ان کے مواعظ و بیانات سننے کا موقع ہی نہیں ملتا لہذا ان کو کتب دینیہ کے پڑھنے اور سننے کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے مگر افسوس یہ ہے کہ اول تو عورتیں پڑھتی ہی نہیں ہیں اور جو لکھنا پڑھنا جانتی ہیں وہ دین کی کتابیں نہیں دیکھتیں۔ اب

ان کے پڑھنے کی کیا کتابیں رہ گئی ہیں، سانپ نامہ، معجزہ آل نبی جس میں حضرت علی کا ایک جھوٹا قصہ ہے۔ اور وفات نامہ جس میں غلط روایات ہیں اور ہرنی نامہ یہ قصہ صحیح ہے مگر اس سے بھی کچھ احکام معلوم نہیں ہوتے اور منظوم تفسیر سورۂ یوسف اس میں بھی بعض روایات صحیح نہیں پھر اس میں زلیخا کے عشق کو بہت صاف صاف بیان کیا گیا ہے جس کا اثر اخلاق پر بہت برا پڑتا ہے۔ بس یہ ہے عورتوں کی انتہائی تعلیم جس نے یہ کتابیں پڑھ لیں وہ گویا سب سے زیادہ پڑھی ہوئی ہے۔

## حقیقتِ وعظ

جیسے سہارنپور میں ایک جاہل آیا تھا اس نے یہی کتابیں پڑھی تھیں اور اس کو ناز تھا کہ میں بھی عالم ہوں چنانچہ جمعہ کی نماز کے بعد اس نے خود ہی اعلان کیا بھائیو! اواج (وعظ) ہوگی آپ کی لیاقت کا حال تو لوگوں کو ان دو لفظوں ہی سے معلوم ہوگیا مگر تماشا دیکھنے کے لئے لوگ بیٹھ گئے کہ دیکھیں بھائی اواج کیسی ہوتی ہے وعظ تو بہت سنے مگر اواج کبھی نہ سنی تھی تھوڑی دیر میں واعظ صاحب ممبر پر پہنچے اور تین مرتبہ نیشتن نیشتن نیشتنے پڑھ کر اس کی تفسیر بیان کی لے محمد اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں تجھے نہ پیدا کرتا تو نہ عرش کو پیدا کرتا نہ کرسی کو نہ آسمان کو نہ زمین کو۔ بھائیو آدھی اواج آج ہوگئی آدھی کل کو ہوگی۔ بال بچے بھوکے ہیں خرچ پاس نہیں ہے کچھ ہماری امداد کرو۔ بس وعظ ختم ہوا۔ اول تو احمق نے نیشتن کو شین سے پڑھا پھر اسکی تفسیر کیسی خوبصورت کی۔

اس مجمع میں ایک نابینا عالم بھی جن کا نام مولانا سعید الدین صاحب تھا موجود تھے اور لوگ انکے علم وفضل کے معتقد تھے انہوں نے لوگوں سے فرمایا کہ ذرا ان مولانا کو میرے پاس لانا چنانچہ لایا گیا آپنے فرمایا کہ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو (کہیں بھاگ نہ جائیں) غرض اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آپنے دریافت فرمایا کہ مولانا آپکی تحصیل کہاں تک ہے تو وہ واعظ صاحب فرماتے ہیں کہ ہماری تحصیل ہاپوڑ۔ مولانا سعید الدین صاحب سمجھ

گئے کہ بیچارہ بالکل ہی جاہل ہے اسکو تحصیل کے معنی بھی معلوم نہیں، پھر آپنے اردو الفاظ میں کہا کہ میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم نے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے کہنے لگا کہ ہم نے پڑھا ہے ہرنی نامہ، وفات نامہ، معجزہ آل نبی، سانپن نامہ —— اور تو کیا جانے اندھے؟ مولانا سعید الدین صاحب نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور لوگوں سے فرمایا کہ اس کو کچھ نہ کہو، جانے دو، بیچارہ معذور ہے تو جیسے اس جاہل کو ان کتابوں کے پڑھنے پر ناز تھا اس نے ایک فاضل شخص کو بھی مُنہ نہ لگایا اور صاف کہہ دیا کہ تو کیا جانے اندھے۔ اسی طرح آجکل جو عورتیں یہ کتابیں پڑھ لیتی ہیں وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگتی ہیں کہ بس اب ہم سے زیادہ پڑھا ہوا کون ہوگا پھر غضب یہ ہے کہ عورتیں چونکہ عموماً ان پڑھ ہیں اس لئے ان میں سے جو کچھ پڑھ لیتی ہیں اُن کی قدر خوب ہونے لگتی ہے کیونکہ دوسری عورتیں اتنا بھی پڑھنا نہیں جانتیں جب اُنکی قدر ہونے لگی تو اب اُنکو آگے پڑھنے کی کیا ضرورت رہی۔ گنگوہ میں ایک جاہل واعظ آیا تھا جو جہنّم کو جہندم کہتا تھا اُس کے وعظ عورتوں میں ہوا کرتے تھے اور عورتیں اسکی بہت معتقد تھیں بلکہ بعضے مرد بھی معتقد تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ ایسا بڑا عالم ہے کہ مولوی رشید کو توبارہ برس پڑھاوے میں نے کہا واقعی مولانا رشید احمد صاحب کو تو بارہ برس میں بھی یہ علوم نہ حاصل ہوں گے بارہ برس کیا وہ تو ساری عمر میں بھی جہنّم کو جہندم نہ کہہ سکیں گے

**نصابِ تعلیم نسواں** تو یہ عورتیں ہر ایک کی بہت جلد معتقد ہو جاتی ہیں چاہے اُس نے الف بے تے ہی پڑھی ہو اور یہ سب جہل کی خرابی ہے جو انمیں پڑھی لکھی کہلاتی ہیں وہ بھی جاہل ہی ہیں کیونکہ اُن کے درس میں ایسے ایسے فضول قصے رہ گئے ہیں جن سے احکام کا علم بالکل نہیں ہوتا۔ آج کل ایک مناجات پڑھی جاتی ہے جس کو عورتیں اور مرد بڑے شوق سے سُنتے ہیں جس

یہی ہر دو شعر کے بعد یہ مصرع پڑھا جاتا ہے۔ "مری بار کیوں دیر اتنی کری"۔ اس کا مضمون بالکل خلافِ شرع ہے مگر جہل ایسا عام ہوا ہے کہ کسی کو بھی ادھر التفات نہیں ہوتا اس نظم میں اول تو خدا تعالیٰ کی شکایت ہے کہ سب کو تو یہ نعمتیں دے دیں اور میری بار کیوں دیر کر رکھی ہے اس میں علاوہ شکایت کے حق تعالیٰ کی طرف نعوذ باللہ ظلم کی بھی نسبت ہے کہ عجب کارخانہ ہے جس میں کچھ ضابطہ ہی نہیں کہ ایک بندے کو سب کچھ دیدیا اور مجھے ٹال رکھا ہے اب تک میرا مقصود پورا نہیں ہوتا، نیز اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی مساوات کا بھی دعویٰ ہے اور اُن پر حسد بھی ہے کیونکہ اس میں تمام انبیاء مشہورین کا ذکر کیا گیا ہے کہ آدم کو یہ دیا اور نوح کو دی پیغمبری اور سلیمان (علیہم السلام) کو دی سروری اور ہر اک کے بعد یہ مصرع بھی کہ مری بار کیوں دیر اتنی کری۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ شاعر کو ان حضرات پر حسد ہے کہ انکو تو سب کچھ مل گیا اور مجھے کچھ بھی نہ ملا مری بار میں دیر ہو رہی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ناظم کی نیت بھی یہی تھی مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ مطلب ان اشعار کا مدلول ضرور ہے اور قاعدہ ہے کہ جس بات میں ایہام خلاف بھی ہو اس سے بھی منع کیا جائے گا۔ آخر حق تعالیٰ نے صحابہ کو "راعنا" کہنے سے کیوں منع فرمایا کیا معاذ اللہ صحابہ کرام کے ذہن میں اسکے معنے کچھ بُرے تھے ہرگز نہیں بلکہ محض اس لئے کہ یہ لفظ مُوہم ہوتا ہے بُرے معنے کا قصد کر کے استعمال کریں اس قاعدہ کے تحت میں یہ نظم بھی داخل ہے گو قائل کا قصد بُرا نہ ہو پس اس کا پڑھنا اور سُننا اور پڑھوانا سب ناجائز ہے۔ بس یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ عورتوں کے نصاب تعلیم میں تمام فضول اور خرافات قصے ہی رہ گئے" اور یہاں تک بس تھی۔

## مذمتِ ناول

اب تو غضب یہ ہے کہ عورتیں ناول پڑھتی ہیں جس سے اخلاق بہت ہی خراب ہو جاتے ہیں۔ ان ناولوں کی بدولت

شرفاء کے گھروں میں بھی بڑے بڑے واقعات شرمناک وقوع میں آچکے ہیں مگر اب بھی اُن کی آنکھیں نہیں کھُلتیں، میں کہتا ہوں کہ ان ناولوں سے تو وہ پُرانی کتابیں قصہ گل بکاؤلی وچہار درویش وطلسم ہوشربا ہی غنیمت ہیں۔ اگرچہ میں انکے دیکھنے سے بھی عورتوں کو سختی کے ساتھ منع کرتا ہوں مگر واللہ ان ناولوں سے وہ ہزار درجہ بہتر ہیں انکے برابر وہ اخلاق کو خراب نہیں کرتیں قصّے گو اُن میں بھی خرافات ہی ہیں مگر تدابیر اختیار حیلہائے وصول الی المقصود اُن میں ایسے بتلائے ہیں جو نہایت متعذر الحصول اور دشوار ہیں۔ مثلاً شاہزادہ کا گل بکاؤلی کے باغ میں پہنچنا کیسے ہوا کہ راستہ میں ایک دیو ملا اس کو اُس نے ماموں بنایا تُسے اسپر رحم آیا اور اُس نے باغ میں پہنچا دیا۔ اسی طرح چہار درویش کے قصّے میں بھی تمام صُورتیں حُصولِ مقصود کی ایسی ہیں جو انسان کے قبضہ کی نہیں ہیں خُدا ہی چاہے تو اُن طریقوں سے مقصود میسّر آسکتا ہے اور ان کمبخت ناولوں میں تو ایسی سہل سہل ترکیبیں لکھی ہیں جن سے ہر شخص کام لے سکتا ہے مثلاً یہ کہ عاشق نے کسی نین کو یا جلاہی کو لالچ دلایا کہ میں تجھ کو اتنے روپے دوں گا تو فلاں لڑکی سے مجھ کو ملا دے۔ اب یہ ترکیب ایسی آسان ہے کہ جس کے پاس روپیہ ہو وہ اس سے بآسانی کام نکال سکتا ہے کیونکہ ایسی عورتیں بہت جلد لالچ میں آجاتی ہیں نہ انکیں دین ہے نہ حیا نہ کسی کی آبرو کا ان کو خیال ان کے ذریعہ سے گھروں میں کچھ سے کچھ واقعات ہوجانا بڑی بات نہیں، اس لئے میں ان ناولوں کو گل بکاؤلی وغیرہ سے بھی بدتر جانتا ہوں۔

**فرائض مرد**

صاحبو! خدا کے واسطے اپنی عورتوں کو ان ناپاک کتابوں سے بچاؤ اور ناول کو ہرگز اپنے گھر میں نہ گھُسنے دو اگر کہیں نظر بھی پڑجائے تو فوراً جلادو، اور عورتوں کے پاس ایسی کتابیں پہنچاؤ جن میں دین کے پورے اجزاء سے کافی بحث ہو۔ عقائد کا بھی مختصر بیان ہو۔ وضو اور پاکی ناپاکی کے بھی مسائل ہوں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، بیع وشرا کے بھی مسائل ہوں اصلاح

اخلاق کا طریقہ بھی مذکور ہو۔ آداب اور سلیقہ کی باتیں بھی بیان کی گئی ہوں یہ بات مردوں کے ذمہ ہے اگر وہ اسمیں کوتاہی کریں گے اُن سے بھی مواخذہ ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَ اَهْلِیْکُمْ نَارًا ط اے مسلمانو! اپنی جانوں کو بھی جہنم سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی۔ اگر کوئی مرد خود متقی بن جائے اور اپنے گھر والوں کے دین کی خبر نہ لے تو خدا تعالیٰ اسکی عورتوں کے ساتھ اُس کو بھی جہنم میں بھیج دیں گے۔ تنہا اُس کا متقی بن جانا قیامت میں عذاب سے نجات کے لئے کافی نہ ہوگا پس مردوں کا کام یہ ہے کہ عورتوں کے پاس ایسی کتابیں پہنچائیں اور عورتوں کا کام یہ ہے کہ ——— وہ اپنے مردوں سے یہ کتابیں پڑھیں اور اُنپر عمل کریں خود بھی دیکھیں اور اپنی لڑکیوں کو بھی پڑھائیں اور جو اَن پڑھ عورتیں ہیں اُن کو بھی احکام سنائیں اور ہمت کر کے اُن پر عمل کرنے کا اہتمام کریں۔ انشاء اللہ دین بہت جلد مکمل ہو جائے گا۔

## کوتاہی نمازِ نسواں

اجمالاً میں نے دین کامل کرنے کا طریقہ بتلا دیا اب مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں رہی لیکن جس طرح بعض ضروری فروع پر مردوں کے وعظ میں تنبیہ کی گئی تھی اسی طرح بعض فروع یہاں بھی بیان کرتا ہوں جن میں اکثر عورتیں کوتاہی کرتی ہیں تاکہ ان پر قیاس کر کے وہ دوسرے اجزاء دین سے بھی غفلت نہ کریں کیونکہ اسوقت میں اُن فروع کا ذکر کروں گا جو بہت ظاہر ہیں جب ان میں بھی کوتاہیاں کی جاتی ہیں تو دوسرے فروع کا کیا حال ہوگا۔ اس کو خود سمجھ لینا چاہیئے۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نماز کا بیان شروع کرتا ہوں جس کا فرض ہونا ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عورتیں نمازی بہت کم ہیں حالانکہ قرآن کی ایک آیت میں نماز ترک کرنے کو شرک میں داخل کیا گیا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:-

مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

ترجمہ:- یہ ہے کہ نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے مت بنو۔ اس سے معلوم ہوا

کہ نماز نہ پڑھنا مشرک بننا ہے اور حدیث میں تو یہ مضمون بہت صاف ہے مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ جس نے نماز کو قصداً ترک کر دیا وہ کافر ہوگیا۔ گو جمہور علماء نے ان آیات واحادیث میں تاویل کی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ نماز کا چھوڑنا کافروں کا سا کام کرنا ہے مگر صاحبو! اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ظاہر الفاظ میں ایسے شخص کو کافر کہہ دیا ہے گو علماء تاویل کرتے ہیں میرا مطلب نہیں کہ یہ تاویل غلط ہے لیکن ہم کو اس تاویل کے بھروسہ پر بےفکر نہ ہونا چاہئے کیونکہ خدا ورسول جس بات کو کفر فرماتے ہیں۔ اگر وہ واقع میں کفر بھی نہیں تو یقیناً کفر سے بہت قریب ہے۔ اور کفر کا انجام جو کچھ ہے سب کو معلوم ہے کہ ابدالآباد کے لئے جہنم کی سزا ہے تو جو کام اس سے قریب کرنیوالا ہو مسلمان کو اس سے کوسوں دور بھاگنا چاہئے۔ بعض عورتیں نماز پڑھتی ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ وہ رکوع وسجدے ٹھیک نہیں کرتیں بڑی جلدی کرتی ہیں، حالانکہ تعدیل ارکان واجب ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک فرض ہے۔ تعدیل ارکان کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے ہر رکن کو اطمینان وسکون کیساتھ ادا کیا جاوے۔ مثلاً رکوع کے بعد سر اٹھا کر تھوڑی دیر سیدھا کھڑا ہو جانا چاہئے اور سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد سیدھا کھڑا ہو کر کہے اس کے بعد اطمینان سے سجدہ میں جاوے۔ اس کو قومہ کہتے ہیں۔ عورتیں قومہ بالکل نہیں کرتیں اور بعض مرد بھی نہیں کرتے بس رکوع سے فارغ ہو کر ذرا سے سر کا اشارہ کرکے فوراً سجدے میں چلے جاتے ہیں اس طرح نماز نہیں ہوتی۔ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہو جانا ضروری ہے۔ اسی طرح اکثر عورتیں دونوں سجدوں کے بیچ میں جلسہ نہیں کرتیں بس ایک سجدہ کرکے ذرا سا سر کا اشارہ کرکے فوراً دوسرا سجدہ کر دیتی ہیں اسطرح بھی نماز نہیں ہوتی اس کا خوب خیال رکھو اور قومہ وجلسہ اطمینان سے ادا کرو۔ بعض عورتیں قرآن غلط پڑھتی ہیں اس کا اہتمام بھی ضروری ہے بعض دفعہ ایسی غلطی ہو جاتی ہے جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے چند سورتیں نماز کے لئے کم از کم ضرور صحیح کر لو۔ بعض عورتیں نماز

وقت سے ٹال دیتی ہیں۔ نماز کا وقت آگیا اور بیٹھی باتیں بنا رہی ہیں جب وقت قریب ختم ہوتا ہے اس وقت پیشاب پیخانہ کے لئے لوٹا ہاتھ میں لیا جاتا ہے حتیٰ کہ اُن مقدمات ہی میں وقت نکل جاتا ہے۔ یاد رکھو بدون کسی عذر کے نماز کا وقت سے ٹالنا سخت گناہ ہے (عورتوں کو سب نمازیں اوّل وقت میں پڑھنی چاہئیں، ان کے لئے یہی افضل ہے ۱۲ جامع) بعض دفعہ ایام سے پاک ہونے کے بعد جلدی نماز شروع نہیں کرتیں دو تین وقت ٹال دیتی ہیں کہ کل کو سر دھو کر بال درست کر کے نہادیں گے پھر نماز شروع کریں گے۔ اس کا یہ حکم ہے کہ اگر تین دن پورے ہونے سے پہلے پاک ہو جائے تب تو آخر وقت مستحب تک انتظار کرنا واجب ہے اگر آخر وقت تک پاک ہی رہی تو غسل کر کے نماز پڑھنا واجب ہے۔ اور اگر تین دن کے بعد مگر عادت سے پہلے پاک ہوئی تو آخر وقت تک انتظار کرنا مستحب ہے، پھر غسل کر کے نماز پڑھنا واجب ہے غرض پاکی نظر آنے کے بعد ایک وقت کی نماز قضا کرنا بھی جائز نہیں اور یہی حکم روزہ کا ہے خوب سمجھ لو۔ (عورتوں کو اپنے ایّامِ عادت کا یاد رکھنا واجب ہے اس میں غفلت جائز نہیں ایام عادت کے بھول جانیسے بڑی پریشانی ہوگی اور اس کے لئے مسئلہ بہت پیچ در پیچ ہو جائے گا جب کوئی عورت کسی معمول سے پاک ہو فوراً اُن کے دن لکھ لیوے یا اچھی طرح یاد کر لیوے ۱۲ جامع) پاکی ناپاکی کے مسائل معلوم کرنا بھی عورتوں کے ذمّہ لازم ہے بقدرِ ضرورت بہشتی زیور میں اس کے مسائل موجود ہیں کسی سمجھدار عورت سے یا اپنے شوہر ہی سے سمجھ کر پڑھ لیں بعض عورتیں اگر خود نماز کی پابندی کرتی ہیں تو وہ اپنے بچوں اور ماماؤں کو نماز کے واسطے نہیں کہتیں۔ بچوں کی پرورش زیادہ تر ماؤں کی آغوش میں ہوتی ہے لہٰذا اُن کو اخلاقِ حسنہ سکھلانا اور نماز وغیرہ کی تعلیم دینا عورتوں کے ذمّہ ہے اسمیں ہرگز غفلت نہ کریں جب بچہ سات برس کا ہو جاوے اُس وقت سے نماز کی تاکید شروع کریں اور جب دس سال کا ہو جاوے تو مار پیٹ کر نماز پڑھا دیں۔ اطبّاء نے لکھا

ہے کہ اخلاق حسنہ واعمالِ صالحہ کا اثر صحت پر بھی اچھا ہوتا ہے جس بچے کو نیک کاموں کی عادت ہوگی اس کی صحت بھی عمدہ ہوگی عورتوں کو بچوں کی صحت کا بہت خیال ہوتا ہے اس لئے میں نے یہ فائدہ بھی بتلا دیا کہ اگر کسی کو دین کا خیال نہ ہو تو صحت ہی کا خیال کر کے بچوں کو نماز وغیرہ کی تاکید کرتی رہیں۔ اسی طرح ماماؤں کو بھی نماز کی تاکید کرنی چاہئیے چونکہ وہ تمہاری ماتحت ہیں اگر تم اُن کو دھمکاؤ گی تو ضرور اثر ہوگا اور اس میں سُستی کرنے سے تم پر بھی مواخذہ رہے گا کہ تم نے قدرت ہوتے ہوئے کیوں سُستی کی بلکہ جس ماما کو مقرر کرو اُس سے یہ شرط کر لیا کرو کہ تم کو پانچوں وقت کی نماز پڑھنا ہوگی جس گھر میں ایک شخص بھی بے نمازی ہوتا ہے اُس گھر میں نحوست برستی ہے۔ عورتوں کو اسطرف تو بالکل ہی توجہ نہیں۔ یہ عورتوں کی نماز کے متعلق چند کوتاہیاں ہیں۔

## کوتاہی روزہ نسواں

روزہ کو میں اسواسطے نہیں کہتا کہ عورتوں کو روزہ زیادہ دُشوار نہیں اس میں وہ ماشاء اللہ مردوں سے بھی زیادہ دلیر ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ عورتیں روزے بہت رکھ لیتی ہیں مگر نماز سے انکی جان نکلتی ہے۔ اور روزہ رکھنا کچھ عورتوں کا زیادہ کمال بھی نہیں بلکہ اسمیں ایک طبّی راز ہے وہ یہ کہ اُن میں رطوبت و برودت کا غلبہ ہے سرد مزاج والے کو بھوک پیاس کم لگتی ہے اسلئے اُن کو روزہ آسان ہے دُوسرے ان کو کھانے کے اندر مشغولی رہتی ہے اپنے ہاتھ سے سب چیزیں پکاتی ہیں، خوشبو سونگھتی رہتی ہیں اس سے بھوک تو فوراً کم ہو جاتی ہے صرف پیاس کی تکلیف رہ گئی اسکی سہار بھی اُن کو مشکل نہیں کیونکہ اول تو وہی برودت ورطوبت مانع عطش بھی ہے۔ دُوسرے یہ دن بھر گھر ہی میں رہتی ہیں کہیں دھوپ میں آنے جانے کا انکو کام نہیں پڑتا رہا یہ کہ کھانا پکانے میں آگ کے سامنے بیٹھنا پڑتا ہے تو اکثر جو عورتیں روزہ دار ہیں وہ اپنے ہاتھ سے کم پکاتی ہیں ان کے آگے خدمت کرنے کو ماما ئیں موجود ہوتی ہیں اور جن کو خود کام کرنے پڑتے

وہ یہ ترکیب کرتی ہیں کہ پہلے سالن کی ہانڈیاں تیار کر لیتی ہیں سالن پکانے میں آگ کے سامنے جم کر نہیں بیٹھنا پڑتا، ایک دفعہ آگ جلادی ہانڈی رکھ دی اور چلتے پھرتے پکالی پھر جب عصر کا وقت ہو گیا گرمی کم ہو گئی جلدی جلدی پندرہ بیس منٹ میں روٹی پکالی اس لئے ان کو کھانا پکانے میں بھی کچھ زیادہ دقت نہیں ہوتی۔ تیسری وجہ سہولت روزہ کی یہ ہے کہ عموماً عورتوں کو کھانے کی حرص کم ہوتی ہے ان کو عمدہ کھانا مرغوب نہیں ہوتا بس انکی ہانڈی محض مردوں کی خاطر سے پکتی ہے اگر کبھی مرد گھر پر نہ ہو تو یہ چٹنی پیس کر ہی گزر کر لیتی ہیں۔ شریف عورتیں عمدہ غذائیں کھانے سے بہت بچتی ہیں آپس میں کہا کرتی ہیں کہ اگر ہم اچھی غذائیں کھائیں گے تو لوگ یوں کہیں گے، کہ بڑی چٹوری ہے۔ ہائے یہ کیسی بُری بات ہے جب یہ اسطرح اپنے نفس کو مارتی ہیں تو رفتہ رفتہ انکی بھوک بھی مر جاتی ہے اس لئے روزہ میں انکا کمال نہیں بلکہ اس میں مردوں کا کمال ہے کہ ہاؤ ہپ ہیں اور پھر روزہ رکھتے ہیں۔ مگر افسوس اب مردوں نے روزہ رکھنے میں ہمت بہت ہار دی ہے آج کل مردوں میں روزہ دار بہت کم ہیں۔ پس میں عورتوں سے یہ تو نہیں کہتا کہ وہ روزہ نہیں رکھتیں، ہاں روزہ میں غیبت سے بچنے کو ضرور کہونگا۔ کیونکہ انکا روزہ غیبت سے بہت کم پاک ہوتا ہے جب ان کو روزہ میں کھانا پکانے کا دھندہ کم ہوتا ہے تو آپس میں محفل جما کر بیٹھتی ہیں اور تیری میری غیبت شکایت میں روزہ برباد کرتی ہیں یوں تو غیبت ہر حال میں حرام ہے مگر روزہ کی حالت میں اُس کا گناہ زیادہ ہے جیسے زنا کرنا ہر جگہ حرام ہے، اور مکہ معظمہ میں کرنا سخت گناہ ہے کیونکہ شرف مکان و شرف زمان سے جس طرح طاعات کا ثواب بڑھتا ہے اسی طرح معاصی کا گناہ بھی بڑھ جاتا ہے نیز روزہ میں پان کھانے والیاں یہ بھی کوتاہی کرتی ہیں کہ سحری میں منہ کے اندر پان دبا کر سو رہتی ہیں اگر صبح تک منہ میں

پان رہا تو روزہ نہیں ہوتا اسکی احتیاط بہت ضروری ہے۔

**ترغیب زکوٰۃ** زکوٰۃ میں بھی عورتیں بہت سستی کرتی ہیں کہ اپنے زیوروں لچکوں کی زکوٰۃ نہیں دیتیں۔ یاد رکھو جتنا زیور عورت کو جہیز میں ملتا ہے وہ اُسکی ملک ہے اُس کی زکوٰۃ دینا اُسپر واجب ہے اور جو زیور شوہر کے گھر سے ملتا ہے اگر وہ اُس نے اِنکی ملک کر دیا ہے تو اُس کی زکوٰۃ بھی اُن پر واجب ہے اور اگر ملک نہیں کیا محض پہننے کے واسطے دیا ہے تو اسکی زکوٰۃ مردوں کے ذمہ واجب ہے ہر سال اپنے زیور کا حساب کر کے جتنی زکوٰۃ اپنے ذمہ ہو فوراً ادا کر دینی چاہئے۔ اس میں سستی کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ نے بہت سے غریبوں کو مال نہیں دیا۔ حالانکہ تم اُن سے کچھ زیادہ نہیں ہو، اکثر غربا کمالات میں تم سے بڑھے ہوئے ہیں کہ وہ نمازی بھی ہیں دیندار بھی ہیں پھر بھی جو ان کو خدا نے مال نہیں دیا اور تم کو دیا ہے تو اسکی کیا وجہ؟ خدا نے امیروں کو اسی واسطے مال دیا ہے کہ وہ غریبوں کو دیا کریں کیونکہ ہر شخص اتنے ہی مال کا حقدار ہے جتنے کی اسکو ضرورت ہے پھر جس کو خدا نے حاجت سے زیادہ مال دیا ہے وہ جمع کرنے کے واسطے نہیں ہے بلکہ اُن لوگوں کو دینے کے واسطے ہے جن کو حاجت کے موافق بھی نہیں ملا اور اس میں خُدا تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں کہ وہ غریبوں کو امیروں کے ہاتھ سے دِلوانا چاہتے ہیں اسس قاعدہ کا تو یہ مقتضا تھا کہ امیروں کو یہ حکم دیا جاتا کہ جتنا مال اُنکی ضرورت سے زیادہ ہو سب غریبوں کو دیا کریں کیونکہ عقلاً وہ اُنہی کا حق ہے لیکن یہ خُدا کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اُس نے سارا مال دینے کا حکم نہیں کیا بلکہ صرف چالیسواں حصہ واجب کیا ہے پھر اس میں بھی کوتاہی کرنا بڑا ظُلم ہے۔

**پردہ میں کوتاہی** ایک کوتاہی عورتوں میں یہ ہے کہ اُن میں پردہ کا اہتمام کم ہے۔ اپنے عزیزوں میں جو نامحرم ہیں اُن کے سامنے بے تکلف آتی

ہیں. ماموں زاد، چچا زاد، خالہ زاد بھائیوں سے بالکل پردہ نہیں کرتی ہیں اور غضب یہ کہ اُن کے سامنے بناؤ سنگار کر کے بھی آتی ہیں پھر بدن چھپانے کا ذرا اہتمام نہیں کرتیں گلا اور سر کھلا ہوا ہے اور اُنکے سامنے آجاتی ہیں اور اگر کسی کا سارا بدن ڈھکا ہوا بھی ہو تو کپڑے ایسے باریک ہوتے ہیں جن میں سارا بدن جھلکتا ہے حالانکہ باریک کپڑے پہن کر محارم کے سامنے آنا بھی جائز نہیں کیونکہ محارم سے علاوہ ماتحت الازار کے پیٹ اور کمر اور پہلو اور پسلیوں کا چھپانا بھی فرض ہے پس ایسا باریک کرتہ پہن کر محارم کے سامنے آنا بھی جائز نہیں جس سے پیٹ یا کمر یا پہلو یا پسلیاں ظاہر ہوں یا اُن کا کوئی حصّہ نظر آتا ہو شریعت نے تو محارم کے سامنے آنے میں بھی اتنی قیدیں لگائی ہیں اور آج کل کی عورتیں نامحرموں کے سامنے بھی بیباکانہ آتی ہیں گویا شریعت کا پورا مقابلہ ہے. بیبیو! پردہ کا اہتمام کرو اور نامحرم عزیزوں کے سامنے قطعاً نہ آؤ اور محارم کے سامنے احتیاط سے آؤ. اس جگہ مجھ کو ایک بات یاد آئی جس پر اہل علم کو تنبیہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں. وہ یہ کہ متُون میں تو صرف یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ محارم کے سامنے ماتحت الازار کے علاوہ ظہر و بطن کا چھپانا ضروری ہے اور شرح میں اس پر اتنی زیادت اور مذکور ہے۔
مع الجنبین یعنی پہلوؤں کا چھپانا بھی ضروری ہے اسکو ایک بہت بڑے عالم نے مع الجبین پڑھ کر ترجمہ یہ کر دیا کہ محارم سے پیشانی کا بھی چھپانا فرض ہے. یہ بہت بڑی غلطی ہے اور حیرت ناک غلطی ہے کیونکہ جبین داخل وجہ ہے اور ستر وجہ فرض نہیں کیونکہ وجہ و کفین و قدمین عورۃ نہیں ہیں گو بوجہ خوف فتنہ کے غیر محارم کے سامنے کشف وجہ سے وجوباً منع کیا جاتا ہے یہ اور بات ہے اس سے وجہ کا داخل عورت ہونا لازم نہیں آتا اس لئے یہ مسئلہ اگر کسی کی نظر سے گزرے تو دھوکہ نہ کھاوے اسمیں ان عالم سے غلطی ہوگئی ہے مگر اس سے اُن کے عالم فاضل ہونے میں کچھ نقص نہیں آگیا کیونکہ عالم سے کبھی مقام پر لغزش بھی ہو جاتی ہے اور اس سے کوئی بھی بچا ہوا نہیں

بجز انبیاء علیہم السلام کے اگر لغزش اُن سے بھی ہو جاتی ہے مگر وہ خطا پر مستمر نہیں رہ سکتے وحی سے فوراً اُن کو متنبہ کر دیا جاتا ہے ۲ اجامع ) الغرض عورتوں کو نامحرم عزیزوں سے گہرا پردہ کرنا چاہیئے، ہاں جس گھر میں بہت سے آدمی رہتے ہوں جن میں بعض نامحرم ہوں اور بعضے محرم اور گھر تنگ ہو، اور پردہ کرنے کی حالت میں گزر مشکل ہو، ایسی حالت میں نامحرم عزیزوں سے گہرا پردہ کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ایک گھر میں اس طرح نباہ ہو سکتا ہے اس صورت میں نامحرموں کے سامنے بقدر ضرورت چہرہ کا کھولنا جائز ہے مگر باقی تمام بدن سر سے پیر تک لپٹا ہوا ہونا چاہیئے، کفوں کے چاک سے ہاتھ نہ جھلکیں۔ گریبان کھلا ہوا نہ رہے۔ بٹن اچھی طرح لگے ہوئے ہوں تاکہ گلا اور سینہ نہ جھلکے، دوپٹہ سے تمام سر لپٹا ہوا ہو کہ ایک بال بھی باہر نہ رہے، اسطرح بدن کو چھپا کر اُن کے سامنے منہ کھول کر گھر کا کام کاج کر سکتی ہیں ( اور بہتر یہ ہے کہ ایسی حالت میں بھی گھونگھٹ کی عادت رکھیں کُھلم کُھلا ان کے سامنے چہرہ ظاہر نہ کریں ۲ جامع ) اور یہی حکم کافر عورتوں کا ہے کہ ان کے سامنے صرف چہرہ اور ہاتھ اور پیر کھولنا جائز ہے باقی تمام بدن کا اُن سے چھپانا واجب ہے کہ سر کا بال بھی اُن کے سامنے نہ کُھلے، عورتیں جھنگنوں اور چماریوں سے بالکل احتیاط نہیں کرتیں حالانکہ اُن سے بھی بجز موجہ اور کفین اور قدمین کے باقی بدن کا شرعاً ویسا ہی پردہ ہے جیسے نامحرم مردوں سے لیکن گھبراؤ نہیں کہ اتنی احتیاط ہم سے کس طرح ہو سکتی ہے، تم احتیاط کرنا تو شروع کرو، انشاء اللہ ذرا دقت نہ ہوگی، یاد رکھو اس نفس کی مثال بچہ جیسی ہے کہ بچہ کا اگر دودھ نہ چھڑایا جاوے تو وہ بارہ برس تک بھی دودھ ہی پیتا رہے گا اور خود کبھی نہ چھوڑے گا اور اگر دو برس کے بعد دودھ چھڑا دیا جاوے تو دو چار روز کے لئے تو دقت ہوتی ہے مگر پھر بچہ کو روٹی کی ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ اس کو ماں کے دودھ سے نفرت ہو جاتی ہے اور اب اگر کوئی اُس سے دودھ پینے کو کہے تو وہ ہرگز راضی نہ ہو، یہی حال نفس کا

کا ہے کہ اگر گناہوں کے کام اس سے نہ چھڑائے جائیں تب تو یہ کبھی اپنے آپ اُن سے نہیں رُک سکتا اور اگر ہمت کر کے قصد کر لیا جائے کہ بس آج سے پیچھے یہ گناہ نہ کریں گے تو اوّل اوّل دو چار روز تک تو تکلیف ہوتی ہے پھر آسانی ہو جاتی ہے بلکہ کچھ دنوں کے بعد اُس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ پھر جیسے بچہ کا اگر دُودھ نہ چھڑایا جاوے تو اس کا معدہ کمزور رہتا ہے کہ عمدہ نفیس غذائیں ہضم نہیں کر سکتا اور دودھ چھڑانے کے بعد وہ دنیا بھر کی نعمتیں کھانے لگتا ہے اور ان کا مزہ چکھ کر باپ ماں کو دعا دیتا ہے کہ خدا ان کا بھلا کرے کہ انہوں نے میرا دُودھ چھڑا کر ان نعمتوں کے قابل مجھے بنا دیا اسی طرح گناہوں کو چھوڑ کر آپ کا دل انوار طاعات کے قابل ہو جائے گا پھر جب طاعات کے انوار قلب پر فائض ہوں گے تو آپ بھی دُعا دیں گے کہ خدا اس شخص کا بھلا کرے جس نے گناہوں کو ہم سے چھڑا کر ہم کو ان انوار کے قابل بنا دیا پھر آپ کو اُن گناہوں کی طرف التفات بھی نہ ہوگا البتہ چند روز ہمت کرنا پڑے گی۔ مصرع؛

چند روزے جہد کن باقی بخند (چند روز کوشش کرو پھر خوش رہو گے)

اور چند روز کے لئے ہمت کرنا کچھ مشکل بھی نہیں کیا آپ بچہ سے بھی گئے گزرے کہ وہ تو دُودھ چھڑانے کی کلفت برداشت کر لیتا ہے اور آپ سے ایک ذرا سی کلفت برداشت نہ ہو۔

**تعظیمِ شوہر** ایک کوتاہی عورتوں کی یہ ہے کہ وہ شوہروں کی تعظیم اور اُن کا ادب نہیں کرتیں اور یہ سخت بےحیائی ہے۔ بعضی عورتیں مردوں سے ایسا برابری کا برتاؤ کرتی ہیں گویا شوہر ان کا برابر کا بھائی ہے اور یہ بھی غنیمت ہیں۔ بعض جگہ تو عورتیں مردوں پر حکومت کرتی ہیں حالانکہ شریعت میں شوہروں کی تعظیم کے متعلق سخت تاکید ہے۔ حدیث میں صاف آیا ہے کہ اگر میں خُدا کے سوا کسی کے لئے سجدہ کو جائز کرتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ لیکن سجدہ تو خدا کے

ہو تو کسی کو جائز نہیں مگر اس سے یہ بات تو معلوم ہو گئی کہ شوہر کی کس درجہ تعظیم عورتوں کے ذمّہ واجب ہے کہ جو چیز خدا کے لئے مخصوص ہے اگر اس کا مستحق کوئی غیر ہو سکتا تو شوہر اُس کا مستحق ہوتا (۱) بعض جگہ تو عورتیں مردوں کو ذلیل کرتی ہیں اور بعض جگہ..... مرد بھی ظالم ہوتے ہیں کہ وہ عورتوں کو بہت ذلیل رکھتے ہیں اور بعض جگہ دونوں طرف سے یہ برتاؤ ہوتا ہے قیامت میں ان سب کا حساب ہوگا اور جس نے جس کی حق تلفی کی ہوگی اُس سے انتقام لیا جائے گا۔ پس مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کے حقوق کی رعایت رکھیں اور عورتوں کو مردوں کی تعظیم کرنی چاہئے اُنکی اطاعت و فرمانبرداری کا خیال کرنا چاہئے۔

## فضول خرچی

ایک کوتاہی عورتوں کی یہ ہے کہ یہ اسراف بہت کرتی ہیں، روپیہ کو احتیاط سے خرچ نہیں کرتیں۔ بس یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم کو تو کمانا پڑتا نہیں ہم جس طرح چاہیں خرچ کریں مرد اپنے آپ کما کر لائے گا۔ بعض جگہ ماما ئیں خوب گھر لوٹتی ہیں اور یہ ذرا خبر نہیں لیتیں۔ یاد رکھو! شوہر کے مال کی نگہبانی عورتوں کے ذمّہ واجب ہے اُس کو اسطرح رائیگاں کرنا اُن کو جائز نہیں قیامت میں عورتوں سے اس کا بھی حساب ہوگا خصوصاً شادیوں میں تو بہت ہی فضول خرچی کرتی ہیں۔ اُن میں تو عورتیں ہی مفتی اعظم ہوتی ہیں۔ سارے کام انہی سے پوچھ پوچھ کر کئے جاتے ہیں، مرد جانتے ہی نہیں کہ شادیوں میں کہاں خرچ کی ضرورت ہے کہاں نہیں بس جو جگہ عورتیں خرچ کرنے کا حکم دیتی ہیں وہاں بلا چُون وچرا خرچ کیا جاتا ہے اور ان عورتوں نے ایسے بے ڈھنگے خرچ نکال رکھے ہیں جن میں فضول روپیہ برباد ہوتا ہے ان شادیوں کی بدولت بہت سے بڑے بڑے گھر تباہ و برباد ہو گئے ہیں لیکن اب بھی لوگوں کو عقل نہیں آتی اور وہ ان رسوم وغیرہ میں عورتوں وغیرہ کا اتباع نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ ایک صاحب یہ کہتے تھے کہ خدا بھلا کرے اصلاح الرسوم کے مصنف کا کہ ہم کو رسموں کی تفصیل یاد نہ رہی تھی جس میں ہم عورتوں کے محتاج تھے اصلاح الرسوم میں بہت تفصیل کے ساتھ تمام

رسموں کو لکھ دیا ہے بس اب ہم اُسی کو دیکھ دیکھ کر سب کام کرتے ہیں ، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اس بندۂ خدا نے اصلاح الرسوم سے یہ کام لیا حالانکہ اس میں تو رسموں کی خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں اور ہر رسم کا گناہ ہونا بتلایا گیا ہے مگر اس ظالم نے اس مضمون کو تو چھوڑ دیا اور صرف رسموں کا بیان دیکھ لیا کہ فلاں وقت یوں ہوتا ہے اس کے بعد یہ ہوتا ہے۔ تو اب بھی لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلیں ،جب سارا گھر بار نیلام ہو جائے گا اُسوقت شریعت کے موافق شادی کرنے کی سُوجھے گی ،صاحبو! شادیوں میں بہت اختصار کرنا چاہیئے تاکہ بعد میں افسوس نہ ہو کہ ہائے ہم نے یہ کیا کیا اگر کسی کے پاس بہت زیادہ ہی رقم ہو تو اسکو اسطرح بُرباد کرنا مناسب نہیں بلکہ دنیا دار کو کچھ رقم جمع کرنا بھی چاہیئے اس سے دل کو اطمینان رہتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ صاحب اسباب کو کچھ رقم اپنے پاس نفس کے بہلانے کیلئے جمع رکھنی چاہیئے اس سے دل مطمئن رہتا ہے اور طاعات میں یکسوئی نصیب ہوتی ہے۔ صاحب اسباب کے پاس اگر رقم جمع نہ ہو تو اس کا دل پریشان رہتا ہے جس سے دین کے کاموں میں بھی خلل پڑتا ہے۔ ہاں جس کو توکل کی قوت نصیب ہو وہ جمع نہ کرے بلکہ خوب اللہ کے نام پر لٹائے تاکہ ثواب بھی ملے مگر فضول روپیہ بُرباد نہ کرو۔

**فضول رسوم** ایک کوتاہی عورتوں میں یہ ہے کہ یہ غمی میں بھی بہت اسراف کرتی ہیں بھلا وہاں خرچ کا کیا موقع وہ تو کوئی افتخار کا وقت نہیں، بلکہ عبرت کا موقع ہے مگر ان کے یہاں غمی میں بھی خاصی بارات کا اہتمام ہوتا ہے پھر حیرت تو ان جانیوالوں پر ہے کہ جہاں کسی کے گھر موت ہوئی اور یہ گاڑیاں لے کر اُس کے گھر پہنچ گئیں اب اُس غریب پر ایک تو موت کا صدمہ تھا ہی دُوسرا یہ وبال سر پر آ کھڑا ہوا کہ آنیوالیوں کے کھانے کی فکر کرے پان چھالیہ کا انتظام کرے گاڑی کے گھاس دانہ کا اہتمام کرے پھر اگر ذرا بھی کسی بات میں کوتاہی ہو گئی تو آنیوالیاں طعنے دیتی ہیں کہ

ہم گئے تھے ہمیں پان بھی نصیب نہ ہوا بھلا کوئی اُن سے پُوچھے کہ یہ وقت تمہارے ناز نخرے پُورا کرنے کا تھا یا اُس بیچارے پر مصیبت کا وقت تھا مگر انکی بلا سے ——— ان کے ناز نخرے کسی وقت کم نہیں ہوتے۔ حالانکہ اسوقت تو یہ مُناسب تھا کہ ہم نوالیاں اپنا دال آٹا ساتھ باندھ کر لاتیں اور گھر والوں سے کہہ دیتیں کہ اسوقت تم ہماری فکر نہ کرو تم خود مُبتلائے رنج ہو جب کبھی خوشی کا موقع ہو گا ہماری خاطر مدارت کر لینا باقی اسوقت تو ہم اپنا انتظام خود ہی کریں گے اور یہ تو بہت ہی سخت بے حیائی ہے کہ وہاں جا کر بھی اپنے سارے معمولات پُورے کریں کہ پان میں فرق آئے نہ چائے میں۔ بلند شہر میں ایک رئیس زادے کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا اُن کے اعزّہ چاروں طرف سے جمع ہو گئے اور ایک بارات سی اُن کے گھر پر آ گئی۔ رئیس زادے نے سب کے لئے عُمدہ عُمدہ کھانے پکوائے۔ جب کھانا چُنا گیا تو اُس نے مہمانوں سے کہا کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے پہلے میری بات سُن لیجئے پھر کھانا شروع کیجئے۔ سب لوگ ہاتھ روک کر بیٹھ گئے۔ اُس نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ اسوقت مجھ پر کیسا سانحہ گزرا ہے اسوقت میرے والد ماجد کا سایہ میرے سر سے اُٹھ گیا ہے اور سب جانتے ہیں کہ باپ کا سایہ اُٹھ جانے سے کیسا صدمہ ہوتا ہے تو کیا یہی انصاف ہے کہ مجھ پر تو یہ مُصیبت گزرے اور تم آستین چڑھائے مُرغن کھانا کھانے کو تیار ہو گئے کیوں صاحب یہی ہمدردی ہے بس مجھ کو جو کہنا تھا کہہ چکا اب کھانا شروع کیجئے بھلا اب کون کھاتا جب سر پر جوتیاں پہلے ہی پڑ گئیں۔ سب لوگ دسترخوان سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور رئیس زادے نے غرباء کو بلا بھیجا کہ بیٹھو کھاؤ۔ تمہارے کھانے سے میرے باپ کی رُوح کو بھی ثواب پہنچے گا اور یہ برادری کے کھاتے پیتے لوگ آستین چڑھا کر بیٹھ گئے ان کے کھانے سے اُن کو کیا ثواب ملتا اور میری رقم برباد ہو جاتی۔ غرض غریبوں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور دُعا دیتے ہوئے چلے گئے۔ اس کے بعد برادری کے چند معزز لوگ ایک طرف جا کر بیٹھے اور غمی کی رسوم میں مشورہ کرنے لگے۔ سب نے بالاتفاق

یہ ہے کیا کہ واقعی یہ رسمیں بالکل عقل کے خلاف ہیں اور شریعت کے خلاف تو ہیں ہی ان سب کو یک لخت موقوف کر دینا چاہیے۔

کسی نے ان رئیس زادے سے کہا کہ میاں جب تم کو کھانا کھلانا منظور نہ تھا تو پہلے ہی سے یہ بات کہہ دی ہوتی اتنا انتظام ہی تم نے کیوں کیا تھا۔؟ اس نے جواب دیا کہ اگر میں یہ انتظام نہ کرتا اور کھانا تیار کرنے سے پہلے یہ بات کہتا تو لوگ یوں کہتے کہ اپنی بچت کے لئے یہ بات نکالی ہے۔ اب کسی کا یہ منہ نہیں رہا کہ مجھے یہ الزام دے سکے، کیونکہ میں نے کھانے عمدہ سے عمدہ تیار کرا دیئے تھے جس سے معلوم ہو گیا کہ مجھے اپنی بچت منظور نہ تھی بلکہ محض اس بے ہودہ رسم کا بے ہودہ ہونا ظاہر کرنا تھا۔

واقعی اس شخص نے خوب کیا اگر دو چار آدمی اسی طرح کریں تو یہ سب رسمیں موقوف ہو جاویں، مگر ایسا کرنے کے لئے ہمت کی ضرورت ہے۔ ہر اک کی ایسی ہمت نہیں ہوتی جب کسی کے گھر پر آدمی پہنچ جاتے ہیں تو وہ شرما شرمی ان کا انتظام کرتا ہی ہے۔ مگر جانے والوں کو خود اس کا خیال کرنا چاہیے۔

**خلاصہ** یہ تو نمونہ ہے عورتوں کی کوتاہیوں کا' ان سے بچنے کا' ان کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یہاں تک تو گویا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو) کا بیان ہوا۔ کیونکہ تقویٰ کے معنی معاصی سے بچنے ہی کے ہیں، نمونہ کے طور پر میں نے چند معاصی کی فہرست گنا دی ہے اور یہ تو وہ باتیں ہیں جو اس وقت میرے ذہن میں بے تکلف آ گئیں۔ اسی پر دوسرے اعمال کو قیاس کر لیں۔ کیونکہ ہمارے اکثر اعمال کوتاہی سے خالی نہیں۔ اگر کوئی عورت یہ خیال کرے کہ اس آیت میں تو تقوے کا امر اول مردوں کو ہے اور ان کے واسطے سے ہم کو ہے مگر کہیں خاص ہم کو بھی حکم ہوا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں خاص عورتوں کو بھی اس کا حکم ہوا ہے۔ حق تعالیٰ سورۂ احزاب میں فرماتے ہیں وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ جو کہ صیغہ جمع مؤنث حاضر کا ہے اس میں خاص عورتوں ہی کو خطاب ہے۔ اب تو سوال نہیں رہا۔

## عورتوں کے لئے نیک صحبت کا طریقہ

اب میں دوسرے جزو کُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کے متعلق کچھ مختصر بیان کرتا ہوں (کیونکہ وقت کم رہ گیا ہے نمازِ عصر قریب ہے) اس جزو کا حاصل تو یہی ہے کہ اس میں کمالِ دین حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ تم کاملین اور راسخین فی الدین کے ساتھ ہو جاؤ۔ مردوں کو تو اس طریقہ پر عمل کرنا آسان ہے۔ اب قابلِ غور یہ ہے کہ عورتوں کے لئے اس کا طریقہ کیا ہے؟ اور یہ سوال واقعی بہت ضروری ہے۔

سو جواب یہ ہے کہ اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ عورتیں بھی انہی بزرگوں سے فیض حاصل کریں جن سے مرد فیض حاصل کرتے ہیں۔ مگر یہ ذرا دشوار ہے کیونکہ اوّل تو مردوں اور عورتوں کا ساتھ کیا۔ دوسرے پردہ کی وجہ سے شیخ کو ان سے مناسبت کامل نہیں ہو سکتی اور بدوں مناسبت کے نفع کامل نہیں ہوتا اور بزرگوں کے سامنے آنا اور ان سے پردہ نہ کرنا جائز نہیں۔ ہاں جن عورتوں کا باپ یا خاوند قابل ہو وہ ان سے فیض حاصل کر سکتی ہیں۔ مگر سب کے تو باپ اور شوہر کامل نہیں اس لئے یہ طریقہ کافی نہیں

---

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مرد کامل مردوں سے فیض لیں اور عورتیں کامل عورتوں سے اور اصل قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ جس طرح مردوں کو حکم ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اسی طرح عورتوں کو حکم دیا جاوے کُنَّ مَعَ الصّٰدِقَاتِ (اے عورتو تم سچی عورتوں کے ساتھ ہو جاؤ) مگر اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا عورتیں بھی کامل ہو سکتی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہاں قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں بھی کامل ہو سکتی ہیں کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کو صَادِقِیْنَ فرمایا ہے، اسی طرح عورتوں کو صَادِقَات فرمایا ہے ــــ چنانچہ سورۂ احزاب کی ایک آیت اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ۔ الآیہ۔ (مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں) میں نے ذرا دیر ہوئی پڑھی تھی اس میں یہ بھی ہے وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ

(سچے مرد اور سچی عورتیں) اور صادقین کے معنے کاملین کے ہیں تو صادقات بمعنے کاملات ہُوا۔ اس سے عورتوں کے بھی کامل ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور واقعی عورتوں کی اصلاح کا سب سے اچھا طریق یہی ہے کہ جو عورتیں کامل ہوں یہ ان کی صُحبت میں رہیں، مگر افسوس ہے ہمارے طبقۂ اناث پر کہ آج کل ان میں کامل بہت کم ہیں۔

جب میں نے جزاء الاعمال لکھی ہے تو اس میں مَیں نے چند بزرگوں کے نام کی فہرست لکھی تھی کہ عام لوگ ان میں سے کسی کے ساتھ وابستہ ہو جاویں۔ اس وقت میرا جی چاہا کہ چند عورتوں کے نام بھی لکھوں تاکہ عورتیں ان سے فیض حاصل کریں۔ مگر عورتوں میں کوئی ایسی نظر ہی نہ پڑی جس کا نام میں اطمینان کے ساتھ لکھ دیتا۔ اور بعضی ایسی بھی تھیں جن کے کمال کی خبریں میں سُنتا تھا اور اُس وقت تک ان کے متعلق کوئی بات بے اطمینانی کی نہ تھی مگر ان کا نام لکھنے سے چند وجوہ سے رُکا۔

۱۔ یہ کہ اُن کے کمالات عورتوں ہی کی زبانی سُنے تھے خود مجھ کو ان کے کمال کی تحقیق نہ تھی اور نہ تحقیق کی کوئی صورت تھی، بخلاف ان بزرگوں کے جن کے نام شائع کیے گئے تھے کہ ان سب سے میں خود مل چکا تھا اور عورتوں کے بیانات پر مجھے وثوق نہ ہوا کہ نہ معلوم یہ اپنے ذہن میں کمال کسے سمجھتی ہوں گی اور کس کو کامل کہتی ہوں گی۔ ان سے یہ بھی بعید نہیں کہ ناقص کو کامل سمجھتی ہوں۔

۲۔ اگر عورتوں کا نام کاملات کی فہرست میں شائع ہوا تو ایسا نہ ہو کہ مردوں کو بھی ان سے اعتقاد ہو جاوے اور بعضے مرد اُن سے فیض حاصل کرنے جاویں۔

۳۔ ممکن ہے کہ عورتیں دُور دراز سے ان کی ملاقات و زیارت کے لئے سفر کریں اور ایسا ضرور ہوتا اور میں عورتوں کے لئے سفر کو پسند نہیں کرتا اور جب عورتیں سفر کر کے ان کے پاس آئیں تو ان بے چاری کاملات کو آنے والیوں کی خاطر مدارت اور مہمانی کرنی پڑتی جس سے اُن پر بار ہوتا۔

۴۔ پھر آنے والیوں کی خاطر مدارات کے متعلق ان کاملات میں اور ان کے شوہروں میں نزاع ہوتا۔ شوہر جھلاتا کہ میرے گھر یہ روز روز گاڑیاں کیسی آنے لگیں۔ مردوں کو روز روز عورتوں کے آنے سے پردہ وغیرہ کی تکلیف ہوتی اُن کی آزادی میں خلل پڑتا۔

۵۔ اس قدر رجوعات سے کہیں ان کاملات کا دماغ نہ بڑھ جاتا کیونکہ یہ تعظیم و تکریم وہ بلا ہے کہ اس کے ساتھ کامل سے کامل مرد کو بھی سنبھلنا دشوار ہوتا ہے۔ عورتوں کا دماغ تو بہت ہی بڑھ جاتا کہ ہاں ہم بھی کچھ ہیں۔ تو ان بے چاریوں کا تھوڑا بہت جو کچھ کمال تھا وہ بھی اس تکبر کے بدولت زائل ہو جاتا۔

خیر وجوہ تو میرے ذہن میں بہت سی آئیں مگر سب سے زیادہ مانع پہلی وجہ تھی کہ ان کے کمالات عورتوں ہی کی زبانی سُنے ہوئے تھے اس لئے پوری طرح وثوق نہ ہوا۔ اور حقیقت میں میرا خیال صحیح نکلا۔ کیونکہ میں نے جن مردوں کو کاملین میں شمار کیا تھا الحمدللہ اس وقت تک قریب قریب میں ان سب کے کمال کا معتقد ہوں اور بجز ایک دو کے باقی سب ایسے ہیں کہ ان کی بابت کوئی بات خلافِ کمال مجھے معلوم نہیں ہوئی اور جن عورتوں کے متعلق میں نے کامل ہونے کی خبریں سُنی تھیں قریب قریب اس وقت میں ان میں سے کسی کا معتقد نہیں رہا کیونکہ ہر ایک میں کچھ نہ کچھ بات بعد میں معلوم ہوئی۔ اس لئے میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس وقت میں نے ان کے نام شائع نہ کئے ورنہ شائع ہو جانے کے بعد اب بڑی دقت ہوتی۔ چنانچہ ان ہی میں سے ایک مسماۃ ایک قصبہ کی رہنے والی بھی تھیں جن کو میں نے کاملات میں شمار کرنے کا قصد کیا تھا۔ ان کا نام جنت تھا شاید اب تو وہ مر گئی ہیں۔ اس وقت اُن کی حالت بہت اچھی سننے میں آرہی تھی کہ بہت نیک ہیں سوائے نماز روزہ اور تسبیح کے ان کو اور کوئی کام نہیں تھا۔ لڑکیوں کو پڑھایا بھی کرتی تھیں

مگر اخیر میں وہ بجائے جنت کے دوزخ بن گئیں۔

اسی قصبہ میں کچھ زمانہ سے ایک بے نکاحی عورت نے فتنہ برپا کر رکھا ہے اپنے آپ کو ولی اور بزرگ ظاہر کرتی ہے، مردوں عورتوں کو مرید کرتی ہے، اور کسی سے شادی نہیں کرتی۔ اس کم بخت کے ایک بچہ بھی بدون خاوند کے ہوا جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ جس طرح مریم علیہا السلام کے عیسیٰ علیہ السلام بدون باپ کے ہوئے تھے، اسی طرح میرے بھی بدون باپ کے بچہ ہو گیا۔ نعوذ باللہ مگر عورتوں کی جہالت دیکھئے کہ باوجود ایسی بے حیائی اور بدکاری کے پھر بھی اس کی معتقد ہیں اور اس کو پیرانی کا لقب دے رکھا ہے۔ حیرت یہ ہے کہ بعضے مردوں کی عقل پر بھی پتھر پڑ گئے کہ پڑھ لکھ کر ڈوب گئے اور اس کے معتقد بن گئے اور ان تمام بدکاریوں اور بے حیائیوں کی تاویل کرنے لگے۔ (خدا کرے غارت کرے قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ ۱۲ جامع) (اللہ تعالیٰ انکو ہلاک کرے کہاں جا رہے ہیں)

وہ بی جنت بھی اخیر عمر میں ایسی بے حیا عورت کی معتقد ہو گئی تھیں اور اس کی مرید بن گئی تھیں اور ان کے سامنے جو کوئی اس کی برائی کرتا اور ان کو بے وقوف بناتا کہ تم ان کی مرید کیوں ہو گئیں تو وہ الٹے کہنے والے کو بے وقوف بناتیں اور اسے کوسنے دیا کرتیں۔

غرض آخیر میں وہ بالکل مسخ ہو گئی تھیں (خدا مغفرت کرے) تو جن عورتوں کو میں نے کامل سنا تھا کچھ دنوں بعد اکثروں کا ناقص ہونا معلوم ہو گیا۔ تو اب یہ صورت تو عورتوں کی اصلاح کی ہو نہیں سکتی کہ وہ آپس میں اپنی ہم جنس عورت سے فیض حاصل کریں اب تو دو ہی صورتیں ہیں۔

**اصلاح نسواں کی پہلی صورت** ایک یہ کہ جن کے محارم میں سے کوئی کامل ہو وہ اس سے مستفیض ہوں جس کا

اُن کو عموماً مرد اپنے ذمہ نہیں سمجھتے مثلاً بعضے گھروں میں دیکھا ہے کہ مرد بیوی سے

خاوند کامل ہو وہ اپنے خاوند سے فیض حاصل کرے مگر اس میں یہ مشکل ہے کہ شوہر تو بعض جگہ غلام ہے ورنہ برابر کا دوست تو ہے ہی۔ شوہر کی تعظیم و تکریم عورتیں اس درجہ نہیں کرتیں جتنی مربی کی تعظیم ہونی چاہیئے اور بدون اس کے فائدہ نہیں ہو سکتا۔

دوسرے بیوی کو شوہر سے ویسا اعتقاد بھی نہیں ہوتا جیسا دوسروں سے اعتقاد ہوتا ہے گو اپنا شوہر کتنا ہی بڑا کامل ہو۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے گھر میں جو پہلی بیوی تھیں باوجودیکہ حضرت کی بہت فرمانبردار تھیں مگر بیعت ہونے کو وہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے کہتی تھیں اور حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ آپ حضرت حاجی صاحب سے کیوں نہیں بیعت ہو جاتیں ______

بھلا حضرت کے ہوتے ہوئے مجھ سے بیعت ہونا کیا مناسب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حاجی صاحب کے کمال میں شبہ نہیں مگر میں اُن سے بیعت نہیں ہوتی میں تو آپ سے ہی بیعت ہونا چاہتی ہوں (پھر معلوم نہیں کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ان کو بیعت کیا یا نہیں مگر دیکھ لیجئے کہ ان کو حاجی صاحب سے بیعت ہونا منظور نہ تھا بلکہ ان کے خلفاء سے بیعت کی درخواست کرتی تھیں)

اور حضرت حاجی صاحب کی دوسری بیوی تو سُنا ہے کہ بہت ہی نیک تھیں۔ جن عورتوں نے ان کو دیکھا ہے وہ کہتی ہیں کہ حاجی صاحب میں اور ان میں صرف اتنا فرق تھا کہ حضرت مرد تھے اور وہ عورت تھیں اور کچھ فرق نہ تھا سُنا ہے کہ وہ مثنوی کو بھی خوب سمجھتی تھیں اور یہ دوسری بیوی حضرت حاجی صاحب کی منگیتر تھیں۔ پہلے ان سے حضرت کی منگنی ہوئی تھی مگر حضرت کے انکار کی وجہ سے نکاح نہ ہوا تھا کسی دوسرے سے نکاح ہو گیا تھا۔ پھر شوہر اوّل کے بعد حضرت حاجی صاحب نے ان سے دُوسرا نکاح کر لیا تھا۔

**اصلاح نسواں کی دوسری صُورت** تو اگر خاوند سے بھی فیض حاصل نہ کر سکیں اور اپنے محارم میں بھی کوئی کامل

نہ ہو تو اب دوسری صورت یہ ہے کہ بزرگوں کی کتابوں اور ان کے ملفوظات و مواعظ کا مطالعہ کیا جائے۔ بزرگوں کی تصانیف اور ان کے ملفوظات میں بھی وہی اثر ہوتا ہے جو اُن کی صحبت میں ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں کہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب
چُوں کہ خورشید و ما را کرد داغ
چارہ نبود در مقامش از چراغ

یعنی "جب پھولوں کا موسم چلا جائے تو اب اس کی خوشبو گلاب سے حاصل کرنی چاہیے۔ گلاب میں بھی پھول کی خوشبو مل سکتی ہے اسی طرح آفتاب چھپ جائے تو اب چراغ سے روشنی حاصل کرنی چاہیے"۔ ــــــ یہ مشاہدہ ہے کہ اہل اللہ کے کلام میں نور ہوتا ہے اور ملحدوں کے کلام میں ظلمت ہوتی ہے۔ گو بزرگوں کی کتابوں کی عبارت سادی ہوتی ہے، ان میں عبارات آرائی نہیں ہوتی مگر ان کے مطالعہ سے نور قلب میں پیدا ہوتا ہے اور جو لوگ متبع شریعت نہیں ہیں ان کی کتابوں کی عبارت گو کیسی ہی شستہ ہو مگر باطن میں اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے گو ان میں تمام باتیں دین ہی کی ہوں مگر الفاظ چونکہ ان کے اپنے ہیں اس لئے وہ ظلمت سے خالی نہیں ہوتے جس کے دِل میں کچھ بھی ادراک ہے وہ اس فرق کو ضرور محسوس کریگا اسی طرح اہل اللہ کی تقریر میں بھی ایک نُور ہوتا ہے جو غیر اللہ کے کلام میں نہیں ہوتا ــــــ ایک بزرگ کے صاحب زادے تحصیل علم کے لئے کہیں باہر گئے۔ جب وہ فارغ ہو کر واپس ہوئے اور پورے عالم ہو گئے تو اپنے والد صاحب کے پاس گئے انہوں نے ان سے فرمایا کہ تم وعظ کہو۔ چنانچہ صاحب زادے نے وعظ کہا اور بڑے بڑے عالی مضامین بیان کئے مگر کسی پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

جب وعظ کہہ چکے تو اُن کے والد صاحب ممبر پر تشریف لائے اور وعظ سے پہلے انہوں نے اپنا واقعہ اسی رات کا بیان فرمایا کہ رات ہم نے روزہ کی نیّت کی تھی سحری کے لئے کچھ دودھ رکھدیا تھا۔ مگر بلی آئی اور سارا دودھ پی گئی۔ بس اتنا ہی بیان فرمایا تھا کہ ساری مجلس تڑپنے لگی۔ اس کے بعد اُن بزرگ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ صاحبزادے سننے والے پر قلب کا اثر پڑا کرتا ہے۔ الفاظ کا اثر نہیں ہوتا۔ تم نے اب تک علم الفاظ حاصل کیا ہے اب قلب کے اندر بھی اس علم کو پہنچانا چاہیئے۔ اہل اللہ کے کلام سے یہ ضرور نہیں کہ آنکھوں سے آنسو نکلنے لگیں، بلکہ اہل دل کے کلام سے سامعین کے دل آنسوؤں سے بھر جاتے ہیں۔

غرض تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بزرگوں کی تصانیف سے بھی قریب قریب وہی فائدہ ہوتا ہے جو اُن کے پاس رہنے سے ہوتا ہے گو بالکل اس کے برابر نہ ہوگا مگر اس کے قریب ضرور ہوگا تو اگر عورتوں کو بزرگوں کی صحبت میسر نہ ہو سکے تو ان کے ملفوظات اور احوال موجود ہیں ان کو دیکھتی رہا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ کمال ضرور حاصل ہوگا اور مردوں کو بھی بزرگوں کی تصانیف اور اُن کے ملفوظات و احوال کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر شخص کو اتنی مہلت نہیں ملتی جو اُن کے پاس جا کر رہے۔ عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ گویا اسی زمانہ کے واسطے یہ فرما گئے ہیں ؎

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است

صراحیٔ مئے ناب وسفینۂ غزل است

(اس زمانہ جو رفیق خلل سے خالی ہے وہ کتاب ذکر و شغل طاعت و عبادت اور بزرگوں کے ملفوظات ہیں)

صراحی مئے ناب سے مراد ذکر و شغل اور طاعات و عبادات ہیں اور سفینۂ غزل

سے مراد اہل عشق کے ملفوظات ہیں۔ اس میں حضرت حافظؒ نے کتاب کو رفیق بتلایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو فائدہ رفیق سے ہوتا ہے وہ اس سے بھی ہوتا ہے اور شیخ بھی رفیقِ طریق ہوتا ہے تو جس کو شیخ میسر نہ ہو وہ کتابوں کو رفیق بنائے۔

پس الحمدللہ کہ اس سوال کا جواب ہر پہلو سے مکمل ہوگیا کہ عورتوں کے لئے معیّت صادقین کی کیا صورت ہوگی؟ حاصل جواب کا یہ ہوا کہ جن کے محارم میں کوئی کامل نہ ہو وہ اس کی تلاش کریں کہ کوئی عورت کامل فی الحال ملے تو اس کی صحبت سے فائدہ اٹھائیں اور جس کو دونوں باتیں میسر نہ ہوں تو وہ بزرگوں کے کلام اور ملفوظات اور قصص احوال کا مطالعہ کریں۔ پس اب عورتوں کے لئے بھی اس آیت کا بیان مکمل ہوگیا اور میں نے انکو بھی کمالِ دین حاصل کرنے کا آسان سے آسان طریق تلا دیا۔ اب آگے انکی ہمت ہے کہ عمل کریں یا نہ کریں۔

## ایک علمی اشکال و اس کا جواب

پس مضمون تو ختم ہوگیا اب اس کا ایک ذنابہ رہ گیا۔ اس کو بیان کرکے میں اپنی تقریر ختم کردوں گا۔ وہ ذنابہ ایک طالب علمانہ اشکال و جواب ہے جس کو طلباء و اہلِ علم خوب سمجھ لیں گے۔ اشکال یہ ہے کہ قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں کامل ہو سکتی ہیں چنانچہ اَلصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ اس پر دلالت کر رہا ہے اور ایک حدیث میں بھی ہے کَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ کَثِیْرٌ وَلَمْ یَکْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِیَۃُ امْرَاَۃُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَاءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَائِرِ الطَّعَامِ۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مردوں میں تو بہت لوگ کامل ہوئے لیکن عورتوں میں بجز مریم علیہا السلام اور آسیہ فرعون کی بیوی کے اور کوئی کامل نہ ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت ہے

تمام کھانوں پر۔ اس سے علماء نے حضرت عائشہ رض کا کمال بھی سمجھا ہے کہ وہ کامل ہیں۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں کامل ہو بھی سکتی ہیں اور اس کا وقوع بھی ہوا ہے گو ان میں کامل افراد بہ نسبت مردوں کے کم ہیں مگر ایک حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عورتیں کامل ہو ہی نہیں سکتیں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ آپ نے ایک بار عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا:

| | |
|---|---|
| مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدٰكُنَّ ــــــ | "میں نے عورتوں سے بڑھ کر کوئی ناقص العقل اور ناقص الدین ایسا نہیں دیکھا جو ہوشیار مرد کی عقل کو جلدی زائل کر دیتا ہو۔" |

اس پر عورتوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری عقل اور دین میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورتوں کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر نہیں ہے۔ انہوں نے کہا بے شک۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو ان کی عقل کا نقصان ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر شمار کی گئی ہے اور کیا جب تم کو حیض آتا ہے تو تم نماز روزہ چھوڑ کر نہیں بیٹھ جاتیں۔ انہوں نے کہا بے شک! فرمایا کہ یہ تمہارے دین کا نقصان ہے۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ناقص ہونے کا جو سبب بیان فرمایا ہے وہ ایسا سبب ہے جس سے کوئی عورت بھی خالی نہیں۔ لہذا لازم آتا ہے کہ عورتوں میں کوئی بھی کامل نہ ہو سکے۔ حالانکہ قرآن اور دیگر احادیث سے ان میں بھی کاملات کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ یہ اشکال عرصہ سے میرے ذہن میں تھا مگر اس کا کوئی شافی جواب اب تک ذہن میں نہ آیا تھا۔ اسی لئے اس اشکال کو اب تک میں نے کہیں بیان نہ کیا کہ خواہ مخواہ دوسروں کو بھی کیوں پریشانی میں ڈالوں

الحمد للہ اسی وقت جواب ذہن میں آگیا اس لئے میں نے اشکال کو بھی بیان کر دیا اور جواب بھی عرض کرتا ہوں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کمال کی دو قسمیں ہیں ایک کمالِ اختیاری ایک کمال غیر اختیاری۔ اسی طرح نقصان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری ایک غیر اختیاری اور انسان مکلف ہے تحصیل کمال اختیاری کا جو کہ امر مکتسب ہے اور مکلف ہے ازالۂ نقصان اختیاری کا جو اس کی قدرت میں داخل ہے اور کمال غیر اختیاری کی تحصیل اور نقصان غیر اختیاری سے اجتناب کا انسان مکلف نہیں۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) لیکن یہ ضرور ہے کہ کمال غیر اختیاری کے حاصل نہ ہونے سے عورتوں کو گناہ نہ ہوگا لیکن گناہ نہ ہونے سے اس کا موجب نقصان نہ ہونا لازم نہیں، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے نہ ہونے سے گناہ نہیں ہوتا لیکن نقصان ضرور ہے (مثلاً ایک آدمی میں طبعاً بزدلی اور خوف بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے وہ جہاد نہیں کر سکتا اس صورت میں اس کو گناہ تو نہیں ہوگا لیکن یہ نقصان ضرور ہے اور مجاہدین کے برابر وہ شخص نہیں ہو سکتا۔ ۱۲)

پس قرآن میں جو عورتوں کو کامل کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کمال مکتسب کا درجہ ان کو حاصل ہو سکتا ہے اور حدیث میں جو ان کو ناقصات الدین کہا گیا ہے اس میں نقصان غیر اختیاری کو بیان کیا گیا ہے اور کمال مکتسب و نقصانِ غیر اختیاری کے جمع ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ اب یہ سوال رہا کہ دوسری حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ مردوں میں تو بہت کامل ہوئے اور عورتوں میں بجز مریم علیہا السلام و حضرت آسیہ کے اور کوئی کامل نہیں ہوا، اس سے ․․․ در یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں میں کمال کا وہی درجہ تھا جو مردوں میں تھا کیونکہ جس کمال کو مردوں کے لئے ثابت کر کے عورتوں سے اسکی نفی کی گئی ہے۔ حدیث میں صیغۂ استثناء کے ساتھ اسی

کمال کو ان دونوں کے لئے ثابت کیا گیا ہے ۔ اگر یہ مطلب ہو تو ان کے استثناء کرنے کے کچھ معنی نہ ہوں گے (۱) اور جب یہ مطلب ہوا کہ ان دونوں کو کامل مردوں کے برابر کمال حاصل تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان میں نقصانِ عقل و نقصانِ دین کا وہ سبب غیر اختیاری موجود نہ تھا جو دوسری عورتوں میں موجود ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ممکن ہے ان میں وہ نقصان غیر اختیاری موجود نہ ہو اور خدا تعالےٰ کی قدرت سے یہ کچھ بعید نہیں ۔ دوسرے ممکن ہے کہ ان میں بھی نقصان غیر اختیاری جس سے اس نقصان غیر اختیاری کی تلافی ہو گئی ہو ۔

اب میں اس مضمون کی زیادہ تفصیل نہیں کرتا ۔ بعض لوگ سمجھ گئے ہیں بس اتنا ہی کافی ہے جن کی سمجھ میں نہ آیا ہو وہ ان سے سمجھ لیں ۔ حضرت حاجی صاحب بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے کہ کسی دقیق مضمون کی تقریر ایک بار فرما دیا کرتے اس کے بعد اگر کوئی اس کے متعلق سوال کرتا تو آپ فرما دیتے کہ فلاں شخص اس کو خوب سمجھ گیا ہے اس سے سمجھ لو ۔ البتہ یہاں ایک سوال اور رہ گیا میں اس کو بھی حل کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس تقریر سے تو یہ معلوم ہوا کہ نقصان غیر اختیاری بھی موجب نقص ہے حالانکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نقصان غیر اختیاری موجب نقص نہیں ۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی شخص کا کوئی ورد ہو اور وہ سفر کرے یا بیمار ہو جائے اور سفر یا بیماری کی وجہ سے ورد ناغہ ہو جائے تو حق تعالیٰ ملائکہ سے فرماتے ہیں کہ اس کا ثواب پورا ہی لکھو یعنی سفر اور بیماری میں گو ورد ناغہ ہو جاتا ہے مگر ثواب ان دِنوں کے برابر ہی ملتا ہے جن میں ورد ناغہ نہیں ہوتا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر اختیاری عذر کی وجہ سے اگر اعمال میں کمی آ جائے تو ثواب کم نہیں ہوتا ۔ پھر اس کی کیا وجہ کہ حیض وغیرہ میں عورتوں کی نماز ناغہ ہوتی ہے تو اس کو نقصان کا سبب شمار کیا گیا وہ بھی تو اعذار غیر اختیاری ہیں بلکہ بظاہر ان کا

غیر اختیاری ہونا سفر سے زیادہ ہے کیونکہ سفر من وجہ اختیاری ہے اور من وجہ غیر اختیاری یعنی سفر شروع کرنے کے بعد تو اوقات پر قبضہ نہیں رہتا اور مجبوراً اوراد ناغہ ہو جاتے ہیں لیکن سفر کا شروع کرنا تو اختیاری امر ہے۔ اگر ہم سفر ہی نہ کرتے تو اس کی نوبت نہ آتی۔ پس سفر انتہاءً غیر اختیاری ہے اور ابتداءً اختیاری ہے یہ سوال میرے ذہن میں ابھی آیا ہے اور جواب بھی اسی وقت ذہن میں آ گیا ہے وہ یہ کہ عذر کی دو قسمیں ہیں ایک عذر اتفاقی دوسرے عذر مستمر۔ قانون شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر اتفاقی و عذر مستمر میں فرق ہے۔ عذرِ اتفاقی سے ثواب کم نہیں ہوتا اور عذرِ مستمر موجب نقصان اجر ہوتا ہے چنانچہ موت سے بڑھ کر عذر غیر اختیاری کون سا ہوگا لیکن نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ موت سے اجر و ثواب منقطع ہو جاتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ دو شخص ایک ساتھ اسلام لائے اور دونوں کے اعمال بھی برابر تھے۔ ان میں سے ایک صاحب تو کسی غزوہ میں شہید ہو گئے اور دوسرے ان کے بعد ایک ہفتہ کے فاصلہ سے انتقال کر گئے صحابہ کو یہ خیال ہوا کہ پہلا شخص شہید ہو کر مرا ہے اور یہ بستر پر مرا ہے اس لئے شاید اس کا درجہ اس سے کم رہے تو انہوں نے دوسرے کے حق میں یہ دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ اَلْحِقْهُ بِصَاحِبِہٖ ۔ کہ اے اللہ! اس کو بھی اس کے ساتھی کے درجہ میں پہنچا دیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاَیْنَ صَلٰوتُهٗ وَصِیَامُهٗ وَقِیَامُهٗ بَعْدَهٗ اَوْ کَمَا قَالَ

کہ اس نے جو اس کے بعد ہفتہ بھر نمازیں پڑھیں ہیں اور روزے رکھے ہیں اور تہجد کی نماز پڑھی ہے یہ اعمال کہاں چلے گئے یعنی تم نے اس کے لئے پہلے شخص کے برابر ہونے کی کیوں دعا کی۔ اس نے جو اس کے بعد اعمال کئے ہیں ان کا ثواب بھی تو اس کے نامۂ اعمال میں لکھا گیا ہے تو یہ اس سے بڑھا ہوا ہے چنانچہ آپ نے اس شخص کے بارہ میں تصریحاً بھی فرمایا کہ واللہ دونوں کے درجہ میں ایسا

تفاوت ہے جیسا زمین و آسمان کے درمیان میں رہی یہ بات کہ پہلا شہید تھا اور یہ شہید نہیں ہوا تو اس سے اس کا درجہ کم ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ شہادت کے لئے یہ بھی تیار تھا جہاد میں دونوں شریک ہوئے تھے، اب یہ اور بات ہے کہ اس کا وقت آگیا تھا وہ شہید ہو گیا اس کا وقت نہ آیا تھا یہ قتل نہ ہوا، مگر نیت دونوں کی برابر تھی اس لئے شہادت کا اجر اس کے لئے بھی ہے ۱۲) اس سے صاف معلوم ہوا کہ موت سے اجر منقطع ہو جاتا ہے اور ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ تصریح ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

يَنْقَطِعُ اَجْرُ الْمُؤْمِنِ بِمَوْتِهٖ اِلَّا مِنْ ثَلٰثٍ الخ

(مومن کا اجر موت سے منقطع ہو جاتا ہے بجز تین کے)

پس مرض اور سفر اتفاقی عذر ہیں ان سے اجر کم نہیں ہوتا اور حیض و نفاس وغیرہ عذر مستمر ہیں اور عذر مستمر سے اجر کم ہو جاتا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ عذر اتفاقی ابتداء عمل کے وقت ذہن میں نہیں ہوتا جب آدمی کوئی عمل بہ نیت مداومت شروع کرتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ بات ہرگز نہیں ہوتی کہ اگر میں سفر میں جاؤں گا یا بیمار ہو جاؤں گا۔ تو یہ عمل نہ کروں گا۔ کیونکہ سفر اور مرض عارضی امور ہیں۔ اصل حالت یہی ہے کہ انسان تندرست رہے اور اپنے گھر میں رہے اس لئے نیت دوام کی باقی رہتی ہے، پھر جب اتفاقاً عذر پیش آتا ہے تو اس کو ثواب پورا ملتا ہے، دوسرے یہ کہ سفر اور مرض کا کوئی خاص وقت نہیں ہوتا، ممکن ہے کہ آدمی برسوں بھی سفر نہ کرے نہ بیمار ہو، اس لئے ایام سفر و مرض کو عمل سے مستثنیٰ کرنے کی طرف التفات نہیں ہو سکتا۔

پس وہ دن بھی اس کے ذہن میں عمل ہی کے لئے مقرر تھے مگر اتفاق سے ناغہ ہو گیا بخلاف حیض و نفاس وغیرہ کے کہ یہ اعذار مستمرہ ہیں نیز اکثر ان کے اوقات بھی معین ہوتے ہیں پس عورتیں جب نماز پڑھنا شروع کریں گی ان کے

ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ حیض و نفاس کے وقت نماز کو چھوڑ دیں گے تو ان کی نیت دوام کی نہیں ہوتی۔ یہ نیت کسی عورت کی نہیں ہوتی کہ میں اِن دنوں میں بھی نماز پڑھوں گی۔

ایسے ہی موت کا آنا یقینی ہے گو وقت معلوم نہیں مگر ہر شخص جس کام کو شروع کرتا ہے اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ جب تک زندہ ہوں یہ کام کرتا رہوں گا۔ یہ نیت کوئی نہیں کرتا کہ موت کے بعد بھی عمل کرتا رہوں گا اور اگر کوئی ایسی نیت کرے تو وہ معتبر نہیں کیونکہ وہ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں نیّت اور عزم کا درجہ اس میں کبھی نہیں ہو سکتا اور اس نیت کی ایسی مثال ہو گی جیسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا تھا کہ مجلس املاء میں سب لوگ سوال کرتے ہیں تم کچھ سوال نہیں کرتے۔ اس نے کہا انشاء اللہ تعالیٰ اب سے سوال کیا کروں گا۔

چنانچہ ایک دن حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ روزہ غروب کے ساتھ فوراً افطار کرنا چاہیئے تو وہ طالب علم صاحب پُوچھتے ہیں کہ حضرت اگر کسی دن غروب ہی نہ ہو تو الخ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ بس آپ خاموش ہی رہیں آپ کو بولنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے کسی کے یہاں بہو آئی تھی وہ بولتی نہ تھی ساس کو بہت رنج تھا کہ ہائے بہو گونگی آئی بولتی ہی نہیں۔ جب ساس نے اس کو بہت سمجھایا بجھایا کہ لڑکیاں تو بولتی ہوئی اچھی لگا کرتی ہیں تو بولتی کیوں نہیں؟ تو ایک دن آپ یہ بولیں کہ ساس سے کہنے لگیں کہ میں تم سے یوں پوچھوں ہوں کہ اگر تمہارا بیٹا مر گیا تو تم میرا دوسرا نکاح بھی کرو گی یا یوں ہی ساری عمر بٹھائے رکھو گی۔ ساس نے کہا کہ بس بی تو چپ ہی رہا کر مہینوں میں بولی تھی تو یہ پھول جھڑے آگے کو نہ معلوم کیا ستم ڈھائے گی ــــــ؟ ایسے ہی وہ طالب علم صاحب تھے کہ یا تو سوال ہی نہ کرتے تھے اور سوال کیا تو یہ کہ حضرت بھلا اگر آفتاب غروب ہی نہ ہو

جیسے یہ قضیہ شرطیہ مہمل ہے جس میں مقدم کا وجود ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ عالم کا بقاء ہے اسی طرح اگر کوئی مرد یہ نیت کرے کہ اگر میں نہ مرا تو ساری عمر نماز پڑھتا رہوں گا، یہ قضیہ بھی مہمل ہے جس کا شریعت میں اعتبار نہیں۔ شرط وہی معتبر ہو سکتی ہے جس کا وقوع بھی عادۃً ہوتا ہو۔

پس یہ عذر نیت دوام کو مانع ہے اور سفر و مرض نیت دوام کو مانع نہیں اس لئے جب وہاں دوام کو نیت ہو سکتی ہے تو ثواب بھی مرض و سفر میں اس نیت کی وجہ سے ملے گا اور عذرِ نسوانی اور موت قاطع نیت دوام ہیں اس لئے وہاں ان اعذار کے وجود سے ثواب منقطع ہو جائے گا، یہ وجہ ہے حیض و نفاس کے سبب ہونے کی اور سفر و مرض کے سبب نقصان نہ ہونے کی خوب سمجھ لو۔

## خلاصۂ کلام

بحمد اللہ اب یہ بحث مکمل ہو گیا اور تمام شبہات زائل ہو گئے۔ اور دلائل سے معلوم ہو گیا کہ عورتیں بھی کامل ہو سکتی ہیں یعنی کمال مکتسب ان کو حاصل ہو سکتا ہے مگر اس کے ساتھ ایک نقصان غیر اختیاری بھی ہے اور ان کے لئے کمال کا طریقہ یہ ہے کہ اول تو وہ کتابیں دیکھیں جن میں مسائل و احکام شرعیہ کا ذکر ہے ان کو دیکھ کر ہر عمل کامل کرنے کا طریقہ معلوم کریں اور جن اعمال میں کوتاہی ہو رہی ہے اس کی اصلاح کریں، یہ تو اصل طریق ہے اور اس میں آسانی پیدا کرنے کے لئے یہ طریق ہے کہ اگر کوئی مردِ کامل اپنے محارم میں مل جائے تو اس کی صحبت سے فائدہ اٹھائیں اس سے اپنے اخلاق و عادات کی اصلاح کا طریقہ پوچھ کر دل کی اصلاح کریں اور اگر کوئی مرد ایسا نہ ملے تو کسی کاملہ کی صحبت میں رہیں۔ اگر کوئی کاملہ بھی نہ ملے تو اپنے گھر کے مردوں کی اطلاع اور اجازت سے کسی دوسرے بزرگ سے

بذریعہ خط و کتابت کے اپنی اصلاح کا تعلق رکھیں اور اس کو اپنے حالات سے اطلاع دیتی رہیں۔ جو کچھ وہ لکھے اس پر عمل کریں اور اپنے گھر ہی میں رہیں اور اس کے پاس جانے کی زحمت نہ اٹھاویں۔ ہاں اپنے گھر پر بزرگوں کے قصے ان کے حالات اور ملفوظات اور ان کی تصانیف کا مطالعہ جاری رکھیں۔ اس سے بھی وہی نفع ہوگا جو پاس رہنے سے ہوا کرتا ہے اور اگر مردوں میں سے بھی کسی کو بزرگوں کے پاس جانے کی فرصت نہ ہو وہ بھی اسی طریقہ پر عمل کریں جو میں نے عورتوں کو بتلایا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح ان کا بھی دین کامل ہو جائے گا۔

پس اصل طریقہ کمال فی الدین کا تحصیل تقویٰ ہے اور اس کی تیسیر و تسہیل کا طریقہ معیت کاملین ہے۔ یہ خلاصہ ہے تمام بیان کا اب میں ختم کرتا ہوں کیونکہ عصر کی نماز قریب ہے۔ گو بعضے مضامین اب بھی ذہن میں باقی ہیں مگر اول تو وقت نہیں، دوسرے ضروری باتیں بیان ہو چکی ہیں اس لئے ان مضامین کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں پھر کسی موقع پر دیکھا جائے گا۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور عمل کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین!

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد

وعلیٰ آلہٖ واصحابہم اجمعین!

—— :o: ——

# رفع الالتباس عن نفع الالباس

الملقب بہ

# الفیض الحسن

فی

# تھانہ بھون

ازالۂ اوہام

حقوق الزوجین کے موضوع پر خواجہ عزیز الحسن صاحب کی درخواست پر یہ وعظ حضرت حکیم الامت کی چھوٹی اہلیہ کے مکان پر بارہ رجب ۱۳۴۷ھ بروز چہار شنبہ بعد ظہر ایک گھنٹہ پینتالیس منٹ کرسی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تخمینی تعداد تقریباً ۶۰ علاوہ مستورات۔ مولانا ظفر احمد عثمانی رح نے قلمبند فرمایا۔ وعظ کے بعد مجلس وعظ ہی میں نکاح کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

## خُطبہ:

اَلحَمدُ لِلّٰہِ نَحمَدُہٗ وَنَستَعِینُہٗ وَنَستَغفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیہِ وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِن شُرُورِ اَنفُسِنَا وَمِن سَیِّاٰتِ اَعمَالِنَا مَن یَّھدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضلِلہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشھَدُ اَن لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ وَنَشھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَولَانَا مُحَمَّدًا عَبدُہٗ وَرَسُولُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَبَارِکَ وَسَلِّم اَمَّا بَعدُ فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ؕ

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے اس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے زوجین کے تعلقات کو ایک مختصر مگر بلیغ عنوان سے بیان فرمایا ہے۔

**سببِ وعظ** چونکہ اس بیان کا سبب ایک تقریب والوں کی تحریک ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ بیان نکاح ہی کے مناسب ہو، اور مختصر ہو کیونکہ وقت تھوڑا ہے، عصر سے پہلے بیان کا ختم کر دینا ضروری ہے تاکہ اس کے بعد نکاح کے لئے بھی کافی وقت باقی رہے۔ اس لئے میں نے قرآن کے اس جملہ کو بیان کے لئے اختیار کیا جو مختصر بھی ہے اور بلیغ بھی اور مقصود کے واضح کرنے میں کافی بھی ترجمہ

اس کا یہ ہے کہ وہ عورتیں یعنی حلال عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو، عن کے ترجمہ میں حلال عورتیں میں نے اس لئے کہا کہ اوپر سے ازواج ہی کا ذکر چلا آرہا ہے دوسرے عام عورتوں کو مردوں سے کوئی خصوصیت مقصود نہیں اس لئے عام عورتوں کو مردوں کا لباس اور مردوں کو ان کا لباس نہیں کہا جاسکتا کیونکہ آگے معلوم ہو جائے گا کہ لباس کی ساتھ تعبیر کرنے سے شدت تعلق کی طرف اشارہ ہے اور ظاہر ہے کہ شدتِ تعلق عام عورتوں اور مردوں میں نہیں ہوا کرتا بلکہ زوجین ہی میں ہوتا ہے تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ غیر حلال کے منافع کیوں بیان فرماتے اگر کہیں نفع بھی محتمل تھا تو اس کے ضرر کو غالب بتا کر اس نفع کو غیر قابلِ تحصیل فرما دیا، جیسا ارشاد ہے: اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔

اور خمر کے باب میں ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهٗ دَاءٌ۔ (رواہ مسلم)

اور اس آیت میں مرد عورت کے تعلق کے منافع کا ذکر نہ ہو بلکہ تعلق حلال ہی کا ذکر ہو، اور حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ خمر وغیرہ حرام چیز میں دوائیت ونفع مطلقاً نہیں تا کہ یہ اشکال وارد ہو کہ یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے، ہم تو مشاہدہ سے دیکھتے ہیں کہ حرام چیزوں سے بھی نفع ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ نفع قابل اعتبار نہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اعتبار غالب کا ہوتا ہے اگر کسی شے میں غالب نفع ہے تو وہ شی نافع ہے اور اگر ضرر غالب ہے تو وہ مضر ہے پس مطلب یہ ہے کہ حرام میں ضرر اس قدر ہے کہ اس کے مقابلہ میں نفع ناقابل اعتبار ہے کیونکہ (ایک تو) آخرت میں اس کا ضرر شدید ہے جس کے مقابلہ میں شفا عاجل کالعدم وکالمنفی ہے (دوسرے جن چیزوں کو شریعت نے حرام کیا ہے دنیا میں بھی وہ ضرر سے خالی نہیں ان

میں غالب ضرر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طیبات کو حلال کیا ہے اور خبیثات کو حرام پس تحقیق و تفتیش سے معلوم ہو جائے گا کہ جن چیزوں کو شریعت نے حرام کیا ہے ان میں ضرر ہی غالب ہے گو کسی خاص وقت میں ضرر کا ظہور نہ ہو ۱۲ پس حرام سے جو شفا ہوتی ہے وہ حقیقت میں شفا ہی نہیں (بلکہ وہ ایک مرض کو دفع کرتی ہے۔ دوسرے امراض جسم میں پیدا کر دیتی ہے ۱۲ ظ) بہر حال اس کا قائل ہونا ضروری ہے کہ یہاں حلال بیبیاں اور حلال مرد مراد ہیں کیونکہ تخصیص بالازواج پر قرائن عقلیہ بھی قائم ہیں اور قرائن نقلیہ بھی۔

## آیۃ کی شان نزول

اور ہر چند کہ اس آیت کا شان نزول بھی تخصیص بالازواج ہی کو مقتضی ہے مگر اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں۔ اب میں مکرر ترجمہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیبیاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ اس کے بعد میں اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو عنوان لباس سے مقصود ہے یعنی اس تعلق کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو زوجین کے درمیان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس عنوانِ بلیغ سے بیان فرمایا ہے پس اول یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے تشبیہ کو استعمال فرمایا ہے کیونکہ لباس لغوی تو یقیناً مراد نہیں بلکہ استعارہ و مجاز مراد ہے اس کے بعد یہ سمجھئے کہ ایک چیز کی دوسرے کے ساتھ تشبیہ کسی خاص وصف میں ہوتی ہے خواہ وصف واحد ہو یا متعدد۔ پھر کبھی تو وہ وصفِ منصوص ہوتا ہے اور کبھی اجتہادی ہوتا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ وجہ تشبیہ ایسا وصف ہونا چاہیئے جو مشبہ بہ میں مشہور و معروف اور واضح ہو جیسے شجاعت میں تشبیہ دینے کے لئے کہا جاتا ہے زید اسد زید شیر ہے کیونکہ شیر کی بہادری اور شجاعت

مشہور ہے۔ اسی طرح یہاں جو زوجین کو لباس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے وجہ تشبیہ ایسا وصف ہونا چاہیے جس میں لباس مشہور ہے اب ہم کو لباس کے اوصاف میں غور کرنا چاہیے۔

اور گو اسکی تعیین میں اختلاف ہوا ہے کہ یہاں کونسا وصف مراد ہے لیکن میرے نزدیک ان سب اقوال میں تعارض کچھ نہیں بلکہ سب کا حاصل یہ ہے کہ وجہ تشبہ میں تعدد ہے کیونکہ لباس کے اوصاف متعدد ہیں اور سب کو زوجین کے تعلق سے مناسبت ہے پس ایک شخص کا ذہن ایک وصف کی طرف منتقل ہوا اور دوسرے کا دوسرے وصف کی طرف چنانچہ لباس میں ایک وصف اشتمال ہے چونکہ زوجین میں تعلق و توصل کے وقت اشتمال یکدگر ہوتا ہے اس لئے ہر ایک کو لباس سے تشبیہ دی گئی مگر شارع کا مقصود اس تشبیہ سے محض اس اشتمال حسی پر اشارہ کرنا نہیں بلکہ شدتِ تعلق کی طرف اشارہ مقصود ہے یعنی اس تشبیہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ زوجین میں بہت شدید اور گہرا تعلق ہے۔

## تعلق زوجین اللہ تعالیٰ کی رحمت

اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ میاں بی بی کے درمیان ایسا قوی تعلق پیدا کر دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ کوئی تعلق دنیا میں نہیں ہوتا کیونکہ بدون تعلق شدید کے حقوق زوجیت کا بسہولت ادا ہونا دشوار تھا گو قدرت سے باہر تو نہیں کیونکہ وہ تمام حقوق انسان کی قدرت و اختیار میں ہیں اور انسان اپنے ارادہ و اختیار ہی کے صرف کرنے کا مکلف ہے اور اسی سے صدور افعال کا ہوتا ہے اس سے کام لینا بہت ضروری ہے مگر لوگ خاص دین کے باب میں اس کے درپے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کو ایسا شدید تعلق ہو جائے کہ حقوق خود بخود ادا ہوتے رہیں ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے بس محبت د

شوق کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ نماز روزہ خود ہی ادا ہوتا ہے، سو یہ حالت غیر اختیاری ہے، بندہ کے اختیار میں نہیں۔

## صرف امورِ اختیاریہ ہی مقصود ہیں

بلکہ اس کے ذمہ یہ واجب ہے کہ اپنے ارادہ و اختیار سے کام لے۔ اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہو اس مسئلہ کے متعلق میرے چند بیانات ہو چکے ہیں اور یہ بہت ضروری مسئلہ ہے جیسے حدیث میں،

اَلطَّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ (پاکی ایمان کا جزو ہے)

وارد ہے اسی طرح میں اس مسئلہ کو نصف السلوک سمجھتا ہوں کہ اختیاری میں کوتاہی نہ کرے اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہو لوگوں نے آج کل صرف نماز روزہ کا نام دین رکھ لیا ہے حالانکہ یہ عمل دین کا جزو ہے کہ اختیاری امور کے درپے ہو غیر اختیاری کے درپے نہ ہو اور یاد رکھو کہ یہ امور غیر اختیاریہ یعنی حالات و کیفیات وغیرہ اگر کبھی حاصل ہوتے ہیں اعمالِ اختیاریہ ہی میں مشغول ہونے سے حاصل ہوتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ عمل اختیاری سے غیر اختیاری کی نیت بھی نہ کرے کیونکہ حصول میں تعجیل و تاجیل اختیار سے باہر ہے کبھی تو نقصانِ عمل کی وجہ سے تاجیل ہوتی ہے کبھی قلتِ استعداد و ضعفِ استعداد کی وجہ سے دیر ہوتی ہے پس تم اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو خود ان کے درپے نہ ہو بلکہ ان اعمال کے درپے ہو جو تمہارے اختیار میں ہیں ؎

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن
کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

وہ خود جانتے ہیں کہ تمہارے لئے کیا مناسب ہے کیا نہیں اس لئے اگر حالات و کیفیات تمہارے لئے مناسب ہوں گے عطا کر دیں گے نہیں مناسب ہوں گے تو نہیں عطا کریں گے۔ دیکھو ماں اپنے بچے کے واسطے جو مصلحت سمجھتی ہے وہی

کرتی ہے بچہ کی خواہش پر عمل نہیں کرتی خصوصاً باپ کہ وہ تو بچہ کی ضد سے مغلوب ہی نہیں ہوتا ماں تو کسی وقت مغلوب بھی ہو جاتی ہے مگر زیادہ حالت یہی ہے کہ والدین بچہ کے ساتھ اپنی رائے کے موافق معاملہ کرتے ہیں جو مصلحت جانتے ہیں ویسا ہی عمل کرتے ہیں گو بچہ کتنا ہی ضد کرے مولانا فرماتے ہیں ؎

طفل مے لرزد زنیش احتجام
مادر مشفق ازاں غم شاد کام

بچہ پچھنے لگانے والے کے نشتر وغیرہ کو دیکھکر روتا ڈرتا ہے مگر ماں خوشی کے ساتھ اس کے پچھنے لگواتی ہے کیونکہ اس کی نظر انجام صحت پر ہے۔

عربی میں حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں خط بنانے والے کو نہیں کہتے بلکہ اس کو حلاق کہتے ہیں مگر آجکل حلاق کو حجام کہا جاتا ہے اور ہمارے یہاں کے بچے تو اس سے بھی ڈرتے ہیں چنانچہ سر مونڈنے کے وقت بہت روتے ہیں تو جب ماں باپ بچوں کی رائے پر کام نہیں کرتے پھر حق تعالیٰ بندوں کی رائے پر کیوں کام کریں اور تم سے مشورہ کیوں لیں وہاں شخصیت ہے پارلیمنٹ نہیں ہے ، غرض اعمال اختیاریہ میں بھی امور غیر اختیاریہ کا قصد نہ کرے جو بات اس کے اختیار میں نہیں ہے اس کی طرف التفات ہی نہ کرے بلکہ اپنے کام میں لگے

صاحبو! انسان کے اندر ایک چیز ہے جس سے صدور افعال ہوتا ہے جس کا نام قصد و اختیار ہے ، آدمی جب تک اس سے ہمت کے ساتھ کام لیتا ہے معاصی سے بچ سکتا ہے۔

## اصل قلب میں داعیہ خیر ہو

مگر رسوخ و دوام صرف داعی فی القلب ہی سے ہوتا ہے کہ دل میں کوئی خاص حالت پیدا ہو جائے ایسا شخص کسی وقت بھی احکام سے پہلو تہی نہیں کر سکتا وہ شادی کی پہلی رات میں بھی نماز کی جماعت ترک

نہیں کرتا اور جو شخص داعی قلب سے خالی ہے وہ ایسے وقت میں اول تو نماز قضا کر دے گا ورنہ جماعت تو فوت کر ہی دے گا حالانکہ بیوی میاں کو نماز سے نہیں روکتی مگر آپ دیکھ لیں کہ شادی کر کے شب زفاف میں کتنے لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ حالتِ موجودہ یہ ہے کہ نکاح شادی میں دولہا دولہن کا تو کیا پوچھنا سارے باراتی اور گھر والے ہی بے نمازی ہو جاتے ہیں خصوصاً وہ لوگ جن کے سپرد کوئی کام یا انتظام ہو اور اس کی وجہ وہی ہے کہ لوگ داعی قلب سے خالی ہیں ورنہ اگر قلب میں نماز کا داعی ہوتا تو وہ نمازی آدمی کو نماز کے وقت بے چین کر دیتا ہے بدونِ نماز کے اس کو چین ہی نہیں آتا اب بتلایئے وہ کسی وقت قصداً جاگتے ہوئے ہوش و حواس بجا ہوتے ہوئے نماز کیوں کر ترک کر سکتا ہے ہرگز نہیں پس دوام اور بناہ سہولت کے ساتھ داعی قلب ہی سے ہوتا ہے اور بدون اس کے بھی دوام ہو سکتا ہے مگر ہمتِ قویہ کے ساتھ ہر وقت ارادہ اور اختیار سے کام لے ہر روز نیا قصد اور نیا ارادہ پیدا کرے اسی لئے حضرت شارع نے ہم کو سہولتِ اعمال کے طریقے بھی بتلا دیئے ہیں (جو حاصل ہے قلب میں داعی پیدا ہو جانے کا) مگر تسہیل اعمال کے طریقے بتلانا شارع یا نائب شارع کے ذمہ نہیں بلکہ اگر وہ ایسے طریقے بتلا دیں تو ان کا تبرع و احسان ہے اس مسئلہ پر بھی میرا ایک بیان ہو چکا ہے۔ (جس کا نام التعجیل والتحصیل ہے ۱۲) کیونکہ عمل کا مدار اس پر نہیں بلکہ اصل مدار اعمال ارادہ و قصد و صرف اختیار پر ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ طریقہ موثق صدور اعمال کا یہی ہے کہ حق تعالیٰ قلب میں ایک داعی اور تقاضا پیدا کر دیں خصوصاً بچوں کی پرورش جو کہ محض گوہ کا ڈھیر اور موت کی پوٹ ہیں وہ بدون داعی قلب کے ہو ہی نہیں سکتی بچے تو ہر وقت اپنی خدمت کراتے ہیں، خود خدمت کے لائق نہیں ان کے اقوال و افعال بھی مجنونانہ ہیں مگر حق تعالیٰ نے

محبت ایسی پیدا کر دی ہے کہ ان کی مجنونانہ حرکات بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ وہ کام خلاف تہذیب کر دیتے ہیں جس پر سزا دینا عقلاً ضروری ہوتی ہے مگر بچوں کے متعلق عقلاء میں اختلاف ہو جاتا ہے ایک کہتا ہے کہ سزا دی جائے دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بچے ہیں ان سے ایسی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ معاف کر دینا چاہیئے۔

**محبت بہت بڑا داعی ہے**

غرض اپنے بچوں کو تو کیوں نہ چاہیں دوسرے کے بچوں پر دیکھ کر پیار آتا ہے اور ان کی حرکتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر یہ محبت کا تقاضا اور داعی نہ ہو تو اور راتوں کو جاگنا اور گوہ موت کرنا پڑتا تو کیونکر گوارہ ہوتا یقیناً بدون محبت کے یہ کام دشوار ہو جاتا مثلاً کسی غیر کے بچہ کی خدمت کر کے دیکھو تو حقیقت معلوم ہو جائے گی گو خدا کا خوف کر کے تم روزانہ اس کی خدمت کر دو گے مگر دل میں پیچ و تاب ضرور ہو گا اور اس کے والدین پر غصہ بھی آئے گا کہ کمبختوں نے دوسروں پر یہ وبال ڈال دیا جن جن کے بچے پھینک دیئے ان کی پرورش نہیں کی جاتی اور مانڈروں کے قصے تو اس بارہ میں بہت ہی مشہور ہیں، مانڈ پر سوتیلی اولاد کی خدمت اس لئے گراں ہے کہ اس کے دل میں ان کی محبت نہیں بعض تو ان سے پریشان ہو کر ان کو ستاتی ہیں اور بعض اللہ کی نیک بندیاں ایذاء تو نہیں پہنچاتیں مگر سوتیلوں کی خدمت گراں اور دوبھر ان کو بھی ہوتی ہے۔ چونکہ اولاد کی خدمت بدون محبت کے دشوار تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اولاد کی محبت والدین کے دل میں ایسی پیدا کر دی ہے کہ اب وہ اس خدمت میں مجبور و مضطر ہیں اور یہ ایسی محبت ہے کہ جو ذوات قدسیہ محض محبت حق ہی کے لئے مخصوص ہیں وہ بھی اس محبت سے خالی نہیں ہیں چنانچہ سیدنا رسول -

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات حسنینؓ سے ایسی محبت تھی کہ ایک بار آپ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ حضرات حسینؓ بچے سے لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں آگئے حضورؐ سے ان کا لڑکھڑانا دیکھ کر نہ رہا گیا آپ نے درمیان خطبہ ہی میں ممبر سے اُتر کر ان کو گود میں اُٹھا لیا اور پھر خطبہ جاری فرما دیا اگر آج کوئی شیخ ایسا کرے تو آجکل کے جہلا اسکی حرکت کو خلاف وقار کہتے مگر وہ زبان سنبھالیں کیسا وقار لئے پھرتے ہیں آجکل لوگوں نے تکبر کا نام وقار اور خودداری رکھ لیا ہے۔

## سچے آدمی کی نشانی

صاحبو! سچے آدمی کی علامت یہی ہے کہ وہ اپنے جذبات فطریہ کے موافق بلا تکلف عمل کرتا ہے اس کو اسکی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی میرے اس فعل پر اعتراض کریگا یا کیا سمجھے گا۔ بنا ہوا جھوٹا آدمی ایسا نہیں کر سکتا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ میں تصنع اور بناوٹ کا نام ونشان نہ تھا آپ بے تکلف اپنے جذبات پر عمل فرماتے تھے کبھی خطبہ کے درمیان بچوں کو اُٹھا لیتے تھے کبھی بچہ کو کندھے پر سوار کر کے نماز پڑھ لیتے تھے کبھی صحابہ کے ساتھ مزاح فرما لیتے تھے کبھی اپنی بیویوں کے ساتھ مسابقت کر لیا کرتے تھے یہ باتیں سچا ہی کر سکتا ہے بنا ہوا مدعی نبوت کبھی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کو تو ہر وقت یہی اندیشہ رہتا ہے کہ لوگ مجھ پر اعتراض نہ کریں اس لئے وہ کبھی آزادی کے ساتھ اپنے جذبات پر عمل نہیں کر سکتا اسی طرح قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ بلیساختہ کلام ہے کسی تکلف کی اس میں پابندی نہیں نہ قافیہ کی نہ سجع کی اور اس سے بڑھ کر ایک بات خاص قرآن میں یہ ہے کہ اس کو سن کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے متکلم پر کسی کا بھی کچھ اثر نہیں۔ ورنہ ہر کلام کو غور کر کے دیکھ

لیا جائے تو ضرور متکلم پر کسی نہ کسی کا اثر معلوم ہوگا سلاطین بھی مصالح ملکیہ سے متاثر ہو کر مصالح کی رعایت سے کلام کرتے ہیں کیونکہ عمائد و ارکین سلطنت کا ان پر کچھ اثر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام یعنی حدیث سنکر بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ متکلم کسی سے مغلوب ہیں کیونکہ آپ پر تو خشیت و خوف الٰہی سب سے زیادہ غالب تھا تو آپ کے کلام میں بھی تاثر کی شان ہے مگر قرآن شریف میں یہ خاص بات ہے کہ اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متکلم پر کسی کا بھی اثر نہیں ہے آزادی کے ساتھ جو چاہتا ہے جس کو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے یہ بات بہت سے لوگوں کے دل میں جنکو قرآن سے کچھ مناسبت ہے آتی ہے اور قریب قریب سب کو احساس ہوتا ہے کہ قرآن میں ایک خاص بات ہے جو کسی کلام میں نہیں مگر اس خصوصیت کی تعبیر پر اکثر لوگ قادر نہیں ہوتے الحمد للہ میں نے اس کو بہت سہل عنوان سے بیان کر دیا ہے ایک عالم کے سامنے میں نے اس بات کو بیان کیا تو وہ وجد کرنے لگے اور کہا میرے دل میں بہت دنوں سے یہ بات تھی مگر تعبیر پر قادر نہ تھا پھر میں نے حیدرآباد کے ایک عالم کے کلام میں دیکھا کہ انہوں نے اس تقریر کو میری طرف منسوب کیا ہے مجھے خوشی ہوئی کیونکہ طبعاً یہ بات خوشی کی ہے ہی۔

غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے واسطے کبھی یہ فکر نہیں کی کہ کوئی کیا کہے گا اور حضور صلی اللہ وسلم جو امت کے ساتھ شفیق تھے اپنی مصلحت کے واسطے نہ تھے ———————— بلکہ ہماری مصلحت کے واسطے شفیق تھے یہ تو معاملات حیات میں آپ کا برتاؤ تھا، اور وفات کے واقعات میں یہ ہوا کہ حضورؐ نے اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم (علیہ وعلیٰ ابیہ افضل الصلوٰۃ والسلام) کے وصال کے وقت رنج و غم کا

اظہار فرمایا آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی رواں تھے اور زبان سے بھی یہ فرمایا: اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔

اے ابراہیم ہم کو تمہاری مفارقت کا واقعی صدمہ ہے۔ یہ بھی آپ کے سچے نبی ہونے کی علامت تھی کہ آپ نے اسوقت قولاً و عملاً جذبۂ فطریہ کو بے تکلف ظاہر فرمایا ورنہ بنا ہوا نبی کبھی اپنے جذبہ کو اس وقت ظاہر نہ کرتا۔ بلکہ بہادر بنا ہوا صدمہ کو ٹالتا اور یہ سمجھتا کہ میں دعوائے نبوت کے ساتھ رنج و صدمہ کیونکر ظاہر کروں جبکہ ایک ادنیٰ درجہ کا ولی ایسے موقعہ پر پورے ضبط سے کام لیتا ہے بلکہ بعض اولیاء تو وفات فرزند پر رونے کے بجائے ہنسے ہیں اور بعض نے اپنی اولاد کو دیکھ کر کہا کہ افسوس یہ سب بچے یتیم ہیں کسی نے کہا حضور یہ کدھر سے یتیم ہوگئے جبکہ آپ ان کے باپ زندہ سلامت ہیں تو کہا میں تو بہت زمانہ سے مر چکا ہوں تو بنا ہوا نبی ان اولیاء کے واقعات سے متاثر ہو کر اپنے رنج و صدمہ کو ضرور دباتا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی ذرا پروا نہیں کی بلکہ بے تکلف اپنے جذبات کو ظاہر فرما دیا اور کسی کے معتقد رہنے یا نہ رہنے کی مطلق پرواہ نہیں کی اور حضورؐ کے اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکمل حالت وہی ہے جو حضورؐ پر ظاہر ہوئی اور جو اولیاء ایسے مواقع پر ہنسے ہیں وہ متوسطین ہیں کیونکہ یہ یکطرفہ ہیں انہوں نے محض خدا کے حق کا لحاظ کیا اولاد کے حقوق کا کہ وہ بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں لحاظ نہیں کیا بلکہ اولاد کے حقوق کو تلف کر دیا اور کمال یہ ہے کہ ؎

برکفے جام شریعت برکفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

**آپؐ کی جامعیت** حضورؐ کی یہی شان تھی یعنی جامعیت اور اس

جامعیت کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ خالق کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے بھی حقوق ادا کرے جن میں اولاد کے حقوق سب سے زیادہ ہیں اور اولاد کا ایک حق یہ ہے کہ ان کے مرنے کے وقت ان کی مفارقت کا رنج و غم بھی کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حق کو بھی ادا کرکے دِکھلا دیا اور یہی نہیں کہ محض عقلی غم ہوا ہو بلکہ آپ کو طبعی غم بھی ہوا کیونکہ بکاء بالعین محض عقلی غم سے نہیں ہو سکتا آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا رواں ہونا بتلاتا ہے کہ آپ کو طبعی رنج و غم ہوا تھا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اولاد کی محبت سے ذوات قدسیہ بھی خالی نہیں تو یہ حق تعالیٰ کی حکمت ہے —— کہ ہمارے اندر اولاد کی محبت پیدا کر دی اگر یہ داعی نہ ہوتا تو ہم ان کے حقوق ادا نہ کر سکتے اور یہ حکمت ہم اپنے لحاظ سے بیان کر رہے ہیں باقی انبیاء علیہم السلام میں یہ محبت کس حکمت کی وجہ سے کی گئی اس کو ہم نہیں جانتے کیونکہ یہ حکمت جو ہمارے لحاظ سے ہے وہاں نہیں ہو سکتی وہ حضرات بدون محبت کے بھی اولاد کے حقوق پوری طرح ادا کرتے بوجہ امر حق کے ان کے لئے تو امر حق ہی بڑا داعی تھا اور یہی تمام حقوق کے ادا کے لئے کافی تھا پھر اس حکمت کے بعد کمال

---

عہ قلت ولا یبعد ان یکون ایداع حب الاولاد والازواج فی قلوب الانبیاء لاتمام الحجۃ علی الخلق بان الانبیاء مع کونھم اشد قوۃ واکمل جذبۃ الی ازواج والذریۃ لا یعصون اللہ طرفۃ عین ولا یشغلھم حب الخلق عن الخالق ولا ساعۃ فلکم فی رسل اللہ اسوۃ حسنۃ ولو کانوا عراۃ عن ذلک الحب لم یوثر تبلیغھم فی الناس وقالوا انکم لا تحسن اللہ بخلو قلوبکم وسلو بالکم عن حب الازواج والذریۃ ولو کنتم مثلنا مشغوفین بھم لم تستطیعوا العمل بما امر وبناھذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

عنایت یہ ہے کہ باوجودیکہ والدین اولاد کی تربیت اور شوہر بیوی کے ساتھ الفت اپنے فطری جذبہ سے مجبور ہو کر کرتا ہے مگر اس پر اس کو ثواب بھی ملتا ہے حدیث میں :

"حَتَّى اللُّقْمَةَ تَضَعُهَا فِي فِي امْرَأَتِكَ فَهِيَ صَدَقَةٌ"

کہ بیوی کے منہ میں جو ایک لقمہ شوہر رکھدے تو یہ بھی صدقہ ہے۔ اس کا بھی ثواب ملتا ہے حالانکہ قیاس وعقل کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس میں ثواب تو کیسا ملتا بلکہ برعکس فیس مانگی جاتی تو بعید نہ تھا مگر اللہ رے عنایت کہ وہ خود اپنے پاس سے فیس دیتے ہیں اور یہاں سے اس اولاد کی نالائقی ظاہر ہو گئی جو والدین کی خدمت وتربیت کی یہ کہہ کر ناقدری کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا جو کچھ کیا اپنے جذبۂ فطریہ سے مجبور ہو کر کیا جس سے جانور تک مجبور ہو کر اپنی اولاد کی خدمت کرتے ہیں۔ افسوس! ان لوگوں کو شرم کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ انسان کے جذبات کو سب سے زیادہ جانتے ہیں وہ تو والدین کی اس خدمت وتربیت کی اتنی قدر فرماتے ہیں کہ ایک ایک لقمہ پر ان کو اجر دیتے ہیں حالانکہ اس سے خدا کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچا اور اولاد جس کو والدین کے اس جذبہ سے پورا نفع پہنچا ہے یہ کہہ کر اسکو ٹھکراتی ہے کہ والدین نے ہمارے ساتھ کیا کیا جو کچھ کیا اپنے جذبہ سے مجبور ہو کر کیا۔

## ماقبل سے ربط

یہ مضمون محبت اولاد کا اس پر چلا تھا کہ میں نے یہ کہا تھا کہ صدور افعال کا مدار تو ارادہ واختیار پر ہے مگر سہولت اعمال داعی قلب سے ہوتی ہے اسی سے اعمال میں رسوخ ودوام نصیب ہوتا ہے دیکھئے رمضان میں بعض دفعہ

سخت گرمی ہوتی ہے مگر روزہ دار کو جو روزہ کا عادی ہو چکا ہو کوئی ہزار بلکہ لاکھ روپے بھی دے کہ تو روزہ توڑ دے تو وہ ہرگز نہ توڑے گا حالانکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ میں روزہ کا کفارہ ادا کر سکتا ہوں مگر عمداً افطار کرنے پر کفّارہ کے بھروسے کوئی روزہ دار جرأت نہیں کرتا خصوصاً ان پڑھ مسلمان کہ وہ اس معاملہ میں مولویوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں پڑھے لکھے تو اگر مگر کرکے کچھ تاویل بھی کر لیتے ہیں مگر جاہل لوگ نہایت پختہ ہوتے ہیں وہ تاویل کو نہیں جانتے، یہ مولوی تو بعض دفعہ معمولی مرض میں روزہ توڑ دیتے ہیں مگر جاہل مسلمان سخت مرض میں بھی روزہ نہیں توڑتے چاہے ان کی جان جاتی رہے۔ اب اس کے متعلق بعض مولوی استفتاء کیا کرتے ہیں کہ جب اس شخص کو شرعاً افطار جائز تھا تو اس کو افطار نہ کرکے اپنے کو ہلاک کرنے کا گناہ ہوا یا نہیں میں کہتا ہوں کہ تم نے اسکی ہمت و پختگی کی اچھی قدر کی کہ تم اس کو گنہگار بھی کرنا چاہتے ہو۔ صاحب اس کو افطار نہ کرنے پر اجر ملے گا کیونکہ وہ تو افطار کو ممنوع سمجھ کر روزہ پر اصرار کر رہا ہے۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

یہ اور بات ہے کہ اس کو جہل عن الاحکام کا گناہ ہو سو اس کو اس حالت کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں جاہل کو جہل کا گناہ تو ہر حالت میں ہے جب تک وہ جاہل رہے گا۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ روزہ دار جو ایک روزہ کے مقابلہ میں ہزار لاکھ روپے پر لات مار دیتا ہے یہ کیا بات ہے یہ اسی داعی قلب کا اثر ہے جس نے روزہ کی ساتھ اتنا تعلق بڑھا دیا کہ دنیا کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رہی یہ بات بدون داعی

قلب کے محض ارادہ و قصد سے نہیں ہوتی جو شخص محض ارادہ اور قصد سے عمل کرتا وہ بعض وقت دنیا کو دین پر مقدم بھی کر دیتا ہے اور جو داعیٔ قلب سے عمل کرتا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

إِلَّا نَادِرًا وَالنَّادِرُ كَالْمَعْدُوْمِ ۱۲

پس آیت میں زوجین کو لباس کے ساتھ تشبیہ دے کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہم نے زوجین کے متعلق جو حقوق رکھے ہیں۔ ان کی تسہیل اس طرح کر دی گئی ہے کہ طرفین میں قوی تعلق رکھ دیا ہے جس سے ادائے حقوق آسان ہو گیا — — اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ادائے حقوق نہایت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا اس قدر اہتمام ہے کہ اس کی تسہیل کا ایسے طریقہ سے انتظام فرمایا جو بندہ کے اختیار سے باہر تھا جس چیز کا اللہ تعالیٰ اہتمام فرمائیں ہمارے ذمہ اسکی نگہداشت نہایت ضروری ہے مگر آجکل حالت یہ ہے کہ مرد اپنے حقوق تو بیوی کے ذمہ سمجھتے ہیں بیوی کے حقوق اپنے ذمہ نہیں سمجھتے جیسے بعضا باپ اولاد پر تو اپنا حق سمجھتا ہے مگر اولاد کے حقوق اپنے اوپر نہیں جانتا اور اس میں راز یہ ہے کہ عرفاً حکومت زندگی ہے محکومیت موت ہے۔ اس لئے حاکم زندہ ہے وہ اپنے حقوق کو بھی زندہ سمجھتا ہے اور وصول کر لیتا ہے اور محکوم چونکہ مردہ ہے اس لئے اس کے حقوق بھی مردہ سمجھے جاتے ہیں اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ آجکل ہر محکوم کے حقوق مردہ ہیں اکثر سلاطین رعایا سے اپنے حقوق وصول بھی کر لیتے ہیں اور مطالبہ بھی کرتے ہیں مگر رعایا کے حقوق ادا نہیں کرتے ان کی راحت و چین کا پورا انتظام نہیں کرتے اسی طرح سلاطین سے

نیچے جو حکام ہیں وہ بھی اپنا بھلا چاہتے ہیں محکومین کے ساتھ ذرا ہمدردی نہیں کرتے ان کے بعد باپ کی حکومت اولاد پر ہے شوہر کی بیوی پر آقا کی نوکر پر استاد کی شاگرد پر پیر کی مُرید پر قریب قریب سب کی یہی حالت ہے کہ صاحبِ حکومت اپنے حقوق وصول کر لیتا ہے اور محکوم کے حقوق عموماً مردہ سمجھیں جاتے ہیں کیونکہ وہ مطالبہ نہیں کر سکتا، ہاں جو محکوم حاکم کا مقابلہ کرکے سختی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے تو اس کچھ حق مل جاتا ہے تو یوں کہئے کہ آج کل اہلِ حکومت یوں چاہتے ہیں کہ جب تک محکوم محکوم بن کر رہے اسوقت تک اس کو حقوق نہ دیئے جائیں ہاں جس دن وہ محکوم حاکم بن کر یا کم از کم مساوی بن کر اپنے حق کا مطالبہ کرنے لگے گا اسی دن سے اس کو حقوق ادا ہونے لگیں گے کیونکہ مثل مشہور ہے "جس کی لاٹھی اسکی بھینس" مگر شریعت میں اس کا برعکس ہے شریعت میں ایسے مردہ حقوق کے ادا کرنے کی زیادہ تاکید ہے جن کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں ہے حدیث میں ہے کہ جس حق کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ صاحبِ حق بھی نہیں جانتا۔ ایسے حقوق خدا تعالیٰ خود حساب اور مطالبہ فرمائیں گے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا کوئی مددگار نہ ہو خدا اس کا سب سے زیادہ مددگار ہے، چنانچہ مظلوم کی بد دعا کا رد نہ ہونا اسی پر مبنی ہے کہ رد نہیں ہوتی مظلوم جب بد دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَأَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ أَوْ كَمَا قَالَ ۔

میں ضرور تیری مدد کرونگا کچھ دیر ہی میں اس کا ظہور ہو۔ اور اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ نے آیۃ المواریث میں وصیت کے

ذکر کو دین سے مقدم کیا ہے حالانکہ بالاجمال دین کا ادا کرنا وصیت سے مقدم ہے علماء نے اس میں یہی وجہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیم وصیت میں ہم کو متنبہ کیا ہے کہ جس حق کو صاحب حق زور کے ساتھ وصول نہ کر سکے اس کا مطالبہ سب سے پہلے ہم کریں گے پس وصیت کو محض اس وجہ سے کہ تبرع ہے اور موصی لہ کو بعض اوقات اس کی خبر بھی نہیں ہوتی یا اس میں قوت نہیں ہوتی اسواسطے وہ مطالبہ نہیں کر سکتا اور خبر و قوت بھی ہو تب وہ مطالبہ سے شرماتا ہے کہ لوگ کہیں گے میاں کچھ تم نے دیا تھا جو تقاضا کرتے ہو معمولی بات سمجھ کر مت ٹالنا بلکہ اس کے نافذ کرنے کا پورا اہتمام کرنا اور دین گو ادا میں مقدم ہے مگر چونکہ اس کا مطالبہ کرنے والا موجود ہے جو کاغذ سے اور گواہوں سے ثبوت دے کر مطالبہ کر لیگا اور مطالبہ میں شرمائے گا بھی نہیں اس لئے اس کا ذکر موخر کیا گیا۔ غرض باپ نے اور خاوند نے یعنی اہل حکومت نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہمارے حقوق زندہ ہیں کیونکہ ہم وصول کرنے اور مطالبہ کرنے پر قادر ہیں اور عورتیں بیچاری کچھ نہیں کر سکتیں اس لئے ان کے حقوق مردہ سمجھے جاتے ہیں۔ ہاں عورتیں ایک کام تو کرتی ہیں کہ ان کو کوسنا خوب آتا ہے جب کوئی خاوند ان کو ستاتا ہے تو ان کی زبان خوب چلتی ہے کہ جھاڑو مارو آگ لگا نگوڑا مگر اس کے نہ جھاڑو لگے نہ آگ لگے ہاں دل میں ان باتوں سے ضرور آگ لگتی ہے تو وہ پہلے سے بھی زیادہ مارتا ہے اور یہ بھی برابر زبان کو تیز کرتی جاتی ہیں۔ عورتیں کہا کرتی ہیں کہ کسی کا ہاتھ چلے کسی کی زبان چلے۔ مگر صاحبو! اس زندگی میں کچھ لطف نہیں کہ چار دن ہنس بول لئے اور دس دن کو لڑ جھگڑ لئے۔

لطفِ زندگی جبھی ہے کہ جانبین سے ایک دوسرے کے حقوق کی پوری رعایت ہو مگر مردوں نے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم عورتوں کو کھانا کپڑا دیتے ہیں بس اس سے سارا حق ادا ہو گیا اور اس کے بعد جو کچھ حقوق ہیں عورتوں ہی کے ذمہ ہیں ہمارے ذمہ کچھ نہیں۔

## حقِ زوجہ کی اہمیت

مگر میں کہتا ہوں کہ تمہارے کھانے کپڑے کے عوض میں بیبیاں تمہاری اس قدر خدمت کرتی ہیں کہ اتنی تنخواہ میں کوئی نوکر یا ماما ہرگز نہیں کر سکتی جس کو شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے بدون بیوی کے گھر کا انتظام ہو ہی نہیں سکتا چاہے تم لاکھ خادم رکھو۔ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جن کی معقول تنخواہ تھی مگر بیوی نہ تھی نوکروں کے ہاتھوں خرچ تھا تو ان کے گھر کا خرچ اس قدر بڑھا ہوا تھا جس کی کچھ حد نہیں نکاح ہی کے بعد گھر کا انتظام ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر بیوی کچھ بھی گھر کا کام نہ کرے صرف انتظام اور دیکھ بھال ہی کرے تو یہی اتنا بڑا کام ہے جس کی دنیا میں بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی ہیں اور منتظم کی بڑی عزت و قدر کی جاتی ہے۔ دیکھئے ویسرائے ظاہر میں کام کچھ نہیں کرتا کیونکہ اس کے تحت میں اتنا بڑا عملہ کام کرنے والا ہوتا ہے کہ اس کو خود کسی کام میں ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر اس کی جو اتنی بڑی تنخواہ اور عزت ہے محض ذمہ داری اور انتظام کی وجہ سے پس بیویوں کا یہی کام اتنا بڑا ہے جس کا عوض نان و نفقہ نہیں ہو سکتا مگر ہم تو شریف زادیوں کو دیکھتے ہیں وہ خود بھی اپنے ہاتھ سے گھر کا بہت کام کرتی ہیں خصوصاً بچوں کو بڑی محنت سے پرورش کرتی ہیں یہ وہ کام ہے کہ تنخواہ دار ماما کبھی بیوی کی برابری

نہیں کرسکتیں۔

**ہندوستانی عورتیں** اور یہ ہندوستان کی عورتیں خصوصاً ہمارے اطراف کی عورتیں تو واقعی جنت کی حوریں ہیں جن کی شان میں عرباً یعنی عاشقات لازواج آیا ہے چنانچہ مردوں پر فدا ہیں کہ مردوں کی ایذا کو ہر طرح سہتی ہیں اور صبر کرتی ہیں ورنہ بعض مقامات میں تو روزانہ خلع طلاق ہوا کرتا ہے اور عرب میں وہاں سے بھی زیادہ ہمنے وہاں ایک اکیس سالہ لڑکی کو دیکھا اس کے ساتواں خاوند تھا۔ وہاں تو یہ حالت ہے کہ جہاں عورت مرد میں ناتفاقی ہوئی اور عورت نے قاضی کے یہاں دعویٰ دائر کیا اور اونٹ کا خاصہ ہے کہ حاکم عورت ہی کو مظلوم سمجھتا ہے اسی لئے عموماً ڈگریاں انہی کو ملتی ہیں اور فوراً مرد کو طلاق یا خلع پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں یہ حالت ہے کہ اول تو کوئی عورت طلاق خلع کو گوارا نہیں کرتی اور جو سخت مصیبت میں خلع کی درخواست کرتی بھی ہے تو یہ حال ہوتا ہے کہ کانپور میں قاضی صاحب سے (جو نکاح خواں قاضی تھے) خود خلع کی درخواست کی چنانچہ قاضی صاحب کے کہنے سے مرد خلع پر راضی ہو گیا پھر جب اس نے عورت کو طلاق دی ہے تو حالانکہ خود اسی کی درخواست پر دی تھی لیکن طلاق دیتے ہی وہ دھاڑیں مار کر روتی تھی کہ ہائے میں برباد ہو گئی، ہائے میں تباہ ہو گئی۔

اور ہندوستان کی عورتوں میں حوروں کی ایک اور صفت بھی ہے۔ یعنی قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ:

چنانچہ ان کو اپنے شوہر کے سوا کسی کی طرف میلان نہیں ہوتا۔ بعض عورتوں کو عمر بھر غیر مرد کا وسوسہ بھی نہیں آیا اور اگر ان کو کسی غیر کا میلان اپنی

طرف معلوم ہو جائے تو اس سے سخت نفرت ہو جاتی ہے یہاں کی یہی تہذیب ہے مگر یورپ کی تہذیب ہے کہ جو اپنے کو چاہے ہمکو بھی اسکی طرف جھکنا چاہیئے اس لئے اگر وہاں کی عورتیں کسی کو اپنی طرف مائل دیکھتی ہیں اسکی خوب خاطر مدارات کرتی ہیں اور ہندوستان کی عورتوں کو جو اپنے مردوں کے ساتھ اس قدر عشق ہے یہ زمین ہند کا خاصہ ہے اسی لئے بھاشا وغیرہ میں جو عاشقانہ دوہے ہیں ان میں عورت کی طرف سے مرد کو خطاب ہوتا ہے۔ اور ستی کی رسم کا منشا بھی یہی تعلق ہے گو یہ غلو ہے تو ہندوستان کا مذاق میلان النساء الی الرجال ہے اور عرب کا مذاق میلان الرجال الی النساء ہے عرب کا مرد عورت کو عاشقانہ خطاب کرتا ہے اور سب سے گندہ مذاق فارس کا ہے یعنی میلان الرجال الی الرجال فارسی شاعری میں مرد مرد کو خطاب کرتا ہے کہ تو حیرت ہے کہ جہاں کی عورتیں دنیا بھر کی عورتوں سے زیادہ مردوں کی تابع و مطیع ہیں وہاں ہی یہ ظلم ہے کہ ان کے حقوق ادا نہیں کئے جاتے۔ اور جہاں روزانہ خلع و طلاق ہوتا رہتا ہے۔ اور قاضی کے دروازہ پر عورتیں کھڑی رہتی ہیں وہاں کے مردوں کا مزاج دُرست رہتا ہے اب میں ان حقوق کی تفصیل تو نہیں کر سکتا کیونکہ وقت مختصر ہے اور نہ تفصیل کی ضرورت ہے کیونکہ کتابوں میں حقوق ازواج مفصل مذکور ہیں البتہ اسوقت ایک قصہ یاد آگیا اس کو بیان کئے دیتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ خاوند اور باپ جو یہ سمجھتا ہے کہ سارے حقوق میرے ہی عورت پر یا اولاد پر ہیں مجھ پر کوئی حق ان کا نہیں یہ غلط ہے۔

**حقوقِ محکوم پر حکایتِ عجیب**

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں ایک باپ نے اپنے

بیٹے پر دعویٰ کیا کہ یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا حضرت عمرؓ نے لڑکے سے دریافت کیا اس نے کہا اے امیر المومنین کیا باپ ہی کا سارا حق اولاد پر ہے یا اولاد کا بھی باپ پر کچھ حق ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اولاد کا بھی باپ کے ذمہ حق ہے؛ کہا میں ان حقوق کو سننا چاہتا ہوں۔ فرمایا اولاد کا حق باپ پر یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کے لئے شریف عورت تجویز کرے اور جب اولاد پیدا ہو ان کا نام اچھا رکھے اور جب ان کے ہوش درست ہو جائیں ان کو تہذیب اور تعلیم دین دے۔ لڑکے نے کہا کہ میرے باپ نے ان حقوق میں سے ایک حق بھی ادا نہیں کیا کیونکہ اس نے ایسی باندی کو میری ماں بنایا ہے جو آوارہ گرد تھی۔ اور جب میں پیدا ہوا تو میرا نام جُعل رکھا (جس کے معنی ہیں گوہ کا کیڑا) اور مجھے دین کا ایک حرف نہیں سکھلایا مجھے دینی تعلیم سے بالکل کورا رکھا۔ یہ سُن کر حضرت عمر کو باپ پر بہت غصّہ آیا اور اس کو بہت دھمکایا اور یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دیا کہ جاؤ پہلے تم اپنے ظلم کی مکافات کرو اس کے بعد لڑکے کے ظلم کی فریاد کرنا۔

## لباس کا پہلا معنیٰ!

خلاصہ یہ کہ:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ

میں زوجین کو لباس سے تشبیہ دے کر ایک اشارہ تو اس طرف فرمایا کہ ہم نے ادائے حقوق کی تسہیل کے لئے زوجین میں ایسا قوی تعلق پیدا کیا ہے کہ جس کی وجہ سے گویا دونوں متحد ہیں کہ ایک دوسرے کو مشتمل ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ دو قالب ایک جان ہیں۔

**لباس کا دوسرا معنیٰ** اور دوسرا اشارہ اس تشبیہ میں اس طرف فرمایا کہ جیسے لباس میں ستر کی شان ہے اسی طرح عورت مرد کی ساتر ہے اور مرد عورت کے لئے ساتر ہے۔

**مصلحت نکاح** اور یہ ستر کئی طرح پر ہے ایک اس طرح کہ ہر ایک دوسرے کی عیوب کے لئے ساتر ہے کیونکہ نفس میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں اگر ان کے پورا ہونے کے لئے ایک محل بھی تجویز نہ کیا جائے تو پھر انسان تقاضے کو ہر جگہ پورا کریگا اور اس طرح اسکی بے حیائی کا عیب نمایاں ہو جائے گا اسی لئے شریعت نے نکاح تجویز کیا ہے جس میں تقاضائے نفس کو پورا کرنے کے لئے ایک محل کی تعیین ہے اور اس تجویز میں شریعت کا عقل سے زیادہ خیرخواہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر عقل سے استفتاء کیا جائے تو عقل نکاح کو تجویز نہیں کر سکتی کیونکہ ایک اجنبی مرد کے سامنے ایک اجنبی عورت کا اس طرح بے حجاب ہو جانا اور اس کے ساتھ مرد کا بے حجاب ہونا عقل کے نزدیک بالکل قبیح ہے مگر عقل کی اس تجویز پر عمل کیا جاتا تو زیادہ فتنہ برپا ہوتا کہ اب تو ایک ہی اجنبی مرد و عورت بے حجاب ہوتے تھے پھر نہ معلوم کتنے مرد اجنبی عورتوں کے ساتھ بے حجاب ہوتے اور کتنی عورتیں اجنبی مردوں کے سامنے بے حجاب ہوتیں کیونکہ آخر مرد عورت ایک دوسرے سے کہاں تک صبر کرتے ان عواقب پر نظر کر کے شریعت سماویہ نے نکاح کو تجویز کیا تاکہ اس تقاضے کے پورا ہونے کا محل محدود و متعین ہو کر فتنہ نہ بڑھے اور یہی علامت ہے مذہب کے سماوی ہونے کی کہ اسکی عواقب پر محیط ہوتی ہے اور جو

قوانین محض عقل سے بنائے جاتے ہیں ان کی نظر عواقب پر محیط نہیں ہوتی ——— !

## رخصت پر عمل

اسی لئے بعض جگہ شریعت کا حکم بظاہر عزیمت کے خلاف معلوم ہوتا ہے مگر عواقب کے اعتبار سے وہی افضل ہوتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبالغہ فی العمل سے منع فرمایا ہے اور جب بعض صحابہ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات دریافت کئے اور سنکر اپنے نزدیک ان کو تھوڑا کام سمجھا اور یہ کہا کہ حضور تو بالکل بخشے بخشائے ہیں ہم کو زیادہ کام کرنا چاہیے اور یہ بھی حضراتِ صحابہ کے حسنِ مذاق کی دلیل ہے کہ ان کو اعمالِ صالحہ کا بہت شوق تھا ورنہ ہم ہوتے تو یوں کہتے کہ جب حضور پیغمبر ہو کر اتنا کام کرتے ہیں تو ہم کو تو اس سے بھی کم کافی ہے ہم تو چھوٹے درجہ کے ہیں ہم کو تھوڑا عمل بھی کافی ہے جب حضور کو صحابہ کا قول معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

اَمَّا اَنَا فَاَقُوْمُ وَاَرْقُدُ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ هٰذَا مِنْ سُنَّتِیْ وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ اَوْ کَمَا قَالَ:

اب ظاہر بین سمجھتا ہے کہ حضور نے تکثیر عمل سے منع فرما دیا مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ درحقیقت حضور نے تقلیل عمل سے منع فرمایا ہے کیونکہ مبالغہ فی العمل کا مآل تعطل ہے۔ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ محنت میں زیادتی نہ کرنا یہ کامل اور عاقل کی تعلیم ہے اور اناڑی تو یوں کہتا ہے

کہ جتنی محنت ہو سکے کرلو مگر مولانا فرماتے تھے کہ اگر سبق کو دس دفعہ کہنے کو جی چاہے تو ایک دفعہ کا شوق باقی رکھ لو جیسے کھانے میں اطبار کہتے ہیں کہ تھوڑی سی بھوک رکھ کر کھانا چاہیئے ورنہ ایک دفعہ ٹھونس کر کھانے کا انجام یہ ہوگا کہ دوسرے وقت بھوک مر جائے گی۔ پھر اگر دوسرے وقت اگر بے بھوک مر جائے گی پھر اگر دوسرے وقت اگر بے بھوک کھا لیا گیا تو معدہ کا ناس ہو جائے گا۔ مگر بعض لوگ ایسے بے تکے ہوتے ہیں کہ مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کے پاس ایک بدہضمی کا مریض آیا آپ نے اس کے لئے نسخہ لکھنا چاہا تو وہ کہتا ہے کہ اُس کے پینے کی گنجائش ہوتی تو اور کھانا ہی نہ کھاتا اسی طرح یہاں ہمارے قصبہ میں ایک صاحب تھے وہ کھاتے تھے اور قے کرتے تھے اور قے کر کے پھر کھاتے تھے یہ تو واہیات ہے بلکہ موجب ہلاکت ہے۔

## کھانے میں اعتدال

پس اعتدال یہ ہے جو حدیث میں ہے۔ ثُلُثٌ لِطَعَامِهٖ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهٖ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهٖ ــــــ

ایک تہائی کھانے کے لئے اور ایک پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے اور ایک ثلث کی قید غالباً اتفاقی ہے مطلب یہ ہے کہ کچھ گنجائش رکھ کر کھانا چاہیے یہی تعلیم مولانا کی لکھنے پڑھنے کے متعلق تھی کہ تھوڑا سا شوق باقی رکھ کر محنت کیا کرو۔ پھر مولانا نے فرمایا کہ تم نے چکی بھی پھرائی ہے ہم نے کہا حضرت نہیں فرمایا تم نے دنیا میں خاک دیکھا۔ دیکھو چکی پھرانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اس پر سے

سارا ڈورا نہ اُتارا جائے اگر ڈورا سارا اُتر جائے گا تو پھر از سر نو چڑھانا پڑے گا اور اگر تھوڑا سا ڈورا اس پر لپٹا رہے تو نہایت آسانی سے اسی پر لوٹ آتی ہے۔ یہی قاعدہ شارع نے مقرر کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَمِلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا۔

یعنی عمل شوق باقی رکھ کر دو اتنا عمل نہ کرو کہ سارا شوق ایک دم سے ہی پورا کر لو بلکہ نفس پر آسانی کرو زیادتی نہ کرو عبادت تحمل کے موافق کرو تحمل سے زیادہ نہ کرو۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ شریعت کی نظر عواقب پر ہوتی ہے گو ظاہر میں خلاف عزیمت ہو مگر انجام کے لحاظ سے وہی افضل ہوتا ہے۔ چنانچہ عقل تو مطلقاً حیا کو مطلوب سمجھتی ہے اور نکاح کو خلاف حیا بتلاتی ہے مگر شارع نے قانون نکاح حیا ہی کی حفاظت کے لئے مقرر کیا ہے کیونکہ اگر ایک جگہ بھی حیا کو ترک نہ کیا جائے تو پھر انسان پورا بے حیا ہو جائے گا تو زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے ساتر ہو گیا یعنی ایک دوسرے کے لئے معاصی سے ساتر ہے اسی فائدہ کو حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَاءَۃَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَاِنَّہٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَ اَحْصَنُ لِلْفَرْجِ ــــــــــ

جس کو اسباب نکاح میسر ہوں اُسے شادی کر لینا چاہیے، کیونکہ نکاح نگاہ کو بہت نیچا کر دیتا ہے اور عفت کو بہت محفوظ کر دیتا ہے یعنی اس سے بصر و عفت آسانی سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ عادت غالبہ یہی ہے کہ نکاح سے طبیعت سلیمہ کو عفت بآسانی حاصل ہو جاتی ہے باقی جو خبیث الطبع ہو جسے ایک نکاح یا دو نکاح یا چار نکاحوں سے

بھی عفت حاصل نہ ہو بلکہ متعہ یا زنا وغیرہ سے پھر بھی گوہ کھاتا پھرے اُس کا یہاں ذکر نہیں کیونکہ یہاں آدمیوں کا ذکر ہے جانوروں اور بندروں کا ذکر نہیں، سہولت عفت بالنکاح کی حقیقت یہ ہے اور یہی سبب سہولت کی حقیقت ہے کہ تقاضا کی دو قسمیں ہیں ایک تقاضا شدید ایک تقاضا مطلق۔

## مشکل مرض کا علاج بھی سخت ہوتا ہے

پس مطلق تقاضا تو کسی طرح بھی زائل نہیں ہونا چاہیئے کوئی کیسا ہی مجاہدہ کرے اور چاہے کیسی ہی دوائی سرد استعمال کی جائے ہم نے ایک ستر برس کے بڈھے کو دیکھا ہے جسے ایک لڑکے سے محبت تھی جو اُن کے پاس نوکر تھا حالانکہ وہ خود کسی مصرف کے نہ تھے مگر اسکی طرف دیکھنے کا تقاضا تھا اور تقاضا بشہوت تھا جو یقیناً حرام تھا وہ مجھ سے اپنا حال بیان کر کے علاج کے طالب ہوئے میں نے کہا کہ اس لڑکے کو اپنے سے الگ کر دو کہنے لگے یہ تو مشکل ہے، میں نے کہا پھر علاج بھی مشکل ہے، مشکل مرض کا آسان علاج تو مجکو آتا نہیں لوگ یہ چاہتے ہیں کہ علت بھی لگی لپٹی رہے اور شفا بھی ہو جائے تو یہ نہیں ہو سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ علاج ہی کے طالب نہیں اور اپنے کو مریض ہی نہیں سمجھتے اگر امراضِ باطنیہ کو بھی مثل امراض ظاہرہ کے مہلک سمجھتے تو دوائی تلخ سے ہرگز نہ گھبراتے۔ آخر ظاہری امراض کے علاج میں کس قدر مشقتیں برداشت کی جاتی ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ اس کو مرض اور سبب ہلاکت سمجھا جاتا ہے امراض باطنہ کو سبب ہلاکت نہیں سمجھا

جاتا یا بربادئ دین کی پرواہی نہیں تو میں نے اُن بڑے میاں سے کہا کہ اس کا علاج صرف بُعد ہے اور وہ بھی کُلی بُعد کہ اول تو اُس کو اپنے سامنے سے دُور کرو پھر ذہن سے بھی دُور کرو یعنی بالقصد اُس کا تصور نہ کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی اور چیز کا تصور اپنے ذمہ لازم کر لو یا تو عذاب جہنم کا تصور کیا کرو۔ بعض کو اس سے بہت نفع ہوا ہے یا کسی بدشکل آدمی کا تصور کیا کرو بعض کو اس سے بھی نفع ہوا ہے۔ غرض مجاہدہ سے یہ نہیں ہوتا کہ تقاضا بالکل زائل ہو جائے۔ بلکہ یہ تو نہ بڑھاپے سے ہو نہ کسی دوا سے ہو نہ تقلیل غذا سے ہو بس مجاہدہ کا نفع یہ ہے کہ تقاضا خفیف ہو جاتا ہے کہ پہلے مقاومت دشوار تھی اب آسان ہو گئی۔ اب ذرا سے اشارہ میں نفس مغلوب ہو جاتا ہے پہلے سخت سزا اور جرمانوں سے بھی درست نہ ہوتا تھا۔ اور اگر تقاضا بالکل زائل ہو جائے تو ثواب کیوں کر ہو گا ثواب تو اسی واسطے ملتا ہے کہ آدمی تقاضے کا مقابلہ کر کے نیک کاموں پر جما رہتا ہے۔

**اپنے مرض کو محقق پر ظاہر کر دینا چاہیئے:** بعض لوگ اپنے امراض کو بلی کے گوہ کی طرح چھپائے رہتے ہیں کسی محقق پر ظاہر نہیں کرتے یاد رکھو! اس طرح شفا حاصل نہیں ہو سکتی۔

ما حال دل را بایار گفتیم
نتوان نہفتن درد از جبیباں

اور اس سے پہلے جو فرمایا ہے:

چنداں کہ گفتیم غم باطبیباں
درماں نمی کنند مسکین غریباں

وہاں طبیب سے مراد ظاہری طبیب ہے کہ ان حکیموں سے دردِ دل کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اور نتواں نہفتن درد از حبیباں میں طبیب باطن مراد ہے کہ دردِ دل کو ان سے نہ چھپانا چاہیئے بعض اس خیال سے اپنے امراض کو ظاہر نہیں کرتے کہ وہ بزرگ ہم کو ذلیل سمجھیں گے یا کسی اور سے کہہ دیں گے مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ تم کو تو کیا ذلیل سمجھتے جب وہ کتے کو بھی اپنے سے افضل سمجھتے ہیں دوسرے وہ امین ہوتے ہیں کسی کا راز دوسروں پر کبھی ظاہر نہیں کرتے بعض لوگ اس خیال سے اپنا حال ظاہر نہیں کرتے کہ اس میں اظہارِ معصیت ہے سو میں کہتا ہوں کہ معصیت تو فعل ہے افعال کے اظہار کی ضرورت نہیں بلکہ مواد کو بیان کرو اور مواد کا بیان کرنا معصیت نہیں۔

اور اگر کسی وقت شیخ افعال کی بھی تحقیق کرے اور علاج کے لئے تحقیق افعال کی ضرورت سمجھے تو اس وقت افعال کا بھی ظاہر کرنا شیخ پر جائز ہے اور اسکی بالکل وہی مثال ہے جیسے بدن مستور کا کھولنا ڈاکٹر اور جراح کے سامنے جائز ہے جبکہ پوشیدہ جگہ زخم ہو مشائخ اعمال صالحہ کی وجہ سے بابرکت ہوتے ہیں اس لئے ان کی تعلیم میں بھی برکت ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد شفا ہو جاتی ہے خود کتابیں دیکھ کر علاج جان لینا کافی نہیں۔ پس یہ جو مشہور ہے کہ مجاہدہ سے نفس مرجاتا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ ضعیف ہو جاتا ہے کہ اب اس کا مقابلہ آسان ہو جائے گا اور مقابلہ تو پہلے بھی کر سکتا تھا اس

وقت بھی مقاومت قدرت میں تھی مگر مجاہدہ سے پہلے تقاضائے نفس کی مقاومت میں دشواری ایسی ہوتی ہے کہ انسان یوں سمجھ لیتا ہے کہ میں اس وقت مجبور ہو گیا ہوں حالانکہ یہ خیال غلط ہوتا ہے مجبور تو نہیں ہاں مغلوب ہو جاتا ہے حدیث میں لفظ اَغَضُّ وَاَحْصَنُ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مطلق غض وحصن نکاح سے پہلے بھی ممکن تھا اگر آدمی ہمت سے کام لے تو بدون نکاح کے بھی نگاہ نیچی رکھ سکتا اور اپنی عفت کو بچا سکتا ہے مگر ایسے ہمت والے تھوڑے ہی ہیں زیادہ نہیں ہیں اس لئے شریعت نے عقل کے فتوے کو رد کرکے یہ حکم دیا ہے کہ نکاح کرو اور بیوی کے سامنے حیا کو الگ کرو ایسا غلو فی الحیا محمود نہیں کہ بیوی میاں سے یا شوہر بیوی سے بھی حیا کرے اس ایک محل میں ترک حیا کا انجام یہ ہوگا کہ دوسرے مواقع میں حیا وعفت محفوظ رہے گی پھر معاصی کا تقاضا شدید نہ ہوگا جوش کم سکون ہو جائے گا۔ باقی اگر کوئی یہ چاہے کہ نکاح کے بعد معاصی کا وسوسہ بھی نہ آئے ذرا بھی تقاضا نہ ہو تو یہ نہیں ہو سکتا پس تشبیہ باللباس سے ایک اشارہ اس طرف ہوا کہ شوہر بیوی کا اور بیوی شوہر کی ساتر ومحافظ ہے یعنی ایک دوسری کی حیا وعفت کو محفوظ رکھتا اور گناہوں سے بچاتا ہے بشرطیکہ کوئی خود بھی بچنا چاہے اور جو گڑھے ہی کھانا چاہے اس کے لئے کوئی تدبیر بھی نافع نہیں۔ یہ دو وجہ تشبیہ تو علماء کے کلام میں منقول ہیں۔ ایک وجہ تشبیہ[1] میرے ذہن میں

---

[1] نیز جس طرح بدون لباس کے صحت خراب ہو جاتی ہے کہ کبھی گرمی ستاتی ہے کبھی سردی اسی طرح بدون زوج کے صحت اچھی نہیں رہتی جو لوگ بے نکاح رہتے ہیں وعلی ھذا جو عورتیں بے خاوند کے ہیں اکثر امراض عالم میں مبتلا رہتے ہیں ۱۲ منہ

یہ آئی ہے کہ جیسے بدون کپڑے کے انسان سے صبر نہیں ہو سکتا۔

**عورت اعانت میں اور مرد خدمت میں محتاج ہے**

اسی طرح بدون نکاح کے مرد و عورت کو صبر نہیں آسکتا کوئی تقاضائے نفس ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اعانت وغیرہ میں عورت اپنے خاوند کی محتاج ہے اور خدمت و راحت رسانی میں مرد عورت کا محتاج ہے چنانچہ بیماری کے زمانہ میں بیوی سے زیادہ کوئی خدمت نہیں کر سکتا، ایک بوڑھے میاں نے ستر اسّی برس کی عمر میں پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کا قصد کیا حالانکہ انکی بہو بیٹیاں بہت تھیں سب نے منع کیا کہ تمہاری خدمت کو ہم موجود ہیں نکاح کی کیا ضرورت ہے۔ بڑے میاں نے کہا کہ بیوی کے برابر کوئی خدمت نہیں کر سکتا اور موقع پر میں تم کو بتلا دوں گا۔ چنانچہ نکاح ہوا اور چند سال کے بعد بڑے میاں کو ایک مرض ہوا اس میں دست آنے لگے تو ساری بہو بیٹیاں تعفن سے گھبرا کر الگ ہو گئیں اور بیوی کی یہ حالت تھی کہ اُن کو پیروں پر بٹھلا کر پاخانہ کراتی اور استنجا کر کے کپڑوں کو پاک وصاف کرتی دن میں بیس پچیس دست بھی آتے تو وہ ہر دفعہ اسکو پاک وصاف کر کے لٹاتی تھی اور اسوقت بڑے میاں نے کہا میں نے اس دن کے واسطے نکاح کیا تھا دیکھ لو آج اس کے سوا میرے کوئی کام نہیں آیا بس لباس کی طرح مرد کو عورت سے استغنا نہیں عورت کو مرد سے استغنا نہیں مرد عورت کا معاون ہے۔ عورت مرد کی خادم ہے۔

**لباس کا چوتھا معنی**

ایک وجہ تشبیہ میرے ذہن میں اور آئی کہ جس طرح لباس زینت ہے اسی

طرح زوجین میں عورت مرد کے لئے اور مرد عورت کے لئے زینت ہے
لباس کا زینت ہونا تو خود نص سے ثابت ہے۔

یٰبَنِیٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ وَقُلْ مَنْ حَرَّمَ
زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ

میں بالاتفاق زینت سے مراد لباس ہے اوپر سے لباس ہی کا ذکر ہو رہا ہے چنانچہ اس سے پہلے ارشاد ہے:

یَا بَنِیٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا

یہاں گو لباس کو صراحۃً زینت نہیں کہا گیا ہے مگر زینت کا جو نتیجہ ہے وہ یہاں بھی مذکور ہے یعنی: یُوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ
کہ ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس ایجاد کیا جو تمہاری بدنمائی کو ڈھانکتا ہے اور یہی زینت کا حاصل ہے کہ بدنمائی اور عیوب پوشیدہ ہو جائیں اور ریش[1] سے مراد پرندوں کے پر ہیں کہ وہ حیوانات کے لئے زینت ہیں۔
یہاں شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ تم نے جو لباس کو زینت کہا ہے اور آیت میں اس پر امتنان فرمایا ہے تو کیا زینت کے لئے لباس پہننا جائز ہے جواب یہ ہے کہ جائز ہے اور یہ بھی لباس کی ایک منفعت ہے اور منافع لباس میں یہ تفصیل ہے کہ اس منفعت کے چار درجے ہیں ایک درجہ ضرورت کا ہے یہ تو ضروری ہے اس کے بعد ایک درجہ آسائش کا ہے مثلاً ضرورت تو دو آنے گز کپڑے میں رفع

---

[1] بعض نے ریش سے مراد مال لیا ہے اور لباس کے ساتھ اس کا تعلق یہ ہے کہ مال بھی لباس کی طرح عیب پوش ہے مالداروں کے عیوب پر کسی کی نظر نہیں ہوتی

ہو سکتی تھی مگر اِن سے تکلیف ہوتی اِس لیے چار آنہ آٹھ آنہ گز کا نرم کپڑا پہن لیا یہ بھی جائز ہے ایک درجہ آرائش کا ہے یعنی زینت کا۔ مثلاً آرام کے لئے تو گبرون بھی کافی تھے تم نے زینت اور دل کی خوشی کے لئے سرج کا کپڑا پہن لیا یہ بھی مباح ہے اس کے بعد نمائش کا درجہ ہے یعنی ریا کا یہ حرام ہے یعنی اس نیت سے عمدہ کپڑا پہننا کہ لوگ دیکھ کر ہم کو بڑا آدمی سمجھیں گے پس کل چار درجے ہیں ضرورت آسائش آرائش نمائش جن میں سے حرام صرف ایک ہے باقی سب مباح ہیں اور درجوں کے عنوانات میں قافیہ بھی ہے صرف ایک درجہ بدون قافیہ کے ہے اگر ضرورت کے معنی کا بھی قافیہ مل جاتا تو اور زینت ہو جاتی مگر آرائش اور نمائش میں فرق کرنا دشوار ہے بہت لوگ نمائش کے لئے عمدہ لباس پہنتے ہیں اور دل کو یوں سمجھا لیتے ہیں کہ ہم تو اپنا جی خوش کرنے کے لئے پہنتے ہیں میں اس کے لئے ایک معیار بیان کرتا ہوں اس سے فرق واضح ہو جائے گا وہ یہ کہ جو شخص عمدہ لباس پہننے میں نمائش کی نیت کا انکار کرتا ہے اس کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ صرف محافل و مجامع ہی میں عمدہ لباس پہنتا ہے یا خلوت میں بھی اچھا لباس پہنتا ہے جو لوگ نفیس المزاج ہیں اور صرف اپنا جی خوش کرنے کے لئے عمدہ لباس پہنتے ہیں وہ خلوت میں بھی عمدہ ہی لباس پہنتے رہیں اور جو نمائش کے لئے عمدہ لباس پہنتے ہیں اُن کی ایک اچکن (اچکن نہیں) بلکہ ایک شیروانی کھونٹی پر الگ لٹکی رہتی ہے اور ایک گرگابی جُدا رکھی رہتی ہے اِن لباسوں کے نام سے

---

لے اور اگر بڑائی اور تکبر کی نیت نہ ہو بلکہ صرف اپنے کو ذلت سے بچانا مقصود ہو تو یہ نیت بھی جائز ہے ۱۲ ظ

بھی تو درندگی ٹپکتی ہے۔ کسی کے اوّل میں شیر ہے تو کسی میں گرگ ہے ۱۔
غرض یہ شیروانی اور گرگابی باہر نکلتے ہوئے پہنی جاتی ہے اور اُوپر سے
نکٹائی لگائی جاتی ہے یعنی ناک کٹائی اور اس کے ساتھ بوٹ سوٹ بھی
پہنا جاتا ہے ہمیں تو نام بھی ان لباسوں کے یاد نہیں اور خدا کرے کبھی یاد نہ
ہوں غرض محفلوں اور بازاروں میں تو یوں بن کر نکلتے ہیں اور خلوت میں گھر
کے اندر یہ ایسے رہتے ہیں جیسے چمار۔ تو جبکہ یہ حالت ہے وہ عمدہ لباس
محض ریاو نمائش کے لئے پہنتے ہیں، آجکل ایک لباس اور نکلا ہے جس
کا نام نیکر ہے جس میں گھٹنے کھلے رہتے ہیں اس کو پہن کر آدمی شریف تو
معلوم ہوتا نہیں بلکہ نوکر معلوم ہوتا ہے نام بھی نیکر جو نوکر سے ملتا ہوا
ہے۔ نہ معلوم ان لوگوں کی حیاء وغیرت و شرافت کہاں چلی گئی جو محض
یورپ کی تقلید میں ایسا لباس پہنتے ہیں اور محض تقلید یورپ ہی اس کا سبب
ہے ورنہ اس میں نہ کوئی منفعت ہے نہ کوئی زینت واقعی کسی نے سچ کہا ہے
کہ اگر کسی وقت یورپ میں ناک کٹانا فیشن میں داخل ہو جائے تو ہندوستانی
ناک بھی کٹوانے لگیں گے چنانچہ مسلمان داڑھی تو منڈوانے لگے اور اب سُنا
ہے کہ ڈاکٹروں میں اس مسئلہ پر گفتگو ہو رہی ہے بعض ڈاکٹروں نے
ڈاڑھی منڈانے کو مضر ثابت کیا ہے، اس پر میں نے الہ آباد میں کہا تھا کہ
جنٹلمینوں کو اس وقت جلدی سے ڈاڑھی رکھ لینا چاہیئے کیونکہ بعض ڈاکٹروں
نے اس کے منڈانے میں مضرت ثابت کی ہے اگر سب کا اس پر اتفاق ہو گیا
تو یورپ والے ضرور ڈاڑھیاں بڑھائیں گے اور اس وقت ان کی تقلید
میں تم بھی بڑھاؤ گے تو پُرانے مسلمان تم پر ہنسیں گے کہ یہ ڈاڑھی تقلید یورپ
کی ہے۔ تم ڈاکٹروں کے اتفاق سے پہلے ہی بڑھا لو تاکہ لوگ تم کو نہ

ہنسیں، غرض جس طرح لباس زینت ہے اسی طرح شوہر بیوی کی زینت ہے اور بیوی اپنے مرد کے لئے زینت ہے، عورت سے تو مرد کی زینت یوں ہے کہ بیوی بچوں والا آدمی لوگوں کی نظر میں معزز ہوتا ہے اگر کسی سے قرض مانگے تو اس کو قرض بھی مل جاتا ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اسکی اکیلی جان نہیں بلکہ آگے پیچھے کو اور بھی آدمی ہیں یہ کہاں جاسکتا ہے اور اکیلے آدمی کو اُدھار قرض نہیں ملتا اسکی عزت دنیا والوں کی نظر میں کم ہوتی ہے۔

دوسرے لوگ بیوی والے کو سانڈ نہیں سمجھتے اپنی بیوی بچوں پر اس کی نفسانی خواہش کا خوف نہیں کرتے اور بے نکاح آدمی کو مثل سانڈ کے سمجھتے ہیں اسکی طرف سے ہر شخص کو اپنی بیوی بچیوں پر خطرہ ہوتا ہے، اور مرد سے عورت کی عزت یہ ہے کہ لوگ اس کے اوپر کسی قسم کا شبہ نہیں کرتے۔ میاں چاہے پاس رہے یا پردیس میں رہے جتنے بال بچے ہوں گے سب اسی کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے رہیں گے۔ اور نکاح سے پہلے عورت کی عزت و آبرو ہر وقت خطرہ میں رہتی ہے، یہ تو وہ اشارات تھے جو لباس کے اوصاف ظاہرہ سے تشبیہ اخذ کرکے حاصل ہوتے تھے۔

---

ے میں کہتا ہوں کہ لباس میں ایک وصف ظاہری اور بھی ہے وہ یہ کہ لباس ضروریات خارجیہ منفصلہ میں سے ہے اور اس کا درجہ ضروریات داخلیہ متصلہ کے بعد ہے چنانچہ غذا کا اہتمام لباس کے اہتمام سے مقدم ہے پس اس تشبیہ میں اسطرف اشارہ ہے کہ مردوں کو چاہیے کہ عورتوں کو مثل لباس کے سمجھیں یعنی وہ ایک خارجی اور منفصل ضرورت کی چیز ہے اس سے تعلق اتنا ہی رکھیں جتنا لباس سے تعلق ہوتا ہے زیادہ اس کو دل میں جگہ نہ دیں وعلی ھذا عورتوں کو بھی مردوں سے اتنا ہی تعلق رکھنا چاہیے تاکہ طلاق و موت کے وقت زیادہ کلفت نہ ہو اور تاکہ اس کی محبت بڑھا کر احکام الٰہیہ میں اخلال نہ ہو، نیز لباس کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ جسم کی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

## لباس کا پانچواں معنی

اب ایک وصف لباس کا اور ہے جو شرعی وصف ہے۔ اس سے بھی ایک اشارہ حاصل ہوتا ہے میں اس کو بیان کر کے ختم کر دوں گا وہ یہ کہ قرآن میں جہاں تک میں نے غور کیا لباس کا لفظ عذاب وضرر کیواسطے مستعمل نہیں ہوا سوائے ایک جگہ کے سورۂ نحل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ

اور اس کے ساتھ ہی بطور جملہ معترضہ کے ایک فائدہ بھی بتلاتا ہوں

---

(بقیہ صفحہ گزشتہ) وضع پر اس کے موافق ہوتا ہے اگر لباس جسم کے موافق نہ ہو تو اس کو الگ کر دیا جاتا ہے اسی طرح عورت و مرد میں اگر باہم توافق نہ ہو تو طلاق و خلع سے مفارقت جائز ہے نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نکاح میں توافق طبع و توافق مزاج کی رعایت اہم ہے جیسا کہ لباس میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ تراش و وضع جسم کے موافق ہو اور اگر سلنے کے بعد بہت تنگ یا بہت ڈھیلا ہو تو جیسے اس وقت ناگواری ہوتی ہے اور پہلے سلائے کپڑے کو ادھیڑنا یا بیکار کرنا گراں گزرتا ہے اسی طرح نکاح کے بعد طلاق دینا بھی گراں اور ناگوار چیز ہے۔ نیز جب نکاح بمنزلہ لبس لباس کے ہے تو بے نکاح رہنا عریانی ہے پس اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عورت و مرد کے لئے بے نکاح رہنا عیب کی بات ہے جبکہ استطاعت ہو ولہذا ذکرہ الفقہاء انہ الاغرب بمنزلۃ المتاھل لکونہ عریانا معنی ولہذا ورد فی الحدیث شرارکم عزابکم پس کسی عورت کو بیوہ اور کسی مرد کو حتی الامکان بے نکاح نہ رہنا چاہیے ۱۲ ظ

ویرد علیہ ان ھذا یستلزم وجود شان الامتزاز فی الرجال ایضا للنساء والجواب نعم کان الرجل نقیض بالمرأۃ کذا تفتقر ھی ایضا الیہ فی دینھا و لکن فتنۃ الرجال للنساء اقل کان کونہم لباس لھن مستورا

کہ لفظ ذوق قرآن میں زیادہ تر عذاب ہی کے واسطے آیا ہے تو اس آیت میں عجیب صنعت ہے کہ عذاب کے لئے لفظ ذوق بھی لایا گیا اور لباس بھی تو ذوق کے لفظ سے تو عذاب کو مطعوم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے صفت احساس میں کہ اس کا ایسا احساس ہوگا جیسا مُنہ میں رکھی ہوئی چیز کا احساس ہوتا ہے اور لباس کے لفظ سے عذاب کو تشبیہ دی گئی ملبوس کے ساتھ اشتمال و احاطہ میں قرآن میں۔ عجیب غریب صنعتیں ہیں۔ غرض قرآن میں لباس کا لفظ سوا ایک جگہ کے اور کسی جگہ عذاب و ضرر کے واسطے نہیں آیا تو عورتوں کو لباس کہنے میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ عورتوں میں اضرار کی شان بھی ہے گو تعلیل ہی سہی گو صرف لام کے موضوع سے ہے انتفاع کے لئے اس سے ظاہراً آتی ہے لیکن لام صلہ کا بھی ہو سکتا ہے جیسے لَهُمْ عَذَابٌ اور اگر اس رباء کا اعتبار کیا جاوے اس اشارہ کو مدلول قرآن نہ کہا جاوے صرف مادہ لباس کو وجہ اشارہ کہا جاوے اس اشارہ کے اعتبار سے کہا جاوے گا کہ عورت میں جہاں بہت سے منافع ہیں کچھ ضرر بھی ہے چنانچہ اس شان ضرر کی طرف اِس حدیث میں اشارہ ہے۔

مَا اَخَوَّفُ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مِنَ النِّسَآءِ

کہ میں اپنی اُمت کے لئے عورتوں سے زیادہ خطرناک فتنہ کوئی نہیں سمجھتا نیز نص میں :

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ ——

اے ایمان والو! تمہارے بیوی بچوں میں بعض تمہارے لئے (باعتبار

انجام کے ) دشمن بھی ہیں اُن سے ڈرتے رہو۔ اس پر ایک لطیفہ یاد آیا وہ یہ کہ ہمارے ایک دوست تھے وہ اولاد سے بہت ڈرتے تھے بلکہ اولاد کے دشمن تھے اور دلیل میں یہ آیت پڑھتے تھے :

اِنَّمَآ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ ؕ

اللہ تعالیٰ نے اولاد کو فتنہ کہا ہے اس لئے میں تو نکاح نہ کرونگا اور اگر کرونگا تو بیوی کو کوئی ایسی دوا کھلا دونگا کہ اولاد نہ ہو۔ میں نے کہا عقلمند آیت میں تو اموال کو بھی فتنہ فرمایا گیا ہے، اگر فتنہ ہونے کی وجہ سے تم اولاد کے دشمن ہو تو ملازمت کیوں کرتے ہو مال کے دشمن کیوں نہ بنے، اب تو ہوش دُرست ہوئے۔ آیت کا مطلب یہ تھوڑا ہی ہے کہ بیوی بچوں سے فتنہ لگا ہوا ہے تم کو لپٹ ہی جائے جائیگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں تم کو ضرورت کے لئے دی گئی ہیں اور اُن سے تمہارا امتحان بھی مطلوب ہے کہ تم اُن سے بقدرِ ضرورت ہی تعلق رکھتے ہو یا بس اُنہی کے ہو رہتے ہو۔ بہرحال اس اشارہ سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں ضرر کی شان بھی ہے اور واقعی ہے بھی کیونکہ عورتوں کے فتنہ نے بہت لوگوں کا دین برباد کر دیا ہے کوئی عورتوں کی وجہ سے سُود لینے میں مُبتلا ہے کوئی رشوت لینے میں تاکہ اُن کی فرمائش زیور وغیرہ کی پوری کی جائے اور کوئی حرام اور ناجائز تعلق میں گرفتار ہے اور فتنہ سب سے اشد اور اُمُّ الفتن ہے۔ لیکن شریعت نے جو طریقہ اِس ام المفاسد کے انسداد کا مقرر کیا ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو یہ فتنہ بند ہو سکتا ہے اور وہ طریقہ پردہ ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ صاحب پردہ میں بھی فتنہ ہو جاتا ہے اِس کا جواب یہ ہے کہ وہ بھی پردہ میں کوتاہی کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی پردہ میں کچھ بے پردگی ہوتی ہے تب

فتنہ ہوتا ہے اور اگر پردہ میں ذرا بے پردگی نہ ہو تو کوئی وجہ فتنہ کی نہیں ہے
اور ہر چند کہ پردہ فطری شئے ہے غیرتمند حیادار طبیعت کا خود یہ تقاضا ہے
عورتوں کو پردہ میں رکھا جائے کوئی غیور آدمی اس کو گوارہ نہیں کر سکتا
کہ اس کی بیوی کو تمام مخلوق کھلے منہ دیکھے اور شریعت نے فطریات کا خاص
اہتمام نہیں کیا چنانچہ پیشاب پاخانہ کی طہارت و نجاست سے تو بحث کی
ہے یہ کہیں حدیث و قرآن میں نہیں آیا کہ پیشاب پینا حرام یا پاخانہ
کھانا حرام ہے کیونکہ ایسا سے تو طبائع کو خود ہی نفرت ہے اس قاعدہ
کا مقتضی یہ تھا کہ شریعت پردہ کے احکام سے بھی بحث نہ کرتی مگر شارع
کو معلوم تھا کہ ایک وقت میں طبائع پر بہیمیت غالب ہوگی جس سے
حیا کم ہو جائے گی یا جاتی رہے گی اس لئے اس کے متعلق احکام فرما دیئے
ہیں پھر ان کا بھی کس قدر اہتمام کیا ہے جو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں : وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ۔
کہ اپنی زینت کو بھی ظاہر نہ کریں اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن
میں زینت سے مراد لباس ہے چنانچہ : خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ۔
اپنا لباس پہن لیا۔ اس میں تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس
سے مراد لباس ہی ہے اسی لئے حضرت ابن مسعود نے اس آیت کی تفسیر
یہی کی ہے کہ عورتیں خوب بن ٹھن کر بھڑکدار برقعہ اوڑھ کر باہر نکلتی ہیں
اور زینت کو تو برقعہ چھپا لیتا ہے مگر برقعہ میں ایسی چین بیل لگی ہوتی
ہے کہ اس کو دیکھ کر ہی دوسرے کا دل بے چین ہو جائے۔ واقعی وہ
برقعہ ایسا ہوتا ہے جسے دیکھ کر لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اس کے
اندر کوئی حور کی بچی ہوگی مگر منہ کھولنے کے بعد چڑیل ہی کی ماں نکلے

تو شریعت نے ایسے زینت کے لباس کا ظاہر کرنا حرام کہا ہے پھر بھلا چہرہ اور گلا کھولنا مطلقاً کیونکر جائز ہو سکتا ہے جو مجمع المحاسن ہے۔

## لباس کا چھٹا معنی

ایک نکتہ تشبیہ باللباس کا اور سمجھ میں آیا وہ یہ کہ لباس تابع ہوتا ہے تو اُس سے معلوم ہوا کہ عورتیں مردوں کی تابع ہیں پھر لباسیتِ نساء کا ذکر مقدم کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ تابعیت میں عورتیں مقدم ہیں۔ یہاں یہ سوال ہوگا کہ آگے تو مردوں کو بھی عورتوں کا لباس کہا گیا تو کیا وہ بھی عورتوں کے تابع ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ایک درجہ میں وہ بھی تابع ہیں مگر اُن کی تابعیت مؤخّر ہے متبوعیت مقدم ہے اور عورتوں کی تابعیت مقدم ہے متبوعیت مؤخر ہے اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عورتیں تو فطرۃً اور قانوناً مردوں کی تابع ہیں اور مرد محبت کی وجہ سے تابع ہو جاتے ہیں اور یہاں ایک کام کی بات یاد آئی وہ یہ کہ یہ تابعیت محبت کے بقا تک ہے اور محبت کا بقاء پردہ کی بقاء تک ہے اور یہ مسئلہ عقلی بھی ہے۔ چنانچہ ایک یوروپین عورت نے اِس کے متعلق اخبارات میں اپنی تقریر شائع کی ہے کہ عورتوں کے لئے جو بے پردگی کی کوشش کی جاتی ہے یہ عورتوں کے لئے سخت مضر ہے کیونکہ اس وقت تو مردوں کو عورتوں کی راحت رسانی کا پورا اہتمام ہے اور اس کا سبب محبت ہے اور محبت کا منشاء اختصاص ہے مشاہدہ ہے کہ جو چیز عام ہوتی ہے اس سے قوی تعلق نہیں ہوتا اور یہ اختصاص پردہ سے قائم ہے پس محبت کی بناء پردہ ہے اس انگریزن کی تقریر سے پردہ کی تاکید بھی معلوم ہو رہی ہے

ہندوستان کے لوگوں کو شرم کرنا چاہیئے کہ ایک یوروپین عورت تو پردہ کی خوبی بیان کرے اور تم ایشائی ہو کر پردہ کی مذمت کرتے ہو۔

اب میں ختم کرتا ہوں قرآن کے ان دو جملوں میں جو مضامین اس وقت بیساختہ سمجھ میں آئے وہ میں نے بیان کر دیئے اور سامعین کو معلوم ہوا ہوگا کہ ان مضامین کو گھیر گھار کر نہیں لایا گیا اور اگر غور کیا جاتا تو شاید اور بھی کچھ مضامین نکل آتے اب دُعا کیجئے اللہ تعالیٰ سے کہ ہم کو توفیقِ عمل اور فہم سلیم عطا فرمائیں:

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی

**نوٹ:** بیان کے بعد حضرت والا نے خواجہ صاحب سے دریافت فرمایا کہ صاحبزادے کا عقدِ نکاح یہاں ہی کر دیا جائے یا مسجد میں کیا جائے خواجہ صاحب نے کہا یہاں ہی کر دیا جائے چنانچہ اسی مجلس میں نکاح ہوا بعد عقدِ نکاح کے حضرت نے فرمایا کہ بعض مستورات نے فرمائش کی تھی کہ نکاح گھر ہی میں ہوتا کہ ہم بھی دیکھیں نکاح کس طرح ہوتا ہے کیونکہ نکاح ہمیشہ مسجدوں میں یا مردانہ مکانوں میں ہوتا ہے عورتوں نے نکاح کا طریقہ کبھی نہیں دیکھا تھا اس واسطے جی میرا بھی چاہتا تھا کہ نکاح اسی مجلس میں ہوتا کہ مستورات کی فرمائش بھی پوری ہو جائے مگر میں نے ابتداء میں اس کو ظاہر نہ کیا تاکہ اہلِ مجلس آزادی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کریں۔ فقط:

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۱ رمضان المبارک ۴۰؁ھ:



# اِصلاح النساء

## اصلاح خواتین

عورتوں کی اصلاح کے لئے یہ وعظ بیس جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ
کاندھلہ میں بیان فرمایا۔ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے قلمبند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

**خطبہ مسنونہ** الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا مضل لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ونشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ اما بعد ـــــ فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ یَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَلِمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ مَا رَأَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِیْنٍ اَذْھَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدَاکُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِیْنِنَا وَعَقْلِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَلَیْسَ شَھَادَۃُ الْمَرْءَۃِ مِثْلَ نِصْفِ شَھَادَۃِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰی ـــ قَالَ فَذٰلِکَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِھَا قَالَ اَلَیْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰی ـــ قَالَ فَذٰلِکَ مِنْ نُقْصَانِ دِیْنِھَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ:

**ترجمہ** حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عورتوں کو خطاب کر کے) فرمایا کہ اے عورتوں کے گروہ! تم صدقہ دو! اس لئے کہ دکھلایا گیا ہوں کہ تم اہلِ نار میں سے سب سے زیادہ ہو۔ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ تم لعنت ملامت

بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو، میں نے تم سے زیادہ کر تم ناقصات العقل والدین بھی ہوشیار مرد کی عقل کو سلب کرنے والا کوئی نہیں دیکھا ۔۔۔ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین اور عقل کے نقصان کی کیا وجہ ہے ؟ فرمایا کہ کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت سے نصف نہیں ہے ؟ عورتوں نے عرض کیا کہ بے شک ہے۔ فرمایا کہ بس یہ نقصانِ عقل ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب کوئی حائضہ ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی نہ روزہ رکھتی ہے ؟ عرض کیا کہ بے شک ۔ فرمایا کہ بس یہ نقصانِ دین ہے ۔

**تمہید** میں نے اس وقت اس حدیث کو جس میں عورتیں مخاطب ہیں حالانکہ یہاں مردوں کا بھی مجمع ہے، اس لئے اختیار کیا ہے کہ عورتوں کو ایسا موقع بہت کم ملتا ہے اس لئے وہ بالکل بے خبر ہیں اور طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہیں اور وہ خرابیاں عورتوں سے تجاوز کرکے مردوں اور بچوں تک پہنچتی ہیں، اس لئے اُن کی اصلاح سے گھر بھر کی درستی ہے، اس کے اعتبار سے یہ مضمون عام اور مشترک النفع بھی ہو گیا اور نیز اس میں بعض مضامین بلاواسطہ بھی مشترک ہیں، البتہ مقصود زیادہ تر عورتوں ہی کو سنانا ہے۔

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے پانچ نقائص بیان فرمائے۔ دو اضطراری اور تین اختیاری ۔۔۔ دو اضطراری یہ ہیں نقصانِ عقل، نقصانِ دین اور تین اختیاری اکثارِ لعن کفرانِ عشیر مردِ حازم کی عقل کو سلب کرنا۔

**نقائص اضطراری** نقصان عقل و دین کی ماہیت سے سوال کے جواب میں بجائے بیان حقیقت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی علامتیں اس لئے بیان فرمائیں کہ مخاطب کم سمجھ ہیں اس لئے حقیقت کے سمجھنے

میں تکلف ہوتا اور جہاں مخاطب کم عقل ہو ایسا ہی کرنا مناسب ہے، مثلاً کوئی عامی نار کی حقیقت سے سوال کرے تو کہا جاوے گا کہ جس میں دھواں ہوتا ہے وہ نار ہے اسی طرح حضور نے نقصانِ عقل کو بھی ایک علامت سے بیان فرمایا ہے، وہ یہ کہ دو عورتوں کی گواہی بمنزلہ ایک مرد کے قرار دی گئی ہے اور نقصانِ دین کو بھی اس علامت سے کہ حیض کے ایام میں روزہ نماز نہیں پڑھتی۔ اس زمانہ میں چونکہ انقیاد للحق غالب تھا یہ علامتیں بیان کر دینا کافی تھیں۔ آج کل طبائع کا رنگ بدل گیا بجائے انقیاد کے عناد غالب ہے، اب تو اسی میں سوال پیدا ہو گا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ دو کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوئی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث و قرآن کوئی فن کی کتاب نہیں ہے کہ اس میں ایسی کاوش کی جاوے بلکہ قرآن و حدیث تو طب کی سی کتابیں ہیں اس لئے اس کو اس نظر سے دیکھنا چاہیئے جس نظر سے شفیق طبیب کے کلام کو دیکھا جاتا ہے کہ کہیں وہ ایک مریض کی حالت کے لحاظ سے کلام کرتا ہے اور کہیں دوسرے مریض کے مناسبِ حال اسی واسطے قرآن و حدیث کو وہ خوب سمجھے گا اور جو شانِ نزول سے واقف ہو کیونکہ اس سے معلوم ہو جاوے گا کہ کس موقع پر یہ ارشاد ہوا ہے، وہاں کیا حالت تھی کیا مقتضیات اور خصوصیات تھیں اور اسی وجہ سے ہم فہم قرآن و حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے سخت محتاج ہوں گے۔ بڑا فرق ہے اس شخص میں نسخہ لکھنے کے وقت طبیب کے پاس حاضر ہو اور جو حاضر نہ ہو وے مدت کے بعد اس نے صرف نسخہ دیکھا ہو۔ جو حاضر ہے وہ مریض کے سن اور مزاج اور دوسری خصوصیات کو مشاہدہ کرے گا۔ اس لئے نسخہ کے محل کو وزن کو جیسا وہ سمجھے گا دوسرا شخص نہیں سمجھے گا۔ اسی طور پر قرآن و حدیث کی تفسیر میں سلف کا قول مقدم ہو گا۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن وحدیث پر اس اعتبار سے نظر نہ کرنا چاہیے کہ وہ کوئی فن کی کتاب ہے جس میں تعریفات کے جامع مانع نہ ہونے سے یا قیود کے مفید احتراز نہ ہونے سے تصنیف کو ناقص سمجھا جاتا ہے۔ اسی واسطے میری یہ رائے ہے کہ قرآن وحدیث ایسے وقت پڑھانا چاہیے کہ دماغ فلسفہ ومنطق سے متاثر نہ ہوا ہو۔ بہرحال اس وقت نقصان دین وعقل کی علامت کو بیان کر دینا کافی ہوگیا اور اگر آج یہ کافی نہیں ہے تو حقیقت کے بتلانے والے بھی بفضلہٖ تعالیٰ موجود ہیں۔

اور نقائص اختیاری تو اس لئے بیان فرمائے ہیں کہ اپنے نقائص پر مطلع ہو کر ان کے علاج کی فکر کریں اور نقائص اضطراری غیر اختیاری جو معالجہ سے نہیں جاسکتے ان کو اس لئے بیان فرمایا کہ اپنے اندر ان نقائص کو دیکھ کر کبر اور پندار جاتا رہے اس لئے کہ عورتوں میں کبر اور پندار کا بہت مرض ہے ذرا سا کمال ہوتا ہے اس کو بہت کچھ سمجھتی ہیں۔

## تکبر کا منشاء اور بنیاد جہالت ہوتی ہے

اور منشاء اس عجب وکبر کا ہمیشہ جہل ہوتا ہے۔

بڑا عالم اپنے کو وہی سمجھتا ہے جو کچھ نہ ہو کیونکہ جو واقع میں بڑا ہوگا اس کی نظر کمال کی حد آخر تک ہوگی اور اپنے کو اس سے عاری دیکھے گا۔ اس لئے ممکن نہیں کہ اپنے کو بڑا سمجھے البتہ ایسے شخص کو اپنا بڑا سمجھنا شایاں ہے جو تمام مراتب کمال کو جامع ہو اور وہ صرف ایک ذات وحدہٗ لا شریک ہے اس لئے متکبر اس کا کمالی نام ہے۔ اس کے معنے ہیں اپنے کو بڑا سمجھنے والا۔ سو چونکہ واقع میں حق تعالیٰ بڑا ہے اس لئے اگر وہ اپنے کو بڑا نہ جانتا تو یہ جہل ہوتا اور جہل نقص ہے اور حق تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہیں۔

بس خدا کا تو یہی کمال ہے کہ وہ اپنے کو بڑا جانے اور بندہ کا یہ کمال ہے

کر اپنے کو چھوٹا سمجھے۔ اگر وہ اپنے کو بڑا سمجھے تو یہ نقص ہوگا۔ حدیث قدسی میں ہے:
اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَۃُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْہِمَا قَصَمْتُہٗ۔ یعنی عظمت وکبریا میرا خاصہ ہے جیسے ازار اور رداء انسان کا ملبوس خاص ہوتا ہے۔ پس جو شخص مجھ سے ان صفات میں کھینچا تانی کرے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عظمت اور بڑائی حق تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہیں اس لئے بندہ کا کمال اپنے کو عاجز سمجھنا ہے۔ چنانچہ جن حضرات کے قلب میں حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریا آگئی ہے وہ اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں۔
جس شخص کی رستم کی قوت پر حاتم کی سخاوت پر نظر ہوگی وہ اپنے کو قوی اور سخی نہ سمجھے گا جس کے پیش نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہوگا وہ اپنے کو تو کیا عالم سمجھے گا۔
آج کل یہ خبط ہوگیا ہے کہ تھوڑا سا کمال ہوجاتا ہے تو اپنے کو بڑا سمجھنے لگتے ہیں اور عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے۔ اگر کوئی عورت ذرا نماز اور تلاوت کی پابند ہوجاتی ہے تو اپنے کو رابعہ سمجھنے لگتی ہے اور ہر ایک کو حقیر سمجھتی ہے اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ان کی کسی نے تربیت نہیں کی کتابیں پڑھ پڑھ کر دیندار ہوجاتی ہیں۔ پس ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کتب طب دیکھ کر دوا کھانے لگے۔ بنانے لگے اس سے بجائے نفع کے خوف ضرر غالب ہوگا جب تک طبیب کی رائے سے دوا نہ کھائے کچھ نفع نہ ہوگا۔ اسی طرح چونکہ عورتوں کے اخلاق کی تربیت نہیں ہوتی اور کسی مربی سے رجوع نہیں کرتیں اور جو کچھ سمجھ میں آتا ہے کر لیتی ہیں اس لئے اپنے کو باکمال سمجھنے لگتی ہیں۔
ایک لڑکی کا کسی شخص سے نکاح ہوا۔ وہ لڑکی نماز روزہ کی پابند تھی اور شوہر اس قدر پابند نہ تھا اور آوارہ سا تھا تو وہ لڑکی کہتی ہے کہ افسوس میں

ایسی پرہیزگار اور ایسے شخص کے جال میں پھنس گئی میری قسمت ڈوب گئی۔ حالانکہ بے وقوف یہ نہیں سمجھی کہ اگر ہم نے نماز پڑھی روزہ رکھا تلاوت کی تو اپنا کام کیا دوسرے پر کیا احسان کیا۔ کوئی دعا پی کر فخر کرتا ہے کہ میں بڑا بزرگ ہوں کہ دوا پیا کرتا ہوں۔

اسی طرح یہ سب طاعات میں اپنا ہی نفع ہے اور اس سے اپنا ہی حق ادا کر رہا ہے اور حقوق اللہ جو اُس کا لقب ہے یہ اُس اعتبار سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے منتفع ہے یا اس کا حق اس سے اُتر جاتا ہے کیونکہ صاحبِ حق کو تو دیکھنا چاہیئے کہ اس کی ہم پر کس قدر نعمتیں ہیں۔ اگر نعمتوں کو دیکھا جاوے تو در حقیقت یہ ہماری نماز روزہ کچھ بھی نہیں اور جہاں ہزاروں انبیاء، اولیاء و ملائکہ کی عبادتوں کے ذخیرے کے انبار موجود ہیں ان کے مقابلے میں ہمارے روزہ نماز کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ جواہرات کے سامنے مٹی کے کھلونے، تو حقیقت میں احسان تو حق تعالیٰ کا ہے کہ ہماری ایسی عبادتوں کو قبول فرماتے ہیں اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص کسی اپنے مخدوم کی خدمت بدوں اسکی حاجت کے اس کی مرضی کے موافق نہ کرے اور اس مخدوم کو اس خدمت سے بجائے راحت کے تکلیف پہنچی مگر خوش اخلاقی سے خاموش ہو جاوے تو وہ خادم اپنی جہالت سے یہ سمجھے گا کہ میں نے بڑا کام کیا۔ حالانکہ بڑا کام تو مخدوم نے کیا کہ اس ناگوار خدمت کو قبول فرمایا۔ دیکھئے قاعدہ عقلیہ اور شرعیہ ہے کہ کامل و ناقص کا مجموعہ ہمیشہ ناقص ہوتا ہے اور پاک و ناپاک مل کر ناپاک ہوتا ہے۔ پس جبکہ ہماری نمازیں وساوس خطرات اور ترکِ سنن اور خلاف خشوع امور بھی شامل ہیں تو وہ مجموعہ نماز کامل کیسے ہوئی۔ اسی بناء پر حدیث شریف میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھنے والے کو جو کہ تعدیل ارکان نہ کرتا تھا فرمایا: صَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ یعنی تو نماز پڑھ اس لئے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ چونکہ

اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کو طریقہ نماز کا مع تعدیلِ ارکان اور آداب کے سکھایا اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ جس قدر اس میں سے کمی ہوگی اسی قدر نماز میں کمی ہو جاوے گی۔ اس لئے فقہائے اُمت رحمہم اللہ نے سمجھا کہ نماز تو ہو جاوے گی مگر ناقص ہوگی ورنہ ظاہر الفاظ حدیث سے تو معلوم ہوتا تھا کہ بالکل ہی نماز نہ ہو۔

بہرحال یہ محض رحمت ہے کہ ہماری ناقص عبادت کو بھی عبادت گردانا یہ محض فضل ہے۔ پھر ایسی عبادت پر خوش ہونا اور فخر کرنا جہالت ہے اور منشا اس فخر و کبر کا وہی جہل ہے اور جس قدر عقل کم ہوتی ہے یہ مرضِ کبر کا زیادہ ہوتا ہے چنانچہ مردوں کی نسبت عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نقائص اضطراری پر نظر و تنبہ و توجہ ہونے سے یہ مرض کم ہوتا ہے۔ اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ نقص اضطراری کہ جن کے ازالہ پر قدرت نہیں اس مقام پر دو ہیں نقصانِ عقل اور نقصانِ دین۔ نقصانِ عقل کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علامت سے بیان فرمایا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی عقل میں نقصان ہے آج کل یہ سوال اس مسئلہ میں پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ دو کی گواہی ایک کے برابر ہے۔ جواب حقیقی اور قاطع شغب تو یہی ہے کہ اس میں کوئی حکمت ہوگی کہ جس کی ہم تعیین نہیں کرتے اور اگر دین ہماری طرف سے تبرع ہے جواب تو اسی قدر کافی ہے۔

## مَردوں اور عورتوں کی خلقت میں فرق ہے

باقی ہم تبرعاً کہتے ہیں کہ حکمت یہ ہے کہ عورتوں کی خلقت ہی میں نقصان ہے تمام قویٰ اور اعضاء میں اُن کے بہ نسبت رجال کے نقصان آفتاب نیمروز کی طرح م تا ہے اور حکماء نے بھی

ناقص ہیں تو حافظہ بھی ناقص ہوگا اور مدارِ شہادت کا حفظ پر ہے اس لئے دو کی گواہی ایک کے برابر قرار دی گئی اور چونکہ حافظہ بھی معین عقل ہے اس لئے یہ علامت ہوگی ایک درجہ میں نقصان عقل کی۔ پھر اس میں سوال ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ضعیف کیوں پیدا فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تمدن کی حفاظت ہے تاوقتیکہ ایک کو دوسرے کا تابع اور محتاج نہ بنایا جائے تمدن محفوظ نہیں رہ سکتا اور تبعیت دو مساوی میں ہوتی نہیں۔ اسی واسطے فرماتے ہیں اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ یعنی مرد عورتوں پر سردار ہیں اور وجہ اس کے آگے ارشاد فرمائی ہے۔ فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ

یعنی بسبب اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور جن لوگوں نے برعکس اس حکم کے عورتوں کو متبوع بنالیا وہاں کی خرابیاں پوشیدہ نہیں ہیں۔

آج کل اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ کی تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ مرد عورتوں کے مزدور ہیں سبحان اللہ! کیا تفسیر دانی ہے۔ ان مفسر صاحب سے کوئی پوچھے کہ فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ (اللہ تعالیٰ نے بعض کو فضیلت دی) کے کیا معنی ہیں؟ اگر جرأت کر کے یہ کہیں کہ اس میں بھی بعضہم سے مراد عورتیں ہی ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے مسلم۔ لیکن آگے جو فرماتے ہیں۔ وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ

(اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں) اس میں تو ضمیر یقیناً رجال ہی کی طرف ہے کیونکہ منفق وہی ہیں تو کیا پھر فضل اللہ کی وہ تفسیر سراسر مہمل اور تحریف قرآن نہ ہوگی۔ اگر یہ معنے ہوتے تو لِلنِّسَاءِ فرماتے۔ علیٰ جو کہ تسلط کے لئے ہے نہ فرماتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر خلقۃً بھی فضیلت ہے۔ چنانچہ دوسرے

مقام پر ارشاد ہے:

اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَۃِ وَھُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ۔

مشرکین جو ملائکہ کو بنات اللہ کہتے تھے ان کا رد اس طرح فرماتے ہیں کہ کیا تم ایسی مخلوق کی حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہو جو کہ پست خیال ہے اور ہمیشہ بناؤ سنگھار اور زیور میں نشو ونما پاتے ہیں اور دوسرے یہ کہ ان میں مقابلہ کے وقت قوتِ بیانیہ نہیں ہے۔ واقعی یہ دو صفتیں جو عورتوں کی ارشاد فرمائی ہیں کھلم کھلا نظر آتی ہیں۔ زیور اور آرائش اور بناؤ سنگھار میں شب و روز رہتی ہیں اس سے آگے ان کا خیال ترقی ہی نہیں کرتا۔ غایۃ مقصود اپنا اسی کو سمجھتی ہیں اور مقابلہ اور مناظرہ کے وقت ان کے دلائل میں قوت بالکل نہیں ہوتی اِدھر اُدھر کی باتیں بہت کریں گی لیکن کسی امر پہ دلیل صحیح ہرگز نہ بیان کر سکیں گی۔

کوئی عورت یہ نہ کہے کہ یہ زیور تو ہم کو ماں باپ نے پہنا دیا اس سے عادت ہو گئی۔ اس سے میلان کہاں ثابت ہوا۔ جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر ماں باپ کبھی نہ پہنا دیں تب بھی ان کا طبعی میلان نمائش و آرائش کی طرف ہے، چنانچہ بہت سے واقعات اس کے مشاہد ہیں اور اسی طرح اگر کوئی صاحب دوسری جز دیں یعنی قوتِ بیانیہ میں کمی کے بارے میں فرما دیں کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ ہماری عورتوں کی تعلیم نہیں ہوتی، اگر تعلیم و تربیت کامل ہو تو یہ نقصان ہرگز نہ رہے یہ بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ جو عورتیں تعلیم یافتہ کہلاتی ہیں وہ بھی معلوم ہوا کہ لیکچروں میں ناقص تقریر کرتی ہیں۔ ان کے شوہر اس لیکچر کی تکمیل کرتے ہیں یہ حکمت تبرعاً بیان کر دی گئی ورنہ یہ کہنا کافی ہے کہ خدا تعالیٰ کی کوئی حکمت ہو گی ہمارا کوئی فائدہ اس کی تعیین پر موقوف نہیں۔ اسی واسطے جو چیزیں فضول ہیں ان کی تحقیق و تفتیش سے منع کر دیا گیا ہے ہم کو اس تحقیق سے

کیا فائدہ ہے کہ فلاں ناقص کیوں ہے فلاں کامل کیوں ہم کو تو اس کے نتائج و احکام پر عمل کرنا چاہیئے۔ بہر حال تقریر سے معلوم ہو گیا کہ نقصان عقل اضطراری اور خلقی ہے اور دُوسرا نقصان یعنی نقصان صلوٰۃ جس کو نقصانِ دین فرمایا ہے جس کا سبب حیض کا آنا فرمایا ہے وہ تو ظاہر ہی ہے کہ خلقی ہے اور تین امر اختیاری ان کی طرف منسوب فرمائے کہ ان کا ازالہ ان کے اختیار میں ہے۔ وہ کفرانِ عشیر و اذہابِ لُبِّ رجلِ حازم و اکثارِ لعن چونکہ یہ اختیاری ہیں اس لئے ان کو نقص نہ کہنا چاہیئے بلکہ ان کو شرؔ کے نام سے موسوم کرنا مناسب ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ عورتوں میں دو نقص اور تین شر ہیں۔ جو نقص ہیں ان کا فکر تو بے سود ہے اس لئے کہ وہ معالجے زائل ہونے والے نہیں بلکہ اس کی تو تمنّا سے بھی منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ وارد ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے مردوں کے فضائل سُن کر فرمایا تھا کہ یَا لَیْتَنَا کُنَّا رِجَالاً۔ یعنی اے کاش ہم مرد ہوتے تو مردوں کی سی فضیلت ہم کو بھی ملتی اس پر یہ آیت نازل ہوئی ،

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ :

یعنی مت تمنّا کرو اس شئے کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس شئے سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے یعنی خلقی آگے فرماتے ہیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۔

یعنی مَردوں کے لئے حصّہ ہے اس شئے سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے حصّہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے ، مطلب یہ ہے کہ ایسی تمنّا چھوڑ دو عمل میں کوشش کرو۔

اس جگہ یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر ہم عمل بھی کریں تب بھی ناتمام ہی۔

وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ ۔

یعنی اللہ تعالیٰ سے اُس کے فضل کا سوال کرو ۔

مطلب یہ ہے کہ عمل نیک کرے ۔ اگر خدا تعالیٰ کا فضل ہو تو تم مردوں سے بڑھ سکتی ہو ۔

غرضیکہ جو نقص اضطراری ہیں اسکی فکر تو بالکل فضول ہے اور جو اختیاری ہیں جن کو ہم نے شر کہا ہے اس کی اصلاح واجب ہے اور وہ کل تین شر ہیں اکثار لعن ، کفران عشیر اذھاب لب رجل

## لعنت ملامت کرنے کا مرض

اکثار لعن یعنی لعنت ملامت زیادہ کرنا چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ صبح سے شام تک ان کا یہی مشغلہ ہے کہ جس سے دشمنی ہے اس کی غیبت کرتے ہیں اور جس سے محبت ہے اس کو کوستی ہیں اپنی اولاد کو کوستی ہیں ۔ اپنی جان کو کوستی اور ہر شئے کو خواہ وہ قابل لعنت ہو یا نہ ہو کوستی ہیں ۔

یاد رکھو ! ——— بعض وقت اجابت کا ہوتا ہے اور وہ کوسنا لگ جاتا ہے ۔ پھر نادم ہونا پڑتا ہے ۔ ہمارے یہاں ایک شخص تشنج زدہ ہے ۔ جو کہ چارپائی سے ہل نہیں سکتا اور سخت تکلیف میں ہے اُس کی ماں نے اس کو کسی شرارت پر یہ کہا تھا کہ خدا کرے تُو چارپائی کو لگ جاوے ۔ خدا کی قدرت وہ ایسا ہی ہوگیا اور اس کی مُصیبت والدہ صاحبہ کو ہی اُٹھانا پڑی ۔

## ناشکری کا مرض

کفران عشیر یعنی زوج کی ناشکری جس قدر ان کو دیا جاوے سب تھوڑا ہے ۔ مجھ کو مولوی عبدالرب صاحب کا ایک لطیفہ یاد آگیا کہ وہ فرماتے تھے کہ ان کے پاس کتنا ہی کپڑا ہو ۔ جب پُوچھو کہ کپڑا ہے تو کہیں گی کہ کیا ہم ہیں ننگے بیٹھے ۔ اور کتنے جوڑے جوتے کے ہوں مگر پوچھئے پر یہی کہیں گی کہ کیا ہے ننگے پیر بیٹھے ہیں اور برتن کیسے ہی اور کثرت سے

ہوں مگر یوں ہی کہیں گی کہ کیا ہیں چار ٹھیکرے۔ ایک عورت خود کہتی تھی کہ ہمارا حال تو دوزخ کا سا ہے کہ اس کو کہا جاوے گا هَلِ امْتَلَأْتِ ؟ کیا تو بھر گئی؟ وہ جواب میں کہے گی هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (کہ کچھ اور بھی ہے) ایک مرض ان میں اور بھی ہے جو کفران ہی کا شعبہ ہے کہ کوئی چیز خواہ وہ کارآمد ہو یا نکمی ہو پسند آنا چاہیئے۔ بے سوچے سمجھے اس کو خرید لیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ گھر میں ہوئی چیز کام کا ہی جاتی ہے اور یہ شعبہ کفران کا اس لئے ہے کہ اضاعت مال شوہر کا ہے خود اپنے مال کی اضاعت بھی کفران ہیں۔ جیسا ارشاد ہے:

إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُوْرًا

"بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔"

اور جب مال بھی دوسرے کا ہو تو کفرانِ حق کے ساتھ کفرانِ شوہر بھی ہے۔ مومن کا قلب تو زیادہ بکھیڑے سے گھبرانا چاہیئے گو کہ اسراف بھی نہ ہو اور بے ضرورت کوئی شئے خریدنا تو صریح اسراف میں داخل ہے۔ حدیث میں ہے۔

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ۔

یعنی منع فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے ضائع کرنے سے"

آج کل گھروں میں اور خصوصاً بڑے گھروں میں نہایت اسراف ہوتا ہے۔ برتن ایسے خریدے جاتے ہیں جو قیمت میں تو بہت زیادہ مضبوط خاک بھی نہیں ذرا ٹھیس لگ جاوے چار ٹکڑے اور پھر حاجت سے بھی زائد۔ بعض گھروں میں اس کثرت سے شیشہ چینی وغیرہ کے برتن ہوتے ہیں کہ عمر بھر بھی ان کے استعمال کی نوبت نہیں آتی۔ علیٰ ہذا کپڑوں میں بھی بہت اسراف ہے۔ سے گز کا اور سے گز کا کپڑا بہت باریک ہو کر علاوہ ممنوع ہونے کے کسی کام کا نہیں پہنتی ہیں۔ اگر کہیں سے نکل گیا تو کسی کام کا نہیں اور موٹا کپڑا اگر پرانا ہو جاتا ہے کسی غریب ہی کے کام آجاتا

ہے۔ یہ تمام مصیبت اس کی ہے کہ عورتیں اسکی کوشش کرتی ہیں کہ میرا جوڑا ایسا ہو کہ کسی کے پاس نہ ہو اپنی حیثیت کو نہیں دیکھتیں، ظروف و لباس مکان ہر شئے میں شان نمود تفاخر ریا کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں، یہ حال تو روزمرہ کے برتاؤ کا ہے اور اگر کہیں کوئی تقریب پیش آجائے تو کیا ٹھکانا ہے، تمام رسوم پوری کی جاویں گی جن میں سراسر نمود ہی نمود ہے۔

بعض عورتیں فخر کرتی ہیں کہ ہم نے رسوم سب چھوڑ دیں۔ مگر رسمیں دو قسم کی ہیں ایک تو شرک و بدعت کی رسمیں، مثلاً چٹائی پر بہو کا بٹھانا، اس کی گود میں بچہ دینا کہ اس سے شگون لیتے ہیں کہ اولاد ہو۔ تو واقعی ایسے ٹونے ٹوٹکے تو اکثر جگہ چھوٹ گئے۔ دوسری تفاخر اور نام آوری کی رسمیں، سو یہ دوسری قسم متروک نہیں ہوئی۔ بلکہ بسبب تمول کے بہ نسبت پہلے کے کچھ بڑھ گئی ہیں۔ پہلے زمانے میں اتنا تفاخر اور ریا، اور نمود نہ تھا کیونکہ کچھ سامان کم تھا کچھ طبائع میں سادگی تھی، اب تو کھانے میں الگ تفاخر ہو گیا وہ پہلی سی سادگی ہی نہیں رہی۔ پلاؤ بھی ہو، کباب بھی ہوں، فیرنی متنجن اور بریانی ہوں، اور کپڑے کے تکلفات کو اوپر بیان ہی کیا گیا ہے۔ ایک دلہن ایک جگہ ڈیڑھ ہزار کا صرف کپڑا ہی کپڑا جہیز میں لائی تھی۔ شاید یہ کپڑا اس کے مرنے تک بھی ختم نہ ہوا ہو اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ دلہن مر گئی ہے اور یہ سب سامان ہزاروں روپیہ کا ضائع ہوا۔ پھر علاوہ دلہن کے تمام کپڑوں کے تمام کنبہ کے جوڑے بنائے جاتے ہیں اور بعض دفعہ ان کو پسند بھی نہیں کرتے اور ان میں عیب نکالے جاتے ہیں، کس قدر بے لطفی ہوتی ہے اور اس پر دعوے یہ کہ ہم نے رسمیں چھوڑ دی ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہیز کو دکھاتے تک نہیں، دیکھو ہم نے رسمیں چھوڑ دیں۔ سو جناب اس میں کیا کمال۔ اپنی بستی میں تو برسوں پہلے سے سامان جمع کر کرکے ایک ایک کو دکھلا چکی ہو جو مہمان آتی ہے اس کو بھی اور جو رشتہ دار آتی

ہے اس کو بھی ایک ایک چیز دِکھلائی جاتی ہے اور خود سامان آنے میں جو شہرت ہوتی ہے وہ الگ ۔۔۔ آج دھلی سے کپڑا آرہا ہے اور مراد آباد گئے تھے ۔ وہاں سے برتن لائے ہیں اور اس کے بعد وہ دولہا کے گھر جاکر کھلتا ہے اور عام طور پر دکھایا جاتا ہے اور اسی واسطے لڑکی کے ہمراہ بھیجا جاتا ہے تو یہ قصداً اعلان نہیں ہے تو کیا ہے؟ ہاں اگر ہمراہ نہ کیا جاتا تو عقل کے بھی موافق تھا کیونکہ یہ سب سامان لڑکی ہی کو دیا جاتا ہے اور اس وقت وہ قبضہ نہیں کرتی اور نہ اس کو خبر ہوتی ہے اس کو دینا تو یہ ہے کہ سردست اپنے گھر رکھو جب وہ اپنے گھر آوے اس وقت وہ تمام سامان اس کے سامنے رکھو اور کہو کہ یہ سب چیز تمہاری ہے تمہارا جب جی چاہے لے جانا بلکہ مصلحت یہ ہے کہ وہ اب نہ لے جاوے کیونکہ اس وقت تو اس کو کوئی ضرورت نہیں ہے، کسی وقت جب ضرورت ہوگی لے جائیں گے اور اوفق للعقل ہونے کے ساتھ اس میں ریا، کبھی نہ ہوئی، اس وقت یہ دعویٰ ترک رسم کا صحیح ہوتا۔ مگر چونکہ اس میں کوئی تفاخر اور دکھاوا نہیں ہے اسس لئے ایسا کوئی بھی نہیں کرتا۔

## چالاکی وہوشیاری کا مرض

تیسرا اذھاب لُبّ رجل حازم، یعنی بڑے ہوشیار مرد کی عقل کو سلب کرلینا، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ ایسی اتار چڑھاؤ کی باتیں کرتی ہیں کہ اچھے خاصے عاقل بے عقل ہوجاتے ہیں، ان کے لہجہ میں خلقۃً ایسا اثر رکھا گیا ہے کہ خواہ مخواہ مرد اس سے متاثر ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ عقل میں مردوں سے زیادہ ہیں بلکہ وجہ اسکی یہ ہے کہ مکر و چالاکی ان میں مردوں سے زیادہ ہوتی ہے عقل اور شئے ہے اور مکر اور چالاکی دوسری شے ہے۔ شیطان میں مکر اور چالاکی تھی عقل نہ تھی اسی واسطے دھوکہ کھایا جبکہ حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سجدہ نہ کیا اور خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ

(مجھ کو تُو نے مٹی سے بنایا ہے اور اس کو تُو نے خاک سے پیدا کیا ہے) کچھ گزرا اور یہ نہ سوچا کہ جب حق تعالیٰ نے سجدہ کا حکم فرمایا ہے تو ضرور اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ اور مصلحت و حکمت تو بہت ہی ظاہر تھی چنانچہ فرمایا ہے:

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔

یعنی میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی جانشین تختِ سلطنت پر بیٹھتا ہے تو اس کو نذریں گزاری جاتی ہیں۔ جو معاملہ منیب کیساتھ کیا جاتا تھا وہ اب نائب کے ساتھ کیا جاتا ہے اس لئے یہاں بھی حکم ہؤا کہ ہم کو جس طرح سجدہ کرتے تھے اسی طرح آدم علیہ السلام کو کرو اس لئے کہ ہمارا خلیفہ ہے۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کیا گیا وہ سجدۂ تحیت تھا اور حق تعالیٰ کو سجدہ کرنا سجدۂ عبادت ہے تو اتنی موٹی بات میں اس نے غلطی کی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اس میں عقل نہ تھی ہاں چالاکی اور مکر میں بے شک بے مثل ہے۔

اس پر ایک میاں جی کی حکایت یاد آئی کہ ان کے پاس کہیں سے بتاشے آئے انہوں نے ایک مٹی کے بدھنے میں آٹا لگا کر بند کر کے رکھ دیئے تاکہ کوئی لڑکا نہ کھا جاوے۔ لڑکوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوئی تدبیر ایسی ہونا چاہیئے کہ بدھنے کا منہ بھی نہ کھلے تاکہ راز ظاہر نہ ہو اور بتاشے بھی وصول ہو جاویں، سوچتے سوچتے ایک تدبیر نکالی کہ پانی لا کر ٹونٹی کی راہ سے اس میں بھرا اور شربت گھول کر پی گئے تو یہاں یہ نہ کہا جاوے گا کہ یہ لڑکے بڑے عاقل تھے بلکہ یوں کہا جاوے گا کہ بڑے شریر اور چالاک و مکار تھے۔ کیونکہ عقل کا مقتضا تو اپنے استاد کی خدمت و اطاعت ہے نہ کہ ضرر رسانی۔ کیونکہ عقل کے معنی لغت میں بستن کے ہیں۔ عقل وہی ہے جو کہ مضرات سے بند رکھے روکے، بندر بہت عجیب عجیب کام کرتے ہیں مگر اس لئے (وہم سے) بندر کو عاقل نہ کہا جائیگا۔ بلکہ مکار کہیں گے

غرض عقل اور شے ہے اور چالاکی و مکر اور چیز ہے۔ عقل محمود ہے اور اس کا نہ ہونا مذموم اور چالاکی مذموم ہے اور اس کا نہ ہونا محمود۔ چنانچہ شریعت میں یہ بھی محمود نہیں ہے کہ دوسروں کو ضرر پہنچائے کہ مکر ہے۔ اسی طرح یہ بھی کمال نہیں کہ اپنے کو مضرت سے نہ بچائے کہ کم عقلی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ

یعنی مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں کاٹا جاتا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ اگر مومن کو کسی جگہ سے ضرر پہنچے تو اس کی شان یہ نہیں ہے کہ پھر وہاں جاوے یا کسی آدمی سے تکلیف و نقصان پہنچا تو یہ مناسب نہیں ہے کہ پھر اس سے معاملہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن کے لئے اپنی بیدار مغزی کمال کی بات ہے کہ اپنے کو مضرت سے بچائے۔ اسی واسطے دین کو نفع ہمیشہ عقلاء ہی سے ہوا ہے۔ انبیاء اور مقتدایان دین جس قدر ہوئے ہیں سب بڑے عاقل تھے۔ کسی نبی کی ایسی حکایت نہ سنی ہوگی وہ بھولے ہوں ان کو کچھ خبر نہ ہو۔ ہاں چالاک و مکار نہ تھے۔ عاقل، ہوشیار، حکیم تھے اور یہی تو وہ شے ہے کہ جس کی بناء پر خلیفۃ اللہ بنایا گیا ہے غرضیکہ عورتوں میں چالاکی اور مکر ہے عقل نہیں۔ اس چالاکی اور مکر کی وجہ سے عاقل کی عقل کو سلب کر لیتی ہیں۔ چنانچہ تنہائی میں ایسی باتیں کرتی ہیں جس سے شوہر کا دل اپنی طرف ہو جاوے اور سب سے چھوٹ جاوے۔ بیاہ کے بعد گھر آتے ہی سب سے اول کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ شوہر ماں باپ سے چھوٹ جاوے ——— بڑے ظلم کی بات ہے کہ جس ماں نے مشقتیں اٹھا کر اس کو پالا اپنا خونِ جگر پلایا خود تکلیف میں رہی اس کو آرام سے رکھا اس کے تمام ناز برداشت کئے اور جس باپ نے دھوپیں کھائیں اور اولاد کے لئے گھر چھوڑا محنت کر کے ان کو پالا آج ان کی خدمات کا یہ

جلد دبا جاتا ہے کہ ان سے چھڑایا جاتا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون پھر اگر یہ منتر
انکا چل گیا تو اس پر بھی اکتفا نہیں کہتی ہیں کہ تم تو الگ ہو گئے مگر تمہاری کمائی تو
ان کے پاس جا رہی ہے کبھی ماں کو جوتا لا دیا کبھی کچھ نقد دے دیا غرض کوشش
کرکے اس میں بھی کامیاب ہوتی ہیں پھر اس پر بھی صبر نہیں آتا اس کے بھائی ہے
بہن ہے اور اگر پہلی زوجہ سے اولاد ہو اس سے چھڑاتی ہیں غرض شب و روز اسی
فکر میں گزرتا ہے اور یہی رات دن سعی ہوتی ہے کہ سوائے میرے اور میری اولاد کے
کوئی نہ ہو اور انہیں کی بدولت بہت سے گھروں میں بلکہ بہت سے خاندانوں میں
نااتفاقی ہو جاتی ہے۔ مردوں میں یہ بے احتیاطی ہے کہ ان کی باتیں سنتے ہیں اور
اس پر عمل کرتے ہیں اور خود اس کفران اور اذہاب کی وجہ دو ہیں اول تو انکو
زوج کی مساواۃ کا زعم ہوتا ہے کہ ہم ان سے کیا کچھ کم ہیں چنانچہ یہاں تک کوشش
ہوتی ہے کہ مناظرہ میں بھی ہم غالب رہیں جو بات شوہر کہتا ہے اس کا جواب ان کے
پاس تیار رہتا ہے کوئی بات بے جواب نہ چھوڑیں گی خواہ ناگوار ہو یا گوارا ہو خواہ
معقول ہو یا نامعقول ہو اور کفران کے آثار اکثر اس دعوئے مساواۃ سے پیدا
ہوتے ہیں۔

## حقوق زوجین

اب میں ان حضرات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو مساواۃ حقوق زوجین کی کوشش کرتے ہیں ان سے التماس
ہے کہ آپ حضرات جو اس سعی میں ہیں کہ رجال و نساء میں مساواۃ ہو جاوے تو
قطع نظر سب جوابوں کے کہتا ہوں اگر آپ ہی کی بیگم صاحبہ آپ سے مساواۃ کا
دعوےٰ کرے اور مقابلہ میں آکر جواب سوال کرے تو سچ کہنا کہ آپ ناخوش نہ
ہوں گے بضرور ہوں گے ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ میرے اہل و عیال میرے تابع ہو
کر رہیں اور خصوصاً جنٹل مین حضرات کہ مساواۃ تو کیا کہتے معمولی حقوق بھی بیبیوں
کے ضائع کرتے ہیں بیبیو تم مردوں کے برابر کیسے ہو سکتی ہو تم ہر طرح اور ہر امر

میں پیچھے رکھی گئی ہو دیکھو تمہاری امامت جائز نہیں میراث شہادت امارت ولایت وغیرہ میں ہر طرح مردوں سے پیچھے ہو تم آگے کیوں بڑھنا چاہتی ہو، امام صاحب کا قول ہے کہ اگر صف میں مرد کے برابر عورت کھڑی ہو جاوے تو نماز فاسد ہو جاوے گی جب عبادات میں مساوات نہیں ہے جس میں زیادہ ہمت زیادہ عقل کی بھی ضرورت نہیں تو معاملات میں کہ جن میں بہت سے اُن اُمور کی ضرورت ہے جو خاص مردوں میں پائے جاتے ہیں کیسے برابر ہو سکتی ہو اور تم تو برابری کا دعویٰ کرنا چاہتی ہو حالانکہ تمہارا مرتبہ لونڈی سے بھی کم ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی غیر کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے اور یہ نہیں فرمایا کہ لونڈی کو حکم دیتا کہ اپنے مولے کو سجدہ کرے معلوم ہوا کہ تمہارا مرتبہ لونڈی سے بھی کم ہے اور شوہر کا مرتبہ مالک سے بھی زیادہ ہے مگر تمہاری یہ حالت ہے کہ خاوند سے دبنا نفس کے خلاف ہونے سے عار سمجھا جاتا ہے تم ان احکام کو دین ہی نہیں سمجھتیں بڑا شوق دین کا ہوگا تو وظائف اور سبحان اللہ اور الحمد للہ کی بہت سی تسبیح پڑھ ڈالیں گی میں کہتا ہوں کہ وظائف کا مرتبہ تو ان سب سے پیچھے ہے، بڑی فضیلت اسی میں ہے جس میں نفس کا خلاف ہو اور ان وظائف اجزاء دین میں سے اکثر نے انتخاب کیا ہے اسکے اندر نفس کا ایک مخفی کید ہے وہ یہ ہے کہ عام میں اس کی وجہ سے تعظیم و تکریم بہت ہوتی ہے عام بزرگ سمجھنے لگتے ہیں اس لئے اس میں نفس خوش ہوتا ہے اور خاوند کی حرمت اور تعظیم اور اطاعت نفس کے خلاف ہے اس لئے اس سے اعراض ہے، غرضکہ ایک وجہ خرابی کی تو زعم مساوات ہے۔

## حقیقتِ حسدِ نسواں

دوسری وجہ حسد ہے یہ مرض بھی عورتوں میں بہت ہے ذرا ذرا سی شے پر ان کو حسد ہوتا ہے مثلاً

اسی پر حسد ہوتا ہے کہ ماں باپ کو یہ شئے کیوں دیتا ہے اگر ماں باپ ہوتے تو یہ شئے ہمارے پاس رہتی لیکن اے عورتو! میں تمہاری اس امر میں تعریف کرتا ہوں کہ تمہارا ایمان تقدیر پر بہ نسبت مردوں کے زیادہ ہے مردوں کو صدہا وسوسے پیش آتے ہیں علماء رے الجھتے ہیں لیکن تم کو اس میں شک وشبہ بھی نہیں ہوتا مگر معلوم نہیں کہ یہ تمہارا تقدیر پر ایمان لانا اس موقع پر کہاں گیا خوب سمجھ لو کہ جس قدر تقدیر میں ہے وہ تم کو مل کر رہے گا۔ پھر حسد اور جلن کاہے کے لئے کرتی ہو اور یہی حسد ہے جس کی وجہ سے سوت سے ہمیشہ انکی لڑائی رہتی ہے لیکن کوئی عورت اس کا اقرار ہرگز نہ کرے گی۔ کہ مجھ کو حسد ہے بلکہ مختلف پیرایوں میں یہ جلنے نکالتی ہے کبھی کہتی ہیں کہ فلانی میں یہ عیب ہیں فلانی باہر کی ہے یا شرافت میں میرے برابر نہیں ہوسکتی۔

## دعوئ شرافت

ہمارے قصبات میں بالخصوص دعوئے شرافت کا ایسا مرض ہے کہ باہر کی عورت یا مرد کیسا ہی شریف ہو مگر اپنی شرافت کے گھمنڈ میں کسی کو منہ نہیں لگاتے اور مجھ کو تو اسی میں شبہ ہے کہ جو شریف کہلاتے ہیں آیا واقع میں ایسی ہی ہیں یا نہیں کیونکہ یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر شیوخ ہیں کوئی تو اپنے کو صدیقی کہتا ہے کوئی فاروقی کوئی علوی کوئی عثمانی کوئی انصاری کیا ان چار پانچ صحابہ کے سوا نعوذ باللہ اور صحابہ منقطع النسل تھے کوئی اپنے کو یہ نہیں کہتا کہ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہوں یا حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہوں سب ان چار پانچ حضرات ہی کی طرف نسبت کرتے ہیں شبہ ہوتا ہے کہ یہ سب تراشیدہ یاراں ہے مشاہیر اور جلیل القدر والاشان صحابہ کو لے کر انکی طرف نسبت کرنے لگے جن کے پاس نسب نامہ محفوظ نہیں ظاہر ہے کہ ان کا بیان تو زبانی ہی قصہ ہے اور جن کے پاس

نسب نامہ ہے اُس میں بھی اُوپر سے اشتباہ ہے کوئی تحقیقی بات نہیں ہے چنانچہ ہم لوگ تھانہ بھون کے فاروقی مشہور ہیں۔ مگر تاریخ سے اس میں شبہ پڑتا ہے اس لئے کہ ابراہیم بن ادھم اس سلسلہ نسب میں موجود ہیں اور اُن میں اختلاف ہے کوئی اُن کو فاروقی لکھتا ہے کوئی عجلی کوئی تیمی کوئی سید زیدی لکھتا ہے پھر ہمارا کیا منہ ہے کہ ہم کہیں کہ فلاں کم قوم کی ہے خوب یاد رکھو قیامت کے دن صرف یہ پوچھا جاوے گا۔ ماذا اکتسبت یعنی تو نے کیا کمایا یہ نہ پوچھا جاوے گا۔ بمن انتسبت یعنی کس کی طرف منسوب تھا اور جس قدر اقوام ہیں سب کے مرجع اور منتہا یقینی طور پر آدم علیہ السلام ہی ہیں مگر معلوم نہیں اُن کی طرف اپنے کو نسبت کیوں نہیں کرتے اگر جواب میں کہا جاوے کہ وہ بعید ہیں اور نسب میں قریب کا اعتبار ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر قریب کا اعتبار ہے تو میں ایک شے نہایت قریب بتاتا ہوں اسکی طرف نسبت کر دو وہ کیا ہے ایک آب ناپاک ایک بزرگ کے سامنے سے ایک شخص نہایت فخر اور تکبر سے اکڑتا ہوا نکلا اُن بزرگ نے اس کو نصیحت کی کہ بھائی اِترا دَمت اُس نے کہا کہ تم مجھ کو نہیں جانتے میں کون ہوں۔ فرمایا ہاں جانتا ہوں اولک[1] نطفة قذرة واخرك جيفة قذرة وانت بين ذلك تحمل العذرة اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ شرف نسب کوئی چیز نہیں آخرت میں تو واقعی نسب کوئی چیز نہیں ہے عمل ہی کام آنے والا ہے لیکن دنیا میں وہ بیکار بھی نہیں ہے شریعت نے خود اس کا اعتبار کیا ہے اگر نسب کوئی شے نہ ہوتی تو غیر کفو میں نکاح کرنے سے منع نہ کیا جاتا اور یہ قانون مقرر نہ ہوتا الائمة من قریش ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع نے بھی شرفاء

---

[1] تیرا ابتدائی خلقہ ایک ناپاک پانی ہے، اور تیرا انجام ایک مردار بدبودار (لاش بننا) ہے اور تو ان دونوں حالات کے درمیان گندگی کو اٹھانے والا ہے ۱۲

میں ضرور تفاوت رکھا ہے اور یہ تفاوت مصالح تمدنیہ کی حفاظت کے لئے ہے اگر سب کے سب اس میں یکساں ہوتے تو تمدن ہرگز محفوظ نہ رہ سکتا نہ کوئی کام چل سکتا مثلاً اگر کوئی گھر بنانے کے لئے کسی کو کہتا تو وہ کہتا تم ہی ہمارا گھر تعمیر کر دو نائی سے خط بنانے کو کہتے وہ کہتا تم ہی میرا بنا دیجئے دھوبی کپڑے نہ دھوتا غرض سخت مصیبت ہوتی اگر بڑھئی کی ضرورت ہوتی تو وہ نہ ملتا اگر نوکر کی ضرورت ہوتی نوکر نہ ملتا یہ ادنیٰ اعلیٰ کا تفاوت ہی ہے جس سے لوگوں کے کام چل رہے ہیں چنانچہ الائمۃ من قریش میں بھی ایک انتظامی مصلحت ہے قدرتی طور سے اللہ تعالیٰ نے قریش کو فضیلت دی ہے تو جب ائمہ اور امرا ان میں سے ہوں گے تو اوروں کو ان کے اتباع سے عار نہ ہوگا اور ان کو دوسرے کے اتباع سے عار ہوتا اور جنگ وجدال کی صورت قائم ہوتی اور نیز یہ قاعدہ ہے کہ آدمی اپنے خاندانی شئے کی بہت حفاظت کیا کرتا ہے تو اگر قریشی امام ہوگا تو دین کی حفاظت دو وجہ سے کرے گا ایک اس وجہ سے کہ دین ان کے گھر کا ہے، دوسرے مذہبی تعلق سے پس معلوم ہوا کہ نسب میں مصالح تمدنیہ ودیعت ہیں اس لئے وہ بے کار نہیں مگر نسب پر تکبر کرنا اور فخر کرنا ہر حالت میں حرام ہے اور آج کل کے شرفاء میں تو نسب پر تکبر ہی ہے مگر غیر شرفاء میں دوسرے طور پر تکبر پایا جاتا ہے کہ اپنے کو شرفاء کے برابر سمجھتے ہیں اور اپنے میں اور ان میں کچھ فرق نہیں جانتے یہ بھی زیادتی ہے جو فرق اللہ تعالیٰ نے رکھدیا ہے اس کو کون مٹا سکتا ہے غرض یہ کہ تفاخر اور کبر بھی برابر ہے جیسا مدعیانِ شرافت خصوص عورتوں میں ہے اور فرق مراتب نہ رکھنا بھی ناپسندیدہ ہے جیسا دوسری قوموں نے اختیار کیا ہے۔

**ضرورت اخلاق**

میں اسکو بیان کر رہا تھا کہ ہماری عورتوں کے اخلاق نہایت خراب ہیں ان کو اپنی اصلاح کرانا نہایت ضروری

ہے اور یاد رکھو بغیر اخلاق کے دُرست ہوئے عبادت اور وظیفہ کچھ کارآمد نہیں
حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ
فلانی عورت بہت عبادت کرتی ہے راتوں کو جاگتی ہے لیکن اپنے ہمسایوں کو ستاتی
ہے۔ فرمایا ھِیَ فِی النَّارِ اور ایک دوسری عورت کی نسبت عرض کیا گیا کہ وہ
عبادت نہیں کرتی مگر ہمسایوں سے حُسنِ سلوک کرتی ہے فرمایا ھِیَ فِی الْجَنَّۃِ
مگر ہماری عورتوں کا سرمایۂ بزرگی آجکل تسبیح اور وظیفہ پڑھنا رہ گیا۔ اخلاق
کی طرف اصلاً التفات نہیں حالانکہ اگر دین کا ایک بھی جُز کم ہوگا تو دین ناتمام
ہوگا مگر آج کل لوگوں نے جیسے اور چیزوں کا ست نکالا ہے اسی طرح دین کا بھی
ست نکال لیا ہے بعض نے تو نماز روزہ ہی کو دین سمجھ لیا ہے معاملات اخلاق وغیرہ
کو چھوڑ دیا۔ اور بعضوں نے صرف اخلاق کو لے لیا اور عبادات وعقائد کو چھوڑ دیا،
اگرچہ ان مدعیانِ اخلاق کے اخلاق بھی درست نہیں ہیں لیکن اگر ہوتے بھی تو بیکار
تھے ایک جماعت وہ ہے کہ اُن کے عقائد و اعمال و معاملات اچھے ہیں مگر سمجھتے ہیں کہ
ہم خوش عقیدہ ہیں اور اس پر تفاخر کرتے ہیں اور دُوسروں کی تحقیر کرتے ہیں۔ تو ان
میں اخلاق کی کمی ہے اسی طرح ہماری عورتوں نے عقائد اور وظائف و نماز کو لے لیا مگر
اخلاق کو چھوڑ دیا صبح سے شام تک غیبت حسد لعن طعن کبر میں مُبتلا ہیں اور اُس پر
یہ سمجھتی ہیں کہ ہم بڑے بزرگ ہیں تو بزرگی صرف یہ نہیں ہے اسی طرح مُردوں کو
بھی کہا جاتا ہے کہ اخلاق کی اُن میں بھی کمی ہے وہ بھی اصلاح کریں بلکہ اخلاق کا
بعض حیثیات سے اعمال سے بھی زیادہ اہتمام ہونا چاہیئے اس لئے کہ اگر اعمال
میں کمی ہوگی تو اُس کا ضرر اپنی ذات ہی تک محدود رہے گا اور اخلاق اگر خراب
ہوئے تو اس کا ضرر دُوسروں کو پہنچے گا یہ حق العبد ہے افسوس ترکِ صلوٰۃ اور دیگر
کبائر کو تو گناہ سمجھا جاتا ہے اور غیبت اور حسد و طمع زیور اپنی سوت سے لڑنا

وغیرہ خصال کو گناہ نہیں سمجھتیں خلاصہ تمام تر وعظ کا یہ ہوا کہ اس حدیث میں تین شر بیان فرمائے گئے ہیں اور یہ تین شر ایسے ہیں کہ تمام شرور کا تعلق ان ہی تین سے ہے بعض شرور کا تعلق تو ان سے ابتداً ہے اور بعض کا انتہاً ہے یعنی بعض شرور ان سے پیدا ہوتے ہیں اور بعض شرور سے یہ پیدا ہوتے ہیں مثلاً کفرانِ عشیر کا منشا حرص وطمع ہے اکثارِ لعن سے غیبت نمامی وغیرہ ہوتی ہے۔ اذہابِ لُبِّ رجل حازم سے نااتفاقی جنگ وجدال آپس کی خانہ جنگیاں وغیرہ اسی طرح غور کرنے سے سب کا تعلق معلوم ہو سکتا ہے پس یہ تینوں واجب الاصلاح ٹھہرے اب طریقۂ اصلاح کو غور سے سُننا اور سمجھنا چاہیئے اور اسی پر بیان ختم ہو جاوے گا اور وہ طریقۂ اصلاح مرکب ہے علم وعمل سے اور علم یہی نہیں ہے کہ ترجمہ قرآن شریف پڑھ لیا تفسیر سورۂ یوسف پڑھ لی یا نور نامہ وفات نامہ پڑھ لیا بلکہ کتاب وہ پڑھو جس میں تمہارے امراض کا بیان ہے یہ تو علم ہوا۔

## طریق اصلاحِ نسواں

اور عمل ایک تو یہ کہ اول تو زبان کو روک لو، تمہاری زبان بہت چلتی ہے تم کو کوئی برا کہے یا بھلا تم ہرگز مت بولو اس سے کفرانِ عشیر، اذہاب لب رجل حازم اکثار لعن وحسد وغیبت وغیرہ جاتے رہیں گے اور جب زبان روک لی جاوے گی تو امراض کے مبانی بھی قلب سے جاتے رہیں گے کیونکہ جب اس قوۃ سے کام ہی نہ لیا جاوے گا تو ان امراض کے مناشی بھی ضعیف اور مضمحل ہو جاویں گے اور دوسرے یہ کہ ایک وقت مقرر کر کے یہ سوچا کرو کہ دنیا کیا چیز ہے اور یہ دنیا چھوٹنے والی ہے اور موت کا اور موت کے بعد جو امور پیش آنے والے ہیں جیسے قبر اور منکر نکیر کا سوال اور اس کے بعد قبر سے اٹھنا اور حساب وکتاب اور پل صراط کا چلنا سب کو بالتفصیل روزانہ سوچا کرو اس سے حُبِّ جاہ حبِّ مال تکبر

حرص اور اس کے فروع غیبت حسد وغیرہ سب امراض جاتے رہیں گے غرض حاصل معالجہ کا دو جُز ہوئے ایک علمی دوسرا عملی، علمی کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کے بعد ایسی کتابیں پڑھو جس میں احکام فقیہہ کے ساتھ امراض قلب مثل حسد تکبر وغیرہ کا بھی بیان ہو کم سے کم بہشتی زیور ہی کے دس حصہ پڑھ لو اور عملی جُز کا حاصل دو چیزیں ہیں کفِ لسان اور مراقبہ موت لیکن طوطے کی طرح بہشتی زیور کے الفاظ خود پڑھ لینے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ یہ ضروری ہے کہ کسی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھ لو جب کہ گھر میں عالم ہو ورنہ گھر کے مردوں سے درخواست کرو کہ وہ کسی عالم سے پڑھ کر تم کو پڑھا دیا کریں مگر پڑھ کر بند کر کے مت رکھ دینا ایک وقت مقرر کر کے ہمیشہ اس کو خود بھی پڑھتی رہنا اور دوں کو بھی سناتی رہنا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس طریقہ سے انشاء اللہ بہت جلد اصلاح ہو جاوے گی اور یہاں اس سے زیادہ بیان کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ ماشاء اللہ یہاں کی عورتیں خود سمجھ دار ہیں اور اصل الاصل ان تمامتر خرابیوں کا ایک ہی امر ہے اُس کا اگر ازالہ ہو جاوے تو سب امور کی اصلاح ہو جاوے وہ یہ کہ آجکل بے فکری ہو گئی اگر ہر امر میں دین کا خیال رکھا جاوے کہ یہ امر جو ہم کرتے ہیں آیا دین کے موافق ہے یا نہیں تو انشاء اللہ چند روز میں اصلاح ہو جاوے اب دُعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے ـــــــ آمین آمین آمین۔ فقط :-

○

# کساء النساء

حقوق مستورات اور مردوں کو تنبیہ کہ عورتوں کو حقیر نہ سمجھیں بعض امور میں عورتیں مردوں سے کم ہیں اور بعض میں برابر اور بعض میں بڑھ بھی سکتی ہیں۔

## خواتین کا شرعی لباس

یہ وعظ پانی پت محلہ مخدوم زادگان عبدالحکیم صاحب کے زنانہ مکان میں ۲۷ صفر ۱۳۳۷ھ یوم دوشنبہ ۲ دسمبر ۱۹۱۸ء کو صبح آٹھ بج کر ۱۸ منٹ سے ۱۰ بج کر چھبیس منٹ تک کل وقت ۲ گھنٹے ۸ منٹ چوکی پر بیٹھ کر بیان فرمایا۔
حکیم محمد مصطفےٰ صاحب بجنوری و منشی عزیز الرحمٰن صاحب ایجولوی و خواجہ عزیز الحسن صاحب نے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۱۰۰ تھی علاوہ مستورات۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہ

## تمہید

دعا، خطبہ **امابعد**: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۔

یہ ایک آیت ہے جس کا ایک خاص جزو اس وقت بیان کرنے میں مقصود ہے کیونکہ اُس خاص جزو میں عورتوں کے تبلانے کے قابل ایک بات ہے اسی واسطے ضرورت ہوئی اُسی کے مقصود بنانے کی میں اسکی تعیین ابھی کر دوں گا۔ اُسی سے وجہ معلوم ہو جائے گی، اِس آیت کے اختیار کرنے کی۔ گو میں نے آیت پوری پڑھی ہے مگر ترجمہ اسی جزو مقصود تک کروں گا۔

## حقیقت عمل

اول یہ سمجھ لیجئے کہ اِس سے اُوپر حق تعالیٰ نے کچھ ذکر کیا ہے اہلِ طاعت کا اور اُن کے بعض اقوال و افعال ذکر فرمائے ہیں کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ وہ ذکر کرتے ہیں حق تعالیٰ کا اور کائنات میں تفکر کرتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں وہ دعائیں نقل فرمائی ہیں اور نقل کیا فرمائی ہیں بلکہ تعلیم فرمائی ہیں، نہایت پاکیزہ اور جامع دعائیں ہیں اُس کے بعد یہ آیت ہے جو میں نے پڑھی ۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ الخ

جس کا مطلب ہے کہ اُن کی دُعا قبول ہوئی اور اُنکی درخواست منظور کی گئی ۔ اگلے جملے میں اس کی وجہ ارشاد ہے :

اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ

یہاں لام مقدر ہے یعنی تقدیر لِاَنِّیْ ہے مطلب یہ ہوا کہ درخواست اُنکی اِس وجہ سے منظور ہوئی کہ میری عادت یہی ہے کہ میں کسی شخص کا عمل اور کسی کام کرنیوالے کا کام ضائع اور برباد نہیں کیا کرتا چونکہ دعا بھی عمل ہے اس واسطے اس کو بھی میں نے ضائع نہیں کیا بلکہ اُس کو منظور کر لیا اور وہ جو سوال کرتے ہیں وہ میں پورا کروں گا ۔ ایک تو یہ توجیہ اور ایک یہ ہے کہ اَنّی کی تقدیر لانی نہیں ہے اور یہ علت نہیں ہے فاستجاب کی بلکہ یہ جملہ مفعول ہے استجاب کا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے اِس بات کو منظور فرمایا کہ اُن کا کوئی عمل ضائع نہیں کریں گے ۔ اس میں دعا بھی آ گئی اور اعمال بھی آ گئے ۔ اور گو اُوپر اعمال کے ضائع نہ کرنے کی درخواست نہیں تھی پھر استجاب کے کیا معنی مگر اعمال تو مذکور ہیں یذکرون اور یتفکرون میں جواب اعمال کو شامل ہے ۔

لما قال کل مطیع للہ فھو ذاکر ۔

اور جو شخص عمل کرتا ہے بہ نیت قبول کے کرتا ہے تو عمل کرنا بھی درخواست

ہے ضائع نہ کرنے کی پس اس طرح سے عدم اضاعۃ کا استجاب کا مفعول بہ ہوگیا
یہ تو توجیہ کا اختلاف ہے لیکن ہر حال میں خلاصہ مشترک اس کا یہ ہے کہ یہ بات معلوم
کرادی گئی کہ خدا تعالیٰ کسی کا عمل ضائع نہیں کرتے یہ مضمون ایسا ہے کہ سب جانتے ہیں
اور جابجا آیتوں میں مذکور ہے چنانچہ کئی جگہ آیا ہے :

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ اور مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ

بہر حال اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور اس میں کوئی اشتباہ نہیں کہ خدا تعالےٰ
کسی کا کام ضائع نہیں کرتے چونکہ یہ بہت ظاہر اور مسلم بات ہے لہٰذا اسوقت
یہ بیان سے مقصود بھی نہیں۔

## حقیقتِ تواضع

مقصود وہ ہے جو آگے ہے یعنی تعمیم اس حکم کی کہ عامل
کوئی ہو خواہ مرد ہو یا عورت سب کے لئے یہ حکم
عام ہے جو نیک عمل کرے اُس کا عمل ضائع نہیں کیا جائے گا اور یہ امر مقصود بالبیان
اسواسطے تجویز ہوا کہ عورتیں یوں سمجھتی ہیں اور آج کل کی عورتوں پر کیا منحصر ہے پہلے
بھی ایسے ہی ہوا تھا کہ عورتیں یہ سمجھتی تھیں کہ ہم کوئی چیز نہیں بالکل ردی اور بیکار
چیز ہیں اسی پر یہ آیت نازل ہوئی تھی چنانچہ شانِ نزول اس کی یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ
نے عرض کیا کہ مردوں کے لئے ہجرت کے بڑے فضائل آئے ہیں عورتوں کا کچھ ذکر نہیں۔
اسپر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ مضمون کچھ تو عورتوں کے ذہن میں خود ہی ہے اور
کچھ بعض مضامین کے سُننے سے پیدا ہو گیا ہے :جو واعظ بیان کرنے کو اٹھتا ہے
وہ عورتوں کی مذمت ہی کرتا ہے ۔اور اُن کے عیوب ہی بیان کرتا ہے۔
ایسے ہی مضامین سُنتے سُنتے عورتوں کی طبیعتیں مُردہ ہو گئی ہیں اور یہ کلیہ اُنہوں نے
ذہن میں جما لیا ہے کہ ہم بُرے اور بیکار ہیں۔ وہ مضامین بہت سے صحیح بھی ہیں اور یہ
کلیہ جو اُن کے ذہن میں آیا ہے بہت کارآمد چیز ہے کیونکہ یہ تواضع ہے اور اپنے آپ کو

مٹانا ہے۔ مگر چونکہ ایک ہی قسم کے مضامین پر کفایت کی جاتی ہے اور دوسرا رُخ نہیں دکھلایا جاتا اس واسطے مُفید نہ رہا۔ کیونکہ ہر چیز اپنے موقع پر ٹھیک ہوتی ہے جو غلو توں میں عیوب ہیں وہ بھی ٹھیک ہیں لیکن صرف عیوب ہی نہیں ہیں کچھ اوصافِ حمیدہ بھی ہیں عیوب کو اپنے موقع پر اور اوصافِ حمیدہ کو اپنے موقع پر بیان کرنے سے نفع ہو سکتا ہے۔ اگر اس کا خیال نہ رکھا جائے اور دونوں میں سے صرف ایک ہی شق کو بیان کیا جائے تو کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکتا بلکہ وہ بیان بالکل مہمل اور بیکار ہو جاتا ہے۔ اور گو اپنے آپ کو لاشئے سمجھنا فی نفسہٖ بہت نافع ہے۔ کیونکہ تواضع ہے مگر میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو بالکل بیکار سمجھنا کسی عارض سے مضر بھی ہے۔ اگر طبیعت سلیم ہو تو اپنے آپ کو جس قدر کم سمجھے اُسی قدر نفع ہوتا ہے اور اگر طبیعت سلیم نہ ہو تو نفع نہیں ہوتا بلکہ ضرر ہوتا ہے تفصیل اُس کی یہ ہے کہ نیستی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اھل اللہ نے بڑی کوششیں کیں کہ اپنے آپ کو مٹا دیں کسی شمار ہی کا نہ رکھیں۔ انہوں نے اس کی کوششیں کیں اور منجانب اللہ اُن پر حالتیں بھی ایسی طاری ہوئیں جس سے ہستی بالکل مٹ جائے۔

باوجودت آواز نیامدکہ منم

اُن کو یہ بھی کہتے شرم آتی ہے اور خدائے تعالیٰ کی جانب سے بھی حالات اسی قسم کے پیش آتے ہیں کہ اُن کی ہستی بالکل مٹ جائے چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ اُن کے وقت میں ایک دفعہ بارش نہ ہوئی لوگ عقیدت کی وجہ سے اُن کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت دعا کیجئے کہ بارش ہو جائے فرمایا میں کیا دعا کروں یہ میری ہی آفت ہے یہ میری ہی شامتِ اعمال ہے کہ بارش نہیں ہوتی اس کو معتقدین کب تسلیم کرتے عرض کیا کہ حضرت آپ تو مقبول بندے ہیں اور بزرگ ہیں اور چنان و چنیں ہیں آپ یہ کیا فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نحوست ہے ہمارے واسطے استغفار کر

دیجئے کہ حق تعالیٰ ہمارے گناہوں پر نظر نہ فرمادیں اور اپنی طرف سے رحمت نازل فرمادیں فرمایا میں سچ کہتا ہوں کہ یہ میری ہی نحوست ہے جب تک میں شہر میں رہوں گا رحمت نہ ہوگی۔ لوگ مجبور ہوئے اور اُن کو شہر سے باہر پہنچا دیا بس اُن کا شہر سے نکلنا تھا کہ فوراً بارش ہوگئی۔ کیا ٹھکانا ہے حق تعالیٰ کے معاملات کا کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ اُنکی تربیت کی تکمیل مقصود تھی اس واسطے ایسا ہوا کہ جب تک وہ شہر میں رہے بارش نہیں ہوئی۔ گو اس میں یہ راز ہو سکتا ہے کہ اس تواضع پر عمل کرنے کی برکت سے بارش ہوئی ہو۔ غرض وہ لوگ خود اپنے آپ کو مٹاتے ہیں اور حق تعالیٰ بھی اُن کے واسطے ایسا ہی سامان کرتے ہیں کہ اُن کی ہستی بالکل مٹ جائے۔ اپنے آپ کو مٹانے پر ایک اور حکایت یاد آئی ایک بزرگ تھے سیّد احمد رفاعیؒ یہ حضرت سیّدنا غوث پاک کے معاصر ہیں یہ اتنے بڑے شخص ہیں کہ جب مدینہ طیبہ پہنچے وہاں روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اُوپر ذوق وشوق کی حالت میں یہ شعر پڑھے ؎

| | |
|---|---|
| تقبل الارض عني و هي نائبتي | في حالة البعد روحي كنت ارسلها |
| فامدد يديك لكي تحظى بها شفتي | وهذه نوبة الاشباح قد حضرت |

جن کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم دُور تھے تو اپنی رُوح کو بھیجا کرتے تھے۔ وہ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر زمین بوس ہو جایا کرتی تھی اب جسم کے حاضر ہونے کی نوبت آگئی ذرا اپنے دستِ مُبارک کو بڑھایئے تاکہ میرا لب اُس سے بہرہ ور ہو سکے ہونٹوں کو یہ دولت نصیب ہو جائے۔ جلال الدین سیوطی نے نقل کیا ہے کہ روضۂ منورہ کے اندر سے ایک نہایت نُورانی ہاتھ ظاہر ہوا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک تھا انہوں نے دوڑ کر بوسہ دیا اور بیہوش ہو گئے۔ بس ہاتھ غائب ہو گیا مگر کیفیت یہ ہوئی کہ تمام مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نُور ہی نُور پھیل گیا۔ ایسا نور کہ اس کے سامنے آفتاب کی بھی حقیقت نہ تھی اور واقعی آفتاب کی اُس نور کے سامنے کیا حقیقت ہوتی جب

ان کو افاقہ ہوا تو خیال ہوا کہ میری بڑی عظمت ظاہر ہو گی جس سے میں ہلاک ہو جاؤں گا بس کیا کیا کہ دروازہ پر جا کر زمین پر لیٹ گئے اور پکار کر کہا کہ میں سب کو قسم دیتا ہوں کہ میرے اُوپر سے پھاندتے ہوئے اور مجھ کو روندتے ہوئے جائیں یہ اس واسطے کیا کہ کیا عجب پیدا نہ ہو جائے کہ میں ایسا ہوں کہ میرے واسطے ایسا ایسا ہوا، چنانچہ کوتاہ نظر عوام الناس نے یہی کیا کہ سب اُن کے اُوپر کو پھاندتے ہوئے گئے۔ اُن کو اس میں لطف آ رہا تھا اور اس کی کچھ بھی پرواہ نہ تھی کہ ابھی کیا شان تھی اور ابھی کیا گت بن رہی ہے۔ ایک بزرگ سے جو کہ اُس مجمع میں موجود تھے اس قصے کے بعد کسی نے پوچھا کہ آپ بھی اُن کے اُوپر پھاند کر گئے تھے کہا توبہ توبہ یہ کیسے ہو سکتا تھا خدا کا غضب فوراً نازل ہوتا اگر میں ایسا کرتا۔ عوام تو معذور ہیں کیونکہ ان کو پہچانتے نہ تھے۔ اور جو اُن کو پہچانتا ہو وہ بے ادبی کرے تو فوراً پکڑ لیا جائے گا۔ اُن بزرگ سے اُس شخص نے یہ بھی پوچھا کہ آپ کو رشک تو بہت ہوا ہو گا۔ فرمایا میں تو کیا اُس وقت ملائکہ کو بھی رشک تھا کہ ہمیں بھی یہ دولت نصیب ہوتی۔ تو اخفاء کمالات کی یہ حالت ہوتی ہے۔ اور کبھی کسی کمال کو ظاہر بھی کر دیا ہے تو وہ اُس اظہار کے ماذون بلکہ مامور تھے سو جب اُس کے اظہار کے لئے کوئی حکم ہو جاتا ہے اس کو نہیں چھپا سکتے اُس وقت کوئی بات ظاہر ہو جاتی ہے سو کمالات کو چھپایا ہے۔ بلا غات کو نہیں چھپایا ہے یعنی احکام کو پوشیدہ نہیں رکھا لیکن اس صورت میں بھی جب کہ حکم سے اُن کا کوئی کمال ظاہر ہو گیا تو انہوں نے دوسرے طریق سے اپنے آپ کو اسقدر مٹایا کہ کسی کو نیک گمان ان کی طرف سے ہی نہ سکے، یہ حالت تھی مٹانے کی۔ جو آپ نے ابھی سُنی۔

## نتائج تواضع

غرض اپنے آپ کو مٹانا جس کو تواضع کہتے ہیں۔ بڑے کام کی اور نفع کی چیز ہے یہ مٹانا وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے واسطے بندگانِ خدا نے سلطنتیں چھوڑ دیں دنیا بھر کی پرواہ نہ کی۔ کوئی بات تو تھی،

جسکی بدولت دُنیا بھر سے اسکو ترجیح دیتے تھے، تو یہ صفت جس درجہ تک بھی کسی میں ہو محمود اور مقصود ہونی چاہیے۔ مگر ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اگر طبیعت سلیم نہ ہو تو اُس سے نقصان بھی پہنچتا ہے، چنانچہ مایوسی اور نا اُمیدی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان سمجھنے لگتا ہے کہ میں تو کچھ ہوں ہی نہیں نہ میرا نماز روزہ کچھ ہے نہ اتنی طاقت ہے کہ مقصود تک پہنچوں، مقصود ہر طرح دُور ہی دُور ہے۔ بس اُس وقت شیطان بہکاتا ہے کہ ارے بیٹھ بھی رہ محنت بھی کرے گا دنیا کے لذات کو بھی چھوڑے گا اور ہوتا ہوا تا کچھ ہے نہیں بس یہ شخص مایوس ہو کر کام چھوڑ بیٹھتا ہے، یہ سب اُسی تواضع کے نتائج ہیں جس کو غلطی سے علی الاطلاق محمود کہا جاتا ہے اور جس میں واقع میں تفصیل ہے اور یہ نہ سمجھئے کہ یہ دھوکہ عوام ہی کو لگتا ہے۔ درویشوں کو بھی لگتا ہے ایک شخص ذکر اللہ کرتا تھا، تہجد کو اُٹھتا تھا، شیطان نے کہا ارے بڑے حوصلہ کی ضرورت ہے اللہ اللہ کرنے کے لئے۔ تو نے اتنا اللہ اللہ کیا، کیا فائدہ ہوا۔ دماغ خراب کیا، مغز مارا مگر وہاں سے کوئی رسید ہی نہیں ملتی۔ بس وہ شخص مایوس ہو کر آرام سے مکان میں جا کر سو رہا۔ اور سوتے وقت ہی نیت کر لی کہ تہجد کو نہ اُٹھوں گا۔ فائدہ کیا جب اتنے دن محنت کی اور کچھ نہ ہوا تو آگے ہی کیا ہو گا بس وہ کام سے رہ گیا، بہت لوگ ایسے ہیں کہ اعمال صالحہ پر جب ثمرات مرتب نہ ہوئے اعمال سے بددل ہو جاتے ہیں، دُنیا دار تو ظاہری ثمرات کو دیکھتے ہیں اور دیندار باطنی ثمرات کو دیکھتے ہیں چنانچہ دُنیا داروں کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا دُنیا کی فلاح میں دیر ہوئی تو دین سے بیزار ہو گئے، چنانچہ ہمارے عزیزوں میں ایک صاحب انسپکٹر تھے، جو نماز نہیں پڑھتے تھے اور اُن کی بیوی نمازی تھی، ایک دن بیوی نے کہا کہ آپ بھی نماز پڑھا کیجئے۔ کہنے لگے کہ تجھ کو نماز سے کیا وصول ہوتا ہے جو میں بھی پڑھا کروں۔ وصول کیا ہوتا، آج کل لوگ وصول اُسے سمجھتے ہیں جیسے ایک پیش کار صاحب تھے۔

وظیفے بہت تھے صبح کی نماز کے بعد مصلّے ہی پر بیٹھے رہتے اور وظیفہ پڑھتے رہتے اشراق پڑھ کر مصلّے اُٹھایا جاتا۔ مگر اس مصلّے پر ہی بیٹھے بیٹھے رشوت لیتے مصلّے اور رشوت کا بھی کیا جوڑ ملایا ہے ؎

ہر گناہے کہ کنی در شب آدینہ بکن ✽ تا کہ از صدر نشیناں جہنم باشی

اہلِ معاملہ آتے اور رشوت کی بات چیت کرتے تو یہ منہ سے نہ بولتے اشاروں میں جواب دیتے کہ ایک انگلی اُٹھا دی مطلب یہ ہوا کہ ایک سو لیں گے دو اُٹھا دیں دو سو لیں گے، پانچ اُٹھا دیں پانسو لیں گے۔ بولتے اس واسطے نہیں کہ وظیفہ خراب ہو جائے گا، یہ عجیب بات ہے کہ وظیفہ میں بولنا تو ناجائز مگر رشوت لینا جائز۔ یہ تقویٰ کلابی کہلاتا ہے کہ کتا ٹانگ اُٹھا کر موتتا ہے ایسا محتاط ہے کہ ٹانگ کو پیشاب سے بچاتا ہے مگر منہ سے پاخانہ کھاتا ہے پاؤں موت میں آلودہ نہ ہو چاہے منہ گوہ میں بھر جائے ——
اور گوہ پیٹ تک پہنچ جائے — اسی طرح یہ پیشکار صاحب زبان کو تو بچاتے کہ وظیفہ خراب نہ ہو جائے مگر پیٹ کو رشوت سے بھر لیتے۔ کوئی کہتا اتنا لایا ہوں پیشکار صاحب اشارہ سے کہتے نہیں اتنا لیں گے خیر اسی طرح لوٹ پھیر کر کے رشوت اشاروں ہی میں طے ہو جاتی ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست ✽ کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

جب اشراق پڑھ کر اُٹھتے تو ڈیڑھ سو دو سو تین سو روپے مصلّے کے نیچے سے نکلتے، یہ روز کی آمدنی تھی کسی منحوس دن میں ایسا ہوتا کہ دس بیس روپے ہوتے۔ یہ بار آور نماز تھی اسی کو وصول سمجھا جاتا ہے تو انسپکٹر صاحب نے جو بیوی سے سوال کیا کہ تجھے نماز سے کیا وصول ہوتا ہے یہی وصول مراد ہوگا۔ اسی بنا پر جو نماز پڑھی اور روپیہ نہ ملا تو ان کا کہنا ٹھیک ہے کہ فائدہ کیا ہوا۔

## حقیقت دین و دُنیا

بعضے لوگ اسی واسطے اعمال کرتے ہیں کہ دنیا حاصل ہو، روپیہ پیسہ ملے۔ دنیا کی حاجتیں پوری ہوں یہ تو اہل دُنیا کے قصے ہیں۔ ان قصوں کو سُنکر دیندار ہنستے ہیں کہ کیا دینداری ہے کہ دین کو ذریعہ بنایا دنیا کے حاصل کرنیکا مگر یہ لوگ سُن لیں کہ آپ میں سے بھی بعضے انہیں کی طرح دنیا میں مُبتلا ہیں اور دین سے دُنیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اسطرح مبتلا ہیں کہ ذکر شغل سے خاص ثمرات کے طالب ہوتے ہیں اس طرح کے فقیر بنیں لوگوں میں مشہور ہو کہ یہ بُزرگ ہیں اور مجاہدے کرتے ہیں کہ لوگوں کے ذہنوں میں انکی عزت ہو اگر کبھی کسی وجہ سے اُن کی عزت میں فرق آگیا تو سمجھے کہ ہمارا ذکر شغل بیکار رہے۔ کیونکہ اس کا ثمرہ نہیں پایا جاتا۔ یہ تو طالب جاہ ہیں اور بعضے طالب کیفیات ہوتے ہیں اگر کبھی کیفیات طاری ہوئیں تو دل گھٹ گیا۔ یہ طلب کیفیات کسی درجہ میں طبعی بات ضرور ہے مگر سمجھدار آدمی کو کیفیات پر نظر نہ رکھنا چاہیئے۔ اسی طرح جاہ کی حالت ہے کہ اکثر دیندار کی عزت ذہنوں میں ہوتی ہے لیکن ذکر سے اس عزت کو مقصود بنانا چاہیے اس طرف التفات ہی نہ کرنا چاہیے کوئی عزت کی نظر سے دیکھے یا ذلت کی نظر سے ان کو اسکی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے اپنے کام سے کام رکھنا چاہیئے ورنہ یہ ہوتا ہے کہ بعض وقت جو کم فہموں میں انکی عزت نہیں ہوتی کیونکہ ان کے قلب میں دین ہی کی وقعت نہیں ہوتی تو یہ اس ذلت کو دیکھ کر عمل ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ غرض وہ شخص جو رسید کا منتظر تھا، نیت کرکے سوگیا کہ میں تہجد کو نہ اٹھوں گا۔ خواب میں فرشتہ کے ذریعہ سے اس کو متنبہ کیا گیا۔ بات یہ ہے کہ اس نے تو ذکر کو چھوڑنا چاہا مگر حق تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اس کو اس طرح چھوڑ دیں۔ فرشتے نے کہا کہ بھائی حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ آج تُو نے میرا نام کیوں نہیں لیا۔ کہا میں عرصہ سے نام لیتا تھا مگر اُدھر سے کچھ جواب ہی نہ ملتا۔ میں یہ سمجھا کہ میرا عمل قبول نہیں ہوتا۔ جب عمل قبول نہیں ہوتا تو اس کا کرنا

فضول ہے میں پکارتا ہوں مگر اُدھر سے نہ سلام ہے نہ جواب ہے۔ بس میری ہمت ٹوٹ گئی جواب میں ارشاد ہوتا ہے جس کو مولانا نقل فرماتے ہیں ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ماست
ویں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

یعنی وہ تیرا اللہ اللہ کہنا ہی ہمارا جواب ہے اگر ہم کو تیرا اللہ اللہ کہنا پسند نہ ہوتا تو دوبارہ توفیق ہی نہ ہوتی۔ تمام عالم بھرا پڑا ہے اللہ اللہ کون کرتا ہے سوا اُس کے جس کو ہم توفیق دیں۔ جب ہم نے توفیق دی تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم کو تیرا عمل پسند ہے۔ یہ بات ذاکرین کے لئے کس قدر تسلی دہ اور ہمت بڑھانے والی ہے گو ہمارا ذکر ہرگز اس قابل نہیں کہ قبول کیا جا سکے مگر اُن کی رحمت ہے کہ ایسے ذکر کو بھی قبول کر لیتے ہیں مولانا دُوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

ایں قبول ذکر تو از رحمت است
چوں نماز مستحاضہ رخصت است

دیکھیے مستحاضہ کی اور بیمار کی کیا نماز ہے خون پیپ بہہ رہا ہے احکم الحاکمین کے دربار میں ان نجاستوں کے ساتھ کھڑے ہونے کی کیا ہمت ہو سکتی ہے مگر یہ حکم ہے کہ اسی طرح پڑھ لو۔ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ایسی نماز بھی قبول کر لی جاتی ہے۔ خیر اس شخص سے فرشتہ نے کہا کہ تو نے غلط سمجھا ایک بار کے بعد دوبارہ ذکر کی توفیق ہوئی تو قبول ہی کی علامت ہے اس کو سُن کر اُس کا دل بڑھا اور اُٹھ بیٹھا اور تہجد پڑھا اور ذکر کرنے لگا۔ غرض دل گھٹنے سے عمل میں قصور رہتا ہے کیونکہ عمل کرنیوالا یُوں سمجھتا ہے کہ میرا عمل کسی کام کا تو ہے نہیں پھر میں کیوں تکلیف اُٹھاؤں اور دُوسرے کاموں میں کیوں خرچ کروں۔؟

**مقصدِ وعظ** بعضے واعظ ایک طرف سے سب کو ایک ہی طرح ہانکنا شروع کر دیتے ہیں اُن کے تمام بیان میں ترہیب ہی ترہیب ہوتی ہے انہوں نے ترغیب کا سبق ہی نہیں پڑھا بس اُن کا وعظ یہ ہوتا ہے کہ تمہاری نماز کچھ نہیں تمہارا روزہ کچھ نہیں حج تمہارا بیکار زکوٰۃ تمہاری فضول۔ اس کا اثر یہ نہیں ہوتا کہ سننے والے نماز روزہ اور اعمال کی اصلاح کریں بلکہ ہمت ہار کر جو کچھ بُرا بھلا عمل کرتے تھے اُس کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ جیسے ایک گنوار کا قصہ ہے کہ گاؤں میں ایک واعظ صاحب آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ جبتک نیت نہ کرے روزہ نہیں ہوتا۔ اور نیت بتائی کہ یوں کہنا چاہیے بصوم غدٍ نویت۔ کوئی ایسے ہی ٹٹ پونجیا واعظ ہونگے جیسے گشتی واعظ اور کھانے کمانے والے ہوا کرتے ہیں ورنہ نیت کی حقیقت بھی بیان کر دیتے پھر غلطی نہ ہوتی۔ اگلے دن کیا دیکھتے ہیں کہ دن میں چودھری صاحب بے دھڑک حقہ پی رہے ہیں کہا مردود رمضان ہے تو نے روزہ نہیں رکھا۔ کہا مولوی جی خفا مت ہو تم ہی نے تو مسئلہ بیان کیا تھا کہ بے نیت کے روزہ نہیں ہوتا اور جو نیت تم نے بتائی تھی وہ مجھے یاد نہیں ہوئی اب لے یاد کر گے روزہ رکھا کروں گا۔ آج میں نے سوچا کہ جب روزہ تو ہوا ہی نہیں پھر حقہ کا ذائقہ کیوں چھوڑ دوں۔ اس حکایت کو سن کر ہم لوگ ہنستے ہیں اور اُس روزہ نہ رکھنے والے کو گنوار اور بیوقوف سمجھتے ہیں مگر انصاف سے کہیے کہ اس میں قصور کس کا ہے۔ قصور واعظ کا ہے کہ بات کہی مگر ادھوری مسئلہ اس طرح بتایا کہ اُس گنوار سے اُس پر عمل نہ ہو سکا جب اُس نے دیکھا کہ اس طرح عمل کرنا میرے بس کا نہیں ہے تو عمل ہی کو چھوڑ دیا۔ یہی اثر اُن واعظوں کے بیان کا ہوتا ہے۔ جو نری ترہیب ہی ترہیب بگھارتے ہیں۔ اور اسکی تائید میں پُرانے بزرگوں کے مجاہدوں کے قصے بیان کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے پانی پینا چھوڑ دیا تھا فلاں بزرگ نے جُوتا پہننا چھوڑ دیا تھا۔ فلاں

بُزرگ نے تمام عمر میں اتنے جو کھائے تھے تم کیا کر سکتے ہو. تمہاری کیا نماز ہے تمہارا کیا روزہ ہے اتمہارا کیا ذکر ہے، کیا شغل ہے. بس سُننے والے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم ایسے تو ہو نہیں سے رہے اور بلا ایسے ہوئے کسی شمار میں نہیں لہذا قصّہ ختم کرو. کہ کچھ بھی نہ کرو۔

**طریقِ تعلیم** میں مشورہ دیتا ہوں اہلِ تربیت کو کہ کبھی ایسی سخت تعلیم نہ کریں ، اگر کسی سختی کی ضرورت بھی ہو تو عنوان اُس کا نرم ہونا چاہیئے. اِس میں راز یہی ہے کہ طالب کو وحشت نہ ہو جاوے اور اس کو گراں سمجھ کر اصل کام سے بھی نہ رہ جائے. اتنی تنگی نہیں چاہیئے کہ وہ اس کو تکلیف مالا یطاق سمجھ لے. میں بعض دفعہ دوستوں کو مستحبات کی تاکید نہیں کرتا اسو جہ سے کہ کہیں وہ تنگ ہو کر ضروریات سے بھی نہ رہ جائیں. اِس واسطے میں کہتا ہوں کہ موقع اور محل اور مخاطب کی خاص حالات کی رعایت کی نہایت ضرورت ہے بعض لوگ سختی کرتے ہیں اور طالبین کو مشکلات میں ڈال دیتے ہیں. میں مخاطب کی رعایت بہت زیادہ کرتا ہوں حتیٰ کہ بعض وقت کسی کے ساتھ بہت نرمی کی جاتی ہے اور کسی فعل پر روک ٹوک نہیں کی جاتی جو ظاہراً مداہنت ہی معلوم ہوتی ہے اس پر بعض دیکھنے والے کہنے لگتے ہیں کہ اُس شخص کو یہ ٹوک دیتے یا اس کام کا امر کر دیتے تو یہ شخص ضرور مان لیتا. ایسے موقع پر چوکنا نہ چاہیئے تھا[1] . بات یہ ہے کہ ہر کام کا

---

[1] جیسے ایک ڈپٹی صاحب کو ریل کے سفر میں نماز کے وقت حضرت والا نے نماز کیلئے نہ کہا اور خود نماز پڑھی جس کو انہوں نے دیکھا لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ معتقد ہیں اگر حضرت والا ذرا اشارہ کرتے تو نماز میں ضرور شریک ہو جاتے لیکن اِس چشم پوشی کا یہ اثر ہوا کہ وہ خود بہت شرمندہ ہوئے اور ہمیشہ کے لئے نمازی بن گئے ۱۲۔

ایک آدمی ہوتا ہے وہ اُس کے موقع محل کو سمجھتا ہے۔ اُس کو مشورہ دینے کی ضرورت نہیں اور مشورہ دینا بھی ہو تو اُس وقت نہیں دینا چاہیئے یہ تو اعتراض کی صورت ہے اگر خیر خواہی اور دلسوزی ہے تو کسی وقت تنہائی میں کہہ دیا جائے تو مضائقہ نہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسوقت دوسروں کی سمجھ میں اُس کے فعل کی غایت نہیں آتی کیونکہ نتیجہ کچھ زمانہ کے بعد مرتب ہونیوالا ہوتا ہے جس کو یہ سمجھتا ہے دوسرا نہیں سمجھتا اس لئے وہ اس فعل کو فضول سمجھ رہا ہے۔ دیکھئے اناج ربیع میں بویا جاتا ہے بوتے وقت کوئی ناواقف دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ اتنا اناج مٹی میں غارت کیا جا رہا ہے لیکن بونے والا جانتا ہے کہ اُس کا نتیجہ چند روز میں نکلے گا اور اُس تلف شدہ اناج کا بدلہ دو چند سہ چند ملے گا۔ غرض جس شخص کو کسی کام کا اہل مان لیا جاوے اُس کے افعال پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے اگر کسی کے فعل کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو کسی وقت اُس سے بطور عرض کے سوال کیا جا سکتا ہے اعتراض کی اصلاً گنجائش نہیں کیونکہ اُس کو جاننے والا تسلیم کیا جا چکا ہے اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ بعض لوگ مدرسوں میں جاتے ہیں تو طرح طرح کی رائے دیتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ کورس ایسا ہونا چاہیئے کوئی کہتا ہے خودداری کی تعلیم ہونا چاہیئے تم کیا جانو جو لوگ اس کے اہل ہیں جن کے ہاتھ میں مدرسہ ہے وہ اُس کے نشیب و فراز کو سمجھ سکتے ہیں یا آپ؟ بس جب آپنے اُن کے ہاتھ میں مدرسہ دے دیا ہے تو اُن کی رائے میں دخل نہ دیجئے ہاں اگر ان میں نااہلیت ثابت ہو جاتے تو اُن کو معزول کر کے کسی دُوسرے اہل کے ہاتھ میں مدرسہ دیدیجئے۔ اور اُس دوسرے کے بارہ میں بھی یہی کہوں گا کہ اس کی رائے میں دخل مت دینا یہ بڑی غلطی ہے کہ ایک شخص کو کسی کا اہل مان کر پھر اسکی رائے کو نہ مانا جائے اور اُس کے مقابلہ میں رائے زنی کی جائے۔ غرض جو آدمی جس کام کا ہو اُس کو کام

کرنے دو۔ میرے یہاں بعض وقت کسی پر تشدد بھی کیا جاتا ہے جس پر بعض دفعہ دُوسروں کو رحم آتا ہے لیکن میرے یہاں اِس دعوے سے نہیں کہتا) بفضلہ تعالیٰ جس کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا اخیر میں اکثر وہ اسی کا اہل ثابت ہوا۔ یہ کچھ میرا کمال نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی تائید ہے خُلاصہ یہ کہ مخاطب کی رعایت کرنا عموماً نہایت ضروری ہے اور خصوص اہلِ تربیت کے لئے تو بہت ہی لازم ہے اور یہ طریقہ مفید نہیں کہ جب بیان ہو تو ترہیب ہی کا ہو جیسا آجکل واعظوں کی عادت ہو۔

## اعمالِ نسواں

اگر عورتوں کو ہمیشہ دوزخی، دوزخی کہا جائے گا تو دُو خرابیاں ہوں گی یا تو وہ نماز روزہ بالکل ہی چھوڑ دیں گی یا کریں گی مگر دل بُجھا ہوا ہے گا رحمت سے مایوسی ہو جائے گی اور آپ نے سُنا ہو گا کہ خُدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے یہ عجیب بات ہے کہ واعظ صاحب ممبر پر تو بیٹھتے ہیں تقویٰ سکھلانے کو اور طرز بیان ایسا ہے جس نے ایک مؤمن کو کافر یا قریب بکفر بنا دیا یا اُس کا دِل شکستہ کر دیا حتےٰ کہ وہ بیچاری اپنے آپ کو خدا کی رحمت سے محروم سمجھنے لگی میں نہیں سمجھتا کہ آخر عورتوں کو بات بات پر دوزخی کیوں کہا جاتا ہے کیا وہ نماز نہیں پڑھتیں کیا وہ روزہ نہیں رکھتیں روزہ رکھنے میں تو وہ مَردوں سے بھی آگے ہیں۔ غرض جس طرح مرد عمل کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کرتی ہیں۔ اگر اُن کے اعمال کو بیکار کہا جاتا ہے تو کیا مَردوں کے سب اعمال باکار ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ حقیقت پر اگر نظر کی جاوے تو عمل تو سب ہی کے بیکار ہیں حق تعالیٰ کی شان کے موافق کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا۔ پھر کسی فریق کو کیا حق ہے کہ اپنے عمل کو باکار سمجھے اور دُوسرے کے اعمال کو بے کار۔ اگر ایک فریق کو حق تعالیٰ کی رحمت سے اپنے بیکار اعمال کے قبول ہو جانے کی اُمید ہو سکتی ہے تو دُوسرے فریق کو کیوں نہیں ہو سکتی؟ اوّل تو نجات کا اصلی

مدار رحمت پر ہے مگر عمل کو جتنا دخل ہے عورتیں بھی اس سے محروم نہیں ، عورتیں بھی عمل کر سکتی ہیں اور کرتی ہیں تو سب کو ایک لکڑی ہانکنا کیسے درست ہو سکتا ہے ۔ واعظوں کی مہربانی سے عورتوں کے ذہن میں علی العموم یہ بات جم گئی ہے کہ ہمارے اعمال بالکل نکمے ہیں اور ہمارا انجام دوزخ کے سوا کچھ نہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمت ہار دی ہے اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ بھی نہیں کرتیں ۔ میں کہتا ہوں یہ بڑی غلطی ہے خدا تعالیٰ کی رحمت تنگ نہیں ہے نہ کسی کے ساتھ اس کو خصوصیت ہے تمہاری نماز لنگڑی لنجی کیسی بھی ہی اگر مردوں کی نماز حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر رکھتی ہے تو تمہاری نماز بھی وہی قدر رکھتی ہے ۔ بیبیو! ہمت نہ ہارو اور ایسے واعظوں کے کہنے کو مت سنو حق تعالیٰ کی رحمت تو تم پر اسی وقت متوجہ ہوگئی جب تم کو نماز کی توفیق دی ۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ ہماری نماز ہی کیا ؟ یہ قول بہت اچھا ہے ۔ مگر اس میں دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ ہمارا فعل ہے اس معنی کر یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا ہی سمجھنا چاہیے ۔ اور ایک حیثیت یہ کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اسکی توفیق دی اس معنی کر یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ خدا تعالیٰ کا عطیہ ہے اور خدا تعالیٰ کی نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے ، نماز لنگڑی لنجی ہو اس حیثیت سے کہ عطیہ خداوندی ہے بہت بڑی نعمت ہے اگر اسکی بھی توفیق نہ ہوتی تو کیا کرتے ۔ اگر ایک شخص کو روکھی روٹی ملے تو اس کو ناک مار کر کھانا کفرانِ نعمت ہے کیونکہ اگر یہ بھی نہ ملتی تو اس کا کیا بس تھا ؟

**وقتِ تواضع**

اب واعظوں نے ایک حیثیت کو تو غائب کر دیا اور ایک پر نظر کر رکھی ہے لہٰذا جب بیان کریں گے تو یہی کہ تمہاری نماز کیا اور تمہارا روزہ کیا ۔ واعظ صاحب سے کوئی پوچھے کہ آپ کی نماز میں بھی تو

دو حیثیتیں ہیں اس میں بھی اسی ایک حیثیت پر نظر کیوں نہیں رکھتے۔ عورتوں کو ہی خطاب کیوں کرتے ہو کہ تمہاری نماز کیا اور روزہ کیا۔ مجھے اس لفظ پر کہ اپنی چیز کو گھٹیا سمجھنا چاہیئے ایک حکایت یاد آئی۔ ایک مرتبہ میں انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا میری اکثر عادت تو تیسرے درجہ میں سفر کرنے کی ہے مگر بعض دفعہ اس میں تکلیف ہوتی ہے تو ایسے موقع پر میں اُس کو بھی تکلف سمجھتا ہوں کہ تھرڈ میں سفر کرنے کو اپنی وضع بنا لیا جاوے۔ ہجوم وغیرہ کے موقع پر میں بے تکلف انٹر میں سفر کر لیتا ہوں۔ چنانچہ آرام کے خیال سے اُس وقت انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا جس میں تین چار جنٹلمین بھی بیٹھے ہوئے تھے مجھے عمر بھر کبھی ایسی غیر مہذب صحبت کا اتفاق نہیں ہوا جیسی غیر مہذب جماعت سے اُس دن سابقہ پڑا۔ حالانکہ وہ معمولی درجہ کے لوگ نہ تھے بلکہ بڑے بڑے درجہ کے لوگ تھے۔ ایک جنٹ تھے اور ایک وکیل تھے اور خدا جانے کیا تھے غرض ممتاز لوگ تھے۔ اُنہوں نے وہ خرافات آپس میں بکنا شروع کی کہ سُننے والا شرما جاوے۔ اتفاق سے ایک ہندو منصف بھی اسی ڈبہ میں آ بیٹھے۔ عہدہ اس کا بھی بڑا تھا مگر غیر مہذب کالا آدمی تھا۔ جنٹلمینوں نے آپس میں فحش فحش اشعار پڑھنا شروع کیے منصف صاحب کی کمبختی آئی کہ کسی شعر پر آپ بول اُٹھے کہ ہاں صاحب ذرا پھر پڑھیے انہوں نے وہ شعر تو دوبارہ پڑھا نہیں مگر منصف صاحب کے سر ہو گئے ایک بولا اچھا آپ بھی شاعر ہیں اُس نے کہا جی نہیں میں شاعر تو نہیں۔ دُوسرے بولے آپ ضرور شاعر ہیں اُس جماعت کی یہ حالت تھی جیسے بھانڈ ہوتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر تیسرا بولا آپ یقینی شاعر ہیں آپکا تخلص مسکین ہے ایک بولے آہ ہا ہ تو یہ شعر آپ ہی کا ہے ؂

مسکین خر اگرچہ بے تمیز است ☆ چوں بار ہمے برد عزیز است

غرض بیچارے کو ایک مشغلہ بنا دیا مگر منصف صاحب کچھ نہ کہہ سکے کیونکہ وہ خود ہی اپنے ہاتھوں بلا میں پھنسے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپکا خود ہی جی چاہا مسخرہ بنے کو ایسے بھانڈوں کو چھیڑا ہی کیوں تھا پھر انہوں نے ایک حرکت یہ کی کہ جب دستر خوان بچھایا اور کھانا نکالا گیا تو ایک بولے کہ لیجئے منصف صاحب آپ بھی کچھ گوہ موت کھا لیجئے دوسرا بولا کہ تم بڑے بدتمیز ہو کہ کھانے کو گوہ موت کہتے ہو۔ اُس نے کہا میاں اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہئے۔ اسی کا نام تواضع ہے اپنے کھانے کو کھانا کہنا تکبر ہے میں تو چادر لپیٹ کر ایک طرف کو لیٹ گیا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ ایسا نہ ہو کہ مجھ پر بھی کچھ عنایت ہو خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر تو کچھ عنایت نہیں ہوئی اور شائد وہ منصف صاحب کو بھی کچھ نہ کہتے مگر اُن کی کمبختی نے خود ہی دھکا دیا کہ اپنے آپ بچوں میں شامل ہوئے اور بجلی کے تار کو ہاتھ لگایا۔ خیر مجھے یہ حکایت صرف اِتنی مناسبت سے یاد آگئی کہ اپنی چیز کو گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہیے اتنی بات تو صحیح ہے مگر جیسا گھٹیا نام ان جنٹلمینوں نے اپنے کھانے کو دیا وہ نہایت بدتمیزی اور بدتہذیبی کا نمونہ تھا کھانے کو گوہ موت کہنا تواضع نہیں ہے کھانا خدا کا رزق ہے اس کو اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے مگر کسی قدر گھٹیا نام سے یاد کر سکتے ہیں مثلاً دال روٹی یا آب ونمک کہہ دیا جاوے مگر نہ اس قدر گھٹانا کہ گوہ موت ہی کہہ دیا جائے۔ کیونکہ کھانے میں یہ بھی تو ایک حیثیت کہ وہ خدا کا رزق ہے اِسی لحاظ سے وہ بہت کچھ معظم ومکرم ہے غرض یہ اُن کا مسخرہ پن تھا کہ رزق کے لئے ایسے الفاظ بیہودہ استعمال کئے۔

## حقیقت تقویٰ

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اللہ والوں کے یہاں جیسی دیکھی کہیں نہیں دیکھی، چنانچہ ایک بار حضرت مولانا شاہ

فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کے یہاں میں مہمان تھا جب میں نے کھانا شروع کیا مولانا نے پوچھا کیا کھانا ہے۔ میں نے کہا ارہر کی دال اور روٹی ہے فرمایا سبحان اللہ خدا کی بڑی نعمت ہے۔ دیکھو صحابہ کرام نے جہاد میں ایک ایک چھوارے پر پورا دن گزارا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بعض وقت بدون سالن کے روٹی کھاتے تھے کبھی سرکہ سے کھا لیتے۔ واقعی اللہ کے بندے ایسے ہی شاکر ہوتے ہیں۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ کوئی کھانا کھلاتا ہے تو اس میں دس قسم کے اعتراضات نکالتے ہیں اور جگہ جگہ گاتے پھرتے ہیں کہ فلانے کے یہاں گھی کم تھا گوشت سخت تھا۔ گلا گھونٹ پلاؤ تھا۔ گھونسے مار مار کر حلق سے اتارا گیا۔ یہ کیا بیہودگی ہے اپنے آپ کو ایسا بڑا سمجھتے ہیں کہ پلاؤ قورمہ بھی نظر میں نہیں آتا اگر واقعی کھانا خراب ہی تھا اور تمہیں پسند نہ آیا تو اس کو نہ کھاتے واپس چلے آتے مگر اس کی نسبت تحقیر کے الفاظ کہنا جا بجا گاتے پھرنا یہ کہاں کی تہذیب ہے دیکھو مولانا نے ارہر کی دال کو بڑی نعمت فرمایا اور فرمایا کہ صحابہ کرام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کھایا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ کے زمانہ میں تو جو کو پیس کر پھونک سے بھوسی اڑا کر کھا لیا جاتا تھا پھر کس کا منہ ہے کہ پلاؤ قورمہ سے بھی ناک چڑھائے میں نے اپنے ایک استاد کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا میں نے پوچھا کس بات پر بخش دیا فرمایا ایک ذراسی بات پر وہ یہ کہ ایک روز گھر میں کھچڑی پکی تھی اس میں نمک ٹھیک نہ تھا۔ میں نے اس کو حق تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر چپکے بیٹھ کر کھا لیا کچھ تکرار نہیں کیا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں تمہاری یہ بات پسند آئی لہٰذا تم کو بخش دیا۔ ہم تو اس بنا پر ان کے معتقد تھے کہ وہ بڑے متقی تھے نماز ایسی پڑھتے تھے ذکر و شغل کرتے تھے بڑے پابندِ شرع

تھے مگر بخشش اُنکی اسپر ہوئی کہ بے نمک کی کھچڑی خوشی سے کھالی تھی۔ حق تعالیٰ کے سامنے کسی کا زہد و طاعت اور اتقا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ کوئی بھی یہ دعوے نہیں کر سکتا کہ ہمارا عمل اُن کی شان کے موافق ہے۔ اگر بخشش ہو سکتی ہے تو صرف نظرِ عنایت سے ہو سکتی ہے ــــــــــــ

جس کے لئے سببِ ادنیٰ بھی کافی ہو سکتا ہے۔ پھر اُس سبب میں کیا مردوں ہی کا حصہ ہے عورتوں کا نہیں ہم لوگ حدیث پڑھتے ہیں جو لوگ پلاؤ قورمہ پر ناک مارتے ہیں وہ حدیث میں دیکھیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جو کھانا پسند نہیں آیا اُس کو چھوڑ دیا۔ نہ کھایا نہ کوئی بُرا لفظ اس کے متعلق فرمایا آج کل افراط و تفریط دونوں ہیں یا تو پلاؤ قورمہ پر ناک ماریں یا باوجود رغبت نہ ہونے کے کھائے چلے جاویں اور اس کو بڑی نفس کُشی سمجھیں کہ طبیعت لیتی نہیں مگر زبردستی حلق سے اُتارے چلے جاتے ہیں اسے نفس کی مخالفت نہیں کہتے بلکہ اس کا نام زہدِ خشک ہے شریعت میں اعتدال ہے۔

## اعتدالِ طعام

سُبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم نہیں فرمائی کہ جی نہ چاہتا ہو تو خواہ مخواہ کھاہی لو بلکہ تعلیم دی ہے کہ جی چاہے تو کھاؤ نہ چاہے تو چھوڑ دو مگر اس کو بُرا کہنے کی اجازت نہیں دی اعتدال وہی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھا دیا کھانا پسند آیا کھالیا نہ پسند آیا چھوڑ دیا۔ حدیث میں ہے۔ لم یعب طعاما یعنی کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا جیسا ہم کرتے ہیں کہ گھی کم ہے کچا ہے پکا ہے۔ یہ سارے نخرے اس لئے ہیں کہ خدا نے دے رکھا ہے۔ کھانے کی قدر بھوکے سے پوچھو اُس کو یہ نہیں سُوجھتا کہ روٹی تازی ہے یا باسی گھی کم یا زیادہ۔ کھانا گرم ہے یا ٹھنڈا غرض کھانے کو کسی حال میں بُرا نہ کہنا چاہیے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں

کہ باورچی کیسا ہی خراب اور بے ترکیبی سے پکائے اُس کو تنبیہہ بھی نہ کی جائے یہ بات نہیں پکانے والے کو سمجھا دینا چاہیئے مگر کھانے سے ناک منہ چڑھایا جاوے کہ منہ میں رکھا اور ذرا نمک کم ہے تو تھوک دیا اُٹھا کر برتن پھینک دیا بی بی یا خادمہ کے سر پر سالن لوٹ دیا۔ بعض لوگ برتن بہت توڑتے ہیں ارے برتن نے کیا خطا کی تھی بلکہ ان سے کوئی یہ پوچھے کہ یہ جرمانہ کس پر ہوا آپ نے جو اپنے گھر کا آٹھ آنہ کا پیالہ توڑا یہ تو آپ ہی کے اوپر جرمانہ ہوا جس سے لازم آیا کہ خطاوار تم ہی ہو غصہ میں یہ بھی نہیں سوچا کہ خطاوار نوکر ہے یا تم خود ہو اور جرمانہ کس پر ہو رہا ہے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرنا یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ کا مصداق بننا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایک گروہ کفار کی حالت میں بیان فرمایا ہے کہ اُن پر یہ عذاب الٰہی نازل ہوا کہ بھاگتے وقت اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اُجاڑ رہے تھے گھر میں رہنا تو کیا ملتا اسی طرح کھانا تو تم سے چھین ہی لیا گیا تھا کہ بھوکے رہے اور جرمانہ ہوا کہ برتن بھی ٹوٹ گئے بڑی بات ہے۔ کھانے میں عیب نکالنا تکبر کی بات ہے اور اتنا بڑا عیب نکالنا کہ اُس کو گوہ مُوت کہنا یہ سب اُن کا مسخرہ پن تھا۔ اور اس کو تواضع میں ٹھونسنا تو نری شرارت تھی اس کو تواضع نہیں کہتے یہ تو ایسا ہے جیسے تم کسی کے پاس جاؤ اور وہ پُوچھے تم کون ہو تو جواب میں یوں کہو کہ گدھا ہوں اور اس کو تواضع سمجھو تو ہرگز کوئی عقلمند اس کو پسند نہیں کرے گا اپنی نسبت کوئی تعظیم کا لفظ نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو کہ انسان سے گدھے بن جاؤ اس کا نام تواضع نہیں ہے۔ اس کا نام ناشکری اور بد تمیزی ہے۔ اسی طرح اپنی نماز کو بالکل رائیگاں اور بیکار سمجھ لینا یہ بھی تواضع نہیں ہے اعتدال کا درجہ یہ ہے کہ نماز کو اس حیثیت سے کہ اپنا فعل ہے ہیچ سمجھے مگر اس حیثیت سے کہ حق تعالیٰ کا عطیہ ہے یوں سمجھے کہ جس نماز کی توفیق ہم کو دی گئی ہے ہم اس کے بھی قابل نہ تھے یہ محض

حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایسے نالائقوں کو ایک دین کے کام کی توفیق دی ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل ٭ نسیم صبح تیری مہربانی

## تواضع و مایوسی

خلاصہ یہ ہے کہ ناز نہ کرے بلکہ شکر کرے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آگے چل کر اس سے اچھی عمل کی توفیق ہوگی اور جب تم اپنے عمل کو ناقص و حقیر جانتے ہو تو اس کی اصلاح کرو اور اصلاح میں کسی خاص درجہ پر اکتفا نہ کرو جو جو خرابیاں اس میں ہیں سب کی اصلاح کرو اور پوری طرح سنوار لو صحیح طریقہ یہ ہے نہ یہ کہ اس کو لاشئے محض سمجھو اُسکی بیقدری کرو بلکہ ہر درجہ میں اُس کو ایک لحاظ سے خدا کی نعمت سمجھو اور دوسرے لحاظ سے اُس کو کسی قابل نہ سمجھو ہر وقت تکمیل اور اصلاح کی فکر میں لگے رہو اس سے نہ ناز ہوگا نہ ہمت ٹوٹے گی بہر حال مطلب یہ ہے کہ زیادہ تواضع کرنے سے آدمی مایوس ہو جاتا ہے اور رحمت سے ناامیدی ہو جاتی ہے ہم نے ایسے مسلمان دیکھے ہیں جو گناہ میں مبتلا ہوئے پھر اُنکے دل میں کھٹکا پیدا ہوا لیکن بتلانے والوں نے اُنکو اُمید نہیں دلائی بلکہ ڈرا ڈرا کر مایوس کر دیا اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ اور زیادہ گناہ میں مبتلا ہو گئے۔ میرٹھ میں ایک مسلمان سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے اُن کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی عیب دنیا کا نہیں تھا جو اُن میں نہ ہو بہت ہی بڑا ظالم اور بے رحم آدمی تھا جب اُن سے یہ کہا جاتا کہ یہ کیا حالت ہے تو کہتے کہ میں دوزخی تو ہو ہی چکا پھر کیوں کسر رکھوں ایسی بہت نظیریں ہیں یہ خرابی ہے مایوسی کی جس سے بعض دفعہ ایمان کے جاتے رہنے کا ڈر ہو جاتا ہے اور ایمان نہ بھی جاوے تو آدمی پریشان تو ضرور رہے گا اور بھی کچھ نہیں عمل میں تو کمی کرے ہی گا کمی بھی نہ کرے تو ناشکری تو ضرور کریگا چنانچہ بعض دفعہ ایسے لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمیں کیا دیا حق تعالیٰ نے نہ نماز کی توفیق دی نہ روزہ کی اس ناشکری اور گستاخی کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ

ان کی طبیعت میں مایوسی جاگزیں ہوگئی ہے اسی لئے وہ کچھ بھی ہمت سے کام نہیں لیتے اور اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب تک بندہ میں طلب و ہمت نہ ہو اُس وقت تک توفیق نہیں دیتے پس خدا کی شکایت کرنا کہ ہم کو نماز روزہ کی توفیق نہیں دی دراصل اپنی شکایت کرنا ہے ایک عذر تو مایوسی کا یہ ہے دُوسرا عذر یہ ہے کہ جو لوگ نماز روزہ کرتے بھی ہیں وہ نہایت بددلی کے ساتھ کرتے ہیں کیونکہ یہ خیال جم گیا ہے کہ ہماری نماز کیا ہے روزہ کیا ہے یہ سب بیکار باتیں ہیں اس لئے وہ صرف ایک رسم سی ادا کرلیتے ہیں۔ عورتوں پر یہ اثر زیادہ دیکھا جاتا ہے زیادہ عورتیں آپ کو اسی خیال کی ملیں گی جو یہ سمجھے بیٹھی ہیں کہ ہمیں دین حاصل ہو ہی نہیں سکتا نہ ہماری نماز کچھ ہے نہ روزہ کچھ ہے اور اگر آپ تجسس کریں گے تو اس کو حضرات واعظین ہی کی برکت کا نتیجہ پائیں گے کیونکہ یہ لوگ جب مستورات کے مجمع میں بیان کرتے ہیں تو صرف یہی حدیث پڑھتے ہیں کہ عورتیں زیادہ دوزخ میں جائیں گی۔ مستورات کو اول تو بیان سُننے کے مواقع ہی کم ملتے ہیں اور جب ملتے ہیں تو یہی بات کان میں پڑتی ہے کہ تم دوزخی ہو دوزخ میں تم زیادہ ہو گی اس سے اُن کے دل میں یہ خیال مستحکم ہوجاتا ہے کہ ہمارے اعمال بیکار ہیں اور چونکہ عورتوں میں بوجہ ضعف تاثر کا مادہ بہت ہوتا ہے اس لئے وہ واعظوں کی ہر قسم کی باتوں سے بہت جلد متاثر ہوجاتی ہیں۔

### فضول خرچی

اسی تاثر کی ایک اور فرع یاد آگئی وہ یہ کہ بعض چندہ وصول کرنے والے قصداً عورتوں کے مجمع میں بیان کرتے ہیں، تاکہ چندہ زیادہ وصول ہو چنانچہ اُن پر واقعی بڑا اثر ہوتا ہے اور چندہ خوب ہوجاتا ہے۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ چندہ دینے میں عورتوں کے دل کو کیا لگتی ہے کچھ بھی نہیں کیونکہ خاوند کا مال ہے اور مالِ مفت دلِ بے رحم۔ دُوسرے یہ کہ ان بیچاریوں میں عقل بھی کم ہوتی ہے موقع و محل کو نہیں سمجھتیں جوش

میں جو کچھ ہاتھ میں آیا دے ڈالا اور ایک تیسری وجہ یہ ہے کہ اُن کے دل نرم ہوتے ہیں ذرا کوئی قصہ رقت آمیز سُنا دیا اور یہ پانی پانی ہو گئیں۔ ایک چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ عورتیں سونے چاندی سے خالی نہیں ہوتیں سب کے پاس کچھ نہ کچھ زیور ضرور ہوتا ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ دے ہی دیتی ہیں اور مرد تو جیب میں روپیہ پیسہ لانا کبھی بھول بھی جاتے ہیں۔ اور ایسے حضرات واعظین کو حدیث بھی ایک ہی یاد ہے

یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِیِّکُنَّ الخ

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے عورتو! خیرات کرو اگرچہ اپنے زیور ہی میں سے ہو کیونکہ مجھ کو دکھلایا گیا ہے کہ زیادہ تر اہل دوزخ عورتیں ہیں۔ یہ حدیث اپنے موقع پر صحیح ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ عورتوں میں بوجہ کثرۃ جہل کے کوتاہیاں بہت ہیں اس لئے وہ دوزخ میں زیادہ جائیں گی مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ عورتیں اپنی نجات سے مایوس ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کوتاہیوں کا علاج کرنا چاہیئے وہ یہ کہ اُن کوتاہیوں کو دُور کیا جائے اور اعمالِ صالحہ زیادہ کئے جاویں اُن ہی اعمال صالحہ میں سے ایک خیرات بھی ہے یہ مطلب نہیں کہ بس خیرات ہی علاج ہے تمام کوتاہیوں کا (مثلاً نماز نہ پڑھے اور خیرات کر دے یا حج نہ کرے اور خیرات کر دے یا روزہ باوجود قدرت کے نہ رکھے اور خیرات کر دے وغیرہ وغیرہ۔ یہ کسی کے نزدیک بھی درست نہیں کاتب ۱۲) ان پیشہ ور واعظوں نے حدیث بھی اختیار کی تو وہ جس میں اُن کا فائدہ ہو یعنی چندہ ملے۔

**مسئلہ ملکیت** حدیثِ مذکور میں یہ بات بھی تو قابلِ غور ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے من حلیکن فرمایا ہے۔ من حلی الزوج نہیں فرمایا جس کا مطلب ہوا کہ خیرات کرنے کی ترغیب اپنے مملوک زیور

میں ہے نہ کہ خاوند کے مملوک[۱] میں عرب کی عادت تھی کہ اثاث البیت میں سے ہر چیز شوہر اور بیوی کے درمیان بٹی ہوئی ہوتی تھی عورت کی الگ مرد کی الگ جیسے آجکل یورپ میں ہے کہ صاحب کی چیزیں الگ ہوتی ہیں میم صاحب کی الگ۔ تو من حلیکن کے معنی یہی ہوں گے کہ اس زیور میں سے خیرات کرو جو تمہاری ملک ہو نہ اُس زیور میں جو تم پہنے ہوئے ہو اور خاوند کی ملک ہو آجکل ہم لوگوں کی معاشرت اس قدر گندی ہو گئی ہے کہ کسی کے حق کی بھی پرواہ نہیں رہی اور جہالت کی یہ حد ہے کہ ہم کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ صفائی معاملات اور تمایز حقوق کا طریقہ ہمارے یہاں کا تھا جو اب یورپ میں ہے۔ معاملہ کی صفائی اسی کو مقتضی ہے کہ میاں بیوی کے املاک ممتاز ہوں۔ ہندوستان میں بھی یہی رواج ہو جاوے تو اچھا ہے مگر ہمارے یہاں تو حالت یہ ہے کہ گھروں میں یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ چیز کس کی ہے اور وہ چیز کس کی۔ اسکی چیز پر وہ قابض ہے اور اسکی چیز پر یہ ——— عورت کے پاس زیور ہوتا ہے تو اُس میں امتیاز نہیں کہ کون سا باپ کے گھر کا ہے اور کونسا خاوند کے گھر کا پھر وہ عورت کی ملک کر دیا گیا ہے یا عاریت ہے اگر کوئی مرد اپنے گھر میں اسکی تنقیح کرنا چاہے کہ میری ملک کونسی اور دوسرے کی کونسی تو اس پر بڑی انگشت نمائی ہوتی ہے اور سارے کنبہ میں بدنام کیا جاتا ہے کہ لو صاحب اپنی ذرا ذرا سی چیز فلاں شخص الگ کرتا

---

[۱] حدیث میں بروایت عمرو بن العاصؓ آیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورت کو جائز نہیں ہے کہ کچھ دنیا بلا اجازت خاوند کے اور بروایت ابوامامہ آیا ہے کہ نہ خرچ کرے عورت خاوند کے گھر میں سے کچھ بلا اذن خاوند کے عرض کیا گیا کہ کھانا بھی کسی کو نہ دے۔ فرمایا کھانا تو سب بہتر مال ہے ۱۲ کاتب از جمع الفوائد باب فضل الصدقہ۔

ہے۔ اور اس قدر کنجوس ہے اس قدر بخیل ہے کہ اپنی چیز کو کسی کا ہاتھ لگنا گوارا نہیں کرتا۔ مطلب یہ کہ سخی وہ ہے جو بالکل بد انتظام مختل اور مہمل ہو جس کو نہ اپنی جگہ کی خبر ہو نہ دوسرے کی پھر اس سخاوت کا لطف جب آتا ہے جب ان میں سے کوئی کھسک جاوے اور ترکہ تقسیم کیا جاوے۔ اس وقت ایک کہتا ہے یہ چیز مرنے والے نے مجھ کو دے دی تھی۔ ایک کہتا ہے یہ چیز میت کی نہیں تھی میری تھی۔ ایک عورت کہتی ہے یہ سامان میرے باپ کے گھر کا ہے۔ دوسری کہتی ہے میرے باپ کے گھر کا ہے اب کوئی سبیل نہیں کہ اس جھگڑے کو کس طرح طے کیا جائے پھر وہ جوتی پیزار ہوتی ہے کہ دیکھنے والے ہنستے ہیں اور جو کوئی خاندان بڑا مہذب ہوا تو وہاں یہ جوتی پیزار تو نہیں ہوتی کیونکہ یہ باتیں تہذیب اور شرافت کے خلاف ہیں مگر دلوں میں رنجشیں اور عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں شکایتوں کی نوبت آتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر جیل خانہ بن جاتا ہے۔

## دین و معاشرت

یہ تو اس معاشرت میں دنیا کی خرابی ہے اور دین کی خرابی یہ ہے کہ دوسرے کی ملک میں بلا اجازت تصرف کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے اور وہ چیز ضائع ہو جاوے تو ضامن ہوتا ہے قیامت کا معاملہ بہت نازک ہے تین پیسے جس کے ذمہ رہ جاویں گے اس کی سات سو مقبول نمازیں چھین کر صاحب حق کو دلوا دی جاویں گی یہ کس قدر خوف کی بات ہے ساری عمر نماز پڑھی اور قیامت میں سب چھین لی گئی۔ یہ نتیجہ ہے گول مول باتوں کا دنیا بھی برباد کیونکہ رنجشیں پیدا ہوتی ہیں جس سے سارے گھر کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور آخرت بھی برباد کر کی کرائی عبادت اپنے پاس نہ رہی۔ ہمارے یہاں ایک شخص آئے کہ میری بی بی مرگئی ہے اس کا ترکہ موافق قواعد شریعت کے تقسیم کر دو میں نے کہا کہ بی بی

کی مملوک چیزوں کی فہرست بنا کر میرے پاس لاؤ اس سوال کے جواب میں اُن کو اس قدر مصیبت ہوئی کہ پریشان ہوگئے کیونکہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کون چیز اُن کی مِلک تھی اور کون چیز بیوی کی۔ میں نے کہا اس مصیبت کے ساتھ یہ جُز مانا لگا ہے کہ جس چیز میں شبہ رہے وہ سب بی بی کی مِلک سمجھی جائے سب وارثوں کو جمع کر دسب اپنی اپنی چیزیں الگ کرلیں جس میں شک ہو وہ سب میّت کی مِلک سمجھو اُس میں میراث جاری ہوگی چنانچہ یہی کیا اور بڑی مشکل سے ترکہ تقسیم ہوسکا یہ بھی اُسی شخص کی دینداری تھی کہ مصیبت اُٹھائی اور کام کرکے چھوڑا غرض جیتے جی تو سب کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ سب سامان گڈ مڈ رہے اور کسی چیز میں کسی کا نام لگانا ناگوار معلوم ہوتا ہے مگر ایک کے مرنے کے بعد بڑی مصیبت پیش آتی ہے اس خرابی کی وجہ یہ ہے کہ ہماری معاشرت گندی ہے اور بات گول مول رہتی ہے ہم کو ابتدا ہی میں لازم ہے کہ جب کوئی زیور یا کوئی چارپائی بنے یا کوئی چیز خریدی جائے تو اُسی وقت زبان سے کہہ دیں کہ یہ سامان تمہارا ہے یا ہمارا ہے بس معاملہ صاف ہو جائے۔

**مسئلہ تصریح** یہ تو اثاث البیت کے متعلق ہوا گھر کا خرچ دینے میں بھی یہی گڑ بڑ ہے میاں جو کچھ کماتے ہیں بی بی کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں بی بی سمجھتی ہے کہ یہ سب مجھے دیدیا یعنی میری مِلک کر دیا اور جس طرح چاہتی ہیں کھاتی اُڑاتی ہیں اُسی میں سے خیرات کرتی ہیں اُسی میں سے اپنے میکہ والوں کو خوب دل کھول کر دیتی ہیں کیونکہ اطمینان ہے کہ میری مِلک ہے بعض وقت جب میاں دیکھتے ہیں کہ اس بے دردی کے ساتھ میری کمائی اُڑائی جارہی ہے اور بازپرس کرتے ہیں تو بی بی صاحبہ کہتی ہیں کہ یہ رقم تم نے مجھے دیدی تھی لہٰذا مجھے اختیار ہے جہاں چاہوں خرچ کروں میاں کہتے

ہیں میں تجھے کیوں دیتا میں نے تو بطورِ امانت دیا تھا غرض خوب تکرار ہوتی ہے یہ خرابی اُسی گول مول بات کی ہے۔ معاملہ صاف رکھو جو کچھ دو اُس کے متعلق تصریح کر دو کہ یہ کس مد میں دیا ہے میری رائے یہ ہے کہ بیوی کو جو کچھ گھر کے خرچ کے لئے بھی دو اُس کے متعلق بھی تصریح کر دو کہ یہ رقم امانت ہے گھر کے خرچ میں ہی صرف کر سکتی ہو لیکن بی بی کا یہ بھی حق ہے کہ اُس کو کچھ رقم ایسی بھی دو جس کو وہ اپنے جی آئی خرچ کر سکے جس کو جیب خرچ کہتے ہیں اُس کی تعداد اپنی اور بیوی کے حیثیت کے موافق ہو سکتی ہے مثلاً روپیہ دو روپیہ دس بیس پچاس روپیہ جیسی گنجائش ہو یہ رقم خرچ سے علیحدہ دو لیکن صاف کہہ دو کہ وہ رقم تو صرف گھر کے خرچ کی ہے اور یہ رقم تمہارا جیب خرچ ہے یہ تمہاری ملک ہے اُس کو جہاں چاہو خرچ کرو جب تم جیب خرچ الگ دو گے تو تمہارا یہ کہنے کو منہ ہوگا کہ یہ رقم جو گھر کے خرچ کے لئے دی ہے امانت ہے کیونکہ آدمی کے پیچھے بہت سے خرچ ایسے بھی لگے ہوئے ہیں جو اپنی ذات خاص کے ساتھ ہیں ۔ اگر بیوی کو کوئی رقم ذاتِ خاص کے خرچ کے لئے نہ دی گئی کہ جس کو جیب خرچ کہتے ہیں تو وہ امانت میں خیانت کرنے پر مجبور ہوگی اس صورت میں اُس پر تشدد کرنا ایک گونہ ظلم اور بے حمیتی ہے یہ طریقہ ہے صحیح معاشرت کا اس میں جانبین کا دین محفوظ رہ سکتا ہے مگر ہم لوگوں کے رسم و رواج کچھ ایسے خراب ہو گئے ہیں کہ اگر اب ایسا کیا جاوے کہ گھر کی چیزوں کو الگ الگ بیاں بیوی کے نامزد کیا جاوے تو ایک اچنبھے کی بات معلوم ہوگی اور سب ناک بھوں چڑھانے لگیں گے تمام کنبہ اور برادری میں چرچا ہونے لگے گا۔ چنانچہ ہمارے یہاں ایک بی بی نے ایک کٹورا ہدیۃً دیا تو میں نے پوچھا یہ تم نے کس کو دیا ہے مجھ کو یا گھر کے

لوگوں کو تو اب سوچنے لگیں کہ کیا جواب دوں کیونکہ وہ تو رسم ورواج کے موافق اِس واسطے لائی تھیں کہ گھر میں کام آوے گا اس سے کیا بحث کہ کس کی ملک ہوگا جب وہ پہلے سے نیت کرکے لائی ہی نہ تھیں تو میرے سوال کے جواب میں کیا کہتیں؟ آخر بہت سوچنے کے بعد یوں کہا اجی میں نے تو دونوں کو دیا ہے میں نے کہا خیر یہی معلوم ہو گیا کہ یہ کٹورا مشترک ہے۔" اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے یہاں ایک چیز بھی گول مول نہیں مثلاً چارپائیاں گھر میں ہیں اُن میں ایک چارپائی میری ہے ایک دوست نے ایک اچھی سی چارپائی دی تھی اُس کو میں نے اپنے نام کر لیا ہے باقی چارپائیاں گھر کے لوگوں کی ہیں اِسی طرح ہر چیز بٹی ہوئی ہے یوں برتنے میں سب کے آتی ہیں مگر یہ تو معلوم ہے کہ یہ ملک کس کی ہے موت حیات سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اگر کوئی آدمی گھر میں سے کم ہو جائے تو صاف معاملہ کی صورت میں گڑبڑ تو نہ ہوگی کہ یہ چیز کس کی ہے اور یہ کس کی وہ کہے فلانے کی ہے وہ کہے فلانے کی۔ سارے گھروں میں یہ انتظام ہونا چاہیے اور اس سے جو لوگوں کو وحشت ہوتی ہے اور بُرا مانتے ہیں اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہ رسم عام نہیں ہے اگر ایک دو آدمی ایسا کرتے ہیں تو نئی سی بات معلوم ہوتی ہے اگر یہی رسم عام ہو جاوے تو نہ کوئی بُرا مانے گا نہ اس سے وحشت ہوگی اور اسکے فوائد دیکھ کر سب قائل ہو جاویں گے اور تحسین کرنے لگیں گے زیور میں بھی یہی چاہیئے کہ جب بنوایا جاوے تو تصریح کر دی جاوے صاف کہہ دیا جاوے کہ بیوی تمہاری ملک ہے اور اگر ابھی ملک کرنا نہیں ہے تو صاف کہہ دیا جاوے کہ ملک میری ہے۔ اور تمہارے واسطے عاریت ہے صرف پہننے کی اجازت ہے اب جو ایسا نہیں کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زیور کے متعلق جو حقوق شرعی ہیں انہیں بھی کوتاہی ہوتی ہے مثلاً زکوٰۃ کہ میاں بے فکر ہیں کہ میرے کام میں بھتوڑا

ہی کر رہا ہے میرے اوپر زکوٰۃ کیوں ہو اور بیوی بے فکر ہیں کہ میری ملک تھوڑا ہی ہے نتیجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کوئی بھی نہیں دیتا ، جب خاوند کھسک گئے تو اب بیوی صاحب کہتی ہیں کہ یہ میری ملک ہے انھوں نے مجھے دیدیا تھا عجیب بات ہے کہ یہ زیور تمام عمر تو پہننے کے لئے تھا اس لئے زکوٰۃ شوہر کے ذمہ واجب کی جاتی تھی اور بعد مرنے کے مالک بننے کے لئے بیوی صاحب موجود ہیں غرض خرچ کے لئے تو خاوند مالک اور آمدنی کے لئے بیوی یہ خرابی کاہے سے پیدا ہوئی . صرف اس وجہ سے کہ ملک علیحدہ نہیں کی گئی اور اگر بنوانے کے بعد ہی تصریح کر دی جاتی کہ یہ کس کی ملک ہے تو یہ کوتاہی نہ ہوتی اور زکوٰۃ دینے کے وقت یہ حیلہ بھی ذہن میں نہ آتا کہ ہر چیز میری تھوڑا ہی ہے بس معاملہ صاف ہونا چاہیے . اگر زیور بیوی کی ملک کر دیا گیا ہے تو زکوٰۃ اسی کے ذمہ ہوگی اور اگر عاریۃً دیا گیا ہے تو زکوٰۃ خاوند کے ذمہ ہوگی یہ اور بات ہے کہ بیوی کی طرف سے بھی اس کی اجازت سے خاوند ادا کر دے زکوٰۃ اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے ( کاتب )

## مسئلہ حق العبد

ایک خرابی اور لیجئے کہ زیور ہزاروں روپے کا بی بی صاحب کو دیتے جاتے ہیں مگر یہ تصریح نہیں کرتے ہیں یہ زیور مہر میں محسوب ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی کو سب کچھ دیدیا مگر مہر کا ایک پیسہ کبھی ادا نہیں ہوا ، لاکھ روپے خرچ ہو گئے مگر قرض دار کے قرض دار ہی رہے جو حق العبد ہے اور حق العبد کا جو نتیجہ ہے وہ آپ سن چکے ہیں کہ تین پیسے کے بدلے سات سو مقبول نمازیں چھین لی جائیں گی . پھر یہ کیا عقلمندی ہوئی کہ خرچ تو دین مہر سے زیادہ ہو گیا مگر قرضہ بدستور ذمہ باقی رہا . ہاں جب دنیا میں مہر کا مطالبہ ہوتا ہے کہ بیوی مر گئیں اور وارثوں نے مہر کا دعویٰ کیا یا طلاق کا اتفاق ہوا اور بیوی نے مہر کا دعویٰ کیا تو اب شوہر صاحب کہتے ہیں کہ یہ سب زیور میں نے مہر میں تو دیا تھا کوئی اس سے پوچھے کہ خدا کے بندے خدا تو

نیّت اللہ کو جانتا ہے بندوں کو نیت کی کیا خبر؟ تونے کب کہا تھا کہ یہ زیور مہر میں ہے یوں تم کسی کو لاکھ روپے بخش دو۔ اگر اس کا ایک پیسہ آپ کے ذمہ قرض ہے تو وہ تمہارے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ قرض جب ادا ہوتا ہے جبکہ کہہ کر دو کہ یہ قرض کی رقم ہے تو اگر زیور مہر میں دینا ہے تو دیتے وقت تصریح کر دینا چاہیے کہ یہ مہر میں ہے اور اس کا حساب لکھو یا ذہن میں رکھو۔ غرض گول مول بات کیوں رکھتے ہو یہ حقوق کا معاملہ ہے ایک پیسہ بھی رہ جائے گا تو قرض ہی رہے گا غرض جو کام ہو باضابطہ ہو گول مول نہ ہو۔

## فضائل نسواں

بیان یہ ہو رہا تھا کہ عرب میں یہی دستور تھا کہ میاں کے املاک علیحدہ بیوی کے املاک علیحدہ ہوتے تھے تو جب حدیث میں لفظ من حلیکن ہے تو اس کے معنے یہی ہونگے کہ اس زیور میں سے خیرات کر دو جو تمہاری ملک ہے نہ کہ اس میں سے جو خاوند کی ملک ہے مگر بعض واعظ اس کا کچھ خیال نہیں کرتے وہ عورتوں کو ڈرانا ہی جانتے ہیں کہ تم دوزخی ہو خیرات کرو اور جو کچھ ہے سب دے ڈالو خواہ کسی کا ہو تمہاری ملک ہو یا خاوند کی ایسی گڑبڑ جیسی ہندوستان میں ہے کہیں بھی نہیں ہے عرب میں مہر کے متعلق ابتک یہ رسم ہے کہ عورتیں مردوں کی چھاتی پر چڑھ کر مہر وصول کرتی ہیں اور ہندوستان میں اس کو بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کی عورتیں مہر کو زبان پر بھی نہیں لاتیں اور خاوند کے مرتے وقت اکثر بخش ہی دیتی ہیں میں کہا کرتا ہوں کہ ہندوستان کی عورتیں حوریں ہیں حسن و جمال میں نہیں بلکہ اخلاق میں یہاں کی عورتیں حور مقصورات فی الخیام کی مصداق ہیں ایک بڑی صفت عفت کی تو ان میں ایسی ہے کہ انکو دیکھتے ہوئے ان پر یہ آیت صادق آتی ہے فیھن قاصرات الطرف لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان۔ گھروں میں بیٹھنے والیاں تو

ہیں ہی یہاں کی باہر پھرنے والیاں بھی اکثر پاک صاف ہیں جب گھر سے نکلتی ہیں تو نگاہیں نیچی کئے ہوئے گھونگٹ نکالے ہوئے راستہ میں کسی کو سلام تک نہیں کرتیں سلام کرنا فی نفسہ ہنر سمجھا جاتا ہے اور ہے بھی مگر عورتیں غایت حیا سے آپس میں بھی سلام نہیں کرتیں انکو مردوں سے تو شرم ہے ہی غیر عورتوں سے اور بڑی عمر والی عورتوں سے بھی شرم آتی ہے غالباً اس شرم ہی کی وجہ سے زبانی سلام متروک ہوا گو ایسی شرم قابلِ ترک ہے جس سے سُنّت متروک ہو جاوے۔

عورتیں مردوں کو گو سلام نہ کریں مگر آپس میں تو سلام کر لیا کریں اور مردوں میں بھی جو محرم ہوں اُن کو سلام کر لیا کریں۔ تو مطلقاً سلام ترک کرنا خوبی کی بات نہیں مگر منشا اس کا وہی فرطِ حیا تھی اس حیا کی ایک فرع یہ ہے کہ اگر کوئی مرد اُن سے کوئی بات پُوچھے تو اکثر جواب نہیں دیتیں یا دیتی ہیں تو صرف اشارہ سے حتّٰی کہ باہر پھرنے والیوں کی عفّت کا بھی یہی حال ہے کہ اپنے مَرد کے سوا دوسری طرف کبھی تمام عمر بھی اُن کا خیال نہ گیا ہو گا۔

یوں سو پچاس میں کوئی ایک بدذات ہو جاوے تو قابلِ شمار نہیں اور اگر عورتوں کو کسی میں یہ عیب معلوم ہو جاوے تو اُس کو برادری سے خارج کر دیتی ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ مردفی صدی ایک نکلے گا جو نظر یا خیال سے محفوظ ہو اور عورتوں میں فیصدی شاید ایک نکلے جو ناپاک ہو۔ غرض عورتوں میں خصوص ہندوستان کی عورتوں میں عیب ہی عیب نہیں بہت سے فضائل بھی ہیں۔ مَردوں کی جاں نثار اس قدر ہیں کہ خاوند سے لڑیں گی روئیں گی جھینکیں گی مگر کب تک جب تک بے فکری اور فرصت ہو اور جہاں خاوند کا ذرا کان گرم ہوا اُسی وقت لڑائی جھگڑا سب بھول گئیں اب یہ حالت ہے کہ نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پہننے کا ہوش ہے رات رات بھر کھڑے گزر

گئی۔ کسی وقت پنکھا ہاتھ سے نہیں گرتا کوئی دیکھنے والا نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی ہیں جو ایک وقت میں لڑ رہی تھیں۔ بس اُسوقت اپنے آپ کو فنا کر دیتی ہیں۔ اسی طرح ہیں عورتوں میں ایثار اس قدر ہے کہ روزمرّہ کھانا اسوقت کھاتی ہیں جب مَردوں کو پہلے کھلا لیتی ہیں اور اچھے سے اچھا کھانا اوپر کا تار مردوں کے لئے نکالتی ہیں نیچے کا تلچھٹ اور بچا کھچا اپنے واسطے اگر کسی وقت کوئی مہمان بے وقت آگیا تو خاوند کی بات کو عزت کو ہرگز نیچا نہ کریں گی بلکہ جو کچھ گھر میں ہے "فوراً مہمان کو کھلا دیں گی۔ خود فاقہ کر دیں گی۔ یہ اخلاق ایسے پاکیزہ ہیں کہ ان سے بڑے بڑے درجے حاصل ہو سکتے ہیں اکثر مردوں کو یہ اخلاق حاصل ہی نہیں۔

## زبانِ نسواں

البتہ ہماری عورتوں میں ایک تھوڑی سی کسر ہے اگر وہ مٹ جائے تو یہ سچ مچ کی حوریں بن جائیں گی۔ وہ کسر کیا ہے؟ کہ ان کی زبان نہایت خراب ہے ان کی زبان وہ اثر رکھتی ہے جیسے بچھّو کا ڈنک کہ ایک ذرا سی حرکت میں آدمی بلبلا جاتا ہے ؎

اکبر نہ دب سکے کبھی برٹش کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیوی کی نوج سے"

ایک بزرگ نے اس کا خوب علاج کیا تھا۔ ان سے ایک عورت نے شکایت کی کہ خاوند سے روز لڑائی رہتی ہے کوئی تعویذ ایسا دیجئے کہ لڑائی نہ ہو، انہوں نے کہا کہ ایک بوتل میں پانی لے آؤ میں پڑھ دونگا۔ اس سے لڑائی نہ ہوگی۔ وہ بوتل میں پانی لائی انہوں نے اس پر کچھ جھوٹ موٹ پڑھ دیا اور فرمایا کہ جب خاوند گھر میں آیا کرے تو اس پانی کا ایک گھونٹ منہ میں لے کر بیٹھ جایا کر، پھر لڑائی نہ ہوگی۔ اس نے ایسا ہی کیا واقعی لڑائی ختم ہو

گی ۔ پانی کا دم کرنا تو برائے نام تھا ۔ اصل تدبیر یہ تھی کہ جب پانی منہ میں لے کر بیٹھ جائے گی تو زبان قینچی کی طرح نہ چلے گی اور لڑائی ہوتی تھی اُس کی بدزبانی سے اِس لیے اُن بزرگ نے اس کے بند کرنے کی یہ حکیمانہ تدبیر کی اب بھی عورتیں اگر کسی طرح زبان بند کرلیں تو واقعی کبھی لڑائی نہ ہو ۔ لوگ آجکل اس کے لئے تعویذ وغیرہ مانگتے پھرتے ہیں سب واہیات ہے ہاں یہ عمل اگر کوئی کرا دے جو ان بزرگ نے کیا تھا ۔ تو اسکو تو میں بھی کر دوں گا کہ بوتل میں پانی لا دے میں جھوٹ موٹ پڑھ دوں گا اور جب میاں بیوی کی لڑائی شروع ہو بیوی ایک گھونٹ پانی کا منہ میں لے کر بیٹھ جائے اور اُن بزرگ کی توجہ میں بھی کچھ اثر ہو گا ۔ یہاں چھو میں تو کچھ اثر ہے نہیں مگر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالےٰ لڑائی بند ہو جائے گی ۔ خدا جانتا ہے بے مثل علاج ہے یہ تو حکمت عملی تھی اصل بات یہی ہے کہ عورتوں کی بد زبانی جڑ ہے بگاڑ کی ۔ یہ عیب عورتوں میں سے نکل جاوے تو یہ سچ مچ کی حوریں بن جاویں اور عورتوں کے یہ فضائل جو میں نے بیان کئے ہندوستان میں بھی یہ زیادہ تر ہمارے نواح کے ساتھ خاص ہیں بڑے شہروں میں عورتوں میں یہ فضائل کم پائے جاتے ہیں ۔ بھوپال میں سُنا ہے کہ آئے دن عورتیں قاضی کے یہاں کھڑی رہتی ہیں ذرا اُن کے کسی آرام میں کمی ہوئی اور عدالت میں پہنچیں ، یہاں کی طرح نہیں کہ عورتیں عدالت کے نام سے بھی کانپتی ہیں ۔ چاہے مر جائیں مگر عدالت میں نہیں جا سکتیں یوں آپس میں عزیزوں میں ہزار باتیں ہزار شکایتیں کر لیں گی ۔ یہ تو ان کا مشغلہ ہی ہے مگر جب کچہری کا نام آوے گا تو کانوں پر ہاتھ رکھ لیں گی کہ خدا نہ کرے جو حاکم کے یہاں ہم جاویں یہ میں نہیں کہتا کہ ہمارے اطراف میں کوئی عورت بھی ایسی نہیں جو عدالت میں جاتی ہو ۔ ہزاروں میں ایک دو ایسی بھی نکلیں گی مگر

غالب حالت عورتوں کی اِس نواح میں یہی ہے کہ عدالت میں جانے سے گھبراتی ہیں۔ یہاں ایک بزرگ حافظ صاحب تھے اُن کے صاحبزادے بیوی کی رعایت بہت کرتے تھے اور واقعی بیوی کی یہ رعایت کرنا بھی چاہیئے خواہ وہ پھوہڑ ہو یا بدتمیز ہو کیونکہ اُس نے تمہارے واسطے اپنی ماں کو چھوڑا، باپ کو چھوڑا، سارے کنبہ کو چھوڑا اب اُس کی نظر صرف تمہارے ہی اُوپر ہے جو کچھ ہے اس کے لئے ایک شوہر کا دم ہے بس انسانیت کی بات یہی ہے کہ ایسے وفادار کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے اور جو کچھ اُن سے بے تمیزی یا بے ادبی ہو جائے اُس کو ناز سمجھا جائے کیونکہ اُن کو عقل کم ہے تمیز نہیں ہے اُن کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں اس لئے گفتگو کا پیرایہ ایسا ہو جاتا ہے جس سے مردوں کو تکلیف پہنچتی ہے مگر اس بدتمیزی کی حقیقت ناز ہے آخر وہ تمہارے سوا اور کس پر ناز کرنے جائیں۔ دنیا میں ایک تمہیں اُن کے خریدار ہو۔ مصرعہ "ناز براں کن کہ خریدار تست"۔ صاحبو! سوچنے کی بات ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے محکوم ہیں وہ ہماری کیا کیا رعایتیں کرتے ہیں وہ کون سی بدتمیزی ہے جو بندے خدا تعالیٰ کے ساتھ نہیں کرتے۔ مگر دیکھئے اُس کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کا معاملہ بندوں کے ساتھ کیسا ہے کہ رزق برابر دیتے ہیں کوئی عذاب نازل نہیں فرماتے اور وجہ یہی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب میرے محکوم ہیں میرے سوا ان کا کون ہو سکتا ہے اور جو کچھ بدتمیزیاں کرتے ہیں اپنی حماقت سے کرتے ہیں اس واسطے بندوں کی ہر طرح رعایت فرماتے ہیں۔ یہی معاملہ ہم کو اپنے محکومین کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ جن بزرگ کے صاحبزادہ کا ذکر کر رہا ہوں وہ اپنی بیوی کی بہت رعایت کرتے تھے، حالانکہ وہ فضول خرچ تھی لیکن یہ اُس کو نباہتے تھے اور انہوں نے اپنی اُس فضول خرچ بیوی کا نام بادلی رکھا تھا جب اُس کی کوئی بات کرتے

تو یوں کہا کرتے تھے کہ میری باولی ایسی ہے اور میری باولی ویسی ہے وہ اللہ والے تھے اُن کی نظر عیبوں پر نہ پڑتی تھی بلکہ ایک خُوبی پر پڑتی تھی جس کے سامنے سب عیوب مٹ جاتے تھے وہ ایک بہت بڑی صفت تھی خُدا کے فضل سے ہمارے یہاں کی شریف بیبیوں میں سب ہی میں وہ صفت موجود ہے جو بہت ہی زیادہ قابلِ قدر ہے اور جب کبھی کوئی اُس بی بی کی مذمت کرتا تو وہ اُسی خُوبی کا ذکر فرما کر جواب دیتے وہ یہ کہ اگر خاوند بے تمہی سے یا اور کسی وجہ سے لڑ بھڑ کر یا ناداری کی وجہ سے یا قید ہو کر گھر سے چلا جائے اور پچاس برس تک باہر رہے اپنی خبر تک بھی نہ دے کہ مر گیا ہوں، یا زندہ ہوں اور بیوی کی کوئی معاش بھی نہ ہو اس پر بھی وہ جس وقت آئے گا بیوی کو اُسی کونے میں بیٹھا دیکھ لے گا جس میں چھوڑ گیا تھا آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ نامراد مر رہی ہے سڑ رہی ہے مُردوں سے بد تر حالت ہے مگر یہ نہیں ہوا ہو گا کہ امانت میں خیانت کی ہو یا کسی اور پر نگاہ ڈالی ہو یہ صفت ایسی ہے کہ اس کے واسطے سب ناز گوارا کیے جا سکتے ہیں اس صفت کے سامنے کسی عیب پر بھی نظر نہیں پڑنا چاہیے۔

**حقیقت اہل اللہ** اللہ والوں نے جو اپنی بیبیوں کی بہت رعایتیں کی ہیں جنکو سُن کر تعجب ہوتا ہے اُن کا منشا ایسے ہی صفات تو ہیں وہ زن مُرید نہ تھے بلکہ قدر شناس تھے انہوں نے اچھی اچھی نیتوں سے تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ ایک بزرگ تھے جنکی بیوی اُن کو بہت ستاتی تھی یہاں تک کہ لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ بیوی ان کو بہت دق کرتی ہے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ایسی بیوی کو طلاق دیدینا چاہیے۔ فرمایا کہ طلاق تو میرے اختیار میں ہے مگر یہ تو سوچو کہ اگر اُس نے کسی اور سے نکاح نہ کیا تب

تو یہ تکلیف اُٹھائے گی اور اگر کسی اور سے نکاح کیا تو اس مسلمان کو تکلیف پہنچے گی اس سے اچھا یہ ہے کہ میں ہی تکلیف اُٹھا لوں اور مسلمانوں کا وقایہ بن جاؤں کہ جب تک میں موجود ہوں کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف کیوں پہنچے غرض عورتوں میں بد زبانی کا تو بڑا عیب ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ صفت بھی ہے کہ ان کم بدبخت ماریوں کے دل میں خاوند کی محبت بے حد ہوتی ہے جو موقع پر ظاہر ہوتی ہے چنانچہ لکھنؤ کا ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ کی بیوی بہت ہی بدزبان تھی انہوں نے اسکی اصلاح کی بہت تدبیریں کیں کچھ نفع نہ ہوا۔ ایک دن انہوں نے کہا کم بخت تو بہت ہی بدقسمت ہے کتنی کتنی دور سے میرے یہاں لوگ آتے ہیں اور اُن کو نفع ہوتا ہے تو میرے یہاں کتنی مدت سے ہے مگر تجھے کچھ نفع نہیں ہوتا بولی میں بدقسمت کیوں ہوتی میں تو بڑی خوش قسمت ہوں کہ ایسے بزرگ ولی اللہ کے پلے سے بندھی ہوں میری برابر کوئی ہو تو لے بدقسمت تم ہو کہ تمہیں مجھ جیسی بری عورت ملی اللہ کی بندی یہاں بھی زبان درازی سے نہ چوکی خاوند کو بدقسمت بنا کر چھوڑا مگر اس بدتمیزی میں بھی اعتقاد ٹپکتا ہے کہ اُن کو بزرگ اور ولی اللہ کہتی جاتی ہے اس کا منشا وہی محبت ہے میں تجربہ سے بقسم کہتا ہوں کہ یہاں کی عورتیں کے رگ رگ میں خاوند کی محبت گھسی ہوتی ہے مگر ان میں تھوڑا سا پھوہڑ پنا ہے کہ زبان کو قابو میں نہیں رکھ سکتیں۔ اور اس میں قصور اللہ رحم کرے ماں باپ کا ہے کہ وہ لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام واہتمام بالکل نہیں کرتے

## تعلیم نسواں

اور تعلیم سے میری مراد ایم اے بی اے نہیں ہے۔ یہ ایم اے بن کر کیا کریں گی یہ تو میمیں ہیں اور بی اے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ بی تو خود ہیں اے پڑھانے کی کیا ضرورت ہے آجکل یہ بھی ایک رواج چلا ہے کہ عورتوں کو بھی ایم اے۔ بی اے بناتے ہیں۔ کیا

ان کو نوکری کرنا ہے جو اتنی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کی جائیں۔ انگریزی نے مردوں ہی کو کیا فلاح دی ہے جو عورتوں کو دے گی۔ آجکل نوجوانوں میں عورتوں کی تعلیم کے متعلق رواج بھی نکلا ہے چنانچہ ایک شخص کانپور میں اپنی بیوی کو جغرافیہ پڑھاتے تھے میں نے ایک وعظ میں کہا عورتوں کو جغرافیہ کی کیا ضرورت ہے کہنے لگے اور اگر یہ ضرورت بتلائی جاوے کہ ان میں روشن دماغی پیدا ہوگی۔ میں جواب میں عرض کرتا ہوں کہ جی ہاں بجا ہے اور یہی مصلحت ہے کہ اگر بھاگنے کا ارادہ کریں تو کوئی دقت بھی نہ ہو کیونکہ جغرافیہ سے ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ ادھر جنکشن غازی آباد میں ہے اُدھر لکھنؤ میں ہے۔ اس طرح جہاں چاہیں پہنچ سکتی ہیں۔ اُس شخص پر اس بات کا اس قدر اثر ہوا کہ وعظ کے بعد ملے اور اُسی وقت توبہ کی کہ اب لڑکیوں کو جُغرافیہ نہیں پڑھاؤں گا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کو مذہبی تعلیم دیجئے، فقہ پڑھایئے تصوف پڑھایئے، قرآن کا ترجمہ تفسیر پڑھایئے جس سے اُن کی ظاہری و باطنی اصلاح ہو یہ کیا واہیات ہے کہ جغرافیہ پڑھا رہے ہیں، اصل میں جغرافیہ کی ضرورت بادشاہوں کو ہے کہ اُن کو کہیں چڑھائی کرنا ہو تو سہولت ہو یا تاجروں کو مال منگانے بھیجنے میں آسانی ہو عام لوگوں کو اس سے کیا فائدہ؟ خصوصاً عورتوں کو اور اگر جغرافیہ محض اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ علم شئی بہتر از جہل شئی تو میں کہوں گا کہ دنیا میں سینکڑوں علوم و فنون ہیں آخر کس کس کو حاصل کیا جاوے گا سب کا حاصل کرنا تو محال ہے لامحالہ ترجیح پر عمل کیا جاوے گا اور کسی علم کو دوسرے پر ترجیح محض ضرورت کی وجہ سے ہو سکتی ہے یعنی جو فن جس کے لئے کارآمد اور ضروری ہو اس کو حاصل کرنا چاہیے کیونکہ غیر ضروری کے پیچھے پڑنے سے آدمی ضروری سے رہ جاتا ہے اور

اُس کا حماقت ہونا ظاہر ہے مگر آجکل یہ خبط عام ہو رہا ہے کہ ضروری اور غیر ضروری سے بحث نہیں کرتے بس جو فن سامنے آگیا اُسی کے پیچھے پڑ گئے۔ غرض سلاطین کو چاہیئے کہ وہ جغرافیہ پڑھیں اصل ضرورت تو اُن کو ہے مگر خیر ہندوستان میں مرد بھی اس واسطے پڑھ سکتے ہیں کہ نوکری کی مصیبت اُن کے سر ہے جو بدون ڈگری حاصل کئے نہیں مل سکتی اور ڈگری بدون جغرافیہ کے نہ ملے گی۔ مگر عورتیں کیا نوکری کرنے جائیں گی۔ اُن کو جغرافیہ کی کیا ضرورت ہے ان کو صرف مذہبی تعلیم دینا چاہیئے تاکہ اخلاق درست ہوں اور تہذیب و آداب اور سلیقہ پیدا ہو۔ مگر اس وقت عورتوں میں یہ تعلیم بھی نہیں اسی وجہ سے ساری خرابیاں ہیں اور اگر کسی کو تعلیم نسواں پر توجہ ہوئی بھی تو اُس نے تعلیم سے مراد انگریزی تعلیم لے لی ہے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

یہ تعلیم تو جہل سے بھی بدتر ہے جہل میں اتنی خرابیاں نہیں جتنی اس تعلیم میں ہیں۔ حضرت ہم نے پرانی تعلیم یافتہ عورتیں بھی دیکھی ہیں کہ سبحان اللہ نہایت مہذب بڑی باحیا بہت ہی شائستہ اور سلیقہ شعار ہوتی تھیں۔ اور نئی تعلیم یافتہ عورتوں کو بھی دیکھا ہے یعنی اُن کے مضامین اخبارات و رسائل میں نظر سے گزرے ہیں خدا کی پناہ یہ اس قدر بے شرم اور آزاد اور بدسلیقہ و بیباک ہوتی ہیں کہ مضمون دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کسی پردہ نشین حیادار عورت کا لکھا ہوا ہے۔ یاد رکھو! ہر علم مفید نہیں بلکہ بعضے علوم مُضر بھی ہوتے ہیں خواہ اُن علوم ہی کی خاصیت ایسی ہو یا سیکھنے والے کے لحاظ سے مُضر ہوں اسی کی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎

بدگہر را علم و فن آموختن
دادن تیغ است دست راہزن

دیکھئے تلوار مفید اور ضروری چیز ہے مگر نہ ہر شخص کے لئے بلکہ صرف اس شخص کے لئے جس میں قوت ہو اور اس کا چلانا جانتا ہو ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے ہی ہاتھ پیر کاٹ لے گا۔ اگر کوئی یہ سمجھ کر کہ تلوار مفید چیز ہے ذرا سے بچے کے سامنے رکھ دے تو عجب نہیں کہ اس کا گلا ہی کٹ جائے۔ اسی طرح یہ قاعدہ کلیہ صحیح نہیں کہ ہر علم مفید ہے۔ نہ ہر علم مفید ہے اور نہ ہر شخص میں ہر علم کے حاصل کرنے کا حوصلہ ہے جامعیت علوم مردوں کا حوصلہ ہے عورتوں کو انکی ریس کرنا حوصلہ سے باہر بات کرنا ہے اس جامعیت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو صفات عورتوں میں ہونی چاہئیں وہ بھی باقی نہیں رہیں گی چنانچہ رات دن اس کا تجربہ ہوتا جاتا ہے مجھ سے ریل میں ایک جنٹ صاحب نے اپنے تجربہ کی بنا پر کہا تھا کہ میں نے یہ تجویز پاس کی ہے کہ عورتوں کو جامع معقولات و منقولات نہیں بنانا چاہیئے معقولات تو صرف مردوں ہی کو پڑھانا چاہیئے۔ عورتوں کو صرف منقولات پڑھانا چاہیئے دیکھئے تعلیم جدید کی خرابیاں اب ان لوگوں کو بھی محسوس ہو چلی ہیں، جو اس کے حامی بلکہ موجد تھے وہ جنٹ صاحب کہتے تھے کہ تاریخ اور جغرافیہ عورتوں کو کچھ نفع نہیں۔ آجکل کے نوجوانوں پر علماء کا قول تو حجت نہیں، مگر ایسے لوگوں کا قول ضرور حجت ہے جو ان ہی کے ہم خیال تھے اور تجربہ کے بعد دوسری رائے قائم کرنے پر مجبور ہوئے اور درحقیقت بات یہی ہے کہ مرد تو تمام علوم کے جامع ہو سکتے ہیں عورتیں نہیں ہو سکتیں جامعیت کے لئے بڑے حوصلہ کی ضرورت ہے جو عورتوں میں نہیں ہے مگر آجکل سب کے عقل کا ہیضہ ہو رہا ہے آزادی کا زمانہ ہے ہر ایک خود مختار ہے چنانچہ

عورتیں بھی کسی بات میں مردوں سے پیچھے رہنا نہیں چاہتیں ہر علم و فن کی تکمیل کرنا چاہتی ہیں تصنیفیں کرتی ہیں اخبارات میں مضامین بھیجتی ہیں چنانچہ ان ہی دنوں ایک کتاب میرے پاس بھی رائے لینے کے لئے آئی تھی۔ اس میں اس قسم کے مضامین تھے کہ اوّل تو مسلمانوں کی شکایت تھی کہ یہ کسی قسم کی ترقی نہیں کرتے نہ دین کی نہ دُنیا کی (دین کا نام تو برائے نام لیا جاتا ہے مقصود یہ ہے کہ دنیا کی ترقی نہیں کرتے)۔ قوم کی قوم پستی میں جا پڑی ہے۔ مسلم جماعت دوسری قوموں کی نظر میں سخت حقیر ہو رہی ہے اور حقیر بن کر رہنا اسلامی حمیت کے خلاف ہے اِس کے بعد اس کتاب میں لکھا ہے کہ آجکل کے مسلمان ہاتھ پیر تو بالکل نہیں ہلاتے نہ لکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں نہ کماتے ہیں جب ان سے کسی کام کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ بلا تقدیر کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور جب پریشان ہوتے ہیں تو وظیفے پڑھتے ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں، پھر اس دُعا کے مضمون کے بعد لکھا ہے کہ اللہ میاں کہتے ہیں کہ بھائی مجھے اور بھی کچھ کام ہے یا تمہاری ہی سنتا رہوں تم تو ہر وقت دعا ہی مانگتے رہتے ہو میں نے جو تم کو ہاتھ پاؤں دیدیئے ہیں اُن کو ہلاؤ آپ ہی سے اپنا کام نکالو مجھے کیوں ستائے جاتے ہو نعوذ باللہ! گویا یہ بی بی اللہ میاں کے یہاں کی پیشکار ہیں کہ اللہ میاں نے ان سے ہی یہ خاص خاص باتیں کہہ دی ہیں پھر ان کے ذریعے سے دوسروں کو پہنچائی جاتی ہیں، کیا کوئی مسلمان ایسی کتاب میں موافقت رائے کر سکتا ہے اور آجکل یہ بھی پیسے کمانے کی ایک آسان ترکیب ہے کہ علماء کے پاس ایسی کتابیں بھیجی جاتی ہیں۔ اور ظاہر میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ان میں کوئی نقص ہو تو اسکی اصلاح کر دی جائے اصلاح تو جیسی مقصود ہوتی ہے معلوم ہے اصلی غرض یہ ہے کہ ان پر تقریظ لکھ دی جائے تاکہ زیادہ اشاعت ہو سکے، چنانچہ بعض با اخلاق علماء

تقریظ لکھ بھی دیتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سخت غلطی ہے کیونکہ اس سے انکو اسی سے اس بیہودہ تعلیم کی اور تائید مل جاتی ہے مجھ سے کوئی پوچھے تو ان کتابوں کی اصلاح یہ ہے کہ سب کو جمع کر کے ایک دم جلا دیا جائے کیونکہ ہر چیز میں اعتبار غالب کا ہوا کرتا ہے اور ایسی کتابوں میں غالب شر ہی ہے اور شر کا علاج یہی ہے کہ سب کو جلا دو۔

## خواتین و اخبار

ایک اور آفت نازل ہوئی ہے کہ تعلیم یافتہ عورتیں اخباروں میں مضامین دیتی ہیں اور ان میں اپنا نام اور میاں کا نام اور پورا پتہ حتٰی کہ محلہ کا نام اور گلی اور مکان نمبر بھی ہوتا ہے یہ شاید اس واسطے کہ لوگوں کو اُن سے خط و کتابت میں میل ملاقات میں دقت نہ ہو نہ معلوم اُنکی غیرت کہاں اُڑ گئی۔ ان بیبیوں نے تو حیا کو بالکل ہی بالائے طاق رکھدیا اور خدا جانے ان کے مردوں کی غیرت کہاں گئی۔ اُنہوں نے اس کو کیونکر گوارا کیا یُوں کہیے کہ بس طبیعتیں ہی مسخ ہو گئی ہیں۔ میرے پاس ایک ماہواری پرچہ آیا تھا جس میں ایک بی بی کی اپنے پیر کی شان میں غزل تھی جس میں پیر کو اس طرح خطاب تھا جس طرح عاشق و معشوق میں ہوا کرتا ہے۔ تمنائے وصال کا اظہار خط و خال کی تعریف اس کو پڑھ پڑھ کر غیرت آتی تھی۔ میں نے لکھ دیا کہ آج سے یہ رسالہ میرے پاس ہرگز نہ آوے مجھے اس قدر جوش غیرت ہوتا تھا کہ پھاڑ کر پھینک دوں تعجب کی بات ہے کہ پڑھنے والے کو غیرت آوے اور جس کے گھر کا قصہ ہے اُس کو غیرت نہ آوے ایک اور لڑکی کی تصنیف کردہ کتاب میرے پاس آئی جس کو میں نے پڑھا تو وہ بہت نافع معلوم ہوئی۔ اُس میں کوئی نقصان کی بات نہ تھی مگر اخیر میں مصنف کا پُورا نام اور پتہ لکھا ہوا تھا کہ فلانی فلاں محلہ کی رہنے والی۔ میں حیران ہوا کہ اگر تصدیق کرتا ہوں تو پُورا پتہ لکھنے کے

واسطے بھی سند ہو جائے گی کیونکہ نام اور پتہ وغیرہ سب لکھا ہوا ہے اور تصدیق کرتا ہوں تو سوال ہو سکتا ہے کہ اس میں کونسی بات مضر تھی جو تصدیق نہ کی اسی تردّد میں تھا کہ ایک ترکیب سمجھ میں آگئی وہ یہ کہ میں نے مصنف کا نام کاٹ دیا اور بجائے اُس کے لکھ دیا راقمہ کی ایک بندی اور تقریظ میں لکھ دیا کہ یہ کتاب نہایت عمدہ ہے اور سب سے زیادہ خوبی اس میں یہ ہے کہ یہ ایک ایسی بی بی کی تصنیف کردہ ہے جو بڑی حیادار ہیں کہ اُنہوں نے اپنا نام بھی اس پر نہیں لکھا یہ ترکیب نہایت اچھی رہی اسواسطے کہ اگر وہ میری تصدیق اپنی کتاب پر چھاپیں گی تو اپنا نام نہیں لکھ سکتیں اور اگر اپنا نام لکھیں گی تو میری تصدیق نہیں چھاپ سکتیں۔ چلو میرا پیچھا چھوٹا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کو اپنی تصنیف پر اپنا نام لکھنے سے کیا مقصود ہوتا ہے؟ اگر ایک مُفید مضمون دوسری عورتوں کے کان تک پہنچانا ہے تو اُس کے لئے نام کی کیا ضرورت ہے مضمون تو بغیر نام کے بھی پہنچ سکتا ہے پھر نام کیوں لکھا جاتا ہے اس کی وجہ سوا اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ وہ دوسروں سے تعلقات پیدا کرنے ہیں۔ سو بیبیو! یاد رکھو کہ تم کو تو تعلق ایک ہی شخص سے رکھنا ہے یعنی شوہر سے تمہارا ساتھ تو تمام عمر کے لئے اُسی کے ساتھ ہے۔ اوّل تو مردوں کے واسطے بھی میں کہتا ہوں کہ کتاب پر نام لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مقصود خدمتِ خلق ہے خدمت نام سے نہیں ہوتی تو نام لکھنے میں سوائے شہرت اور نفس پرستی کے کیا ہے مگر خیر مردوں کے لئے چنداں حرج بھی نہیں بلکہ اس میں ایک یہ مصلحت بھی ہو سکتی ہے کہ مصنف کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے سے کتاب کا درجہ اور اُسکی روایات کا درجہ بھی متعیّن ہو جاتا ہے۔ مگر عورت کے لئے تو کسی طرح بھی نام لکھنا مناسب نہیں ہے عورت کو تو کوئی تعلق سوائے خاوند کے کسی سے بھی نہ رکھنا چاہیئے اس کا مذہب تو یہ ہونا چاہیئے ؎

دلا رامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

بلکہ قرآن مجید کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اجنبی مردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جس سے نفرت پائی جاوے نہ کہ محبت و الفت استغفر اللہ !! اس کو لوگوں نے تہذیب سمجھ لیا ہے۔

**عورت کی تہذیب** حالانکہ عورت کے لئے تہذیب یہی ہے کہ غیر آدمی سے رُوکھا برتاؤ کرے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا حق تعالیٰ تو یُوں فرماتے ہیں:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا

یعنی کسی سے نرم لہجہ سے بات نہ کرو دیکھئے اس آیت کے مخاطب وہ عورتیں ہیں جو مسلمانوں کی مائیں تھیں یعنی ازواج مطہرات اُنکی طرف کسی کی بُری نیّت جا ہی نہیں سکتی تھی مگر اُن کے لئے بھی یہ سخت انتظام کیا گیا تو دُوسری عورتیں توکس شمار میں ہیں۔ چنانچہ اس کے شروع میں ہی یہ لفظ موجود ہے لستن کاحد من النساء یعنی تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو بلکہ اوروں سے افضل ہو۔ پھر بھی فرماتے ہیں کہ مردوں کے ساتھ نرم لہجے سے بات مت کرو۔ جب بات کرنا ہو تو خشک لہجہ سے کرو جس سے مخاطب سمجھے کہ بڑی کھری اور بڑی اور تلخ مزاج ہیں تاکہ لاحول ہی پڑھ کر چلا جائے نہ یہ کہ نرمی سے گفتگو کرو کہ میں آپکی محبّت کا شکریہ ادا کرتی ہوں مجھے جناب کے الطاف کریمانہ کا خاص احساس ہے۔ جیسا کہ آجکل کے رسالوں میں عورتوں کے مضامین نکلتے ہیں۔ یہ مضامین زہر قاتل ہیں آفت ہیں طرح طرح کے مفاسد اس پر مرتب ہوتے ہیں بعض لوگ اسپر یہ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب بتلایئے کیا فساد ہو رہا ہے ہم کو تو نظر نہیں آتا میں کہتا

ہوں کہ اوّل تو فساد موجود ہے اور اگر تم کو نظر نہیں آتا تو ممکن ہے کہ بہت قریب آگے چل کر یہ لہجہ کچھ رنگ لادے گا اُسوقت سب کو معلوم ہوگا اور مجھ کو اسوقت معلوم ہو رہا ہے جیسے کہا گیا ہے ؎

من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

اہل نظر شروع ہی میں کھٹک جاتے ہیں کہ یہ چیز کسی وقت میں رنگ لائے گی اور اسکی دلیل بھی خود اس آیت ہی میں موجود ہے کہ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کے بعد ہی بطورِ نتیجہ کے فرماتے ہیں: فیطمع الذی فی قلبہ مرض کہ اگر خضوع فی القول یعنی نرم لہجہ سے بات کی گئی تو جس کے دل میں روگ ہے اُس کے دل میں لالچ پیدا ہوگا اور وہ لہجہ کی نرمی سے سمجھ لے گا کہ یہاں قابو چل سکتا ہے پھر وہ اسکی تدبیریں اختیار کریگا دیکھئے خود حق تعالیٰ لہجہ کی نرمی کا یہ اثر بتا رہے ہیں پھر کسی کی کیا مجال ہے کہ اس اثر کا انکار کرے میں اپنی طرف سے تو نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ الفاظِ قرآنی صاف بتاتے ہیں عورتوں کا مردوں سے نرم گفتگو کرنا یہ اثر رکھتا ہے کہ انکے دلوں میں طمع پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد یہ حکم بھی ہے وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب بات کرو بھی تو ایسی بات کرو جس کو شریعت میں اچھا مانا گیا ہو۔ ایک تو یہ کہ بے ضرورت الفاظ مت بڑھاؤ کیونکہ شریعت اس کو کسی کے لئے پسند نہیں کرتی۔ شریعت نے کم بولنے ہی کو پسند کیا ہے۔ دُوسرے یہ کہ ہر بات کو سوچ کر کہو کوئی بات گناہ کی منہ سے نہ نکل جاوے مختصر ترجمہ معروف کا معقول ہے تو یہ معنی ہوئے کہ معقول بات کہو، معقول بات وہی ہوتی ہے جس سے کوئی بُرا نتیجہ پیدا نہ ہو جب ثابت ہوچکا کہ لہجہ کی

نرمی سے بھی عورتوں کے لئے بُرا نتیجہ پیدا ہوتا ہے تو محبت پیار کی باتوں سے کیوں بُرا نتیجہ پیدا نہ ہوگا جس کو آجکل تہذیب میں داخل سمجھا گیا ہے تو اِس قسم کی باتیں عورتوں کے لئے معقول نہیں بلکہ نامعقول ہیں اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک بات ایک کے لئے معقول ہو اور دوسرے کے لئے نامعقول ایک کے لئے سختی سے بات کرنا اور بے رُخی سے جواب دینا معقول ہوسکتا ہے اور دوسرے کے لئے نامعقول تمہارے لئے یعنی مردوں کے واسطے باہمی کلام کا معقول طریقہ یہ ہے کہ نرمی سے بات کرو کسی کو سخت جواب دو، رُوکھا پن نہ برتو۔ اور عورتوں کے لئے معقول طریقہ یہ ہے کہ اجنبی کے ساتھ نرمی سے بات نہ کریں اور سختی سے جواب دیں اور رُوکھا برتاؤ کریں ؎

در حق او مدح در حق تو ذم
در حق او شہد در حق تو سم

مولانا فرماتے ہیں کہ ایک ہی بات کسی کے لئے داخلِ مدح ہوتی ہے اور دوسرے کے لئے داخلِ ذم ہوتی ہے جیسے اُس شبان کی گفتگو جو حق تعالیٰ کی شان میں کہہ رہا تھا کہ آپ کہاں ہیں، میں آپ کو دُودھ پلاؤں اور کپڑوں کی جوئیں دیکھوں وغیرہ وغیرہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ گفتگو سُن کر غصّہ آگیا اور اُس کو ڈانٹا مگر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ فرمایا کہ ہمارے ساتھ ہر شخص کا تعلق جُداگانہ ہے اِس حکایت کا حاصل یہی ہے کہ یہ باتیں تمہارے حق میں بُری ہیں مگر اُس کے حق میں بُری نہیں۔ اسی اعتبار سے اسوقت میں نے یہ شعر پڑھا ہے مطلب ہے کہ ایک ہی بات مردوں کے لئے بُری اور عورتوں کے لئے اچھی ہوسکتی ہے عورتوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب غیر مردوں سے بات کریں تو خوب روکھے اور سخت لہجہ میں اور ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ

کریں۔ اوّل تو عورتوں کو غیروں سے بولنا ہی نہیں چاہیئے، مگر بضرورت بولنا جائز ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سختی سے گفتگو ہو تاکہ دُوسرے کے دِل میں کشش اور میلان پیدا نہ ہو اور یہ طریقہ عورتوں کے لئے علاوہ شرعی حکم ہونے کے طبعی بھی ہے افسوس ہے کہ ایک فطری اچھی خصلت کو قصداً بگاڑا جا رہا ہے۔

دیہات میں دیکھئے کہ بھنگن وچماری سے بھی خطاب کیجئے تو وہ مُنہ پھیر کر اوّل تو اشارے سے جواب دے گی مثلاً راستہ پُوچھیئے تو انگلی اُٹھا کر بتا دے گی کہ اِدھر ہے اور اگر بولنا ہی پڑے تو بہت تھوڑے سے الفاظ میں مطلب کو ادا کر دے گی نہ اُس میں القاب ہوں گے نہ آداب نہ ضرورت سے زیادہ الفاظ نہ آواز نرم ہوگی بلکہ اس طرح بولے گی جیسے کوئی زبردستی بات کرتا ہے چونکہ دیہات والوں میں یہ اخلاق طبعی موجود ہوتے ہیں اور اُن سے انحراف کے اسباب وہاں نہیں پائے جاتے اس واسطے دیہاتیوں کے اخلاق وعادات اپنی جبلی حالت پر ہوتے ہیں۔

**حقیقتِ معیار** حیا عورت کے لئے طبعی امر ہے اور اُس کے آثار ان دیہاتی عورتوں میں جن پر زوالِ حیا کے اسباب نے اثر نہیں کیا ہے موجود ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ طبعی بات عورت کے لئے یہی ہے کہ غیر مَردوں سے میل جول نہ کرے اور کوئی ایسی بات قول میں یا فعل میں اختیار نہ کرے جس سے میل جول یا کشش پیدا ہو یہی شریعت کی تعلیم ہے تو شریعت فطرت کے بالکل موافق ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل طبعی اخلاق سے بعد ہو گیا ہے اور جو باتیں بُری سمجھی جاتی تھیں وہ اچھی سمجھی جانے لگیں حتیٰ کہ اس قسم کے مضامین اور ایسے خیالات اور ایسے جذبات جن سے خواہ مخواہ میلان ہو آجکل ہُنر سمجھے جانے لگے۔ اس سے بہت ہی پرہیز کرنا

چاہیئے اللہ محفوظ رکھے، یہ اثر اس نئی تعلیم کا ہے اس لئے یہ تعلیم تعلیم نہیں بلکہ تجہیل ہے اور عورتوں کے لئے تو نہایت ہی مضر ہے۔ عورتوں کے لئے تعلیم کا وقت بچپن کا وقت ہے مگر آجکل شہروں میں بچپن ہی سے لڑکیوں کو نئی تعلیم دی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس تعلیم کے آثار و نتائج اُن کی رگ و پے میں سرایت کر جاتے ہیں پھر دوسری کوئی تعلیم اُن پر اثر کرتی ہی نہیں لڑکیوں کی مثال بالکل کچی نرم لکڑی کی سی ہے اُس کو جس صورت پر قائم کر کے خشک کر دو گے تمام عمر ویسی ہی رہے گی۔ جب بچپن ہی سے نئی تعلیم دی گئی نئے اخلاق سکھائے گئے نئی وضع نئی قطع نیا طرزِ معاشرت اُن کی نظروں میں رہا تو وہ اُسی میں پختہ ہو گئیں۔ بڑی ہو کر اُنکی اصلاح کسی طرح نہیں ہو سکتی لہذا ضرورت ہے کہ بچیوں کو بجائے نئی تعلیم کے پرانی تعلیم دیجئے تاکہ وہی تعلیم اُنکی رگ و پے میں رچ جائے پھر آپ دیکھیں گے کہ بڑی ہو کر وہ کیسی باحیا، سلیقہ شعار دیندار سمجھدار ہوں گی۔ بعض جگہ ہم نے دیکھا ہے کہ لڑکیوں کو اشعار یاد کرائے جاتے ہیں وہ اُن کو گاتی ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو تصوف کے اشعار ہیں جن سے اخلاق کی درستی ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں تصوف بیشک ایسی ہی چیز ہے تصوّف ہر خوبی کی جان ہے مگر اشعار کا نام تصوّف نہیں ہے نظم کے ساتھ اُس کو کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ تصوّف نام ہے درستی ظاہر و باطن کا تو کیا ظاہر و باطن کی درستی نظم ہی سے ہو سکتی ہے، نثر سے نہیں ہو سکتی! بلکہ میں کہتا ہوں کہ درستی اخلاق نثر ہی سے ہو سکتی ہے نظم سے نہیں ہو سکتی کیونکہ اصلاحِ اخلاق مجاہدہ اور مشقّت سے ہوتی ہے جس میں ترکِ لذّات کرنا پڑتا ہے اور شعر شاعری اور نظم اور غزل خوانی تو لذّات میں داخل ہے، اس سے اِصلاح کیا ہوتی۔ غرض تصوّف نام شعر شاعری اور

دیوان حافظ پڑھنے کا نہیں ہے صرف یہ دیکھ کر کہ یہ شعر دیوان حافظ کا ہے۔ یہ سمجھ لینا کہ اس کا پڑھنا داخل تصوف ہے اور یہ کسی حال میں مضر نہیں ہو سکتا محض غلطی ہے کیونکہ ان حضرات کے اشعار سب کو مفید نہیں ہوتے بلکہ بہت سے لوگوں کو مضر ہوتے ہیں یہ لوگ اہل حال تھے اُن کے حال کا اثر ان کے کلام میں بھی موجود ہے، اور ہر شخص اُس حالت کا تحمل نہیں کر سکتا خاص کر عورتیں کیونکہ یہ ضعیف القلب ہوتی ہیں ان پر تو اندیشہ ہے کہ اگر کوئی اچھی حالت غالب ہوگئی تو بیمار ہو جائیں گی۔ تصوف تو عورتوں کو ان اشعار سے کیا حاصل ہوتا صحت جسمانی بھی جاتی رہے گی۔ غرض شعر اشعار کا پڑھنا پڑھانا، عورتوں کے لئے ٹھیک نہیں بلکہ فتنہ ہے عورتوں کے لئے تو بس ایسی کتابیں مناسب ہیں جن سے خدا کا خوف جنت کی طمع —— دوزخ سے ڈر پیدا ہو اس کا اثر عورتوں پر بہت اچھا ہوتا ہے اب اس تعلیم کو تو لوگوں نے چھوڑ دیا اور وہ تعلیم اختیار کر لی جو مضر ہے جو تعلیم مفید اور ضروری تھی اُس میں تو کمی ہوتی جاتی ہے بلکہ ناپید ہوتی جاتی ہے۔ اُسی تعلیم کے نہ ہونے کے یہ نتائج ہیں کہ عورتوں کے اخلاق دُرست نہیں ہوتے اور باوجودیکہ ان میں محبت اور جاں نثاری اور ایثار کا مادہ بہت زیادہ ہے پھر بھی خاوند سے انکی نہیں بنتی کیونکہ مذہبی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اُن میں پھوہڑپنا اور بے باکی موجود ہے کہ جو کچھ زبان پر آجائے بے دھڑک بک ڈالتی ہیں جس سے خاوند کو تکلیف پہنچتی ہے اور خانہ جنگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ زندگی تلخ ہو جاتی ہے اس لئے میں پھر کہتا ہوں کہ عورتوں کو وہ تعلیم جس کو پُرانی تعلیم کہا جاتا ہے اور وہی تعلیم مصلح اخلاق ہے بقدر کفایت ضرور دینا چاہیے جس سے انکی آخرت اور دنیا سب دُرست ہو جائیں عقائد صحیح ہوں عادات دُرست

ہوں معاملات صاف ہوں اخلاق پاکیزہ ہوں پھر ہم دیکھیں معاشرت کیسے اچھی نہیں ہوتی معاملات کی صفائی ہی کا بیان ہو رہا تھا جس پر اتنا مضمون بڑھ گیا۔ بیان یہ تھا کہ گھروں کے اندر بہت گھال میل ہے جس سے معاشرت خراب اور زندگی وبالِ جان ہوتی ہے آپس میں رنجشیں ہوتی ہیں اور آخرت بھی برباد ہوتی ہے کیونکہ اہلِ حقوق کے حقوق تلف ہوتے ہیں جس پر آخرت میں سخت مواخذہ ہوگا۔

## فرضِ واعظ

عورتوں میں جو واعظ وعظ کہنے کے لئے پہنچتے وہ بھی ضروریات کی مثلاً معاملات کی صفائی اور گھر کے سامان میں گھال میل نہ ہونے کی تعلیم نہیں کرتے۔ بس واعظوں کو تو وہی حدیث یاد ہے یَا مَعَاشِرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِیِّکُنَّ بس ان کو چندہ دے دو چاہے کسی کا مال ہو اور اس حدیث میں سے بھی صرف تَصَدَّقْنَ کا لفظ اُن کا مطمحِ نظر ہوتا ہے حالانکہ آگے مِنْ حُلِیِّکُنَّ بھی موجود ہے جس کا مطلب میں نے ابھی بیان کیا کہ اپنے مملوک زیور میں سے دو اور اسی پر یہ مضمون چلا تھا کہ عرب میں مرد و عورت کے مملوکات متمیز ہوتے تھے مگر ہمارے یہاں اسمیں گڑبڑ ہے خود ان کے زیور میں بھی شبہ ہے کہ انکا ہے یا شوہر کی شرکت کا۔ سو واعظوں کا یہ طرزِ عمل ایسا ہی ہے۔ جیسا کسی نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہیں قرآن شریف کی کون آیت سب سے زیادہ پسند ہے کہا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کہا دُعا کون سی پسند ہے کہا

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ——

یعنی اے اللہ لگا لگایا خوان کھانے کا اُتار دیجئے کہ سوا کھا لینے کے کچھ نہ کرنا پڑے۔ اس شخص کو اپنے مطلب ہی کی آیت اور مطلب ہی کی دعا یاد تھی ایسے ہی ہمارے واعظ صاحبان کو بھی اپنے مطلب کی ایک ہی حدیث

یاد ہے یَا مَعَاشِرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ کہ بس خیرات کر دو اور زیوران کو دیدو مگنو اُتار دو چھپا کی اُتار دو کانوں کی سب بالیاں اُتار دو یہ بھی مت دیکھو کہ اپنی ہیں یا دُوسرے کی اور اُن کا دینا بھی جائز ہے یا ناجائز اور داخلِ خیرات ہے یا داخلِ سیئات بس یہ حدیث پڑھ کر بیچاریوں سے چندہ وصول کر لیتے ہیں اور اُس کے لئے طرح طرح کی ترکیبوں سے کام لیتے ہیں واعظوں کا بیان بڑا لچھے دار ہوتا ہے جس سے عورتیں بہت جلدی پگھل جاتی ہیں چنانچہ ایک جگہ مسجد زیر تعمیر تھی سارا کام ہو گیا تھا صرف فرش باقی تھا تو ایک بُزرگ واعظ نے عورتوں میں وعظ کہنا شروع کیا اوّل تو مسجد بنانے کے فضائل بیان کئے پھر کہا اس وقت ایک مسجد زیرِ تعمیر تھی مگر وہ پُوری ہو چکی جس کی قسمت میں جتنا ثواب تھا اُتنا حصّہ اُس نے لے لیا مگر افسوس ہے کہ بیچاری عورتیں محروم رہ گئیں یہ ان کی قسمت ہے یہ غریب گھروں میں بیٹھنے والی ہیں ان کو کیا خبر کہ دُنیا میں کیا ہو رہا ہے کیا کیا دُولتیں لٹ رہی ہیں واقعی بہت افسوس ہوا کہ عورتیں اِس ثواب میں شامل نہ ہو سکیں جب واعظ صاحب نے دیکھا کہ عورتوں پر رنج و حسرت کا کافی اثر ہو چکا تو آپ فرماتے ہیں کہ اخّاہ خُوب یاد آیا میاں ابھی فرش تو باقی ہی ہے اور مسجد میں اصل چیز فرش ہی تو ہے، فرش ہی پر نماز ہوتی ہے در و دیوار پر تھوڑا ہی پڑھی جاتی ہے واقعی عورتیں بڑی خوش قسمت ہیں کہ اصل چیز اُنہیں کے واسطے رہ گئی۔ اب بیبیوں کو حِصّہ لینے کا خُوب موقع ہے اور اے بیبیو اگر فرش تم نے بنوا دیا تو کیا لطف کا واقعہ ہو گا کہ مرد اُس پر نماز پڑھیں گے اور فرشتے اُن کی نمازیں لیکر دربارِ الٰہی ہی میں جائیں گے۔ تو یُوں کہیں گے کہ لیجئے حضور بندوں کی نمازیں اور بندیوں کی جانمازیں بس یہ کہنا تھا کہ پردہ کے پیچھے سے چھنا چھن کی

آواز آنے لگی کسی نے پازیب اُتار کر پھینکی کسی نے جھانور اور کسی نے پہنچی کسی نے بار بندہ خدا نے ایک شاعرانہ جملہ میں ہزاروں روپیہ کا زیور لے لیا مجھے تو یہ ترکیبیں پسند نہیں یہ تو پالیسی ہے۔ شریعت نے ہم کو پالیسی کی تعلیم نہیں کی بلکہ حدود کے اندر رہنے کا حکم دیا ہے خواہ چندہ آئے یا نہ آئے اسی طرح ایک واعظ صاحب کا قصہ ہے کہ اُن کے وعظ میں ایک عورت نے اپنی ایک پازیب دی تو فرمانے لگے کہ ایک پاؤں تو جنت میں گیا ایک پاؤں دوزخ ہی میں رہا۔ خیال تو کیجئے یہ کیسی ترکیبیں کرتے ہیں۔ اُس بیچاری نے دُوسری بھی دیدی۔ واعظ کو آگے نہیں سوجھی ورنہ یُوں کہنے لگتے کہ ہائے افسوس ٹانگیں تو جنت میں گئیں مگر اوپر کا جسم جنت کے باہر ہی رہا نتیجہ یہ ہوتا کہ عورتیں سر سے پیر تک کا زیور سب اُتار کر اُن کے حوالہ کر دیتیں عورتیں اکثر بھولی بھالی اور ان پڑھ ہوتی ہیں واعظ صاحب جو کچھ کہیں وہ اس کو اللہ میاں کا حکم سمجھتی ہیں اور اُس کی تعمیل کرنے کو تیار ہو جاتی ہیں ہم تو ان ترکیبوں کو بالکل ناجائز سمجھتے ہیں اگر خدا کا کام کرنے کو کھڑے ہوئے ہو اُسی طرح کام کرو جس طرح خدا نے بتایا ہے کہ نہ کسی پر بار ڈالو، نہ پالیسی سے کام لو بس سیدھے الفاظ میں ضرورت کو بیان کر دو پھر اگر وہ کام واقعی خدا کا کام ہے تو نہ مسجد رُکے گی نہ مدرسہ رُکے گا اور اگر خدا کا کام نہیں یا خدا کے واسطے نہیں بلکہ محض تمہارے نفس کی خواہش اور غرض ہے تو اس کا پُورا نہ ہونا ہی اچھا ہے اور اگر کسی کو ترکیب ہی کرنا ہو تو اُس کے لئے حدیث و قرآن کو کیوں آڑ بنایا جائے یہ تو بہت سخت بات ہے ترکیبوں کے لئے قرآن و حدیث سے کام لیا جائے۔

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے
دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

اگر ناجائز کام کرنا ہی ہے تو ناجائز طریقے سے کرو، دین کو اس کے لئے ذریعہ کیوں بناتے ہو؟

## بیانِ ترہیب

غرض واعظوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اگر ان کو اپنا کوئی مطلب نکالنا ہوتا ہے تو عورتوں کو عذاب سے ڈراتے دھمکاتے ہیں اور ترکیبوں چالاکیوں سے جو کچھ ہو سکتا ہے ان سے وصول کر لیتے ہیں اور اگر فی الوقت کوئی مطلب نکالنا نہیں ہوتا تو پھر ایسے مضامین بیان کریں گے جن سے وہ غریب مایوس ہو جائیں ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ عورتوں کو وعظ سن کر خدا تعالیٰ کی رحمت کی کچھ امید ہوئی ہو ہاں مایوسی ضرور ہو جاتی ہے اسی لئے عورتیں بھی ایسی بہادر ہیں کہ ادھر وعظ سنا اُدھر دو تین منٹ ہی کے بعد اس کے خلاف عمل شروع ہو گیا کہ اُسے کاٹا اسے کوسا۔ ابھی وعظ میں تو رو رہی تھیں اور ابھی چیخ و پکار کر رہی ہیں دوسروں سے لڑ رہی ہیں اسکی وجہ یہی ہے کہ وعظ میں خوف اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اُن کو نجات سے مایوسی ہو جاتی ہے وہ بھی سمجھ لیتی ہیں کہ ہم دوزخی تو ہیں ہی پھر نفس کو مارنے میں کیا فائدہ نیک و بد سے کیا واسطہ؟ جس حال میں ہیں اُسی حال میں کیوں نہ رہیں آپ نے دیکھا ہو گا جس شریر بچے کو بار بار پیٹا جائے اُٹھتے جوتی بیٹھتے لات کا معاملہ رکھا جائے وہ بے حیا ہو جاتا ہے پھر وہ کسی سے بھی نہیں دبتا اسی طرح واعظ صاحبان نے ترہیب کے مضامین بیان کر کر کے عورتوں کو نڈر کر دیا ہے۔ مطلب میرا یہ ہے کہ جہاں ترہیب کی ضرورت ہے وہاں ترغیب کی بھی ضرورت ہے اسی لئے قرآن مجید میں ترغیب و ترہیب دوش بدوش ہیں۔ میں نے یہ آیت اسوقت اسی لئے اختیار کی ہے کہ اسمیں عورتوں کے لئے ترغیب کا مضمون ہے۔

## ضرورتِ عمل

چنانچہ اللہ تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:
فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى:

میں اُوپر کہہ چکا ہوں کہ اسوقت مقصودِ بیان صرف تعمیم رحمت حق کا ظاہر کرنا ہے جس پر مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى کا لفظ دال ہے اور اسی جزو کا مجھے بیان کرنا مقصود ہے۔ فرماتے ہیں میں کسی کام کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت یعنی ہمارے یہاں نیک عمل ہر مومن کا مقبول ہے یہ نہیں کہ عورت کے عورت ہونے کی وجہ سے کوئی عمل مردود ہوجائے یا مرد کے مرد ہونے کی وجہ سے کوئی عمل مقبول ہو جائے۔ دوسری آیت میں فرماتے ہیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ:

یعنی جو کوئی نیک عمل کریگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو حیات طیبہ نصیب کریں گے اور اُس کو جزا دیں گے اچھے عمل کی آپ کو معلوم ہوگا کہ اُصول کا قاعدہ ہے کہ جن آیات میں کوئی تصریح عورت یا مرد کی نہیں ہوتی اُن کا مضمون مردوں اور عورتوں سب کو عام ہوتا ہے اس بناء پر اس تصریح کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ عمل کرنیوالا مرد ہو یا عورت پھر ان آیتوں میں لفظ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى کے لانے کا کیا سبب ہے؟ اس کا پتہ شانِ نزول سے چلتا ہے، شانِ نزول حسب روایت ترمذی یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے ایک دفعہ بطورِ حسرت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قرآن شریف میں عورتوں کا ذکر کہیں نہیں آتا اُن کی خاطر سے حق تعالیٰ نے بعض آیات میں صراحۃً عورتوں کا ذکر فرمادیا تاکہ یہ حسرت نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ

ہم کو یاد نہیں فرماتے. دیکھو عورتوں کی خاطر اللہ میاں کو کس قدر منظور ہے کہ باوجود ضرورت نہ ہونے کے تصریح کے ساتھ عورتوں کا ذکر بھی کر دیا اسکی قدر ہم کو اس وجہ سے نہیں کہ جب سے ہوش سنبھالا قرآن سُنا تو اس میں بہت جگہ ایسے الفاظ سُنے جو عورتوں کی شان میں ہیں بس سُنتے سنتے مساوات ہوگئی اب جب ایسی آیتیں پڑھتے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی اس کی قدر اُن عورتوں کے دل سے پُوچھو جن کو یہ حسرت ہو چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمارا ذکر نہیں فرماتے پھر اُن کی حسرت کو حق تعالیٰ نے پُورا کیا یہ بیچاری قرآن میں ہر جگہ مَردوں ہی کا ذکر پاتی تھیں اس سے اُن کا دِل مرجاتا ہوگا اور یہ خیال ہوتا ہوگا کہ کیا ہم عورتیں حق تعالیٰ کے نزدیک کسی شمار میں بھی نہیں جو ہمیں ہمارا ذکر نہیں فرماتے اب سوچیے کہ جس وقت انکی تمنّا کے موافق قرآن میں الفاظ اُترے ہوں گے تو اُن کا کیا حال ہوا ہوگا۔ اس کا لطف دُوسرا کوئی کب سمجھ سکتا ہے؟

**جوشِ محبت** ایک صحابی ہیں حضرت اُبیّ ابن کعب شیخین کی روایت میں ہے کہ اُن سے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اُبیّ خداوند تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تم کو سورہ لم یکن پڑھ کر سُناؤں. یہ سُن کر اُن کو وجد سا آگیا اور عرض کیا اللہ سمّانی یعنی کیا اللہ میاں نے میرا نام لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لیا واقعی اُسوقت جو حالت بھی اُن کی ہوئی ہو کم ہے سوچیے تو کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام انکو سُنایا ہوگا، اگر اُنکو شادی مرگ ہو جاتی تو زیبا تھا پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا، نَعَمْ اَللّٰهُ سَمَّاكَ یعنی ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لے کر فرمایا بس یہ سُن کر وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رو پڑے اس حالت کا اندازہ کوئی کیا کر سکتا ہے رہا یہ کہ پھر رونا کس لئے تھا تو حضرات

یہ رونا نہ شادی کا تھا نہ رنج کا تھا بلکہ گرمی عشق کا تھا اسکی تحقیق مشکل ہے۔ بعضے سمجھتے ہیں کہ خوشی کا رونا تھا مگر یہ بات نہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی تحقیق ہے کہ یہ رونا محبت کے جوش کا تھا کہ ان کو یہ خیال ہوا کہ اسے اللہ میں اس قابل کہاں تھا کہ آپ میرا نام لیں۔ اس خیال سے محبت کا جوش اُٹھا اور گریہ طاری ہوا۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک مثالی قصہ کے پیرایہ میں اس حقیقت کو ذکر کیا ہے فرماتے ہیں ؎

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت

واندراں برگ نوا خوش نالہائے زار داشت

یعنی ایک بُلبل پھول کی پنکھڑی چونچ میں لئے ہوئے بہت کچھ آہ و نالہ کر رہا تھا ؎

گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست

گفت مارا جلوہ معشوق دریں کار داشت

یعنی میں نے اُس سے کہا کہ تجھے تو اسوقت وصل گل حاصل ہے چونچ میں پنکھڑی لئے ہوئے ہے یہ تو خوشی کا وقت ہے اسوقت نالہ و فریاد کیسا اُس نے جواب دیا کہ جلوہ معشوق کا اثر یہی ہے کہ نالہ و فریاد کیا جائے اُس کی تجلی کے ظہور کا اثر یہی ہے کہتے ہیں نا ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

کیوں صاحب ایسے وقت میں کہ محبوب گھر میں آجائے گھر کا کیا دیکھنا، بات یہ ہے کہ غایت قرب سے تحیر پیدا ہو جاتا ہے اور بار بار یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم اور ہمارا گھر اس قابل کہاں تھا کہ وہ تشریف لائیں اس واسطے حیران ہو

مگر کبھی اپنے آپکو دیکھتا ہے اور کبھی گھر کو اور سمجھتا ہے کہ میں اور میرا گھر تو اس قابل تھا نہیں کہ یہ دولت نصیب ہو اسی کا نام تحیر ہے اسی طرح وہ بلبل عین وصال کے وقت تحیر میں تھا یہی حالت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر طاری ہوئی یہ جوشِ محبت تھا انکی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اس قابل ہوں کہ خدا تعالیٰ میرا نام لیں واقعی وجد کی بات ہے، چنانچہ اُن پر وجد طاری ہوا اور رونے لگے۔ محبوب کی مجلس میں عاشق کا ذکر ہی آجاوے تو وجد کے لئے کافی ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں ؎

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

غرض اسوقت اس لفظ اوانثی کی اس لئے قدر نہیں محسوس ہوتی کہ تمام عمر سے ہمیں قرآن میں یہ لفظ موجود ملا ہے اسکی قدر اُن سے پوچھی جائے جن کی حسرت و تمنا کے بعد یہ لفظ نازل ہوا اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک عاشق کو محبوب کے دربار کے قریب تک پہنچنے کا موقع تو ملتا ہے مگر محبوب کبھی اسکی طرف توجہ نہیں کرتا دوسروں سے ہی بات چیت کرتا رہتا ہے اور یہ اس حسرت میں گھلا جاتا ہے کہ افسوس میرا نام بھی تو کبھی اُس کی زبان پر نہیں آتا اُس نے کسی خاص مقرب بارگاہ سے اپنی حسرت کو ظاہر کیا اُس نے محبوب کے کان تک بات پہنچا دی دوسرے وقت محبوب نے مجلس میں کوئی چیز مثلاً پان تقسیم کئے اور خادم سے کہا کہ سب صاحبوں کو پان دیدو اور فلاں صاحب کو ضرور دینا عاشق کا نام لے کر کہا تو آپ اندازہ کیجئے کہ اسوقت اس عاشق کی کیا حالت ہوگی یقیناً اس کو وجد آجاوے گا اور ناچتا پھرے گا مگر دوسرے حضار مجلس کے نزدیک یہ بات بھی کچھ نہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ اُس کو بڑی تمنا کے بعد یہ دولت نصیب ہوئی ہے اور دوسروں کو بلا تمنا کے نصیب تھی۔

## خواتین اور قرآن حکیم

صاحبو! ہم لوگوں کو قرآن پورا مکمل جمع شدہ مل گیا ہے۔ ہم اس قسم کی آیتیں ہر دور میں پڑھتے ہیں اور کبھی اس طرف خیال بھی نہیں جاتا کہ ان میں کیا دولت بھری ہوئی ہے اس کو حضرت ام سلمہؓ سے یا اسوقت کی دوسری بیبیوں سے پوچھنا چاہیے کہ ان آیتوں کو سن کر انکی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اے بیبیو! کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو خاص طور سے یاد فرمایا اور یاد بھی کس طرح فرمایا کہ مردوں کی برابر بٹھا دیا کیونکہ اس آیت میں جن باتوں کا وعدہ کیا ہے اُن میں مردوں اور عورتوں میں کچھ فرق نہیں کیا تو یہ کتنا صحیح ہے کہ عورتوں کو مردوں کی برابر بٹھا دیا گو بائیں طرف بٹھایا ہے کیونکہ آیت میں پہلے لفظ من ذکر ہے اسکے بعد اَوْ انثیٰ ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ قرآن عربی زبان ہے اور عربی زبان کا خط دائیں سے بائیں طرف کو ہوتا ہے تو دائیں طرف والیکو اوّل اور بائیں طرف والے کو دوم کہہ سکتے ہیں۔ قرآن کی تحریر انگریزی نہیں ہے کہ بائیں طرف سے دائیں طرف کو ہو اور بائیں طرف والیکو اول اور دائیں طرف والے کو دوم کہہ سکیں یہ اسواسطے کہہ دیا کہ آجکل انگریزیت کا غلبہ ہے کوئی ذہین بی بی یہ استدلال نہ کر بیٹھیں کہ بائیں طرف والا اوّل اور دائیں طرف والا دوم ہوتا ہے خیر یہ ایک لطیفہ سا ہے مگر یہ بات شریعت میں ثابت ہے کہ عورت کسی قدر مرد سے درجہ میں گھٹی ہوئی ہے) بدلیل وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ومثلہا من الآیات جامع) اور گو اس آیت میں کسی بات میں مرد و عورت میں فرق نہیں کیا گیا لیکن چونکہ ترتیب عبارت میں عورتیں متوخر ہیں مردوں سے اس واسطے میں نے یہ کہا کہ اُن کو بائیں طرف بٹھایا یا یُوں سمجھ لو کہ عورتیں جسم میں بائیں آنکھ ہیں اور مرد دائیں آنکھ ہیں اور بائیں آنکھ کسی بات میں داہنی سے کم نہیں نہ ضروری ہونے

میں نہ کام دینے میں باقی یہ بات ضرور ہے کہ شریعت نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ من کل الوجوہ مساوات نہیں دی جیسا کہ اس زمانہ کے نئے تعلیم یافتہ طبقہ کا خیال ہے۔

## مسئلہ مساوات مرد و زن

وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ناانصافی ہے کہ ایک صنف کو دوسری صنف ع سے گھٹا دیا جائے۔ بیبیو! تمہارا بائیں طرف رہنا ہی سلامتی کی بات ہے ہر چیز اپنے موقع پر اچھی ہوتی ہے۔ سر کی چیز سر ہی پر اچھی ہوتی ہے اور پاؤں کی چیز پاؤں میں اور اس میں سلامتی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت میں عقل کم ہے

ع راقم کہتا ہے کہ یہ غلطی ہے کہ ہر جگہ ایک صنف کو دوسری صنف کے برابر رکھا جاوے ملک کے لئے دو صنف کی ضرورت ہے بادشاہ کی اور رعایا کی کیا بادشاہ اور رعایا کو برابر کیا جا سکتا ہے گاڑی کے لئے ضرورت ہے مالک اور سائیس کی۔ کیا دونوں کو برابر کیا جا سکتا ہے بلکہ قاعدہ فطری یہ ہے کہ اگر دو چیزیں ایک چیز کا جزو ہوں اور دونوں میں کوئی وجہ ترجیح نہ ہو تو انکو باہم مرتبط رکھنے کے لئے ایک تیسری چیز کے ماتحت کر دیا جاتا ہے جیسے جگر و دماغ بدن کے اجزاء ہیں دونوں کو مرتبط رکھنے کے لئے دل کا ماتحت کر دیا گیا اسی واسطے دل ایک ہی ہوتا ہے ورنہ دو دل ہوں گے تو ان کو مرتبط رکھنے کے لئے تیسرے دل کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر وہ دونوں چیزیں برابر کی نہ ہوں بلکہ ایک میں کوئی وجہ ترجیح کی ہو تو اس کو ایک دوسرے پر حاکم اور دوسرے کو محکوم بنایا جاتا ہے جیسے رعایا اور بادشاہ اور گاڑی کے مالک اور سائیس کی مثال گزری بنا بریں جب کہ عورت و مرد دو صنف ہیں انسان کی اور ایک میں وجہ ترجیح کی موجود ہے اور وہ قوت عقلیہ و جسمانیہ کا زیادہ ہونا ہے تو عورت کو مرد کی برابر کرنا خلاف فطرت ہوگا

ع ۱۲ جامع وعظ۔

ہوتی ہے اور جس میں عقل کم ہو اُس سے ہر کام میں غلطی کرنے کا احتمال ہے لہذا اُس کے واسطے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ زیادہ عقل والے کا تابع ہو، اسی واسطے حق تعالیٰ نے مردوں کو اُن پر حاکم بنایا چنانچہ فرماتے ہیں:

الرجال قوامون علی النساء

تاکہ ان کے کام سب اُنکی نگرانی میں ہوں اور غلطی سے حفاظت رہے اسس کا نام سختی نہیں ہے بلکہ یہ تو عین عدل و حکمت و شفقت ہے دیکھو بچے ناقص العقل ہوتے ہیں اب اگر اُن کو خود سر بنا دیا جاوے اور وہ کسی کے تابع ہو کر نہ رہیں تو اسس کا کیا انجام ہو گا؟ پس یہ حق تعالیٰ کی نہایت رحمت ہے کہ عورتوں کو خود سر نہیں بنایا ورنہ ان کا کوئی کام بھی درست نہ ہوتا دین اور دنیا سب کاموں میں ان سے غلطیاں ہوا کرتیں خود سری میں بڑی مصیبت ہے حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔

واعلموا ان فیکم رسول اللہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم۔

یعنی خوب سمجھ لو اے مُسلمانوں کہ تمہارے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اگر بہت سی باتوں میں یہ تمہارا کہنا مانتے تو تم بڑی مصیبت میں پڑ جاتے مطلب یہ ہے کہ تم کو رسول صلی اللہ وسلم کا تابع ہو کر رہنا چاہیے نہ یہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے تابع ہوں اگر ایسا ہوتا کہ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے تابع ہوتے تو تم مُصیبت میں پڑ جاتے معلوم ہوا کہ عافیت اور سلامتی اسی میں ہے کہ چھوٹا بڑے کا اور ناقص العقل کامل کا تابع ہو کر رہے غور کرنے کی بات ہے کہ آیت میں یہ نہیں فرمایا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے تابع ہو کر رہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے گی بلکہ یہ فرمایا کہ خود تم مصیبت میں پڑ جاتے معلوم ہوا ——— کہ چھوٹے کو بڑے کا تابع ہو کر

## حقوق والد و پیر

اسی طرح مردوں میں مشہور ہے کہ باپ کا رتبہ اتنا نہیں جتنا پیر کا رتبہ ہے اسپر اُن کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں محض قیاس ہے جس کے مقدمات یہ ہیں یعنی باپ سے تو جسمانی فیض ہوا ہے اور پیر سے روحانی فیض ہوا ہے اُس کا رتبہ اُس باپ سے زیادہ ہونا چاہیئے جس سے جسمانی فیض ہوا ہو۔ ان میں سے یہ مقدمہ تو مسلم ہے کہ پیر رُوحانی باپ ہے مگر یہ مقدمہ مسلم نہیں کہ روحانی باپکا رتبہ جسمانی باپ سے زیادہ ہے اس واسطے کہ شریعت میں باپ کے حقوق جو کچھ کئے ہیں۔ اُن کو سب جانتے ہیں اور یہ حقوق اُسی کے ہیں جس کو عرفاً باپ کہا جاتا ہے۔ پس بدون حکم شرعی محض تخمینی مقدمات سے فضیلت کا حکم کرنا کیسے صحیح ہے۔ اصل بات صرف اتنی ہے جو باپ حقیقۃً باپ ہے وہ باعتبار دُنیا کے باپ ہے۔ اور پیر باعتبار دین کے باپ کہا جاتا ہے پس حقیقی باپ کی طرف دنیا کے حقوق راجع ہوتے ہیں اور پیر کی طرف دین کے حقوق راجع ہوتے ہیں۔ ان میں خلط ملط کر دینے سے غلطی پیدا ہوتی ہے۔

اب فیصلہ یہ ہے کہ دنیاوی باتوں میں باپکا حکم مقدم ہے اور دین کی باتوں میں پیر کا۔ اگر پیر دین کی کسی بات کا حکم کرے اور باپ اُس سے منع کرے تو ترجیح پیر کے حکم کو ہوگی مثلاً پیر کہتا ہے کہ اسوقت نماز فرض پڑھو اور باپ کہتا ہے کہ یہ وقت دنیا کے فلاں کام کا ہے اُس میں حرج ہوگا اس وقت نماز مت پڑھو تو پیر کا حکم مقدم ہوگا اور درحقیقت اس کو پیر کا حکم کیوں کہا جاوے یہ تو خدا کا حکم ہے پیر تو صرف بتانیوالا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ خدا کا حکم سب کے حکموں سے مقدم ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ تقدم اُن ہی احکام میں ہوگی جو خدا تعالیٰ کا حکم ہے یعنی مامور بہ ہے اور نوافل وغیرہ میں نہیں ہوگی اُس میں باپ کی اطاعت پیر سے مقدم ہے کیونکہ نوافل من جانب اللہ مامور بہ

## حقوق والد و پیر

اسی طرح مردوں میں مشہور ہے کہ باپ کا رتبہ اتنا نہیں جتنا پیر کا رتبہ ہے اس پر اُن کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں محض قیاس ہے جس کے مقدمات یہ ہیں لغوی باپ سے تو جسمانی فیض ہوا ہے اور پیر سے روحانی فیض ہوا ہو اُس کا رتبہ اُس باپ سے زیادہ ہونا چاہیئے جس سے جسمانی فیض ہوا ہو۔ ان میں سے یہ مقدمہ تو مسلم ہے کہ پیر رُوحانی باپ ہے مگر یہ مقدمہ مسلّم نہیں کہ روحانی باپ کا رتبہ جسمانی باپ سے زیادہ ہے اس واسطے کہ شریعت میں باپ کے حقوق جو کچھ کئے ہیں۔ اُن کو سب جانتے ہیں اور یہ حقوق اُسی کے ہیں جس کو عرفاً باپ کہا جاتا ہے پس بدون حکم شرعی محض تخمینی مقدمات سے فضیلت کا حکم کرنا کیسے صحیح ہے۔ اصل بات صرف اتنی ہے جو باپ حقیقۃً باپ ہے وہ باعتبار دُنیا کے باپ ہے۔ اور پیر باعتبار دین کے باپ کہا جاتا ہے پس حقیقی باپ کی طرف دنیا کے حقوق راجع ہوتے ہیں اور پیر کی طرف دین کے حقوق راجع ہوتے ہیں۔ ان میں خلط ملط کر دینے سے غلطی پیدا ہوتی ہے۔

اب فیصلہ یہ ہے کہ دنیاوی باتوں میں باپ کا حکم مقدم ہے اور دین کی باتوں میں پیر کا۔ اگر پیر دین کی کسی بات کا حکم کرے اور باپ اُس سے منع کرے تو ترجیح پیر کے حکم کو ہوگی مثلاً پیر کہتا ہے کہ اسوقت نماز فرض پڑھو اور باپ کہتا ہے کہ یہ وقت دنیا کے فلاں کام کا ہے اُس میں حرج ہو گا اس وقت نماز مت پڑھو تو پیر کا حکم مقدم ہوگا اور درحقیقت اس کو پیر کا حکم کیوں کہا جاوے یہ تو خدا کا حکم ہے پیر تو صرف بتانیوالا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ خدا کا حکم سب کے حکموں سے مقدم ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ تقدم اُن ہی احکام میں ہوگی جو خدا تعالیٰ کا حکم ہے یعنی مامور بہ ہے اور نوافل وغیرہ میں نہیں ہوگی اُس میں باپ کی اطاعت پیر سے مقدم ہے کیونکہ نوافل من جانب اللہ مامور بہ

نہیں محض مرغوب فیہ نہیں اور اگر پیر یہ کہتا ہے کہ فلاں جگہ شادی کر لو اور باپ کہتا ہے کہ وہاں شادی مت کرو تو اس صورت میں باپ کا حکم مقدم ہوگا۔ خوب سمجھ لو گڑبڑ مت کرو ہر چیز کو اس کے درجہ میں رکھو افراط تفریط نہ کرو پیر کا رتبہ ہر بات میں باپ سے زیادہ نہیں بہت سے مرد بھی اسی غلطی میں مبتلا ہیں کہ پیر کا رتبہ مطلقاً باپ سے زیادہ سمجھتے ہیں حالانکہ اس میں وہی تفصیل ہے جو میں نے عرض کی اور عورتیں تو اس غلطی میں مبتلا ہیں ہی کہ پیر کا رتبہ خاوند اور باپ دونوں سے زیادہ سمجھتی ہیں اور ان میں عورتوں کا تو قصور ہے ہی کہ وہ جاہل ہیں مگر زیادہ قصور آجکل کے پیروں کا ہے کہ ان کی تعلیم ہی یہ ہے کہ پیر کا حق مطلقاً سب سے مقدم ہے۔

## حقیقت پیری مریدی

آجکل کے پیروں نے دین کا ناس کر دیا ہے پیر ہو ایسا ہو جیسا ہمارے حضرت حاجی صاحب تھے حضرتؒ نے میرے واسطے میری حاضری مکہ کے وقت یہ تجویز فرمایا تھا کہ ہمارے پاس چھ مہینے رہو اس وقت والد صاحب بھی حج کو تشریف لے گئے تھے میں نے اُن سے اجازت چاہی تو والد صاحب نے فرمایا، میرا جی گوارا نہیں کرتا مجھے مفارقت سے رنج ہوتا ہے ______ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ والد صاحب یوں فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ باپ کا حکم مقدم ہے باپ کی اطاعت فرض ہے تم اب تو جاؤ انشاء اللہ تعالیٰ پھر کبھی آؤ گے۔

---

لہ راقم کہتا ہے کہ موٹی بات ہے کہ پیر کا رتبہ باپ سے کتنا ہی زیادہ سمجھا جاوے مگر وہ لوگ بھی جو اس غلطی میں مبتلا ہیں اس کے قائل نہیں کہ میراث میں بھی باپ سے پیر مقدم ہے کہ اگر کوئی مر جاوے اور باپ و پیر کو چھوڑ جاوے تو ترکہ بجائے باپ کے پیر کو دے دیں یا کچھ بھی اس کا حصہ قرار دیں۔ ۱۲ جامع وعظ

اللہ کا شکر ہے کہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے زندگی بھی اتنی دی کہ دوبارہ جانے کی توفیق ہوئی اور روپیہ بھی دیا کہ چھ مہینے کامل حضرت کی خدمت میں رہنا نصیب ہو گیا واقعی شیخ ہو تو ایسا ہو کوئی دوسرا شیخ ہوتا تو اُسی وقت خفا ہو جاتا اور کہتا بس میاں جاؤ گھر بیٹھو جب باپ تمہیں نہیں چھوڑتا اور تم باپ کو نہیں چھوڑتے تو پیری مُریدی کا نام کیوں لیتے ہو۔ جاؤ باپ ہی کے پاس رہو مگر ہمارے حضرت شریعت کے پابند تھے، سُنت کے پابند تھے آپ نے شریعت کا لحاظ مقدم رکھا اطاعتِ والدین کو ضروری سمجھا اس اتباعِ سنت کی یہ برکت ہوئی کہ دونوں دولتیں نصیب ہوئیں یعنی والد صاحب کی اطاعت بھی نصیب ہوئی اور حضرت کی خدمت میں رہنا بھی ہو گیا اِسی طرح خوب سمجھ لو کہ خاوند کی برابر پیر کا حق نہیں ہے۔ اب عورتوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ خاوند سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتیں، جب جی چاہا پیر صاحب کے یہاں چلدیں اور بعض تو یہ غضب کرتی ہیں کہ پیر سے پردہ بھی نہیں کرتیں اور خاوند کو چھوڑ کر پیر صاحب کے یہاں پڑی رہتی ہیں وہیں رہنا اختیار کر لیا ہے اور پیر صاحب اس پر فخر کرتے ہیں کہ اتنی عورتیں ہماری مسخر ہیں بے شک وہ تو مسخر ہو گئی ہیں مگر تم ممسوخ ہو گئے ہو۔ افسوس ایک طوفانِ بے تمیزی پھیلا ہوا ہے آج کل کے پیروں کو خاوند کے حقوق کی پرواہ ہے نہ بال بچوں کی نہ اعزا کی بس اس کا نام فقیری رکھ لیا ہے کہ تمام اہلِ حقوق کے حقوق ضائع کر کے پیر صاحب کے حقوق ادا کئے جائیں یہ سب باتیں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں یاد رکھو جو شریعت کے خلاف کرے گا وہ پیر نہیں ہو سکتا پیر تو رسول کا نائب ہوتا ہے کہ جو تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اُسکو بصیرت اور تجربہ کے ساتھ مریدوں تک پہنچاتا ہے تو جو شخص منیب کے خلاف

عمل و تعلیم کرتا ہے تو اُس کو منیب کا نائب کہنا کہاں درست و جائز ہے ۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہیں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ۔ بمبئی میں سُنا ہے کہ ایک پیر ایسے تھے جو عورتوں کو زبردستی اپنے سامنے بلاتے تھے اور کہتے تھے دیکھو جی تم ہم سے اس لئے مُرید ہوئی ہو تاکہ قیامت میں تم کو بخشوائیں گے سو جب ہم تمہیں دیکھیں گے نہیں تو ہم قیامت میں کیسے پہچانیں گے اور کیسے بخشوائیں گے ۔ ایک شخص نے اِس کے جواب میں خوب کہا کہ قیامت میں تو ننگے اُٹھیں گے اور تم نے یہاں اپنی مُریدنیوں کو کپڑا پہنے دیکھا ہے تو وہاں ننگیوں کو کیسے پہچانو گے لہذا ان کو بالکل ننگا کر کے دیکھنا چاہیئے ۔ بس پیر صاحب سے اِس کا جواب کچھ نہ آیا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے ۔ ایک پیر صاحب کی حکایت سُنی ہے کہ انہوں نے اپنے ایک مُرید سے رخصت کے وقت کہا کہ چند روز کو اپنی بیوی کو یہاں چھوڑ جاؤ وہ غیرت مند آدمی تھا اُس نے کہا کہ حضرت یہ تو نہیں ہو سکتا بس پیر صاحب ناراض ہو گئے ۔ کانپور میں ایک پیر اپنے مُرید کے یہاں آئے اس نے اُن کو باہر مردانہ مکان میں ٹھہرا دیا تو وہ خفا ہو گئے کہ ہم کو زنانہ مکان میں کیوں نہ ٹھہرایا آج کل پیروں کے یہاں یہ آفت ہے کہ خود عورتوں کو پردہ نہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں ۔

صاحبو ! یہ پیری مُریدی ہے یا رہزنی اور ڈاکہ ہے پیر تو خدا کا مقرب بنانے کے لئے ہوتا ہے مگر ان کی حرکتیں خدا سے دُور کرنیوالی ہیں ۔ یہ پیر خود خدا سے دُور ہیں دُوسرے کو کیا مقرب بنائیں گے ۔

## حقوق خاوند و پیر

بیبیو ! خوب سمجھ لو کہ دین کے کاموں اور احکام شرعیہ کے سوا باقی سب کاموں میں خاوند کا حق پیر سے زیادہ ہے یعنی خاوند اگر ایک کام کا حکم کرے اور پیر اُس کو اس لئے منع کرے کہ وہ شریعت کے خلاف ہے تو اس صورت میں خاوند کا

حکم نہ مانا جاوے گا بلکہ پیر کے حکم کو مانا جاوے گا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ شریعت کے حکم کو مانا جاوے گا اور شریعت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو کہتے ہیں تو یوں کہو کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خاوند کا حکم نہ مانا جاوے گا اور اسمیں پیر والی عورت اور بے پیری سب برابر ہیں اگر کوئی عورت بے پیری بھی ہو تب بھی اُس کو وہی کرنا چاہیئے جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو خلاصہ یہ کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تو بیشک خاوند کے حق سے زیادہ ہے باقی اور کسی کا حق خاوند سے زیادہ نہیں مگر چونکہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم عوام کو خود نہیں معلوم ہو سکتا بلکہ علماء یا مشائخ کے واسطہ سے معلوم ہوتا ہے تو مجازاً کہہ سکتے ہیں کہ احکام شرعیہ اور دین کی باتوں میں پیر کا حق خاوند سے زیادہ ہے اور اگر خاوند کا حکم دین کے خلاف نہ ہو تو اب اُس کے مقابلہ میں کسی کے حکم کو بھی ترجیح نہ ہوگی تو خاوند کا حکم سب سے زیادہ ہوا اسی لئے میں نے کہہ دیا تھا کہ ان کے لئے بجائے بیعت کے پیر کی بیعت کا پیر سب سے افضل ہے اور یہ بیعت کا پیر کیسا اچھا پیر ہے کہ دین کی درستی بھی کرتا ہے اور کھانے پہننے کو بھی دیتا ہے دین کا بھی متکفل ہے دُنیا کا بھی بیعت کے پیر میں یہ بات کہاں دُنیا کا نفع تو اُن سے کچھ ہے ہی نہیں بلکہ اُن کو اور گھر سے نذرانے دینا پڑتے ہیں اور دین کا نفع بھی اُتنا نہیں ہو سکتا جتنا خاوند سے ہو سکتا ہے کیونکہ پیر صاحب سے اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ جب کبھی اُن سے کچھ پوچھا جاوے تو بتا دیں گے یا کبھی اُن کے پاس جانا ہو تو کچھ اصلاح ہو جاوے سو اسکی نوبت کہیں برسوں میں آتی ہے خصوص عورتوں کے لئے اور خاوند تو ہر وقت پاس موجود ہے وہ بات بات کی نگرانی کر سکتا ہے پس عورتوں کا یہ خیال غلط ہے کہ پیر کا حق خاوند سے زیادہ ہے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ پیر سے ماں باپ کا حق بھی زیادہ ہے کیونکہ انہوں نے تم کو بڑی

محنت مشقت سے پالا اور محض محبت سے پالا ہے ——————— کسی عوض
کی اُمید پر نہیں پالا اپنی جان کی پرواہ نہیں کی اپنے آرام پر بچہ کے آرام کو ترجیح
دی۔ یہ بات پیر صاحب میں کہاں ہے وہ تو ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے ہیں پھر
نذرانہ بغیر لئے ہی نہیں ہاں وہ قید دین کی ضرور یاد رکھئے کہ ماں باپ کا حق دین کی باتوں
میں پیر سے زیادہ نہیں یعنی اگر ماں باپ کسی دین کی بات کے خلاف حکم کریں۔ اور پیر کا
حکم شریعت کے موافق ہو اس صورت میں ترجیح پیر کے حکم کو ہوگی اور اسکی
حقیقت وہی ہے کہ پیر کا یہ حکم دراصل خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور خدا و
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو خاوند اور ماں باپ سب کے حکم پر ترجیح ہے۔ ہاں
دین کی باتوں کے علاوہ دیگر اُمور میں پیر کے حکم پر ماں باپ کے حکم اور خاوند کے حکم کو
ترجیح ہے۔ دیکھو! میری اس تقریر کو خوب سمجھ لینا اس میں غلطی نہ کرنا بہت لوگ یہ
احکام عورتوں کے کانوں تک اس لئے نہیں جانے دیتے کہ اس سے پیروں کی
وقعت اُن کے ذہن سے کم ہو جاوے گی مگر مجھے اسکی پرواہ نہیں مسلمانوں کا دین
دُرست ہونا چاہیئے اُن کے دل میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت و عظمت ہونا
چاہیئے خواہ کسی اور کی ہو یا نہ ہو اس تقریر کو سنکر پیر صاحبان ضرور خفا ہوں گے۔
اور دل میں کہیں گے کہ لو ہمارا زور گھٹا دیا ہم تو پیر تھے ہی اس نے خاوند کو پیر بنا دیا
بلکہ ہم سے بھی بڑا پیر بنا دیا اور ماں باپ کو بھی ہم سے بڑھا دیا۔ میں کہتا ہوں کہ جب
خدا نے ہی ان کو بڑھایا ہے تو کسی کا کیا اختیار ہے کہ ان کو گھٹا دے۔

## دُرجات مَرد و زن

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے جو عورتوں کو
محکوم اور خاوند کو حاکم بنایا ہے اس کو سختی اور ظلم
نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ عورتوں کے حق میں یہ عین رحمت و حکمت ہے کیونکہ تابع ہونے
میں بڑی راحت ہے اور مساوات میں کبھی نظام اور تمدن قائم نہیں ہو سکتا ہمیشہ جھگڑا

اور فساد ہی ہوتا ہے خوب یاد رکھو کہ دنیا اور دین دونوں کا نظام اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ ایک تابع ہو ایک متبوع ہو۔ لوگ آجکل اتفاق و اتحاد کے لئے بڑی لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں اور تجویزیں پاس کرتے ہیں مگر جڑ کو نہیں دیکھتے یاد رکھو اتفاق و اتحاد کی جڑ یہ ہے کہ ایک کو بڑا مان لیا جاوے اور سب اُس کے تابع ہوں جس جماعت میں متبوع اور تابع کوئی نہ ہو سب مساوات ہی کے مدعی ہوں اُن میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو مساوات کا خیال تو عورتوں کو اپنے دل سے نکال دینا چاہئے کیونکہ یہی فساد کی جڑ ہے۔ اب دو ہی صورتیں رہیں یا تو عورتیں متبوع ہوں اور مرد تابع یا مرد متبوع اور عورتیں تابع اس کا فیصلہ انصاف کے ساتھ خود عورتوں کو ہی اپنے دل سے کر لینا چاہیے کہ متبوع بننے کے قابل وہ ہیں یا مرد ہیں سلیم الفطرت عورتیں کبھی اس کا انکار نہیں کر سکتیں کہ عقل میں اور طاقت میں مرد ہی بڑھے ہوئے ہیں وہی عورتوں کی حفاظت و حمایت کر سکتے ہیں۔ عورتیں مردوں کی ہرگز حفاظت نہیں کر سکتیں۔ پس مردوں کو ہی متبوع اور عورتوں کو تابع ہونا چاہیے یہی شریعت کا فیصلہ ہے اور اسی لئے اس جگہ بھی مردوں کا ذکر عورتوں سے مقدم کیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى اور یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ ہی عورتوں کا ذکر فرمایا آگے پیچھے کا فرق تو بہت تھوڑا فرق ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عورتوں کی اس قدر ہمت بڑھائی ہے کہ سرسری نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مردوں کی برابر ہی ہیں گو ہم نے دوسری آیتوں کی وجہ سے اصل مسئلہ کی تحقیق بیان کر دی کہ فی الجملہ دونوں کے رتبہ میں فرق ہے ورنہ اس آیت سے تو مساوات کا ہی شبہ ہو سکتا ہے گو تقدیم و تاخیر پر نظر کر کے مساوات کے استدلال کو رد کیا جا سکتا ہے بہر حال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں مرد و عورت دونوں اس قانون میں برابر ہیں کہ ہم کسی کا عمل ضائع نہ کریں گے پھر آگے بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ میں اس کی اور بھی تائید فرما دی یعنی

تم سب ایک دُوسرے کے جُزو ہو یہ جملہ بمنزلہ تعلیل کے ہے ماقبل کے لئے کہ مرد و عورت اِس قانون میں برابر کیوں نہ ہوں یہ تو آپس میں سب ایک ہی ہیں ایک ہی نوع کے دونوں افراد ہیں خلقت میں بھی برابر ہیں کیونکہ مردوں کی خلقت عورتوں پر موقوف ہے اور عورتوں کی خلقت مُردوں پر وہ اُنکے لئے سبب ہیں اور یہ اُن کیلئے۔

## مساوات حقوق مرد و زن

اِس مقام پر میں ایک علمی اشکال کو رفع کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ قرآن مجید میں بعض آیتیں اس قسم کی بھی ہیں جن سے سرسری نظر میں مردوں اور عورتوں کی مساوات ثابت ہوتی ہے مثلاً وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُم ۚ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ جس کا حاصل یہ ہے کہ اُوپر محرمات کا بیان تھا اُس کے بعد بیان فرمایا کہ اُن کے سوا جن عورتوں سے چاہو نکاح کر سکتے ہو ہاں مہر دینا ہوگا اور جنکو آزاد عورتیں میسر نہ ہوں بوجہ اُن کے اخراجات زیادہ ہونے کے تو اُن کو چاہیئے کہ مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لیں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُم بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ

اور تمہارے ایمان کا پُورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ (لیکن ظاہری ایمان کے اعتبار سے) تم سب ایک دُوسرے سے بنے ہو غرض یہاں بھی وہی لفظ ہے بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ یعنی تم سب ایک ہی ہو مگر یہ آیت اپنے سیاق سے مساوات میں بظاہر اُس سے زیادہ صاف ہے پہلی آیت میں تو اجر کا بیان ہو رہا ہے یعنی فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ الخ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ کے ساتھ اس کا بھی بیان ہے کہ مساوات اس بات میں ہے ____ کہ کسی کا عمل ضائع نہ کیا جاوے گا چاہے مرد ہو یا عورت عدم اضاعت عمل میں سب مساوی ہیں مگر اِس آیت میں بظاہر کوئی بھی قید نہیں کہ کس بات میں مساوات ہے بس مطلقاً فرما دیا بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ۔

پھر مساوات بھی ایسی عام کہ لونڈی باندی کو آزاد مسلمانوں کے ساتھ۔ غرض اِس آیت سے بھی بظاہر عدم تفاوت ثابت ہوتا ہے گو جواز نکاح میں بعض ائمہ کے قول پر من کل الوجوہ مساوات نہ ہو کیونکہ آیۃ میں یہ قید لگی ہوئی ہے کہ جس کو آزاد عورتوں کی مقدرت نہ ہو وہ باندیوں سے نکاح کرے معلوم ہوا کہ آزاد عورت اور باندی برابر نہیں سو یہ تفاوت ایک امر خاص میں ہے یہ اُس مساوات میں حارج نہیں جس کو میں ثابت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ خاص خاص صفات میں تو مردوں میں بھی تفاوت ہو سکتا ہے مثلاً بڑے چھوٹے میں یا امیر غریب میں باپ بیٹے میں عالم جاہل میں وغیرہ وغیرہ سو اس قسم کا تفاوت قابلِ اعتبار نہیں آخر بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ کے کچھ تو معنی ہیں، ایک آیت اور یاد آئی یہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ.

یعنی عورتوں کے حقوق بھی ویسے ہی ہیں جیسے اُن کے ذمہ مردوں کے حقوق ہیں، یہ وہ آیات ہیں جن سے عورتوں کی مساوات مردوں سے مفہوم ہو سکتی ہے، مگر اسکے ساتھ دوسری آیتوں کو بھی ملانا چاہیئے جن میں مردوں کی فوقیت عورتوں پر ثابت ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

نیز ارشاد ہے:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط

اور یہ آیات مردوں کی فوقیت اور فضیلت ثابت کرنے میں بالکل صریح ہیں اور جن آیات سے مساوات ثابت ہوتی ہے وہ اس مدلول میں صریح نہیں بلکہ قرائن مقامیہ سے خاص امور میں مساوات بتلاتی ہیں چنانچہ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ۔

میں عدم اضاعت عمل میں مساوات بتلائی گئی اور وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ میں انسانیت اور آدمیت یا ایمان میں مساوات بتلائی گئی ہے کہ

باندھا کو حقیر نہ سمجھو تم سب آدم و حوّا کی اولاد ہو یا سب اہل ایمان ہو اور وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق بھی لزوم و وجوب میں مردوں کے حقوق کی برابر ہیں گو باعتبار نوعیت کے دونوں کے حقوق میں تفاوت ہو ورنہ مساوات کلی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عورتوں پر بھی مردوں کے لئے مہر اور نان نفقہ لازم ہو حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں باقی اس سے انکار نہیں کہ بعض حقوق اور بعض امور میں یعنی حقوق مشترکہ میں عورتیں مردوں کی برابر ہیں وہ ایسی گھٹیا نہیں ہیں، جیسا مردوں نے انہیں سمجھ رکھا ہے مگر افسوس آجکل ہم عام طور سے یہ شکایت سنتے ہیں کہ غریب عورتیں کہتی ہیں کہ مردوں کے تو کیا کچھ حقوق ہمارے اوپر ہیں اور ہم بالکل جانوروں کی طرح اُن کے ہاتھ میں ہیں کہ وہ ماریں پیٹیں یا ذبح کریں ہم کچھ نہیں بول سکتے پس سُن لو کہ اللہ سبحانہٗ کیا فرما رہے ہیں اور مرد بھی سُن لیں ذرا کان کھول لیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسے ان کے اُوپر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان کے بھی مردوں پر ہیں پھر یہ کہنے کی گنجائش کہاں رہی کہ ہم جانوروں کی طرح ہیں اس شکایت کی اصل وجہ یہ ہے کہ مردوں نے اُن کے کان میں اتنا ہی ڈالا ہے کہ ہمارے حقوق تمہارے اوپر اسقدر ہیں اور یہ بات بالکل اُن کے کان تک نہیں پہنچائی کہ تمہارے بھی کچھ حقوق ہمارے اُوپر ہیں اور عام مرد تو ایسی بات اُن کے کان تک کیوں ہی پہنچنے دیتے کیونکہ اپنے خلاف ہے۔

## حقیقت حقوق العباد

مگر غضب تو یہ ہے کہ واعظ صاحبان نے بھی کبھی اس مضمون کو بیان نہیں کیا جب بیان کیا تو یہی کہ عورتیں ایسی بُری ہیں اُن میں یہ عیب ہے اور وہ عیب ہے عورتیں تو سر تا پا عیب ہی عیب ہیں گویا دوزخ ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں اس سے بیچاری عورتیں یہ سمجھ گئیں کہ ہم ایسی بُری ہیں اور سرتاپا عیب ہیں تو ہمارے حقوق مردوں کے ذمہ

کیا ہوتے بس یہی بہت ہے کہ ہم کو نان و نفقہ دیدیا جاوے، صاحبو! جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے حقوق مقرر فرمائے ہیں تو اُن کو کون بدل سکتا ہے مرد اگر اُن کا حق نہ دیں گے تو حق العبد کے گنہگار ہوں گے جو آیتیں تم نے پڑھی ہیں دیکھ لیجئے کس قدر صاف ہیں اس باب میں اور اُن سے کس قدر حقوق عورتوں کے ثابت ہوتے ہیں صرف نان نفقہ ہی عورت کا حق نہیں ہے بلکہ یہ بھی حق ہے کہ اسکی دلجوئی کی جائے حدیث میں اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ[1] یعنی عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس مثل قیدی کے ہیں اور جو شخص کسی کے ہاتھ میں قید ہو ہر طرح اُس کے بس میں ہو اسیر سختی کرنا جوانمردی کے خلاف ہے۔ دلجوئی کے معنی

---

[1] پوری حدیث یہ ہے۔ الا واستوصوا بالنساء خیرا فانما ھن عوان عندکم لیس تملکون منھن شیئاً غیر ذالک الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ فان فعلن فاہجروھن فی المضاجع واضربوھن ضربا غیر مبرح فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا الا ان لکم علی نساءکم حقا ولنساءکم علیکم حقا فحقکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم من تکرھون الا وحقھن علیکم ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن وطعامھن
ترجمہ: سن لو میری نصیحت عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے متعلق قبول کرو کیونکہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ وہ تمہارے پاس قید ہیں اس سے زیادہ کچھ اختیار تم کو ان پر نہیں ہے لیکن وہ اگر کوئی نامناسب کام کریں تو اُن کو الگ سلاؤ اور (اگر یہ کافی نہ ہو تو) ان کو مارو مگر سخت مار نہ ہو پھر اگر وہ مطیع ہو جاویں تم ان کو کچھ نہ کہو سن لو کہ کچھ تمہارے حق عورتوں پر ہیں اور کچھ حقوق عورتوں کے تمہارے اوپر ہیں تمہارے حق عورتوں پر یہ ہیں کہ تمہارے فرش پر ایسے شخص کو نہ بٹھلا دیں جس کو تم ناگوار سمجھتے ہو یعنی گھر میں بلا اجازت کسی کو آنے نہ دیں سن لو اُن کا حق تمہارے اوپر یہ (بھی) ہے کہ اُن کو اچھی طرح کھانے پہننے کو دو ۱۲ کاتب۔

یہ ہیں کہ کوئی بات ایسی نہ کرو جس سے اُس کا دِل دُکھے دِل کو تکلیف ہو بیبیو! اس سے زیادہ اور وسعت کیا چاہتی ہو۔ نان نفقہ وغیرہ ضابطہ کے حقوق کو تو سب جانتے ہیں اور وہ محدود حقوق ہیں لیکن دلجوئی ایسا مفہوم ہے جس کی تحدید نہیں ہو سکتی کہ جس بات سے عورتوں کو اذیت ہو وہ مت کرو بھلا اسکی تحدید کیسے ہو سکتی ہے۔ اب کہا جا سکتا ہے کہ عورت کے حقوق غیر محدود ہیں اس حدیث میں ایک اور نکتہ پر متنبہ کرتا ہوں کہ لفظ عوانٍ سے پردہ بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ مقید ہی ہو کر رہنے کا نام تو پردہ ہے نیز پردہ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کا منشاء حیاء ہے اور حیا عورت کے لئے امر طبعی ہے اور امر طبعی کے خلاف پر کسی کو مجبور کرنا باعث اذیت ہے اور اذیت پہنچانا دلجوئی کے خلاف ہے۔ پس عورتوں کو پردہ میں رکھنا اینز ظلم نہیں ہے بلکہ حقیقت میں دلجوئی ہے اگر کوئی عورت اس کو بجائے دلجوئی کے ظلم سمجھے تو وہ عورت نہیں اس سے اسوقت کلام نہیں یہاں اُن عورتوں سے بحث ہے جن میں عورتوں کی فطری حیاء موجود ہو۔ بے حیاؤں کا ذکر نہیں افسوس ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس میں فطری اُمور کو بھی دلائل سے ثابت کرنا پڑتا ہے۔

## ترغیب پردۂ نسواں

صاحبو! پردہ اوّل تو عورت کے لئے فطری امر ہے دُوسرے مصالح عقلیہ بھی اسی کے مقتضی ہیں کہ عورتوں کو پردہ میں رکھا جائے مگر آجکل بعض ناعاقبت اندیش پردے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں میں بقسم کہتا ہوں کہ پردہ کے توڑنے میں قطع نظر خلاف شرع اور گناہ ہونے کے اتنی خرابیاں ہیں کہ آج جو عقلاء پردہ کی مخالفت کرتے اور پردہ اُٹھا دینے کی کوششیں کرتے ہیں اُن خرابیوں کو دیکھ کر بعد میں خود ہی یہ تجویز کریں گے کہ پردہ ضرور ہونا چاہئیے مگر اسوقت بات قابو سے نکل چکی ہوگی اب تو بنی بنائی بات ہے اِسکو نہیں بگاڑنا چاہیئے پھر پچھتائیں گے اور کچھ بھی نہ ہو سکے گا آج کل

ایسا مذاق بگڑ گیا ہے کہ کوئی پردہ کو خلاف فطرت کہتا ہے کوئی قید اور حبس بیجا کہتا ہے ایک مسلمان انجینئر تھے اُن سے ایک پادری انجینئر نے کہا کہ مسلمان مذہب بہت اچھا ہے اسمیں سب خوبیاں ہیں سوا اسکے کہ عورتوں کو قید میں رکھا جاتا ہے۔ مسلمان انجینئر نے کہا کہاں ؟ ہم نے تو کسی مسلمان عورت کو قید میں نہیں دیکھا۔ کیا وہی قید جس کا نام تم نے پردہ رکھا ہے قید کے لفظ پر یاد آیا کہ ایک انگریز نے بہاولپور میں شاہی محلات کی سیر کی تو یہ داد دی کہ ہاں مکانات تو بہت اچھے ہیں مگر مہذب جیل خانے ہیں (غیر مہذب جیل خانے تو نہیں ہیں) تو ان مسلمان انجینئر صاحب نے پادری سے کہا کہ پہلے آپ یہ بتلایئے کہ قید کس کو کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قید حبس خلافِ طبع کو کہتے ہیں اور جو حبس خلافِ طبع نہ ہو اُس کو قید ہرگز نہ کہیں گے ورنہ پاخانہ میں جو آدمی پردہ کر کے بیٹھتا ہے اس کو بھی قید کہنا چاہیے کیونکہ پاخانہ میں آدمی تمام آدمیوں کی نگاہوں سے چھپ جاتا ہے سب سے الگ ہوجاتا ہے مگر اسکو کوئی قید نہیں کہتا کیونکہ یہ حبس خلافِ طبع نہیں بلکہ موافق طبع ہے اس لئے کوئی یہ نہیں کہتا کہ آج ہم اتنی دیر قید میں رہے اور فرض کرو اگر اُسی پاخانہ میں کسی کو بلاضرورت بند کر دیا جاوے کہ باہر سے زنجیر لگا دیں اور ایک پہرہ دار کھڑا کر دیا جاوے اور اُس سے کہہ دیا جاوے کہ خبردار یہ آدمی یہاں سے نکلنے نہ پاوے تو اس صورت میں بے شک یہ حبس خلاف طبع ہوگا اور اس کو ضرور قید کہیں گے اور اس صورت میں بند کرنیوالے پر حبس بیجا کا مقدمہ قائم ہوسکتا ہے بتلایئے ان دونوں صورتوں میں فرق کیا ہے ؟ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صورت میں حبس خلافِ طبع نہیں اور دوسری میں خلافِ طبع ہے پس ثابت ہوا کہ مطلق حبس کو قید نہیں کہہ سکتے بلکہ حبس خلافِ طبع کو کہتے ہیں پس آپ کو پہلے یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلمان عورتیں جو پردہ میں رہتی ہیں وہ انکی طبیعت کے موافق ہے یا خلاف اس کے بعد یہ کہنے کا حق

تھا کہ پردہ قید ہے یا نہیں میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ پردہ مسلمان عورتوں کے خلافِ طبع نہیں ہے کیونکہ مسلمان عورت کے لئے حیا، امرِ طبعی ہے لہٰذا پردہ حسبِ موافق طبع ہوا اور اُس کو قید کہنا غلط ہے اُن کی حیا، کا مقتضا یہی ہے کہ پردہ میں مستور رہیں بلکہ اگر اُنکو باہر پھرنے پر مجبور کیا جاوے یہ خلافِ طبع ہوگا اور اس کو قید کہنا چاہیئے۔ غرض عنوان کے لفظ سے پردہ ثابت ہوتا ہے مگر نہ ایسا پردہ جو قید کا مصداق ہو یعنی پردہ تو ضرور ہو مگر پردہ میں اُسکی دلجوئی کے سامان بھی مہیا ہوں یہ نہیں کہ میاں صاحب نماز کو جاویں تو باہر سے تالا لگا کر جائیں کسی سے اُس کو ملنے نہ دیں نہ اُس کی دِلراحت کا سامان کریں بلکہ مردوں کو لازم ہے کہ پردہ میں عورتوں کی دلچسپی کا ایسا سامان مہیا کریں کہ اُن کو باہر نکلنے کی ہوس ہی نہ ہو سمجھنے کی بات ہے کہ اگر مردوں کو کسی وقت وحشت ہوتی ہے تو باہر جاکر مجلسوں میں دل بہلا سکتے ہیں بےچاری عورتیں پردہ میں اکیلی کس طرح دل بہلائیں تم کو چاہیئے کہ یا خود اُسکے پاس بیٹھو یا تم کو فرصت نہیں ہے، تو کسی اُسکی ہمجنس عورت کو اُس کے پاس رکھو اگر کسی وقت کسی بات پر شکوہ شکایت بھی کرے تو معمولی بات پر بُرا مت مانو تمہارے سوا اُس کا کون ہے جس سے وہ شکایت کرنے جائے اُسکی شکایت کو نازِ محبت پر محمول کرو۔

**عشقِ خاوند** کیونکہ ہماری عورتوں میں محبت کا مادہ اس قدر ہے کہ سچ مچ عشق کا مرتبہ ہے، کانپور میں دیکھا گیا ہے کہ بعض عورتوں نے خاوند کے ظلم اور مارپیٹائی سے تنگ آکر قاضی جی کے یہاں جاکر طلاق لینے کی درخواست کی قاضی جی نے کوشش کر کے طلاق دِلوا دی ساری عمر کی مصیبتوں اور مارپٹائی کی وجہ سے طلاق لے تو لی مگر طلاق کے وقت زار زار روتی تھیں اور یہ حالت تھی کہ ابھی مرجائیں گی یا زمین پھٹ جائے تو اُس میں سما جائیں گی۔ عورتوں کی یہ بات بہت قابلِ قدر ہے کہ اُن کو خاوند سے عشق ہوتا ہے پھر کیا اُس کی یہی

قدر ہے کہ اُن کو تکلیف دی جائے یا ذرا ذرا سی ناگواری پر اُن کو الگ کر دیا جائے کسی نے خوب کہا ہے ؎

آنرا کہ بجائے تست ہر دم کرمے
عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے

کہ جس سے ہر وقت راحت پہنچے اُس سے کسی وقت اذیت بھی پہنچے تو چشم پوشی کرنا چاہیئے حضرت لقمان علیہ السلام نے جو حکیم تو سب کے نزدیک ہیں اور بعض کے نزدیک پیغمبر بھی ہیں ایک باغ میں نوکری کر لی (اس سے سبق لینا چاہیئے کہ حلال پیشہ کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے) مالک باغ ایک روز باغ میں آیا اور اُن سے ککڑیاں منگائیں اور اُس کو تراش کر ایک ٹکڑا اُن کو دیا یہ بے تکلف چبا چبا کر کھاتے رہے اُس نے یہ دیکھ کر کہ یہ بڑے مزے سے کھا رہے ہیں یہ سمجھا کہ یہ ککڑی نہایت لذیذ ہے ایک قاش اپنے منہ میں بھی رکھ لی تو وہ کڑوی زہر تھی فوراً تھوک دی اور بہت منہ بنایا پھر کہا اے لقمان تم تو اس ککڑی کو بڑے مزے سے کھا رہے ہو یہ تو کڑوی زہر ہے۔ کہا جی ہاں کڑوی تو ہے کہا پھر تم نے کیوں نہیں کہا کہ یہ کڑوی ہے۔ کہا میں کیا کہتا مجھے یہ خیال ہوا کہ جس ہاتھ سے ہزاروں دفعہ مٹھائی کھائی ہے اگر اُس ہاتھ سے ساری عمر میں ایک دفعہ کڑوی چیز ملی تو اُس کو کیا منہ پر لاؤں۔ یہ ایسا اصول ہے کہ اگر اسکو میاں بیوی دونوں یاد رکھیں تو کبھی لڑائی جھگڑا نہ ہو اور کوئی بدمزگی پیش نہ آوے بیوی یاد کرے کہ میاں نے ہزاروں طرح کے ناز میرے اُٹھائے ہیں ایک دفعہ سختی کی تو کچھ بات نہیں اور خاوند خیال کرے کہ بیوی ہزاروں قسم کی خدمتیں میری کرتی ہے ایک بات خلاف طبع بھی سہی حق تعالیٰ نے بھی یہ مضمون قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے

## سفارش قرآن

مردوں کو غور کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس عمدہ پیرایہ میں عورتوں کی سفارش کی ہے فرماتے ہیں :

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا

یہ ہے کتاب اللہ کہ اُس کی ایک ایک تعلیم کو دیکھ کر عقل سلیم والا کہہ اُٹھے گا کہ بے شک قرآن کتاب اللہ ہے فرماتے ہیں عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور اگر کسی وجہ سے وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کو کوئی چیز ناپسند ہو اور اگر اللہ تعالیٰ اُس میں بہت بھلائیاں رکھدیں، ظاہر ہے کہ ناپسند ہونا کسی وجہ ہی سے ہوگا اور زیادہ تر عورتوں کے ناپسند ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُن کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے اور یہ بات مرد کے لئے باعث اذیت ہے مگر اللہ تعالیٰ کا گویا وعدہ ہے کہ عورتوں کی بداخلاقی وغیرہ کو بھی خیر کثیر کا سبب بنا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں وہ سب کچھ کر سکتے ہیں مثلاً اُس سے اولاد ہی ہو جائے گی جو قیامت میں اس شخص کی دستگیری کرے گی۔ (کیونکہ قیامت میں ایسا بھی ہوگا کہ کسی شخص کے گناہ اس قدر ہوں گے جس کی وجہ سے اُس کو دوزخ میں ڈال دینے کا حکم ہوگا مگر اس کا کوئی بچہ صغیر سن مرگیا ہوگا وہ کہے گا کہ میں اسوقت تک جنت میں نہ جاؤنگا جب تک میرا باپ جائے گا چنانچہ اُسکی خاطر سے باپ کو جنت مل جائے گی حدیث میں اس قسم کی خبریں بکثرت آئی ہیں۔ کاتب) نیز عورتوں کی زبان درازی کی صورت میں خیر کثیر اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ مرد اُسکی ایذا رسانی پر صبر کرے اور صبر کی جزا جنت ہے ہی اور جنت کا خیر کثیر ہونا ظاہر ہے کیونکہ دنیا میں جو عورت سے تکلیف پہنچی وہ تھوڑی تھی چند روزہ تھی اور اُس کے عوض جو راحت آخرت میں حاصل ہوگی وہ یقیناً زیادہ ہوگی کیونکہ وہ باقی اور دائمی ہوگی تو عورتوں کا سبب خیر کثیر ہونا صحیح ہوگیا ان صورتوں میں مرد کو چاہیئے کہ حق تعالیٰ کے اس وعدہ پر نظر رکھے اور بیوی کی بداخلاقی پر نظر نہ کرے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیوی کو روک ٹوک بھی نہ کرے اصلاح ضرور کرے مگر نرمی کے ساتھ

اور کبھی دھمکانا بھی بُرا نہیں مگر ستاوے نہیں اور زیادہ دھمکانا بھی اچھا نہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیبیوں کے ساتھ ایسے عجیب تھے کہ آج کل کے مدعیان تہذیب سُنیں تو شاید حیرت کریں مگر ہمیں اُنکی حیرت و استعجاب کی پرواہ نہیں ہم اُنکی بیوقوفی پر ہنسیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات کو کسی کی نکتہ چینی کے خوف سے مخفی نہ رکھیں گے، ہمارا مذہب ایسا نہیں جس کی باتوں کو چھپا چھپا کر رکھا جاوے ہم علی رؤس الاشہاد اُنکو پیش کرنا چاہتے ہیں کیونکہ دنیا میں سب لوگ بیوقوف ہی نہیں بستے۔ بہت سے اہلِ عقل بھی دُنیا میں موجود ہیں جو اُن باتوں کی قدر کریں گے۔

## اخلاق رسول مقبول

کیونکہ ان واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بناوٹ اور تصنع نام کو بھی نہ تھا اور یہ خاص دلیل ہے آپکے سچا ہونے کی بناوٹ اور تصنع سے جھوٹا آدمی خالی نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اخلاق تھے اپنی بیبیوں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی چونکہ سب بیبیوں سے کم عمر تھیں تو آپ اُنکی عمر کے موافق اُنکی دلجوئی فرمایا کرتے تھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اُن کے ساتھ دوڑے بھی ہیں چونکہ حضرت عائشہ رض بچی اور چھریرے بدن کی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی عمر کے تھے آپکا جسم مُبارک بھاری ہو چکا تھا اس دوڑ میں حضرت عائشہ رض حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نکل گئیں کچھ عرصہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ایک مرتبہ دوڑے اِس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے کیونکہ اب حضرت عائشہ رض کا ذرا بدن بھاری ہو گیا تھا عورتیں بہت جلد بھاری ہو جاتی ہیں ان کا نشو و نما جلدی ہوتا ہے اِس وقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ نکل سکیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اُس کا بدلہ ہے کہ تم پہلے آگے نکل گئی تھیں۔ سُبحان اللہ کیا ٹھکانا آپ کے اخلاق کا میرے متعلقین میں ایک شخص ہیں جو مجھ سے

بیعت بھی ہیں ان میں متانت اور سنجیدگی زیادہ ہے جہاں بیٹھتے ہیں بڑے وقار کے ساتھ بیٹھتے ہیں کیا مجال جو ہنسی آجاوے یا کسی سے کھل کر بات بھی کر لیں ایک دفعہ اس کے متعلق میں نے یہ تقریر کی کہ سنجیدگی بھی پسند نہیں آدمی کو چاہیئے کہ ہنستا بولتا رہے یہ کیا کہ ہر وقت منہ چڑھا ہوا ہے ایسے آدمی سے کسی کو انس نہیں ہوتا آپ نے اس کا نام وقار رکھا ہے مگر در اصل یہ کبر ہے۔ بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون باوقار ہوگا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خندہ پیشانی تھے صحابہؓ کے ساتھ بولتے تھے لوگ جس قسم کی بات چیت کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شریک رہتے۔ ہمارا وقار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ میری عادت ہے کہ میں مدرسہ میں بیٹھ کر دوستوں کے سامنے اپنے گھر کے واقعات و حالات بھی کہہ ڈالتا ہوں (یعنی مخالفوں کے سامنے نہیں) اس سے بھی اُن صاحب کو اختلاف تھا وہ کہتے تھے کہ گھر کی باتیں مجمع میں بیان کرنا خلاف متانت ہے۔ انہوں نے تو یہ بات خیر خواہی سے کہی ہوگی لیکن میں اس کو غلط سمجھتا ہوں میں نے کہا مولانا متانت اسکو نہیں کہتے متانت بھی وہی ہے جو سنت سے ثابت ہو آپ اس متانت کی بدولت بعض سنتوں سے محروم ہیں اچھا سچ سچ بتاؤ کبھی تم نے اس سنت پر بھی عمل کیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یعنی بی بی کے ساتھ دوڑنا اور بحمد اللہ مجھے یہ دولت نصیب ہوئی ہے ہم نے اس سُنت پر عمل کیا ہے تم اس متانت ہی میں رہو گے جس کی بدولت سنت معاشرت مع الازواج پر کبھی عمل نصیب ہوگا یہ متانت نہیں بلکہ تکبر ہے یہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ بکری کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوھ لیتے ترکاری کاٹ لیتے اور گھر کے کاموں میں گھر والوں کی مدد فرماتے الحمد للہ اسپر بھی ہمیں عمل کی توفیق ہوئی ہے حضرات یاد رکھیے طریق سنت یہ ہے کہ مسلمان سیدھا سادہ رہے بڑا بن کر نہ رہے یہ کیا کہ جہاں بیٹھیں ایسے بیٹھیں جیسے مجمع کے سردار ہیں ہمارے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم تو اس طرح مل جل کر رہتے تھے کہ مجمع میں کوئی یہ بھی تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ سردار کون ہے۔ گھر کے اندر یہ حالت تھی کہ بعض دفعہ بیبیاں روٹھ جاتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹال دیتے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیبیوں سے روٹھ گئے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گئے تو دروازہ میں سے حضرت عائشہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا چلا کر بات کرتے ہوئے سنا غصہ آیا جب اندر پہنچے تو صاحبزادی (عائشہؓ) سے کہتے ہیں میں بھی سن رہا ہوں کہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور سے بول رہی ہے۔ یہ کہہ کر طمانچہ مارنے کو ہاتھ اٹھایا فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روک لیا جب حضرت صدیقؓ چلے گئے، تو حضور حضرت عائشہؓ سے فرماتے ہیں دیکھا میں نے تمکو کیسا بچا لیا ورنہ پٹ گئی ہوتیں۔

**حقیقتِ ناز** ایک دفعہ حضرت رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ بعض ازواج مطہرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور سے بولتیں اور ضد کے ساتھ فرمائشیں کرتی ہیں وہ آئے تو اسوقت حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی بیٹی) موجود تھیں اُن کو ڈانٹا کہ تم ڈرتی نہیں ہو۔ دوسری عورتوں کی ریس میں تم نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور زور سے بولنا شروع کیا ہے یاد رکھو! ہلاک ہو جاؤ گی (ازواج کا یہ زور زور سے بولنا اس وجہ سے تھا کہ وہ جانتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ناراض نہ ہوں گے ورنہ رفع صوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سخت معصیتؔ تھا) قصہ افک میں جب حضرت عائشہؓ کی برأت میں وحی نازل ہوئی تو ان کے والدین نے اُن سے کہا قُوْمِیْ اِلَیْہِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپ کا شکریہ ادا کرو تو آپ فرماتی ہیں: لَا وَاللّٰہِ لَا اَقُوْمُ اِلَیْہِ وَلَا اَحْمَدُ اِلَّا اللّٰہَ ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ بَرَاءَتِیْ اَوْ کَمَا قَالَ۔

یعنی نہیں واللہ میں تو نہیں اٹھتی نہ میں کسی کا شکریہ ادا کروں ہو اللہ کے

ؔ سورہ حجرات میں بتصریح یہ مسئلہ موجود ہے اور رفع صوت پر حبط اعمال کی وعید ہے ۱۲ کاتب

اسی نے میری برأت نازل فرمائی، ظاہر میں یہ کتنا سخت لفظ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ ہی پر کہتی ہیں کہ میں تو نہیں اٹھتی نہ میں کسی کا شکریہ ادا کر دوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاً ملال نہ ہوا کیونکہ ناز محبوبانہ تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں پہچان جاتا ہوں جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہوتی ہو عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح پہچان لیتے ہیں، فرمایا جب تم راضی ہوتی ہو تو اپنی بول چال میں یوں کہتی ہو لا و رب محمد۔ اور جب ناراض ہوتی ہو تو یوں کہتی ہو لا و رب ابراہیم۔ (اس وقت رب محمد نہیں کہتی) کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقعی آپکا خیال ٹھیک ہے مگر میں غصہ کی حالت میں بھی صرف آپ کا نام ہی چھوڑ دیتی ہوں یعنی دل سے آپ کو نہیں بھولتی جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کے ساتھ بہت تعلق تھا۔ حضرت عائشہؓ بھی سب سے زیادہ آپؐ کی عاشق تھیں ان ہی کا یہ شعر ہے۔

لواحی زلیخا لو راین جبینہ
لآثرن بالقطع القلوب علی الید

حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عاشق زار تھیں مگر پھر بھی کبھی اینٹھ جاتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہ کہتے کیونکہ درحقیقت یہ ناراضی نہیں تھی بلکہ ناز تھا یہ ایسا ہے جیسے کبھی رعایا بادشاہ سے خفا ہو جاتی ہے اور وہ ان کو سزا نہیں دیتا بلکہ ان کے کہنے کے موافق کر دیتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ وہ انتقام سے عاجز ہے بلکہ نہایت درجہ شفیق ہے اور رعایا کی ناز برداری کرتا ہے یہ ہے طرز معاشرت سنت کے موافق اب جو لوگ متانت و وقار کو لئے پھرتے ہیں وہ اسی میں رہیں۔ ہم نے ایک والی ملک کی زیارت کی ہے (ان کا نام نہیں لیتا ہوں) وہ اس قدر خلیق اور نرم تھے کہ ان کی بیوی کبھی کبھی ان کو پیٹ بھی لیتی تھیں۔ خیر یہ تو واہیات ہے کہ میاں بیوی

کے ہاتھ سے پٹا کرے مگر اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ وہ کس قدر خلیق تھے؟
درنہ ایک کے ڈونگاتے یہ بی بی صاحب کی بدتمیزی تھی کہ وہ میاں پر ہاتھ اٹھاتی تھیں اور میاں کا ڈھیلا پن تھا کہ بی بی کو اتنا گستاخ کر دیا گیا تھا صرف نواب صاحب کی وسعت اخلاق دکھلانے کے لیے یہ حکایت زبان پر آ گئی باقی بیوی کے ہاتھوں سے پٹنا پٹانا تو بڑا ادا ہیات ہے میرا مطلب یہ ہے کہ بیوی پر اپنا رعب آنا نہ بڑھانا چاہیئے کہ میاں بالکل ہوا ہی ہو جاوے کہ ادھر میاں نے گھر میں قدم رکھا اور بی بی کا دم فنا ہوا ہوش و حواس بھی جاتے رہے بیچاری کے منہ سے کوئی بات نکلی یا کوئی چیز مانگی اور ڈانٹ ڈپٹ شروع ہو گئی کہ تم بہت فضول خرچ ہو اس چیز کی کیا ضرورت تھی اس چیز کی کیا ضرورت ہے ——— ؟

## خرچ زوجہ

بعض لوگ ضروری کھانے پینے میں بھی عورت پر تنگی کرتے ہیں اور اسی کے لئے اصول مقرر کرتے ہیں مثلاً چار آنے روز سے زیادہ نہ دیں گے چاہے کوئی مہمان آوے یا کوئی بیمار ہو جاوے بات بات پر کہتے ہیں کہ بس اس سے زیادہ نہ ملے گا بھلے مانس عورت تو اہل وصول ہے اہل اصول نہیں ہے۔ تم بڑے اہل اصول ہو تو ذرا اپنی ذات کے لئے پابندی کر کے دکھلاؤ اپنے واسطے تو کوئی رقم دو آنہ چار آنہ یا روپیہ کی مقرر کرو کہ اس سے زیادہ کسی حال میں خرچ نہ کرو گے خواہ بیماری ہو یا شادی یا غمی ہو یا کوئی آفت ناگہانی مثلاً کوئی مقدمہ آپ کے سر پڑ جاوے پھر دیکھیں کہ آپ اصول کی پابندی کہاں تک کرتے ہیں سب اصول رکھے رہ جائیں گے ذرا سی دیر میں سینکڑوں روپیہ پر پانی پھر جاوے گا پھر غریب بیوی کے ساتھ ہی کیوں اصول بگھارتے ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ عورتوں کو فضول خرچی کی اجازت دیدی جاوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے جتنی وسعت تمکو دی ہے جیسا تم اپنی ذات کے لئے خرچ کرتے ہو ویسا ہی اس کو بھی خرچ کرنے

دو شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو راحت دو اس کو پریشان اور تنگ مت کرو نان نفقہ فراغت کے ساتھ اس کی دلجوئی کرو اس کی بہت سی ایذاؤں پر صبر کرو اور حق تعالیٰ کے اس وعدہ پر نظر رکھو۔ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا۔

مسلمانوں کو بیبیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل ومعاشرت کی موافق عمل کرنا چاہیے متانت وغیرہ کو بالائے طاق رکھنا چاہیے، متانت وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال وافعال میں ہے خوب سمجھ لو۔

## مسئلہ تساوی

بیان یہ ہو رہا تھا کہ قرآن میں عورتوں اور مردوں کے متعلق آیتیں مختلف مضامین کی آئی ہیں ایک وہ آیت ہے جس کا بیان ہو رہا ہے جس سے مردوں عورتوں کی تساوی معلوم ہوتی ہے اور بعض آیتوں سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے مثلاً وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ کہ مردوں کا درجہ عورتوں سے زیادہ ہے اس کے آگے ہے۔

یہ جملہ تعلیلیہ ہے جس کا حاصل یہ ہوا اس فضیلت میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ اللہ کی دی ہوئی ہے جو غالب ہیں ان کے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہیں اور یہ حکم زا حاکمانہ بھی نہیں کیونکہ وہ حکیم بھی ہیں انہوں نے جو کچھ بھی حکم دیا ہے حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا لہذا کچھ چوں وچرا کی گنجائش نہیں ایک آیت اور یاد آئی وہ یہ ہے: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ

جس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ام سلمہ نے حسرت کے ساتھ تمنا کی کہ کاش ہم بھی مرد ہوتے تو مردوں کی طرح جہاد کرتے۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں حق تعالیٰ نے ایسی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے اور ممانعت کا عنوان یہ ہے کہ ہم نے

جو تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اسکی تمنا ایک دوسرے کو نہ کرنی چاہیئے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اسی لئے تو حضرت ام سلمہؓ نے مرد ہونے کی تمنا کی تھی۔ آگے اسی آیت میں ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ

یعنی مردوں کو ان کے عمل کی جزا ملے گی اور عورتوں کو ان کے عمل کی اس جملہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدار عمل پر ہے اور جب مدار عمل پر ہے تو اگر عورت عمل زیادہ کرے تو مرد سے بھی بڑھ سکتی ہے۔ حاصل یہ کہ یہ تین آیتیں ہیں ایک سے تساوی ثابت ہوتی ہے مرد و عورت میں اور ایک سے فضیلت مردوں کو عورتوں پر اور ایک سے یہ کہ عورت مرد سے بھی بڑھ سکتی ہے۔ ان آیتوں میں سے کسی ظاہر بین کو تعارض کا شبہ ہو سکتا ہے مگر حقیقت میں تعارض نہیں ہے اور اس کا فیصلہ خود قرآن کی آیتوں میں موجود ہے اور یہ خاص شان ہے قرآن کی کہ یفسر بعضہ بعضاً یعنی قرآن اپنی شرح خود کرتا ہے اسکو دیکھ کر بے اختیار زبان پر آتا ہے ؎

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
گر دلیلت باید ازوے رُو متاب

سورج کے وجود کی دلیل یہی ہے کہ دیکھ لو سورج نکلا ہوا ہے اور دلیل کیا ہوتی ہے۔ یہی قرآن کی شان ہے کہ جہاں کوئی اشکال پیدا ہو غور کرو، وہیں اس کا حل بھی ہوگا اب آیتوں میں غور کیجئے پہلے میں ایک قاعدہ بیان کرتا ہوں اس کو سمجھ لیجئے پھر دیکھئے کہ آیتوں میں تعارض کہاں ہے ـــــ؟

## اقسامِ فضائل

وہ قاعدہ یہ ہے کہ فضائل دو قسم کے ہیں ایک خلقی اور ایک مکتسب خلقی کہتے ہیں پیدائشی کو اور مکتسب کہتے ہیں اُن صفات کو جو اختیار اور کسب سے حاصل ہوتی ہیں تو صفاتِ خلقیہ میں تو مرد، عورتوں سے بڑھے

ہوئے ہیں جیسے کمال عقل شجاعت قوت عمل اتدبیرات ملکات میں حق تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ عورت چاہے کیسی امیرزادی ہو کتنی ہی حسین وجمیل ہو چونکہ ان صفات میں وہ مردوں سے گھٹی ہوئی ہے اس لئے فرمایا گیا وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ اور جو صفات مکتسب ہیں یعنی جو حاصل ہوتی ہیں اور عمل اور اختیار سے جیسے اصلاح اخلاق و اعمال وغیرہ ان میں نہ مرد کو بڑھا ہوا کہہ سکتے ہیں نہ عورت کو بلکہ جو زیادہ کام کرے اور اخلاق فاضلہ اختیار کریگا وہی بڑھا ہوا ہوگا اگر مرد کوشش کریگا تو مرد بڑھ جاوے گا عورت کوشش کرے گی تو عورت بڑھ جاوے گی یہ حاصل ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ: کاان دونوں کے علاوہ ایک قسم فضیلت کی اور ہے جس کو اصطلاح میں فضیلتِ اضافی کہنا چاہیے کیونکہ اس فضیلت کا منشاء خالق وعید کا تعلق ہے یعنی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہ ہونا سو یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے اس میں مرد وعورت دونوں مساوی ہیں عمل کسی کا ضائع نہ ہوگا۔

یہ اور بات ہے کہ ہر عامل کے عمل میں تفاوت ہو لیکن اس قانون میں مساوات رہے گی کہ کسی کا عمل ضائع نہ ہوگا، حاصل یہ کہ تین قسم کے فضائل ہوئے فضائل خلقیہ اور فضائل مکتسبہ اور فضائل اضافیہ۔ اول میں مرد بڑھے ہوئے ہیں۔ دوسرے میں کبھی مرد بڑھے ہوئے ہوں گے کبھی عورتیں تیسرے میں دونوں برابر ہیں اب جو فضائل خلقیہ ہیں ان کی تمنا کرنا اور نہ حاصل ہونے پر دل شکستہ ہونا فضول بات ہے۔ جیسے عورتیں یوں کہیں کہ کاش ہم بھی مرد ہوتے اور اس حسرت میں رات دن رویا کریں تو اللہ تعالیٰ اس سے منع فرماتے ہیں: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ

کیونکہ جو چیز محض وہبی ہے اور ہمارے اختیار کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں نہ ہم اس کو اپنی سعی وکوشش سے حاصل کر سکتے ہیں تو اس کے لئے رونا رنج کرنا بیہودہ حرکت نہیں تو اور کیا ہے؟ سوائے تضیعِ وقت کے اس میں کچھ بھی نہیں پھر اس

کی دھن میں آدمی دوسرے ضروری کاموں سے بھی رہ جاتا ہے جن کا حصول اختیاری ہے تو کون عقلمند اس صورت کو پسند کریگا کہ وہبی غیر اختیاری کے فکر میں رات دن مریں اور اس کے لئے رویا کریں اور تعطل سے مضرت میں پڑیں پس شریعت کی یہ تعلیم عین مطابقِ عقل اور بالکل صحیح تعلیم ہے کہ ایسی باتوں کی فکر میں مت پڑو جو تمہارے اختیار سے باہر ہیں مثلاً کوئی رات دن اس رنج میں رویا کرے کہ ہائے ہم نبی نہ ہوئے تو یقیناً احمق ہے، کیونکہ نبوت تو ایک وہبی چیز ہے کسب سے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی تو رونے سے کیا فائدہ ؟ اور فضائل مکتسبہ میں تمنا کرنا جائز ہے مگر صرف تمنا کرنا کافی نہیں بلکہ عملِ کسب اور ہمت کی ضرورت ہے اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں :

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ

کہ فضائل مکتسبہ اکتساب سے حاصل کرو کہ ان کا مدار صرف کسب پر ہے ہمت کرو نری تمنا سے کچھ نہیں ہوتا۔

## امور اختیاری وغیر اختیاری

غرض خلاصہ تعلیم کا یہ ہوا کہ امور غیر اختیاریہ کی تو تمنا بھی نہ کرو اور امور اختیاریہ میں ہمت کرو اور یہ وعدہ یاد رکھو کہ کسی کا عمل ضائع نہ ہوگا، یہ کیسی پاکیزہ تعلیم ہے اور یہ تعلیم سالکین کے لئے نہایت کارآمد ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ اس کو ہر وقت پیشِ نظر رکھے یہ ایک بڑا بھاری دستور العمل ہے کہ جو بات اس کے اختیار میں نہ ہو اس کے درپے نہ ہو اور جو بات اختیار میں ہو اس میں ہمت کرے مثلاً ذکر و شغل ہے ذوق و وجد ہے ان میں ذکر شغل اختیاری چیزیں ہیں اور ذوق اور وجد اختیاری نہیں تو سالک کو چاہیئے کہ ذکر شغل جس قدر ہو سکے کرے یعنی جس قدر اس کا مربی تعلیم کرے اس کی پابندی رکھے اور ذوق و وجد کے پیچھے نہ پڑے۔ بعض لوگ جب ذکر شغل کرتے ہیں اور ذوق و وجد پیدا نہیں ہوتا تو دلگیر ہوتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ صاحب ہم کو ذکر شغل کرتے ہوئے اتنے دن ہوئے

اب تک کوئی بات ہی نہیں پیدا ہوئی یعنی ذوق وجد کشف وغیرہ وغیرہ حاصل نہیں ہوا میں کہتا ہوں خدا کے بندے اگر یہ امور اختیاری ہیں (حالانکہ یہ غلط ہے) تو شکایت کیوں کرتے ہو کوشش کئے جاؤ پیدا ہوجاویں گے اور غیر اختیاری ہیں تو ان کے پیچھے کیوں پڑے اور کیوں رنج کیا۔ غرض رنج کرنا اور شکایت کرنا تو ہر حال میں بے سود ہے کام کرنا چاہئے جس کسی کو یہ امور حاصل ہوتے ہیں ان کے اختیار اور کسب کو اس میں دخل نہیں ہوتا ایسی ہی اُمور کے بارہ میں ارشاد ہے۔

لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

کہ ان باتوں کی تمنا مت کرو اپنا کام کئے جاؤ۔ غیر اختیاری امور تمنا سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ان کے درپے ہونے سے بے حد پریشانی اُٹھانا پڑتی ہے کبھی اس پریشانی میں قبض ہوجاتا ہے پھر آدمی ذکر و شغل سب کچھ کرتا ہے مگر دل نہیں کھلتا کیونکہ یکسوئی نہیں ہوتی ہر وقت دل میں ایک بند لگا ہوا معلوم ہوتا ہے کبھی آدمی ان پریشانیوں سے گھبرا کر کام ہی کو چھوڑ بیٹھتا ہے حتیٰ کہ ضروری اعمال سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی وقت کے لئے عارف شیرازی فرماتے ہیں یہ بزرگ گو صاحب حال ہیں مگر حال کے اندر بھی مسائل کی تعلیم فرماتے ہیں ؎

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش،
بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش
اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال
مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

حاصل یہ ہے کہ قبض کی حالت میں گھبرانا نہیں چاہئے صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے اعمال کو چھوڑنا نہیں چاہئے سالک کو عجیب عجیب حالات پیش آتے ہیں کبھی قبض ہوتا ہے اور یہ تعلیم اسی کے متعلق ہے اور کبھی بسط ہوتا ہے اور اپنے عمل پر

ناز ہو جاتا ہے اس کے واسطے بھی تعلیم فرماتے ہیں ؎

تکیہ بر تقوی و دانش در طریقت کافری است
راہ رو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

یعنی اپنے عمل اور ذکر شغل کو کچھ مت سمجھو۔ ان سے کچھ نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے حق تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔ یہ حضرت حافظؒ کی پوری غزل ہے اور اس میں سب مسائل ہی مسائل بیان فرمائے ہیں۔ میں نے ان اشعار کو تعلیم الدین میں تفصیل سے لکھ دیا ہے اس وقت سب اشعار کو نہیں پڑھتا ہوں کیونکہ یہ جلسہ مشاعرہ کا نہیں ہے نہ سب اشعار کی اس وقت ضرورت ہے۔

## حقیقت فعل غیر اختیاری

میں بیان یہ کر رہا تھا کہ اُمور غیر اختیاریہ کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے اس سے سوائے پریشانی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور وہ حاصل نہ ہوں تو شکایت مت کرو۔ اور جو اُمور اختیاریہ ہیں ان کو اپنے ارادہ اور اختیار سے کرو جہاں تک اختیار کو دخل ہے۔ اور جس درجہ میں وہ بھی اختیار سے خارج ہوں اس کے بھی پیچھے مت پڑو یہ اُصول سالکین کے لئے بہت ہی کار آمد ہیں اور بالکل صحیح ہیں ان کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب کوئی پریشان ہو چکا ہو اس کے بعد اس کے کان میں یہ علوم پڑیں تو اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ پہلے مُردہ تھا اب زندہ ہو گیا۔ ایک اور مثال سنئے مثلاً کوئی تہجد کا شوقین ہے تو ظاہر ہے کہ تہجد کا قصد کرنا تو فعل اختیاری ہے لہذا اس کو چاہیئے کہ ہمت کرے اور آنکھ کھلنے کا اہتمام کرے اس کی تدبیر بھی پوری طرح کرے۔ مثلاً کھانا ذرا سویرے کھاوے اور عشاء کی نماز پڑھ کر فوراً سو رہے اور کھانے میں دو چار لقمے کم کھاوے پانی کم پیئے یہاں تک تو اس کے اختیار میں ہے اب فرض کرو کہ کوئی شخص یہ سب تدبیریں کر کے سویا اور ارادہ تھا کہ تہجد پڑھیں گے مگر اس پر بھی آنکھ نہ کھلی

آنکھ اُس وقت کھلی جبکہ تہجد کا وقت ختم ہو چکا تھا تو اب یہ روتا اور پریشان ہوتا ہے اور کہتا ہے میں بڑا بدنصیب ہوں شاید مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے جو تہجد سے محروم رہا لیکن اگر یہ بات اس کے کان میں پڑی ہوتی ہے تو بہت کام دے گی کہ امر غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے اس کے فوت ہونے سے کچھ ضرر نہیں ہوتا اس بات کے بتلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فجر قضا کرا دی تاکہ سالکین کو اس واقعہ سے تسلی ہو جائے حدیث میں لیلۃ التعریس کا قصہ مشہور ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مع لشکر کے سفر میں تھے رات کے آخری حصہ میں ایک میدان میں قیام کیا فجر کی نماز کے لئے جاگنے کا پورا اہتمام کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو اس وقت بیدار رہ کر پہرہ دے تاکہ صبح کے وقت ہم کو اٹھا دے حضرت بلال رضی اس کے لئے تیار ہوئے اور کجاوہ سے پشت لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے کہ فجر ہو تو میں اذان دوں اور سب کو اٹھاؤں خدا کی قدرت کہ سب تو سو ہی رہے تھے ان کی بھی آنکھ لگ گئی اور ایسے بے خبر سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی لوگ گھبرا گئے اور پریشان ہوئے اور ڈر گئے کہ آج نماز قضا ہو گئی۔ خدا جانے کیا وبال آوے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی اور فرمایا گھبراؤ نہیں (سبحان اللہ کیسی عجیب تعلیم اور کیسا استقلال اور کیسا عرفان ہے) پھر فرمایا لَا تَفْرِيْطَ فِي النَّوْمِ سونے میں کچھ تقصیر نہیں کیونکہ غیر اختیاری بات ہے اِنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِي الْيَقْظَةِ تقصیر تو بیداری کی حالت میں ہوتی ہے اس کے بعد وہاں سے تھوڑی دور چل کر قضا نماز پڑھی۔ کیا ٹھکانا ہے اس شفقت کا خدا کی حکمت و رحمت ہے کہ عمر بھر میں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی قضا ہو گئی اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل سلوک تو ایسا واقعہ پیش آنے سے مر ہی جاتے حق تعالیٰ نے ایک نظیر قائم کر دی جس سے اہل سلوک کو تسلی ہو سکتی ہے کہ امام العارفین

اور سلطان العابدین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پیش آئی تو ہم کیا چیز ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو فرض نماز قضاء ہوگئی تھی تا بنفل چہ رسد۔ اس بات کے کہنے کو تو جی نہیں چاہتا تھا کیونکہ شاید کم ہمتوں کو اس سے سہارا مل جاوے مگر جب حدیث میں واقعہ منقول ہے تو یہ دین کی ایک بات ہے اور دین کی بات کو چھپانا دین کے خلاف ہے اس لئے ظاہر کر دیا نیز جیسے تھوڑے سے ضرر کا احتمال ہے اس سے زیادہ نفع کی اُمید ہے کیونکہ اہل ہمت کو بعض وقت معمولات کے فوت ہونے سے بہت پریشانی ہو جاتی ہے ان کے لئے اس واقعہ میں بہت کارآمد اور ضروری بات موجود ہے جس سے ان کی زندگی ہو سکتی ہے۔ اس واقعہ سے اس مسئلہ کی پوری تائید ہوگئی کہ امر غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے آدمی کو چاہیئے کہ جتنا ہو سکے کوشش کرے۔

اختیاری اعمال میں کوتاہی نہ کرے اگر اس پر بھی کامیابی نہ ہو تو اب معاملہ اختیار سے باہر ہے اس کے پیچھے نہ پڑے اور کامیابی نہ ہونے سے رنجیدہ نہ ہو دیکھو لیلۃ التعریس کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے لئے تدبیر پوری کی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پہرہ پر بٹھا دیا یہاں تک تو اختیاری فعل تھا اس کے آگے غیر اختیاری معاملہ تھا جب اختیاری فعل میں کوتاہی نہیں کی گئی اور پھر بھی کامیابی نہیں ہوئی تو آپ نے صحابہ کو رنج و غم کرنے سے منع کیا ان کو تسلی دی اور اطمینان دلایا کہ تم کو کچھ گناہ نہیں ہوا رنج نہ کرو مگر اب تو یہ حال ہے کہ بعض لوگ تہجد کا شوق ظاہر کرتے ہیں تو میں پہلے تو آنکھ کھلنے کی تدبیریں بتلاتا ہوں بعض اس پر بھی شکایت کرتے ہیں کہ ساری تدبیریں کیں مگر کامیابی نہیں ہوتی۔ تہجد اب بھی قضا ہو جاتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ عشاء کے بعد وتر سے پہلے تہجد پڑھ لیا کرو۔ اس پر ان کے دل کو قناعت نہیں ہوتی اور یوں کہتے ہیں کہ عشاء کے بعد تہجد پڑھنے سے تو جی بھلا نہیں ہوتا اس خودرائی پر مجھے غصہ آتا ہے آخر مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ بھائی مجھے چھوڑ دو اور اس کے پاس جاؤ جو

تمہارا جی بھلا کرے خبردار جو پھر مجھ سے کوئی شکایت کی جب تم کو ایک بات بتائی جاتی ہے تو اس پر عمل کیوں نہیں کرتے اور اگر عمل کرنا نہیں ہے تو پوچھتے کیوں ہو ؟

## ضرورتِ عمل

صاحبو! یہ بھی نفس کا ایک حیلہ ہے کہ جی بھلا نہیں ہوتا اس حیلہ سے نفس تمکو اوّل شب کے صلوٰۃ اللیل سے بھی محروم کرنا چاہتا ہے اور آخر میں آنکھ نہیں کھلتی تو انجام یہ ہوتا ہے کہ تہجد بالکل نصیب نہیں ہوتا بتلاؤ یہ اچھا ہے یا یہ اچھا ہے کہ کچھ تو نصیب ہو جاوے، ہاں ایک صورت تمہارا جی بہلانے کی یہ ہے کہ مجھے ایسی کرامت دلوا دو کہ میں تمہارے پاس آکر ڈنڈے مار کر اُٹھا دیا کروں گویا میں انسپکٹر بن جاؤں، خوب یاد رکھو کہ کام اپنے ہی کرنے سے ہوتا ہے اگر اوّل شب میں تہجد پڑھنے سے جی بھلا نہیں ہوتا تو ہمت کر کے اخیر شب میں اُٹھا کرو مشکل یہ ہے کہ بعض لوگ سہل تعلیم کی قدر نہیں کرتے اور دشوار تعلیم پر ان سے عمل نہیں ہو سکتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام ہی رہ جاتا ہے۔ جب آنکھ نہ کھلنا غیر اختیاری بات ہے تو جتنا اختیاری ہے یعنی اوّل شب میں پڑھ لینا اس پر عمل کیوں نہیں کرتے اخیر شب کا تہجد نہ سہی اول شب کا تو ہو جاوے گا نہ ہونے سے تو اچھا ہو گا پھر جب تمہارا ارادہ اخیر شب میں پڑھنے کا ہے تو یہ ارادہ فعل اختیاری ہے آپنے یہ کر لیا تو باوجود تہجد ناغہ ہو جانے کے بھی اس کا ثواب ملے گا اگر آنکھ کھل گئی تو خوش قسمتی ہے نہ کھلی تو پریشان نہ ہو جئے۔ حاصل یہ کہ آیت لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ــــــ میں یہ تعلیم ہے کہ امور اختیاریہ کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے یہ بات سالکین کے لئے بڑے ہی کام کی ہے اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ یہ بات درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر آگئی۔

## تمنّا کی حقیقت

اصل بیان عورتوں کے متعلق ہو رہا تھا کیونکہ آیت لَا تَتَمَنَّوْا کی اصل مخاطب عورتیں ہی ہیں جیسا کہ شانِ نزول سے

معلوم ہوا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے تمنا کی تھی کہ ہم مرد ہوتے تو اچھا تھا۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں بتا دیا گیا کہ ایسی تمنا فضول ہے یہ تو قانونی جواب ہے کہ منع کر دیا گیا کہ ایسی تمنا فضول ہے۔ یہ تو قانونی جواب ہے کہ منع کر دیا گیا کہ ایسی تمنامت کرو اور اس میں ایک راز بھی ہے وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے جس کو مرد بنایا اس کے لئے یہی مناسب تھا اور جس کو عورت بنایا اس کے لئے بھی یہی مناسب تھا ہر شخص کو خدا تعالیٰ نے وہی دیا ہے جو اس کے لئے مناسب تھا اسکی تفصیل کہاں تک کی جاوے اہل بصیرت خود سمجھ سکتے ہیں اور ذرا سے غور سے ہر موقع پر سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جس کو جیسا حق تعالیٰ نے بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا۔ مگر ہر شخص دوسرے کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کر کے دیکھئے اور سوچئے تو اس کو معلوم ہو گا کہ میرے مناسب وہی حالت ہے جس میں خدا نے مجھ کو رکھا ہے آجکل بھی ایسے لوگ موجود ہیں کہ دوسروں کی حالتوں کو سن کر تمنا کرتے ہیں کہ ہم فلاں ہوتے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب تھے جو پڑھے لکھے ذی استعداد تھے حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل پڑھاتے ہوئے یہ تمنا کی تھی کہ ہائے میں عائشہ ہی ہو جاتا۔ میں نے کہا چاہ بندۂ خدا، تمنا ہی کرنا تھی تو یہ تمنا کی ہوتی کہ میں ابوبکر صدیق ہوتا آپ مرد سے عورت بننا چاہتے ہیں۔ وہی صاحب ایک دفعہ جنت کے فضائل دیکھتے ہوئے کہنے لگے کاش میں جنت کا الو ہی ہو جاتا۔ میں نے کہا پھر آپ جنت کو بھی ویران کرتے (یہ ظریفانہ کلمہ بنا بر قول مشہور ہے کہ الو کے بیٹھنے سے ویرانہ ہو جاتا ہے ورنہ اس کی کچھ اصل نہیں) خیر وہ تو جنت ہی کا الو بننا چاہتے تھے مگر آجکل کا زمانہ عجیب طرح کا ہے کہ لوگ ہندوستان اور پنجاب کے جانور بننا چاہتے ہیں کوئی شیر پنجاب بنتا ہے، کوئی طوطیٔ ہند، کوئی بلبلِ ہند لوگ انسان سے جانور بننا چاہتے ہیں۔ خدا خیر کرے آج تو شیر اور بلبل بنے ہیں کل کو گاؤ ہند اور خر ہند بھی بننے لگے گا۔ کیا واہیات ہے خدا نے تم کو انسان بنایا تم چرند پرند کیوں بنتے ہو۔ حق تعالیٰ نے تو تم کو مرد بنایا تم عورت کیوں

بنتے ہو۔ خدا تعالیٰ کے فعل میں اصلاح کیوں دیتے ہو۔ دوسروں کو دیکھ کر ان کی برابر ہونے کی تمنا کرنا ٹھیک نہیں اسی کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ بعض لوگ جوش محبت میں کہا کرتے ہیں ہائے ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کیوں نہ ہوئے۔؟ ظاہر میں تو یہ لفظ اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی دلیل ہے۔ ———— مگر ذرا سوچو تو کہ اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے اور ہم ہم ہوتے یعنی ایسے ہی ہوتے جیسے اب ہیں (اور اگر ایسے نہ ہوتے بلکہ کچھ اور ہوتے تو اس سے بحث نہیں کیونکہ اس وقت ہم ہم نہ ہوتے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمارے ہونے کا نتیجہ کیا ہوتا کہ جب جہاد کی آیت نازل ہوتی تو ہم کیا کرتے ذرا دل کو ٹٹول کر دیکھئے کہ اس وقت ہماری کیا گت ہوتی، حالت تو یہ ہے کہ رات کو پیشاب کرنے کو بھی اُٹھتے ہیں تو بی بی سے کہتے ہیں ذرا کھڑی ہو جانا میں پیشاب کر لوں اور آیت میں حکم ہوتا اہل فارس کے مقابلہ میں جانے کا جو بڑے ساز و سامان والے اور بڑے لڑنے والے تھے تو سوا اس کے کہ اِدھر اُدھر دیکھتے پھرتے ہم اور کیا کرتے پھر ہماری اس حرکت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج دینے کا وبال جتنا سخت ہے معلوم ہے تو بجائے اس کے کہ ہم کو اس زمانہ میں ہونے سے کچھ فائدہ پہنچتا سخت سے سخت نقصان پہنچتا، خدا جانے ہمارا کیا حشر ہوتا پس بڑی خیر ہوئی کہ ہم اس زمانے میں نہ ہوئے اور اگر جہاد کی آیت بھی نہ اترتی تب بھی کبھی تو ایسی صورت پیش آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری کسی بے عنوانی پر خفا ہوتے۔

## حقیقت رسول مقبول

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف حلیم ہی نہ تھے بلکہ حکیم بھی تھے کبھی خفا بھی ہوتے تھے نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی فرماتے تھے کیونکہ ہر جگہ نرمی کارآمد نہیں بلکہ ہر چیز اپنے موقع پر ہی کارآمد ہوتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فضول باتوں پر ناخوش بھی ہوتے تھے اس قسم کے بہت سے قصے حدیثوں میں موجود ہیں اب سوچئے کہ اس وقت ہم کیا

کرتے ! ہم لوگوں کی جو کچھ حالت ہے وہ معلوم ہے۔ تو حضرت جو کچھ محبت اور جوش ہم اس وقت ظاہر کر رہے ہیں جس کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہونے کی تمنا کی جاتی ہے اسکی پوری حقیقت کھل جاتی نیز اگر ہم سے کوئی بے عنوانی ہو جاتی اور فرض کیجئے بطورِ معالجہ کے کوئی ایسی صورت تجویز فرماتے جس سے مجمع عام میں ہماری ذلت ہوتی اس وقت ہم جیسوں کو کیسی مشکل پیش آتی کیونکہ دیکھتے ہیں اسوقت طالبین کی حالت یہ ہے کہ علماء اور بزرگوں اور استادوں کے سامنے منہ بنانے لگتے ہیں ذرا سی سختی کے متحمل نہیں ہوتے مگر یہ حضرات تو نبی نہیں ہیں ان کے سامنے منہ بنانے کا نتیجہ اتنا ہی ہے کہ ان کے فیوض و برکات اور تعلیم سے محروم رہے مگر نبی کے ساتھ قلب میں کدورت ہونا ان کے حکم سے ناگواری لینا تو کفر ہے سو ہمیں اس زمانے میں ہونے سے یہ حاصل ہوتا اچھے صحابی بنتے کہ اخیر میں کافر اور مرتد ہی بننا پڑتا۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ خدا نے بڑی خیر کی کہ ہم اس زمانہ میں نہ ہوئے ورنہ ہلاک ہی ہو جاتے۔ بس ہماری تو دور ہی کی محبت ٹھیک ہے اسوقت دل میں کیا کیا ولولے اُٹھتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق غالب ہے مسلمان کا بس نہیں کہ ایک نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیں ورنہ ہر مسلمان کی واللہ یہ حالت ہے کہ سارا مال اور ساری اولاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر نثار کرنے کو تیار ہے گو اس میں زیادہ حصہ زبانی ہی جمع خرچ ہو مگر خیر کچھ تو محبت بھی ہے مگر اس صورت میں تو قلعی کھل جاتی اور زبانی محبت بھی نہ رہتی۔ غرض ہمارے مناسب حال یہی ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہوئے ——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مناسب حضرات صحابہؓ ہی تھے جن کے صدق و محبت و عشق کے کارنامے دنیا کو معلوم ہیں۔

**مرتبۂ نسواں**

غرض جس کو جس حال میں خدا تعالیٰ نے رکھا اس کے لئے وہی مناسب تھا اگر مرد عورتیں بن جائیں اور عورتیں مرد

تو خدا جانے کیا کیا آفتیں کھڑی ہو جائیں خدا تعالیٰ نے مختلف قسم کی مخلوقات پیدا کی ہیں اور ہر نوع کو جدا جدا حالات دیئے ہیں سو ہر نوع اسی حالت کے قابل ہے جو اس کے لئے تجویز ہوئی اس مضمون کو کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

بگوشِ گل چہ سخن گفتہ کہ خندان ست

بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان ست

اہل لطائف نے آیت وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ——— کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ بلسان الاستعداد کہ جس میں جیسی استعداد تھی ویسا ہی اس کو دیا۔ جب ثابت ہو گیا کہ جس کو حق تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے اس کے مناسب وہی تھا تو اس کے خلاف کی تمنا کرنا فضول اور بیکار ہے بلکہ حق تعالیٰ کے فعل میں اصلاح دینا ہے لہذا عورتوں کو یہ تمنا کرنا کہ ہم مرد ہوتے بیجا ہے۔ اب میں بیان کو ختم کرتا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ عورتیں ہر طرح مردوں سے گھٹی ہوئی نہیں جیسا عام طور سے مشہور ہے بلکہ بعض باتوں میں مردوں کی برابر ہیں یعنی فضائل اضافیہ میں جس کے بارہ میں یہ آیت ہے

اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی

اور بعض باتوں میں مردوں سے بڑھ بھی سکتی ہیں یعنی فضائل مکتسبہ میں جس کے متعلق یہ آیت ہے لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ——— ہاں بعض باتوں میں عورتیں مردوں سے گھٹی ہوئی ہیں اور وہ امور خلقیہ ہیں جیسے قوت شجاعت تدبر وغیرہ تو جس بات میں وہ مردوں کے برابر ہیں یعنی عدم ضیاع عمل اور جس بات میں ان سے کم ہیں یعنی امور خلقیہ یہ دونوں انکے اختیار سے خارج ہیں کیونکہ امر اول یعنی عدم ضیاع عمل تو وعدہ ہے حق تعالیٰ کی طرف سے جس میں محض اپنے فضل سے حق تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کی برابر رکھا ہے تو وہ حق تعالیٰ کا فعل ہے نہ ان کا اور چونکہ اس کا وعدہ ہے اس لئے اسکی تمنا کے کچھ معنی نہیں ہاں دعا

اس کے لئے بھی مندوب ہے اور دعا کے معنی یہ ہوں گے کہ ہمکو اس قابل بنا دیجئے کہ ہم محل ولادہ بن سکیں اور امور خلقیہ کا خارج عن الاختیار ہونا ظاہر ہے اور چونکہ ان میں حق تعالیٰ نے مردوں کو فضیلت دی ہے عورتوں پر لہذا ان کے خلاف کی تمنا کرنا یا دعا کرنا بھی جائز نہیں جیسے عورت تمنا کرے کہ مرد بن جائے۔ اب رہ گئے وہ امور جن میں عورتیں مردوں سے بڑھ بھی سکتی ہیں ان کا خلاصہ ہے اعمال شرعیہ اور اس سے بھی مختصر لفظ ہے دین سو وہ اختیاری ہے اسمیں جتنی جس کی ہمت ہو ترقی کر سکتا ہے مرد ہمت کریں تو عورتوں سے بڑھ سکتے ہیں۔ عورتیں ہمت کریں مردوں سے بڑھ سکتی ہیں جس کو شوق ہو ہمت کرے میدان وسیع پڑا ہوا ہے پس عورتوں کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم لاشئی محض ہیں یا دوزخ ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں یا کسی طرح مردوں کی برابر نہیں ہو سکتیں خدا کا فضل بہت وسیع ہے قدم بڑھاؤ اور ہاتھ پیر مارو۔

## حقیقت مرد و زن

اب یہاں سے ایک مسئلہ فقہیہ اور نکلتا ہے وہ یہ کہ جن باتوں میں حق تعالیٰ نے مرد اور عورت میں فرق رکھا ہے ان میں عورت کو مردوں کی برابری ظاہر کرنا اور ان کے مشابہ بننا جائز نہیں اسی کو تشبہ بالرجال کہتے ہیں یعنی مردوں کی سی صورت شکل چال ڈھال اختیار کرنا حرام ہے مگر آج کل عورتوں میں یہ خبط بھی پایا جاتا ہے وضع قطع میں مرد بننا چاہتی ہیں ان کا بس چلے تو سچ مچ مرد ہی بن جائیں مگر کیا کریں یہ تو ان کے اختیار سے خارج ہے لہذا اتنا ہی کرتی ہیں کہ مردانہ کھڑا جوتا ہی پہن لیں۔ بیبیو خدا سے ڈرو کہیں تمہارے ڈاڑھی نہ نکل آوے خدا تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں یاد رکھو اگر جب حق تعالیٰ نے ان باتوں کی تمنا کرنے سے بھی منع کر دیا ہے جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں تو بتکلف ان کے اختیار کرنے کو کب جائز رکھیں گے۔ ایک شخص کا قصہ ہے کہ اس نے ایک دفعہ داڑھی منڈائی حق تعالیٰ کی طرف سے یہ اس کو سزا ملی کہ داڑھی میں بال خورہ لگ گیا پھر تمام عمر داڑھی

نکلی خدا تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے ان کو اس پر بھی قدرت ہے کہ عورت کے داڑھی نکال دیں یا مرد کی داڑھی نہ دار کر دیں بلکہ عورت سے مرد یا مرد سے عورت بنا دیں چنانچہ بہت عرصہ ہوا کہ ضلع اعظم گڈھ سے میرے پاس ایک سوال آیا تھا کہ ایک عورت مرد بن گئی ہے اب اس کا مہر خاوند کے ذمّہ واجب رہے گا یا نہیں اور دیگر حقوق واجبہ کا کیا حکم ہے مجھے یہ سوال نہایت منکر معلوم ہوا کیونکہ یہ خیال ہوا کہ محض فرضی سوال ہے بھلا ایسا بھی کہیں ہو سکتا ہے کہ عورت مرد بن جاوے اس زمانہ میں جوانی کا جوش تھا میں نے ٹھان لی کہ جس طرح ہو گا اس سوال کو حل کر کے رہوں گا چنانچہ ساری فقہ کی کتابیں اُلٹ ڈالیں اور تمام شقوں کے جواب دلائل فقہیہ سے لکھے۔ اب جب عمر ڈھلی تو مجھے اپنے اس نکیر پر ہنسی آئی کہ اسمیں تعجب کی کیا بات تھی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کیا بڑی بات ہے کہ عورت مرد بن جاوے چنانچہ بعد میں ایک شخص اسی موضع کے رہنے والے ملے اُنہوں نے کہا یہ تو ہمارے ہی گاؤں کا قصہ ہے اور واقعی وہ عورت مرد بن گئی تھی (بن گئی کہوں یا بن گیا) پھر وہ شخص (شخص کہوں یا شخصہ) حج کو گیا (یا گئی) غرض اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ عورت کو مرد اور مرد کو عورت کر دیں پس اے بیبیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو کہیں تشبّہ بالرجال کرنے سے تمہارے منہ پر داڑھی نہ نکل آوے۔ ہم نے لکھنؤ میں ایک تمباکو فروش عورت کو دیکھا ہے اس کے داڑھی نکل آئی تھی تو اس میں امکان عقلی اور امکان وقوعی دونوں موجود ہیں ممکن ہے کوئی بی بی ایسی بہادر ہوں کہ وہ اس کو بھی گوارا کر لیں اور کہہ دیں کہ اس میں ہرج کیا ہے میں کہتا ہوں کہ بہت اچھا تم نے اس کو تو گوارا کر لیا مگر اس کا کیا علاج ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ جو مردوں کی سی وضع بنائے اس لعنت کو مسلمان کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ لعنت کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر جو عورتوں جیسی وضع بنائے اور اس

عورت پر جو مردوں جیسی وضع بنائے۔ علماء نے اسی حدیث سے عورتوں کے لئے کھڑے جُوتے کو حرام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ عورتوں کو بھدا جُوتا پہننا چاہیئے۔ ہمارے قصبات میں تو اس عورت کو بازاری عورت سمجھا جاتا ہے جس کے پیر میں کھڑا جُوتا ہو، مگر شہروں میں ایسی آزادی پھیلی ہے کہ بعض شہروں میں عورتیں اچکن بھی پہنتی ہیں اور یہ رواج تو عام ہو چلا ہے کہ عورتیں گرگابی جُوتا پہنتی ہیں اور اس میں قصور عورتوں کا تو ہے ہی' کچھ ڈھیلا پن مردوں کا بھی ہے کہ وہ ان باتوں کو معمولی سمجھ کر عورتوں پر روک ٹوک نہیں کرتے حالانکہ یہ باتیں خفیف نہیں ہیں لعنت سے زیادہ اور کیا سختی ہوگی جب ان باتوں پر لعنت آئی ہے تو خفیف کیسی مگر یوں کہیئے کہ لوگوں کو دین کا اہتمام ہی نہیں سالن میں ذرا نمک تیز ہو جائے تو مرد ایسے خفا ہو جاتے ہیں کہ کھانا نہ کھاویں اور رکابی بی بی کے منہ پر دے ماریں اسے مارنے پیٹنے کو کھڑے ہو جاویں مگر لعنت کے کام پر ذرا حرکت نہیں ہوتی بلکہ بعضے مرد تو ایسے آوارہ مزاج ہیں کہ باہر والی عورتوں کو دیکھ کر ان کے دل میں خود ہی شوق اُٹھتا ہے کہ گھر والیوں کو ان ہی جیسا بنائیں افسوس —— ؟ کہاں گئی ان کی غیرت اور کہاں گئی شرافت ؟ کیا شریف بیبیوں کو بازاری بنانا چاہتے ہیں ؟ گھر میں رہنے والی عورتیں تو بس ادل جلول ڈھیلی ڈھالی وضع ہی میں اچھی لگتی ہیں یہ کیا کہ کسی کسائی پھرتی ہیں یہ کوئی سپاہی ہیں جو ہر وقت کمر کسی ہوئی ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ میلی کچیلی نہ رہیں کیونکہ صفائی اور زینت یہ زوج کا حق ہے مگر یہ مناسب نہیں کہ آستینیں بھی کسی ہوئی ہیں پاجامے بھی ایسے چست ہیں کہ کھچی تو کھال کھچی میں آجادے جُوتا بھی چڑھا ہوا ہے یہ کیا لغو حرکتیں ہیں خدا تعالیٰ نے تو تم کو عورت بنایا ہے تم مرد کیسے بن سکتی ہو' یہ تو قلب موضوع ہے بیان بطور تفریح کے ہو گیا ورنہ اصلی بیان ختم کر چکا ہوں۔

## فضائل نسواں

خلاصۃ الخلاصہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر علی الاطلاق فضیلت ہے اور عورت مرد کے مقابلے میں مطلقاً کوئی چیز نہیں، یہ غلط ہے بلکہ بعضی باتوں میں عورت مرد کے برابر ہے اور بعضی باتوں میں مرد سے بڑھ بھی سکتی ہے یعنی اعمال میں کہ نماز روزہ زیادہ کرے تو مرد سے زیادہ درجہ حاصل کر سکتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو عورت خاوند سے زیادہ دیندار ہو اس کو خاوند کی اطاعت اور تعظیم لازم نہ رہے گی بلکہ خاوند کو اسکی اطاعت و تعظیم کرنا پڑے گی یہ مطلب ہرگز نہیں کیونکہ فضیلت کی دو حیثیتیں ہیں ایک باعتبار زوجیت کے اس اعتبار سے عورت کو خاوند پر کسی طرح بھی فضیلت حاصل نہ ہو گی بلکہ اس حیثیت سے ہمیشہ خاوند ہی کو بی بی پر فضیلت ہے گو حقوق بی بی کے بھی ہیں خاوند پر لیکن خاوند کو بہر حال فضیلت ہے اور ایک فضیلت باعتبار دین اور اعمال کے ہے سو اس میں بی بی خاوند سے بڑھ سکتی ہے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کے یہاں اس کے احسانات اور درجات زیادہ ہوں کیونکہ اس کا مدار اعمال پر ہے مگر اس فضیلت سے بیوی خاوند کی مخدوم نہیں بن سکتی بلکہ خادمہ ہی رہے گی مگر ہر صورت میں مردوں کو اپنی بیبیوں کی قدر کرنا چاہیے دو وجہ سے ایک تو بی بی ہونے کی وجہ سے کہ وہ انکے ہاتھ میں قید ہیں اور یہ بات جوانمردی کے خلاف ہے کہ جو ہر طرح اپنے بس میں ہو اس کو تکلیف پہنچائی جائے۔ دوسرے دین کی وجہ سے کیونکہ تم مسلمان ہو وہ بھی مسلمان ہیں جیسے تم دین کے کام کرتے ہو وہ بھی کرتی ہیں اور یہ کسی کو معلوم نہیں کہ دین کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے یہ کوئی بات ضروری نہیں کہ عورت مرد سے ہمیشہ گھٹی ہوئی ہو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرد کی برابر بلکہ اس سے زیادہ ہو پس عورتوں کو حقیر و ذلیل نہ سمجھنا چاہیے اللہ تعالیٰ بیکس اور مجبور اور شکستہ دل کا تھوڑا سا عمل بھی

مقبول فرمالیتے اور اسکے درجے بڑھا دیتے ہیں پس کیا عجب ہے کہ جن عورتوں کو تم نے بوجہ ان کی بیکسی اور بے بسی کے حقیر سمجھ رکھا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں تم سے زیادہ مقبول ہوں لہذا مردوں کو عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرنا چاہیئے اور عورتوں کو اپنے مردوں کی اطاعت کرنا چاہیئے زبان درازی سے پیش نہ آنا چاہیئے۔

## ضرورتِ اصلاح

بس یہ تھا وہ ضروری مضمون جو میں اسوقت بیان کرنا چاہتا تھا اور اس سے دو قسم کے لوگوں کی اصلاح مقصود ہے ایک تو عورتوں کی کہ وہ مایوس اور دل شکستہ نہ ہوں یہ نہ سمجھیں کہ ہم تو دوزخ ہی کے واسطے ہیں۔ دوسرے مردوں کی کہ وہ بھی عورتوں کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھیں۔ اب ختم کرتا ہوں۔ اور نام اس بیان کا کساء النساء رکھتا ہوں، کساء چادر کو کہتے ہیں چونکہ لباس جسم کے لئے ساتر و محافظ ہوتا ہے اور اس میں ایسے علوم صحیحہ اور اعمال صحیحہ کی تعلیم ہے جو عورتوں کے لئے ہر قسم کی آفتوں سے محافظ اور ساتر ہیں اس لئے یہ بیان عورتوں کے لئے بمنزلہ چادر کے ہوا دوسرے اس نام میں قافیہ کی بھی رعایت ہے اس لئے یہ نام اچھا معلوم ہوا اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم سب کو بالخصوص عورتوں کو درستی اخلاق کی توفیق دیں اور سب مسلمانوں کو دین کی پابندی اور صراطِ مستقیم پر پختگی عطا فرمائیں۔

آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۵

## التماسِ کاتب

احقر نے یہ وعظ اپنی والدہ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کے لئے لکھا ہے۔ بتوفیق خداوندی ان کی دینداری کی یہ حالت تھی کہ والد ماجد تین سال علیل رہے ان کا اٹھنا بیٹھنا، کھلانا پلانا سب والدہ کو کرنا پڑتا تھا اور گھر میں اور مریض بھی تھے غرض ایک منٹ کی فرصت

ان کو نہ تھی مگر اسی عدیم الفرصتی کی حالت میں کئی پارے قرآن کے حفظ کئے ایک آیت کو لے لیتیں اور چلتے پھرتے اسی کو رٹتی رہتیں۔ یہاں تک کہ کئی پارے ہو گئے اور ٹونکے ٹونے شرک و بدعت سے حد درجہ متنفر تھیں گھر میں متعدد موتیں ہوئیں مگر کسی نے آواز رونے کی نہ سُنی حتیٰ کہ اہلِ محلہ کہتے تھے کہ یہ عجیب جس بی بی ہیں نہ ان پر خوشی کا کوئی اثر ہوتا ہے نہ غمی کا۔ ناظرینِ وعظ ان کے واسطے اور میرے والد ماجد مرحوم مغفور کے واسطے دعاء کریں رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا۔ ربنا اغفرلی ولوالدیّ وللمومنین یوم یقوم الحساب۔ ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک رءوف رحیم ۔

اور اس وعظ کے لکھنے میں میرے ایک مکرم عبدالحمید صاحب بنارسی نے بہت زیادہ اعانت کی بلکہ سچ یہ ہے کہ وہ ہمت نہ دلاتے تو احقر سے اس کا پورا ہونا ناممکن تھا ناظرین انکے واسطے بھی دعاء فرماویں اور زیادہ مدد خواجہ عزیز الحسن صاحب کے مسودہ سے ملی لہذا ان کے واسطے بھی دعاء فلاح دارین کریں اور سب سے زیادہ اس کی ضرورت ہے کہ حضرت حکیم الامۃ مولانا و مرشدنا مدظلہم العالی کے صحت و تندرستی اور عموم فیض اور زیادت برکات کے لئے خاص طور سے دعاء کرتے رہیں کہ ؎

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار
کہ اگر خار و گر گل ہمہ پروردہ تست

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین —— قد وقع الفراغ من التبییض ۹ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ۔

اشرف علی

فی بلدۃ میرٹھ احقر محمد مصطفےٰ بجنوری مقیم میرٹھ

۱۰ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ ہجری۔

# العاقلات الغافلات

## عقلمند اور پاک دامن عورتیں

یہ وعظ گورکھپور ڈپٹی صاحب کی کوٹھی پر مستورات میں جن میں کچھ مرد بھی شریک تھے۔ مورخہ سولہ ربیع الاوّل ۱۳۳۷ھ کو ساڑھے تین گھنٹے بیان فرمایا۔ مولانا محمد یوسف بجنوری نے قلمبند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہ

## تمہید

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیٔات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی الہ و اصحابہ و بارک وسلم ط

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ط بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ط

قبل اس کے کہ میں اس آیت کے متعلق کچھ عرض کروں مستورات کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ زیادہ تر یہ وعظ آپ ہی لوگوں کی ضرورت سے کیا گیا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ، اس لئے اہتمام کے ساتھ متوجہ ہو کر سنیں۔ کیونکہ آپ کو بہت کم موقع ملتا ہے ایسے مضامین سننے کا بوجہ اس کے کہ مستورات میں لکھی پڑھی بہت کم ہوتی ہیں کیونکہ ان کو وقت نہیں ملتا اپنی ضرورتوں کی وجہ سے خواہ واقعی ضرورتوں میں مشغول ہوں یا خیالی ضرورت ہیں۔ بہرحال طرز ایسا ہی واقع ہو رہا ہے جس میں کسی قدر کسل کو بھی دخل ہے اور دوسرے اسباب بھی ایسے مجتمع ہیں کہ ان کو بہت ہی کم وقت ملتا ہے مضامین سننے کا ایسے میں اگر کبھی موقع مل جائے تو اسکو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور وعظ سے جو اصل مقصود ہے اس کو وعظ سننے کے وقت پیش نظر رکھنا چاہیئے جس کی حقیقت میں بیان کرتا ہوں آپ کو اسکی نیت کر لینا چاہیئے اور نیت فعل اختیاری ہے آپ اس کو درست کر سکتے ہیں اگر پہلے سے کوتاہی واقع ہوئی ہے تو اس وقت اسکی اصلاح کر سکتے ہیں وہ حقیقت یہ ہے کہ وعظ ایک روحانی مطب ہے یعنی باطنی اصلاح کی تدبیروں کا نام ہے جس سے باطنی امراض کا علاج ہوتا ہے بس یہ حاصل ہے وعظ کا۔

## مقصد وعظ

سو جو صاحب وعظ سننے والے ہیں وہ وعظ سننے سے پہلے اپنی نسبت سمجھ رکھیں کہ وہ بیماریوں میں مبتلا ہیں وعظ سے ان کا علاج بتلایا جا رہا ہے۔ بس اس کی تدبیریں سنکر حالت درست کر لینے کا عزم کر لیا جائے۔ آجکل وعظ سننے سے لوگوں کی غرضیں مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض کی غرض تو محض ادائے رسم ہی ہوتی ہے جیسے بہت سے کام دن رات ہوتے ہیں ایسے ہی یہ بھی ایک کام کر لیا۔ بعض کی یہ نیت ہوتی ہے کہ وعظ ایک برکت کی چیز ہے اس کے ہونے سے گھر میں برکت ہو جائے گی اللہ رسول کا نام لیا جائے گا۔ بعض کی نیت یہ ہوتی ہے کہ شریک ہو کر اتنی دیر گناہوں سے بچے رہیں گے۔ ثواب لکھا جاوے گا۔ بجز اول نیت کے پچھلی دو نیتیں دین کی

ضروری ہیں اور لوگ اُن کو کر بھی لیتے ہیں مگر اصلی غایت جو ہے وعظ کی وہاں تک لوگوں کی نظر ہی نہیں اور اس اصلی غرض کا حاصل امراض روحانی کا معالجہ ہے یعنی اپنے امراض کو غور کر کے دیکھنا اور اُسکی تدبیر کرنا۔ اگر یہ نیت پہلے سے نہ کی ہو تو اب کر لینی چاہیئے اور اس نیت سے ثواب بھی مل جاتا ہے۔ باقی محض تھوڑی دیر کے لئے ثواب ہونے کی غرض سے سُننا تو یہ تھوڑی دیر تک تو نافع ہوگا پھر کچھ بھی نہیں۔ حق تعالیٰ اپنے کلام میں تصریح فرماتے ہیں:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ؕ

کہ ہم نے اپنے کلام کو اس واسطے نازل کیا ہے کہ اسمیں غور کیا کریں اور اُسپر عمل کیا کریں گو اسکی تلاوت میں بھی ثواب ہے اور وہ خالی تلاوت بھی ثواب سے خالی نہیں مگر اس آیت نے یہ بات بتلا دی کہ اصلی غرض صرف یہ ہے کہ مضامین کو سمجھیں اور اسپر عمل کریں۔ مگر ہماری یہ حالت ہے کہ ہم تدبر نہیں کرتے سوچتے نہیں ذہن میں مضامین کا تکرار نہیں کرتے حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کو خارش کا مرض ہو جاوے اور اسکو کوئی اُس کا نسخہ مل جائے تو وہ بار بار اسکو ذہن میں رٹتا ہے تاکہ یاد رہے ——— پھر اس کا استعمال کرتا ہے محض اس خیال سے کہ خارش بُرا مرض ہے۔ سو اگر اسی طرح سے وعظ گو تھوڑا ہی سُنا جائے مگر اُس کو یاد کیا جائے اور اس کا ذہن میں تکرار و اعادہ کیا جائے تو جو سُنا جائے گا ضرور یاد رہے گا پھر عمل کا اہتمام کیا جاوے تو اس طریقہ سے دو چار وعظ میں پوری اصلاح ہو سکتی ہے اسی واسطے حق تعالیٰ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ؕ

یعنی جس کے قلب ہو یا کانوں کو متوجہ کرے۔ مُراد یہ کہ قلب کو حاضر کرے اور کان لگائے اس کے واسطے اس میں نصیحت ہے اور ایسے ہی شخص کو نفع بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک موقع پر فرماتے ہیں:

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

کہ آپ نصیحت کیجئے کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے وجہ اس نفع کی وہی ہے کہ وہ قلب کو حاضر کرکے اور کان لگا کر سُنتے ہیں۔ خُلاصہ یہ ھے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ وعظ مُسلمانوں کو نفع دیتا ہے اور جب وعظ کا نافع ہونا حق تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں تو نعوذ باللہ یہ تو احتمال ہی نہیں ہوسکتا کہ حق تعالیٰ کا بیان فرمایا ہوا کوئی امر خلافِ واقع ہو مگر ظاہر میں شُبہ ہوتا ہے کہ قرآن شریف سے تو اس کا نافع ہونا معلوم ہوا مگر باوجود اس کے بعض جگہ نفع نہیں ہوتا یہ کیا بات ہے تو جواب اس کا یہی ہے کہ نفع کی وہی شرط ہے۔

مَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ

سو واقع میں یہ شُبہ قرآن شریف پر نہیں ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ طبیب کہتا ھے کہ دوا نافع ہے سو معنی اس قول کے یہ ہیں کہ اس کا نفع بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے سو اگر کہیں نفع ظاہر نہ ہو تو یہ نہیں کہ دوا نافع نہیں۔ نافع یقیناً ہے مگر بوجہ فقدان شرائط کے اس کا نفع ظاہر نہیں ہوتا بس جس طرح اطبا۔ دوا کی خاصیت بیان کرتے ھیں اسیطرح حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال کی خاصیت بیان فرماتے ہیں بس جیسے اس دوا کی غایت کا ظاہر ہونا مشروط ہے بشرائط۔

**شرائط وعظ** اسی طرح اعمال کے لئے بھی شرائط ہیں اور وہ شرائط حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے چُنانچہ ارشاد ھے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ

اور بھی جا بجا قرآن شریف میں اُن شرائط کو بیان کیا ہے کہیں ہے یتدبرون کہیں ہے یتذکرون کہیں ہے یتفکرون کہیں ہے یتدبروا آیاتہ۔ کسی جگہ ہے ویتذکر اولوالالباب۔ یہ آیتیں بتلا رہی ہیں کہ جو شخص سوچے یاد رکھے خیال کیا کرے قصد بھی کرے ہمت بھی کرے تو اس کو نفع ہو گا اگر کوتاہی ہو جاوے تو پھر متوجہ ہو جاوے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ نہ سوچتے ہیں نہ یاد رکھتے ہیں نہ قصد نہ ہمت نہ عمل، تو نفع بھی نہیں ہوتا سو نفع نہ ہونے پر تعجب کرنا ہی بے بنیاد ہے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ وعظ سے اگر توفیق ہو کر گناہ کم ہونے لگیں تو اتنا نفع کیا کم ہے بلکہ اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر گناہ ترک نہ ہوں محض توبہ کی توفیق ہو کر گزشتہ ہی گناہ معاف ہو جاویں تو خود یہ کتنا بڑا نفع ہے۔ خواہ پھر گناہ ہی کیوں نہ ہونے لگیں اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی بخار میں مبتلا ہوتا ہے یا اور کوئی شکایت ہو جاتی ہے موسم میں ہم نے نہیں دیکھا کہ اس نے علاج نہ کیا ہو محض اس خیال سے کہ اگر اچھا بھی ہو گیا تو اگلے سال پھر بیمار ہو جاؤں گا۔ وہاں تو علاج کو نافع سمجھ کر کر لیا جاتا ہے مگر یہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ ایسی توبہ سے کیا فائدہ کہ پھر گناہ ہو جاوے اس لئے جب ساری عمر گذر چکے گی اس وقت توبہ کریں گے۔ سچ یہ ہے کہ ہم یہی نہیں سمجھتے کہ ہمارے اندر امراض بھی ہیں ورنہ امراض جسمانی کا سا معاملہ یہاں بھی ہوتا اور اسوقت وعظ کو وعظ سمجھ کر سنتے اب یہ نہیں تو یہی وجہ ہے کہ وعظ کا نفع باقی نہیں رہتا دوسری بات یہ قابلِ عرض ہے کہ زیادہ مقصود چونکہ اس وقت سنانے سے مستورات ہیں اس لئے مستورات کو چاہیئے کہ اسکا خیال رکھیں اور بہت متوجہ ہو کر سنیں۔ یہ مستورات کی خدمت میں عرض تھی مختصر۔ اب دوسرے حضرات کی خدمت

میں یہ عرض ہے چونکہ خطاب سے زیادہ قصد مستورات کے لئے ہے اور بوجہ اسکے کہ مستورات کی تعلیم بھی کم ہوتی ہے اُن کا فہم بھی سادہ ہوتا ہے اسکے خطاب میں سلاست کی رعایۃ ضروری ہوتی ہے اس لئے اور صاحب یہ خیال نہ کریں کہ مضامین علمی ہوں۔ ایک بات مستورات کے متعلق یہ ہے کہ وعظ میں مستورات پردہ کا خاص اہتمام رکھیں کپڑا پردہ کا ہٹنے نہ پاوے اس واسطے کہ بہت جگہ ایسا دیکھا گیا ہے کہ مستورات مردوں کے سامنے ہو جاتی ہیں، چنانچہ بعض جگہ ایسا ہوا تو میں متحیر رہ گیا۔ اس وقت یہ خلاف تہذیب گفتگو اس لئے گوارا کی ہے کہ اگر مستورات مردوں کے سامنے ہوتی ہیں تو نظر اور ذہن اُسطرف چلنے لگتا ہے اس لئے اُنکو احتیاط رکھنا چاہیئے کہ مردوں کے سامنے نہ ہوں، ایک بات یہ ہے کہ مرد خیال نہ کریں کہ جب مستورات مخاطب ہیں اور اُن کے متعلق بیان ہو گا تو پھر مردوں کو وعظ سے کیا فائدہ ہوا۔ بات یہ ہے کہ اوّل تو مضامین اکثر مشترک ہوتے ہیں اور اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ بعض مضامین خاص عورتوں کے ہی متعلق ہوں گے تو بھی آپ کو یہ فائدہ ہو گا کہ مستورات کی تعلیم کا طریقہ ہی معلوم ہو جائے گا۔

## حقیقتِ حق

اس واسطے کہ آپ حضرات کے ذمہ اُن کی تعلیم بھی ہے، حدیث میں ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ

مرد اپنے خاندان میں اپنے متعلقین میں حاکم ہے۔ قیامت میں پوچھا جائے گا کہ محکومین کا کیا حق ادا کیا اور محض نان و نفقہ ہی سے حق ادا نہیں ہوتا کیونکہ یہ کھانا پینا تو حیاتِ دنیا تک ہے آگے کچھ بھی نہیں اس لئے صرف اسپر اکتفا کرنے سے حق ادا نہیں ہوتا چنانچہ حق تعالیٰ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

کہ اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے اھل کو دوزخ سے بچاؤ یعنی انکی تعلیم کرو حقوق الٰہی سکھاؤ ان سے تعمیل بھی کراؤ جب قدرت ہو اس میں آپ معذور نہ ہوں گے کہ ایک دفعہ کہہ دیا رسم کے طور پر پھر چھوڑ دیا۔ آپ ایک دفعہ کہنے میں سبکدوش نہ ہوں گے اگر یہی مذاق ہے تو کھانے میں اگر نمک تیز کردیں تو اس وقت بھی اسی مذاق پر عمل کیا جائے ایک بار کہہ دیا کہ بی بی اتنا تیز نمک ہے کہ کھایا نہیں جاتا یہ کہہ کر فارغ ہو جائیے پھر اگر ایسا اتفاق ہو تو کچھ نہ کہیئے حالانکہ وہاں ایسا نہیں کرتے بلکہ اس پر ناراض ہوتے ہیں اگر پھر کرے تو مارنے کو تیار ہو جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ وہاں سکوت سے ضرر سمجھا جاتا ہے اور دین کے معاملہ میں یوں کہہ دیتے ہیں کہ جیسا کریگی ویسا بھرے گی اور غور سے دیکھئے تو وہاں ضرر ہی کیا پہونچا صرف یہ کہ کھانا بگڑ گیا اور کیا زیادہ بات ہوئی ———— ؟ یہاں تو دین کا ضرر ہے ———— بس اب سمجھ لیجئے! جیسے سکوت سے وہاں آپ کا ضرر ہے۔ سکوت سے یہاں بھی آپ کا ضرر ہے۔ کہ اس کے متعلق آپ سے باز پرس ہوگی یہ کیا تھوڑا ضرر ہے اب دوسری مذاق کے اعتبار سے اور گفتگو کرتا ہوں کوئی آپ کا چاھتا بچہ ہو وہ دوا نہ پیئے تو آپ زبردستی دوا پلاتے ہیں بے مروتی گوارا کرتے ہیں اگر ویسے نہ پیئے تو چمچہ سے اس کے منہ میں ڈالتے ہیں اس خیال سے کہ یہ تو بیوقوف ہے، نادان ہے، انجام پر اسکی نظر نہیں مگر ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے وہاں اسکو آزاد نہیں چھوڑتے ہر طرح سے اسکی حفاظت رکھتے ہیں سو کیا وجہ ہے کہ وہاں تو اس مذاق سے کام لیا جاتا اور یہاں نہیں لیا جاتا۔ سچ یوں ہے کہ مردوں نے بھی دین کی ضرورت کو ضرورت نہیں سمجھا کھانا ضروری، فیشن ضروری، ناموری ضروری، مگر مگر غیر ضروری ہے تو دین۔

دنیا کی ذرا ذرا سی مضرت کا خیال ہوتا ہے اور یہ نہیں سمجھتے اگر دین کی مضرت

پہنچ گئی تو کیسا بڑا نقصان ہو گا۔ پھر وہ مضرت اگر ایمان کی حد میں ہے، تب تو چھٹکارا بھی ہو جاوے گا مگر نقصان جب بھی ہو گا گو دائمی نہ ہو اور اگر ایمان کی حد سے بھی نکل گئی تو ہمیشہ کا مرنا ہو گیا اور تعجب ہے کہ دنیا کی باتوں سے تو بے فکری نہیں ہوتی مگر دین کی باتوں سے کس طرح بے فکری ہو جاتی ہے ایک بزرگ نے فرمایا ہے ؎

چوں چنیں کارے ست اندر رہ ترا | خواب چوں می آید اے ابلہ ترا

## تعلیم نسواں

اور اسی بے فکری کا ایک شعبہ ہے کہ مرد عورتوں کی تعلیم کو اپنے ذمہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ بعض کی رائے تو یہ ہے کہ تعلیم مضر ہے مگر اسکی ایسی مثال ہے کہ کسی نے اپنے گھر والوں کو کھانا کھلایا۔ اتفاق سے بی بی بچہ سب کو ہیضہ ہو گیا۔ اب آپ نے رائے قائم کی کہ کھانے پینے سے تو ہیضہ ہو جاتا ہے اس لئے سب کا کھانا پینا بند اور دل میں جما لیا کہ کھانے کی برابر کوئی چیز بری نہیں، سو تعلیم سے اگر کسی کو ضرر پہنچ گیا تو یہ تعلیم کی بدتدبیری سے ہے نہ کہ تعلیم سے ہاں یہ امر زیر بحث ہے کہ کونسی تعلیم ہونی چاہئے مختصر یہ ہے کہ تعلیم دین کی ہو ہاں حساب کتاب کا گھر کا یا دھوبی کے کپڑے لکھنے اسکی ضرورت بھی انکو واقع ہوتی ہے سو اتنا حساب کتاب بھی سہی اور فی نفسہ مردوں کو بھی دنیوی تعلیم کی ضرورت نہ تھی مگر معاش کی ضرورت نے مجبور کر دیا۔ اور اگر محض اس ضرورت سے آگے کمال حاصل کرنے کے لئے ان کو تعلیم دی جاتی ہے تو بھلا یہ بھی کوئی کمال ہے کہ فلاں راجہ مر گیا فلاں بادشاہ فلاں سنہ میں ہوا تھا۔ فلاں جگہ اتنے دریا ہیں فلاں موقع پر اتنے گاؤں ہیں کلکتہ ایسا شہر ہے بمبئی میں اتنی تجارت ہوتی ہے اور اگر اسکو بھی کمال سمجھ لیا جاوے سو کمال بھی جب ہی معتبر ہوتا ہے جبکہ مضرت نہ ہو۔ ہم تو مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس نئی تعلیم سے مضرت پہنچتی ہے اور عورتوں کو بہت ہی زیادہ۔ اس وجہ سے انکی تعلیم میں تو یہ امور ہرگز بھی نہ ہونے چاہئیں۔ اسی طرح ہر وہ تعلیم جس سے دینی ضرر پہنچ جائے وہ ضرر اس تعلیم کے بد... اگر آپ کی سوء تدبیر سے ضرر ہو گیا تو آپ کا یہ حکم لگانا کہ تعلیم مضر ہے غلط ہے۔ تعلیم

دین تو مضر ہو ہی نہیں سکتی جب اُس کے ایسے ایسے فضائل ہیں اور اُس کے منافع دیکھے بھی جاتے ہیں تو پھر وہ کیسے مُضر ہو سکتی ہے غرض یہ کہ تعلیم عورتوں کی مَردوں کے ذمّہ ہے اُنکی ذمّہ داری صرف کھانا کپڑا دینے سے پُوری نہیں ہوتی۔ بس اِس سے یہ تو معلوم ہو ہو گیا کہ تعلیم ضروری ہے۔

## طریقِ تعلیمِ نسواں

اب اس کا بیان ہونا چاہیئے کہ اُس کا طریقہ کیا ہے اس سے مَردوں کو یہ نفع ہو جائے گا کہ نصابِ تعلیم معلوم ہو جائے گا اُس کا انتظام کر سکیں گے اور مَرد اگر تدبر سے کام لیں تو یہ مضامین بچوں سے عورتوں مَردوں سب کے لئے نافع ہو سکتے ہیں اگرچہ ظاہراً خاص ہیں مستورات کے ساتھ۔ پس میں نے جو آیت تلاوت کی تھی:

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ط

اس میں یہی ضروری تعلیم مذکور ہے اور یہ آیت خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے اس واقعہ کے تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں حکایات بیان کرنے کے لئے نہیں بیٹھا ہوں بلکہ ان واقعات میں جو فیصلہ کیا گیا ہے اور وہ فیصلہ ہے ضرورتِ عامہ کا اُس کے بیان کرنے کی ضرورت ہے، غرض آیت گو ایک واقعہ خاص میں نازل ہوئی ہے مگر مخصوص نہیں ہے اس واقعہ کے ساتھ، کیونکہ ہر واقعہ کے لئے ایک قانون ہوتا ہے۔ سو اگر قانون اس واقعہ کے قبل بنا ہوا ہے تب تو فبہا اور اگر بنا ہوا نہیں ہے تو اس کے لئے قانون بنایا جاتا ہے اور جب تک حکومت رہتی ہے وہ قانون جاری رہتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ واقعات کا انحصار ہو نہیں سکتا اس لئے قوانین کلیہ بنائے جاتے ہیں تاکہ ضرورت کے وقت واقعات کو اُن قوانین میں داخل کر سکیں اس سے فقہاء کے اس کہنے کا راز معلوم

ہوگیا کہ : لَا عِبْرَةَ لِخُصُوْصِ الْمَوْرِدِ بَلْ لِعُمُوْمِ الْاَلْفَاظِ۔

یعنی خصوص مورد کا اعتبار نہیں بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے شلاً کوئی آیت کسی خاص موقع میں نازل ہوئی تو وہ اُسی موقع کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ جو واقعہ بھی اُس کی مثل پیش آئے گا تو وہ اُس کو بھی شامل ہوگی جیسے :

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ

اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ

بعض اھلِ کیل ووزن کے بارہ میں نازل ہوئی ہے مگر اُن ہی کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ جو بھی کم ناپے، تولے گا سب کو اس آیت کی وعید شامل ہوگی ، اسی طرح بہت سی آیات ہیں کہ مواردان کا خاص ہے مگر حکم عام ہے اور یہ عقلی مسئلہ ہے اس میں زیادہ تفصیل کرنے کی حاجت نہیں اسی طرح یہ آیت باوجودیکہ واقعہ خاص میں نازل ہوئی مگر حکم عام ہے اب سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کیا فرماتے ہیں حق تعالیٰ اس آیت کے اندر ایک مضمون خاص بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو محفوظ ہیں اور جنہیں خبر نہیں اور ایمان والیاں ہیں اُن پر دنیا میں بھی لعنت ہوگی اور آخرت میں بھی اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہوگا (آخرت میں) یہ تو ترجمہ کا حاصل ہے کہ پاک عورت کو تہمت لگانے والے پر لعنت ہے ۔ اب سمجھئے کہ کسی کلام سے جو مقصود ہوتا ہے اُس کو اصطلاح میں عبارۃ النص کہتے ہیں اور وہ مقصود ہی ہے جو ترجمہ کے حاصل میں بیان کیا گیا ، مگر مجھکو اِس وقت اُس مقصود کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اُس کا ایک اور مدلول بھی ہے جو مقصود نہیں مگر آیت اُس پر دلالت کرتی ہے جس کو اصطلاح میں اشارۃ النص کہتے ہیں ۔

## صفاتِ نسواں

اسوقت اس کا بیان کرنا مقصود ہے اور وہ مضمون یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں عورتوں کی اچھی صفات

بیان کی ہیں اور وہ صفات اعلیٰ درجہ کے ہیں، مجکو اُن صفات میں گفتگو کرنا مقصود ہے تاکہ عورتیں اپنے اندر اُن صفات کے پیدا کرنے کی کوشش کریں، سو آیت میں غور کرنے اور لفظوں کے دیکھنے سے وہ تین صفات ہیں، جن سے متصف ہونیوالیوں کو تہمت لگانے والے پر لُعِنُوا کو مرتب کیا ہے تو وہ صفات پیدا کرنی چاہیئں پس ایک صفت اَلْمُحْصَنَاتُ ہے۔ ایک صفت اَلْغٰفِلٰتِ ہے ایک صفت اَلْمُؤْمِنَاتِ ہے حاصل ترجمہ محصنات کا ہے پارسا عورتیں۔ اور لفظی ترجمہ ہے حفاظت کی گئیں یعنی ان کو پارسائی کے خلاف باتوں سے محفوظ رکھا گیا دُوسری صفت یہ ہے غَافِلَاتِ یعنی بے خبر بھولی بھالیاں تیسری صفت ہے اَلْمُؤْمِنَاتِ یعنی ایمان والی۔ سو آیت میں بظاہر یہ صفات منتشر یعنی غیر مربوط اور غیر مرتب معلوم ہوتی ہیں کیونکہ پہلے اَلْمُحْصَنٰتِ ہے پھر اَلْغٰفِلٰتِ پھر اَلْمُؤْمِنَاتِ حالانکہ ظاہراً مقتضائے ترتیب یہ تھا کہ المؤمنات کو پہلے لاتے کیونکہ ایمان کا درجہ مقدم ہے سب چیزوں سے مگر ایسا نہیں کیا بلکہ محصنات کو مقدم کیا مومنات پر اس میں ضرور کوئی راز نکتہ ہے، بات یہ ہے کہ کلام حق تعالیٰ کا ضرورتِ رعایتوں کا نہایت جامع ہے اور اس میں اسقدر تدقیق ہے کہ ضروریات اصلاح کے متعلق جتنے اُمور ہیں اُن کا ضبط اس میں اسقدر کافی ہے کہ کسی کلام میں نہیں ہوسکتا پس نظر غائر کرنے سے یہ صفات آپس میں مربوط بھی ہیں یعنی ان میں باہم علاقہ بھی ہے اور مُرتب بھی ہیں۔

## کمالات دین دنیا

اسکے لئے پہلے ایک مقدمہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ انسان میں دو کمال پیدا کئے گئے ہیں اور اُن ہی کمالات کو بڑھانا انسان کو ضروری ہے ایک کا نام قوتِ علمیہ اور دوسرے کا قوتِ عملیہ اور کوئی شخص ایسا نہیں جو اس میں اختلاف رکھتا ہو خواہ وہ دنیا کا طالب ہو یا دین کا طالب ہو وہ دنیا دار ہو یا دیندار۔ وہ جاہل ہو یا عالم، وہ منطقی ہو یا فلسفی

ہو۔ آخر کوئی نہ کوئی کام تو کرے ہی گا اور کرنے کا تعلق ہے قوتِ عملیہ سے۔ اگر
قوتِ عملیہ سے نہ ہو تو اُس کام کو کرہی نہ سکے گا اور قوتِ علمیہ سے
اُس کی حقیقت جانے گا، اور اگر اتفاقی طور پر اس طرح کرے کہ قصد کو اختیار کو اُس میں دخل
ہی نہ ہو تو وہ بحث سے خارج ہے مثلاً کوئی تجارت کرتا ہے تو اُس کو ایک تو تجارت
کے اصول جاننا چاہیئے اور پھر وہ اُصول برتنا چاہیئے، کوئی شخص کھیتی کرتا ہے تو پہلے
طریقہ کھیتی کا معلوم کرے پھر کھیتی کرنا چاہیئے۔ اسی طرح نوکری ہے کہ پہلے اس کے
اُصول جاننا چاہیئے اس کے بعد قوتِ عملیہ سے کام شروع ہوتا ہے میں کہاں تک مثالیں
عرض کروں۔ یہ بات اس قدر ظاہر ہے کہ زیادہ مثالوں کی محتاج نہیں۔ غرض انسان میں
ایک قوتِ علمیہ ہے جس سے نفع و ضرر کو پہچانتا ہے دوسری قوتِ عملیہ ہے اور
انسان میں اصل بھی دو کمال ہیں۔ باقی جتنے کمال ہیں وہ سب اسی کی فرع ہیں اور
عورتیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں پس اُن کے بھی کمالات یہی دو ہوں گے۔ ایک مقدمہ
تو یہ ہوا۔ دُوسرا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں اور اسی طرح جتنی کتابیں دین کی ہیں
اُن میں اُن ہی کمالات سے بحث ہوگی جو دین کے متعلق ہوں، گو دنیا کے کمالات کی
تحصیل بھی ناجائز نہیں سو قرآن شریف کے دو کام ہوں گے ایک تو کمالات دین
کا بتلانا دُوسری جس عمل میں مضرت آخرت کی ہو اُس سے روکنا جیسے طبیب کا کام
ایک پرہیز کا اور دُوسرے دوا کا بتلانا ہے یہ اُس کے ذمہ نہیں کہ لذیذ کھانوں کی
ترکیب بتلایا کرے حکیم محمود خاں کے ذمہ یہ ہے کہ دوا۔ اور پرہیز بتلا دیں گلگلہ پکانے
کی ترکیب بتلانا یہ کام حکیم محمود خاں کا نہ ہوگا۔ اگر مریض نے اجازت چاہی کسی کھانے
کی تو ترکیب اُس کھانے کی تو الوانِ نعمت میں ملے گی۔ طبیب ہونے کی حیثیت سے ترکیب
کھانے کی اُن کے مطب میں نہ ملے گی۔ اگر کوئی اُن سے کھانے کی ترکیب پُوچھنے لگے تو
اُن کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہمارا کام یہ نہیں ہے جاؤ کسی باورچی سے سیکھو۔ اگر خوش

ہو کر بتلا دیں تو یہ اُن کی عنایت ہو گی مگر اُن کے ذمہ نہیں ہاں اُن کا یہ منصب ہے کہ جو چیز مریض کو مُضر نہ ہو اسکی اجازت دے دیں اور اگر مُضر دیکھیں تو روک دیں اسی طرح سے علماء کے ذمہ جو کہ قرآن شریف کے نقل کرنیوالے ہیں یا یُوں کہیئے کہ قرآن شریف کے ذمہ دو چیزیں ہیں ایک امراض روحانی کی دوا بتلانا دُوسرے پرہیز بتلانا۔ اور یہ اُس کے ذمہ نہیں کہ وہ دنیا کے کمالات کے طریقے تبلایا کریں کہ ربیع میں فلاں چیز بوتے ہیں خریف میں یہ بوتے ہیں مشین یُوں چلتی ہے گھڑی یُوں بنتی ہے پُتلی گھر یُوں طیار ہوتا ہے کپڑا یوں بُنا جاتا ہے۔ یہ قرآن شریف کے ذمہ نہیں ہے ہاں اگر آپ ان چیزوں کو کمال سمجھیں تو قرآن شریف اجازت دیتا ہے کہ اُن کے کرنے میں حرج نہیں مگر یہ اجازت بھی تک ہے کہ آخرت کی مُضرت نہ ہو۔ جیسے طبیب جب کسی غذا میں مریض کے لئے مُضرت دیکھتا ہے تو اُس کو فوراً روک دیتا ہے اسی طرح شریعت جس وقت دیکھے گی کہ فلاں امر میں مُضرت ہے آخرت کی اور یہ بات مریض روحانی کو مُضر ہو گی تو فوراً روکے گی۔ سو قرآن شریف کی تعلیم کافی ضرور ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس میں زراعت بھی ہو تجارت بھی ہو مشین چلانے کی ترکیب بھی ہو کپڑا بننے کا طریقہ بھی ہو بلکہ اس میں آخرت کی تو اہمیں ہیں بعض تو مفصل ہیں اور جہاں کلام اللہ مجمل ہے وہاں حدیث سے اسکی تفسیر ہو گئی ہے اور یہ سب۔ قرآن شریف ہے جو مختلف رنگ میں ظاہر ہو رہا ہے باقی یہ کہ اُس میں تجارت بھی ہو زراعت بھی ہو سو یہ عیب ہے کسی فن کی کتاب کے واسطے کہ اس میں مقصود کے دُوسرے فن کے مسائل ہوں مثلاً طب اکبر میں امراض کا بیان ہے اس لئے کہ وہ طب کی کتاب ہے۔ ایک شخص نے خیال کیا کہ کبھی ضرورت جُوتے سینے کی پڑجاتی ہے کبھی ضرورت تجارت و زراعت کی بھی واقع ہو جاتی ہے اس لیے اس نے طب اکبر میں یہ تصرف کیا کہ شروع میں دو ورق تو امراض راس کے لکھے پھر جوتیاں سینے کا بیان لکھ دیا۔ پھر دو ورق امراض حلق کے لکھ دیئے اس کے بعد تجارت یا زراعت کے متعلق کچھ لکھ دیا یا پھر دو ورق امراض معدہ کے لکھے۔ پھر کچھ مضمون کپڑا سینے کا

رکھ دیا بتلایئے انصاف سے کہ ایسی کتاب کو دیکھ کر عقلاء کیا کہیں گے۔ ظاہر ہے کہ اب مذاق اڑائیں گے -- اور ظاہر ہے کہ یہ طب اکبر کا کمال نہ ہوگا اس کا کمال تو یہی ہے کہ اس میں طب ہی کے مسائل ہوں

اسی طرح قرآن شریف میں اگر ایسا ہوتا تو قرآن شریف کا کمال نہ ہوتا اس کا کمال تو یہی ہے کہ اس میں دین کے طریقے بتلائے جائیں ہاں معاش سے ممانعت نہ ہونی چاہئیے جبکہ طریقہ مباحہ سے ہو۔ مقصود میرا یہ ہے کہ میں اپنی اس وقت کی تقریر میں جب لفظ کمال کہوں گا تو اس سے کمال دینی مراد ہوگا۔ سو کمال دینی دو چیزیں ہیں ایک قوت علمیہ اور ایک قوت عملیہ۔ اور یہی دو کمال عورتوں کے لئے بھی ہیں پس حق تعالیٰ نے اس مقام پر تین کلمے ارشاد فرمائے ہیں ایک المحصنات یعنی حفاظت رکھی ہوئی بچائی ہوئی عورتیں دوسرا المومنات یعنی ایمان والی تصدیق کرنیوالی عورتیں۔ میں پہلے ان ہی دو کلموں کو لیتا ہوں الغافلات کا بیان آئندہ ہے۔ سو سمجھئے کہ ایمان نام ہے خاص علوم کا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کی اطلاع رسول ﷺ کی معرفت دی ہے اور اُن باتوں کو سچا جاننا۔ ان علوم کا نام درجہ یقین میں ایمان ہے پس اس ایک لفظ میں اشارہ ہے قوت علمیہ کی طرف یعنی المومنات میں اور دوسرے میں اشارہ ہے قوت عملیہ کیطرف یعنی المحصنات میں۔

**کامل نسواں** اور یہ دونوں کمال جب عورتوں کی طرف منسوب ہیں، تو معلوم ہوا کہ جیسے مرد کامل ہو سکتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کامل ہو سکتی ہیں اور جیسے خود مردوں کی نوع میں تفاوت ہے ایسے ہی عورتوں کی نوع میں بھی تفاوت ہے۔

اور عورتوں کے کمال کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مرد جیسے کامل ہوتے ہیں یہ ویسی ہو جائیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنی استعداد کے موافق کامل ہو سکتی ہیں خواہ مردوں کی برابر نہ ہوں اور عورتوں کے کمال کے حکم پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہ تو بڑے نص ناقص ہیں پھر انکو

کامل کیسے کہا جا سکتا ہے بات یہ ہے کہ عورتوں میں دو قسم کے نقصان ہیں ایک تو مردوں کے نوع کے مقابلہ میں۔ سو اس کا تدارک تو غیر اختیاری ہے اور اکتساب کو اس میں دخل نہیں اور ایک اپنی نوع کے لحاظ سے اس کا تدارک ہو سکتا ہے اور وہ مکتسب اور اختیاری ہے اور یہ نقصان مبدل بکمال ہو سکتا ہے بہرحال عورتوں کو بھی ایک کمال علمی حاصل ہو سکتا ہے جس کو ایمان کہا گیا ہے دوسرا کمال عملی حاصل ہو سکتا ہے جس کو احصان فرمایا گیا ہے اور چونکہ ایمان نام ہے علوم خاصہ کا اور علم مقدم ہوتا ہے عمل پر اس لئے اس کا مقتضا یہ تھا کہ المومنات کو مقدم لایا جاتا المحصنٰت پر المحصنٰت کو مقدم لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ علم مطلقاً فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ اس کا زیادہ حصہ ذریعہ ہے عمل کا اور مقصود علم سے عمل ہی ہے۔

## علم و عمل

پس چونکہ اس اعتبار خاص سے عمل مقدم ہے علم پر اسلئے المحصنات کو پہلے لائے اور المومنات کو بعد میں یہاں یہ نکتہ ہے مقدم لانے میں اور اعتبار خاص سے میں نے اس لئے کہا کہ دوسرے اعتبار سے علم مقدم ہے عمل پر وہ یہ کہ بدون علم کے عمل نہیں ہو سکتا۔ مگر ہیں دونوں ضروری علم بھی اور عمل بھی۔ یہ نہیں کہ جو شخص عمل نہ کرتا ہو وہ علم بھی حاصل نہ کرے جیسا بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ جب عمل ہی نہیں ہو سکتا تو احکام جاننے سے وعظ سننے سے کیا فائدہ۔ بات یہ ہے کہ جب دونوں فرض ہیں تو جس نے علم حاصل کیا گو عمل نہ کیا تو وہ ایک ہی جرم کا مجرم ہوا کیونکہ اس نے ایک ہی ضروری چیز کو چھوڑا اور جس نے علم بھی حاصل نہ کیا وہ دو جرم کا مجرم ہوا کیونکہ اس نے دو ضروری چیزوں کو ترک کیا اور اس کا یہ عذر مقبول نہ ہوگا کہ علم اس لئے حاصل نہیں کرتا کہ علم سے پھر عمل کرنا پڑے گا کیونکہ عمل تو پھر بھی فرض ہی رہے گا۔ اس جاہلانہ عقیدہ پر ایک حکایت یاد آئی ایک شخص نے مسئلہ سنا تھا کہ چاند دیکھ کر روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ آپ گھر کے اندر گھس کر بیٹھ رہے کواڑ بند کر لئے کہ نہ چاند

دیکھوں گا نہ روزہ فرض ہوگا۔ کئی روز وہیں گزر گئے وہاں ہی کھانا وہاں ہی
ہگنا۔ بی بی پاخانہ اُٹھاتے اُٹھاتے تنگ ہوگئی۔ بس ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کیا
جنگل میں آپ پہنچے قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی تالاب کے کنارہ پر پہنچے سر
جھکائے ہوئے تھے کہ کہیں چاند نظر نہ پڑ جائے بیچارہ اتنا جانتا نہ تھا کہ پانی کے
اندر عکس ہوتا ہے تالاب کے کنارہ بیٹھے تو پانی میں چاند نظر پڑا اور روزہ فرض ہو
گیا آپ کہتے بھلے ہیں ہم تو تجھے دیکھتے نہیں تو زبردستی آنکھوں میں گھسا جاتا ہے
بس جیسے اُس نے سمجھا تھا کہ جو چاند نہ دیکھے روزہ فرض نہیں ہوتا ایسے ہی بعضے
لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر علم حاصل نہ کریں گے تو عمل ہی فرض نہ ہوگا۔ سو یاد رکھنے کہ
فرض دونوں چیزیں ہیں علم بھی عمل بھی اور اس اعتبار سے علم کا حاصل کر لینے والا
گو اُس نے عمل نہ کیا ہو اُس سے اچھا ہے جس نے علم و عمل دونوں حاصل نہ کئے
ہوں ہاں زیادہ مقصود بے شک عمل ہے اور اسی وجہ سے المحصنات کو مقدم لائے
المومنات پر گویا اسمیں عمل کی مقصودیت کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہم یہاں اسکو
اس لئے مقدم کرتے ہیں کہ عمل کو زیادہ مقصود سمجھو اور اس میں رد ہو گیا اُن لوگوں
کا جو محض تعلیم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور عمل کا اہتمام نہیں کرتے۔ چنانچہ بعض لوگ
علم دین حاصل کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑا کمال حاصل کر لیا میں نے اس مذاق کے
علماء دیکھے ہیں کہ بس علم حاصل کر کے اپنے کو سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور سارے
مسلمانوں کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں اور اُنکو ناز ہوتا ہے اپنے علم پر حق تعالیٰ ایسے
ہی لوگوں کے بارہ میں فرماتے ہیں فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ
کہ جو علم اُن کے پاس تھا اُس پر اترانے لگے۔

## نصابِ تعلیم نسواں

اور خاص کر عورتیں جو ذرا بھی تعلیم یافتہ ہو جاتی ہیں
اُن کے ناز کا تو انتہا ہی نہیں رہتا حالانکہ اُن کا انتہائے
علمی بس یہ ہے کہ قرآن شریف پڑھ لیا اس کے بعد اگر بہت معراج ہوئی

تو قرآن شریف کے ترجمہ کا شوق ہوا مگر نرے ترجمہ سے کیا ہوتا ہے تاوقتیکہ کوئی عالم تفسیر نہ بتلائے بس عورتیں اتنا پڑھ کر عالم فاضل ہو گئیں۔ سمجھنے لگیں کہ ہم بھی کچھ ہیں اس کے بعد وہ یہ کرتی ہیں کہ اُردو کی کتابیں خریدلیں ناول خریدلئے۔

معجزہ آلِ نبی خرید لیا۔ خدا جانے یہ کس نے گھڑا ہے حضرت علی کی نسبت۔ اس میں تو اہانت ہے انکی۔ اسمیں لکھا ہے کہ آپ کے یہاں ایک فقیر آیا تھا آپ نے اپنے صاحبزادوں کو ہبہ کر دیا تھا محض مہمل قصہ ہے مگر چھپا ہوا موجود ہے عورتیں شوق سے منگاتی ہیں سمجھتی ہیں کہ اس میں بڑا ثواب ہے۔ ملتا ہے بزرگوں کے قصے ہیں مُصنّف بندہ خدا نے یہ نہ سوچا کہ آزاد شخص پر یہ تصرف کب صحیح ہے اور خود حضرت حسنین رضی کی بھی اہانت ہے کہ اُن کو غلام بنایا گیا اور بہت سے اسی قسم کے قصے ہیں۔ سانپ نامہ۔ درخت کا معجزہ۔ ایک جہل رسالہ چھپا ہے اس میں ایسے ایسے بیہودہ قصے ہیں جن کا سر نہ پاؤں اور پھر تعریف یہ کہ بعضے قصوں کی نسبت لکھدیا ہے کہ جو انکو پڑھے گا۔ اسپر دوزخ کی آگ حرام ہو جاوے گی یا یہ عورتیں نعت کی کتابیں منگاتی ہیں اور اُن میں کہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہوتی ہے کہیں حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہوتی ہے گویا ان مداحین کو ساری شریعت معاف ہو گئی جس کی شان میں چاہا گستاخی کر دی رسول کی شان میں اللہ کی شان میں۔ غرض اُن کتابوں میں بہت سے اشعار خلافِ شریعت ہیں جن کا پڑھنا بھی جائز نہیں غرض یہ نصاب ہے عورتوں کی تعلیم کا اس نصاب پر ناز ہے اور اگر نصاب کامل بھی ہوتا تو بھی ناز کرنا کہاں زیبا تھا چہ جائیکہ نصاب بھی ایسا پاکیزہ اور علم پر ناز ہی کیا اتنا تو سمجھنا چاہیے کہ ہر جاننے کا کوئی نتیجہ بھی تو ہوتا ہے ایک شخص کہتا ہے کہ میں تجارت کے طریقے جانتا ہوں مگر اُسپر عمل نہیں کرتا تو ایسے شخص پر تو زیادہ حسرت ہوتی ہے۔

**ضرورتِ عمل** خوب سمجھ لینا چاہیے کہ نرے علم پر ناز کرنا ہی نادانی ہے اور اگر اس پر عمل ہوا تو وہ عمل ہی ناز کے ترک کو مستلزم ہے خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے المحصنات کے تقدم سے بتلا دیا کہ نرا علم کچھ مفید نہیں اور علم کے ناکافی ہونے کی تقریر کی ایک فرع اور ہے وہ یہ ہے کہ جیسے آجکل اس مذاق کے لوگ کہ نرے علم کو کافی سمجھتے ہیں اسی طرح بہت لوگ اس مذاق کے بھی ہیں کہ جو یوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے جو کہ ایک فرد ہے علم کی بس سارے اعمال سے سبکدوش ہو گئے اور اس مذاق پر استدلال کرتے ہیں کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ بس اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو سچا سمجھے پھر جو چاہے کرے میں کہتا ہوں یہ بتلایئے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی رحیم ہے؟ جواب بھی یہی ہوگا کہ نہیں۔ رسول سے بڑھ کر کوئی شفیق ہے؟ جواب یہی ہوگا کہ نہیں۔ جب یہ ہے تو معاملہ رحمت و شفقت کا اثر تو یہ ہونا چاہیے کہ ایسے شفیق و رحیم کا بتلایا ہوا کام کوئی دشوار سے دشوار بھی نہ ٹالا جاوے نہ یہ کہ سارے احکام کو بالائے طاق رکھ دیا جاوے۔ اچھی قدر کی خدا کی رحمت اور رسول کی شفقت کی ایک مقدمہ اور سنئے طبیب کامل شفیق وہ ہے جس کو نسخہ سہل لکھنے میں مہارت ہو بلکہ جنگل کی دوا سے علاج کرتا ہو جس قدر سہولت کی رعایت ہو گی وہ دلیل ہو گی کمال اور شفقت اور رحمت کی۔ جب یہ سمجھ گئے تو سنئے کہ آسان طریقہ تو یہ تھا کہ نہ نماز کی ضرورت ہوتی نہ زکوٰۃ کی نہ حلال و حرام کے اہتمام کی نہ رشوت چھوڑنے کی نہ تجبر چھوڑنے کی بس لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر نہایت آزادی کے ساتھ زندگی بسر کیا کرتے یہ نہایت سہل طریقہ تھا اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تجویز فرماتے تو لوگ نہایت آسانی سے اسلام قبول کر لیتے مگر باوجود اس کے آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اعمال کی بھی تاکید اور تعلیم فرمائی اس سے معلوم

ہوا کہ صرف لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کافی نسخہ نہیں ہے دوسرے اجزاء کی بھی ضرورت ہے مگر آج کل اہل الرائے کی عجیب حالت ہے چنانچہ ایک شخص نے یہاں تک رائے دی کہ اگر سب علماء مل کر نماز کو اسلام سے خارج کر دیں تو اسلام کو بہت ترقی ہو اور اس کے باقی رکھنے سے اسلام کی ترقی رُک رہی ہے کیونکہ جب کوئی شخص سُنتا ہے کہ اسلام لا کر نماز گلے مڑھی جائے گی تو وہ اسلام لانے سے رُک جاتا ہے بہت سے لوگ اسلام لانے پر آمادہ ہیں مگر نماز کی وجہ سے ہمت نہیں ہوتی اس لئے اس کو حذف کر دینا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں کہ واقعی ظاہر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز نہ ہوتی تو مسلمان ہونا کچھ بھی مشکل نہ تھا بہت سہل ہوتا، مگر باوجود اس کے پھر کیا وجہ ہے کہ نماز فرض فرمائی گئی اور اس کے تارک پر وعید ارشاد فرمائی اور وعید بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ یوں فرمایا: مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ کہ جس نے عمداً نماز کو چھوڑا تو وہ کافر ہو گیا۔ یہاں ایک بات سمجھئے کہ مولویوں کی عجیب کم بختی ہے کہ جب وہ اس قسم کا مضمون بیان کرتے ہیں تو لوگ ان کو یوں کہتے ہیں کہ بس جی انکو تو کافر بنانا آتا ہے۔ بھائی یہ تو رسول کا فتویٰ ہے مولویوں کے گھر کی تو بات نہیں اور اگر کہو کہ حدیث کوئی چیز نہیں چنانچہ ایسے لوگوں میں سے بعض اسکے بھی قائل ہیں تو صاحبو! قرآن شریف کا سیاق و سباق بھی تو تارکِ نماز کو مشرک بتلا رہا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

تو کیا قرآن شریف کو بھی حجت نہ کہا جاوے گا۔ حاصل یہ کہ اس درجہ جو نماز کی تاکید کی گئی یا حج و زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اور اُن کے بارے میں وعید سُنائی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض ایمان لانا کامیابی کے لئے کافی نہیں بلکہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ کے یہ معنی ہی نہیں کہ کوئی عمل نہ

کرے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کا بھی اقرار کرے اور اس کے مقتضاء پر عمل بھی کرے کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ۔ اور اس قاعدے میں کسی عاقل کو کلام نہیں بالکل ظاہر بات ہے میں اس کے متعلق چند مرتبہ مثالیں پیش کر چکا ہوں، ایک بہت ظاہر مثال اسوقت بھی عرض کرتا ہوں مثلاً کسی شخص کا نکاح کیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تم نے فلاں لڑکی کو اتنے مہر پر قبول کیا؟ وہ کہتا ہے قبول کیا ظاہر ہے کہ اس کے معنی بلاشبہ یہی ہوتے ہیں کہ میں نے مکان دینا بھی قبول کیا کھانا کپڑا بھی قبول کیا اور بھی تمام اخراجات بی بی کے قبول کئے اور یہ معنی اس قاعدہ کی بناء پر ہیں کہ اَلشَّئُ اِذَا ثَبَتَ ثَبَتَ بِلَوَازِمِہٖ

اب فرض کیجئے کہ یہ شخص ناکح اس مذاق کا تھا کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے محض لفظی معنی کا قائل تھا نکاح کے چند روز بعد ماں باپ نے علیحدہ کر دیا کہ کماؤ کھاؤ جب علیحدہ ہوئے تو بی بی نے کہا کہ میاں گھی چاہیئے آٹا چاہیئے دسوں قسم کے جھگڑے بتلا دیئے اس نے سُن کر کہا کہ نکاح میں کب ٹھہرا یا تھا کہ یہ بھی لاؤں گا اور وہ بھی لاؤں گا اس کا تو ذکر تک بھی نہ ہوا تھا نہ اس کو میں نے قبول کیا تھا۔ غرض تکرار بڑھا سارا محلہ جمع ہو گیا میں اُن صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کے سامنے ایسے شخص کا مقدمہ پیش ہو اور آپ جج ہوں تو آپ کیا فیصلہ کریں۔ ظاہر ہے کہ آپ یہی فیصلہ کریں کہ یہ جملہ ضروریات اُس کے ذمہ ہیں اور کسی عورت کو نکاح میں قبول کرنے کے معنے یہی ہیں کہ میں نے آٹا لانا بھی قبول کیا کھانا کپڑا دینا بھی قبول کیا جُملہ ضروریات قبول کیں نکاح کے قبول کرنے میں یہ سب چیزیں بھی آ گئیں بس اسی طرح لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے معنے سمجھو کہ جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار کیا تو اسی میں یہ سب اقرار بھی آ گئے کہ نماز بھی پڑھوں گا روزہ بھی رکھوں گا زکوٰۃ بھی دوں گا حج بھی کرونگا تمام احکام کا اقرار اسی میں آ گیا۔ اب حدیث میں جو ہے دخل الجنۃ کہ وہ شخص جنت میں داخل ہو گا تو یہ بالکل صحیح

ہے اسپر اگر کوئی یُوں شبہ کرے کہ اس حدیث میں یہ بھی تو ہے : وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ کہ جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہہ لیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا اگرچہ زنا اور چوری کرے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ کر جو چاہے جو کرے سمجھ لیجئے کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ان افعال پر اصرار نہ کرے یعنی اگر گناہ بھی ہو جاوے تو توبہ کرلے کیونکہ توبہ بھی تو، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہی کے اقرار میں داخل ہے۔ بس توبہ کے بعد پھر پہلی حالت ہو جاوے گی اور یہ معنی نہیں کہ فقط لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ کر فارغ ہو گئے اور کچھ ذمہ ہی نہیں رہا۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایمان لاکر کسی چیز کو ضروری ہی نہیں سمجھتے بلکہ بعضے تو صرف مسلمان کے گھر پیدا ہونے کو ہی کافی سمجھتے ہیں اور بعض کو خود اس ایمان کی بھی خبر نہیں کہ کیا چیز ہے؟

## اہمیتِ دین

صاحبو! اس بے خبری کا علاج سیکھنا ہے۔ دین سیکھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے مگر افسوس آجکل ادنیٰ درجہ کی چیزیں تو سیکھی جاتی ہیں مگر دین نہیں سیکھا جاتا۔ اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حتی الامکان دین کے سکھانے والے ایسے تجویز کئے جائیں جو خود بھی دین رکھتے ہوں اپنے کو اُن کے سپرد کرنا چاہیئے۔ دیکھئے مدارس دنیوی میں لوگ تعلیم کے متعلق سب باتیں اُستاد کے سپرد کرتے ہیں اور جس چیز کا جو کورس ہے اس میں اسی کو وکیل بناتے ہیں مگر اس قاعدہ پر عمل نہیں کرتے تو دین کے باب میں نہیں کرتے اور پُورا دین سیکھنے ہی سے ایمان بھی پُورا ہوتا ہے تھوڑے دین کے سیکھنے سے ایمان بھی پُورا نہیں ہوتا کہ وہ محض لفظی ایمان ہوگا اور ایمان لفظی کیا کام دے سکتا ہے مگر حضرات اسوقت وہ حالت ہے کہ : لَا یَبْقٰی مِنَ الدِّیْنِ اِلَّا اِسْمُہٗ سو حق تعالیٰ نے اس آیت میں المحصنات کو مقدم کر کے اشارہ اسطرف کیا ہے کہ فقط ایمان پر قناعت کرنا بدون عمل کے کافی نہیں ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص

بغاوت کرتا ہو بم کے گولے چھوڑتا ہو مگر گورنمنٹ کو بھی مانتا ہو کیا خوشنودی سلطنت وامن وعافیت کے لئے محض یہ مان لینا بدون اطاعت کے کافی ہو جائے گا سب جانتے ہیں کہ کافی نہیں ہوسکتا تو حق تعالیٰ کی جناب میں بھی یہ مان لینا کیسے کافی ہوگا جب تک عمل نہ ہو یہ نکتہ تھا المحصنات کے مقدم کرنے میں المؤمنات پر غرض حق تعالیٰ ان دونوں کلموں میں قوت علمیہ وعملیہ دونوں کو بیان کر رہے ہیں یہ حاصل ہوا اس بیان کا۔ اب صرف اس کی ضرورت رہ گئی کہ اس علم اور عمل کی فہرست بیان کر دی جائے پس سُنیئے کہ علم سے مراد علم دین ہے علم دنیا نہیں۔ اور اس کے یہ معنی نہیں کہ علم دنیا کی ممانعت ہے جس چیز کی ضرورت واقعی ہو اس کو کتاب وسُنت منع نہیں کرتی بلکہ اگر دین کی نیت سے سیکھے تو وہ دنیا بھی دین ہی ہو جاتی ہے البتہ وہ دین لغیرہ ہے اپنی ذات میں دین نہیں ہے یہ اسوجہ سے عرض کر دیا کہ بعض ذہین بیبیاں سُنکر بہت خوش ہوں گی کہ یہ تو بڑی اچھی بات بتلائی کہ دُنیا میں بھی دین ہو جاتا ہے نیت سے۔ بس وہ کفایت کرلیں گی کھانے پکانے پر اور خانہ داری کے کام پر اور سمجھ لیں گی کہ بس دین کا کام تو کر ہی لیا۔ اب آگے کیا ضرورت رہی نماز وغیرہ کی۔ اس لئے میں نے کہا ہے کہ یہ چیزیں اپنی ذات میں دین نہیں ہیں یہ اعمال نماز روزہ کے قائم مقام نہ ہوں گے بعض اسی کو بڑی عبادت سمجھتی ہیں کہ گھر کا کام کرلیا شوہر کو آرام پہنچا دیا خانہ داری کا بندوبست کرلیا بس آگے اور کچھ نہیں۔ بہت سی ایسے مذاق کی بھی ہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ نماز روزہ تو اپنی ذات میں دین ہے اور یہ چیزیں اپنی ذات میں دین نہیں بلکہ یہ ملحق بعبادت ہو جاتی ہیں قائم مقام نہیں ہوسکتیں کجا وہ (نماز روزہ) کجا یہ (خانہ داری کا کاروبار) مگر ہاں دین ہے ایک خاص اعتبار سے اب رہی یہ بات کہ وہ نیت کیا ہوگی جس سے یہ چیزیں عبادت ہو سکیں تو نیت یہ ہوگی کہ ہم شوہر کی خدمت کریں گے اس کو آرام پہنچائیں گے تو اس کا حق ادا ہوگا بس اس نیت سے دنیا دین ہو جاوے گی۔

اسی طرح تعلیم دنیا بھی اگر دین کی نیت سے ہو تو وہ بھی دین ہو جاتا ہے مگر محض اُس تعلیم پر کفایت نہ کرنا چاہیئے۔

**ضرورت علم دین**

تم کو اصل ضرورت علم دین کی ہے اب میں اُسکی فہرست بتلاتا ہوں سب سے پہلے بچہ کو کلمہ شریف سکھا دو خواہ ایک ہی کلمہ ہو جس کو عورتیں بہت آسانی سے سکھا سکتی ہیں نیز بچہ کو زبانی تعلیم احکام کی بھی دیتی رہو مثلاً اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنا اور یہ بتلانا کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی جو صفات ہیں وہ بتلاؤ مثلاً سب چیزوں کو انہوں نے پیدا کیا ہے وہی مارتے ہیں وہی جلاتے ہیں اُنکو خبر ہے تمام چیزوں کی اگر بچہ شرارت کرے تو کہو کہ اللہ میاں خفا ہوں گے جو جو علوم اُن کے مناسب ہیں عورتیں اُن کے ذہن میں خوب ڈال سکتی ہیں۔ بار بار کہتے رہنے سے بچہ کو یقین ہو جاوے گا کہ خدا تعالیٰ کو سب چیز کی خبر ہے عورتوں کو چاہیئے کہ اُن کے خیالات دُرست کریں اُس کے بعد جب اُن کو اور ہوش ہو تو چھوٹی چھوٹی سورتیں قرآن شریف کی یاد کرا دیں جب سات برس کے ہوں تو نماز پڑھنے کا طریقہ بتلا دیں۔ دس برس کی عمر میں مار کر پڑھوائیں۔ اب تو نماز کے بارہ میں کوئی بھی کچھ نہیں کہتا اگر کوئی بچہ امتحان میں فیل ہو جاوے تو اُس پر تو افسوس ہوتا ہے لیکن نماز اگر برس روز تک بھی نہ پڑھے تو ذرا بھی افسوس نہیں ہوتا زبانِ حال سے اسلام شکایت کر رہا ہے کہ افسوس میری طرف بالکل توجہ نہیں رہی میں تم کو غیرت دلاتا ہوں یہ بتلایئے کہ اسکی حفاظت آپ کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں نہیں کی جاتی کیا نصارا و یہود اسکی حفاظت کریں گی یا مجوس و ہنود اسکی حمایت کریں گے جب اپنے اسباب کی مالک ہی حفاظت نہ کرے تو اور کون کریگا۔ شاید یوں خیال ہو گا کہ مولوی تو اسکی حفاظت کر رہے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ دین کیا صرف مولویوں کا ہے تمہارا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ سب ہی کا ہے جب سب کا ہے تو وہ ایک جائداد مشترک

ہوا اور ظاہر ہے کہ جو جائداد مشترک ہوتی ہے اُس کی حفاظت جملہ شرکاء کے ذمہ ہوتی ہے تو پھر اس مشترک جائداد کی سب کیوں نہیں حفاظت کرتے خاص کر جبکہ حفاظت آسان بھی ہو اور حفاظت یہ ہے کہ اُسکی ضروریات کی پابندی کرو سو یہ کیا مشکل ہے اور اگر مشکل ہے تو ایسی مشکل ہے جیسے ایک معمولی کام کا اگر ارادہ نہ کرو تو وہ مشکل نظر آتا ہے۔ سو ارادہ نہ کرنے سے ہر کام مشکل معلوم ہونے لگتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص کو آدھی رات پیاس لگے اور اسوقت ہمت نہ ہو اُٹھ کر پانی پینے کی کہ اسوقت کہاں جاؤں اور اسلئے پیاسا پڑا رہے فرض کیجئے اگر اُسی وقت اتفاق سے کلکٹر کا اردلی آیا اور کہا کہ صاحب کلکٹر کو آپ سے خاص بات کہنی ہے اور اسی وقت بلایا ہے اور وقت بھی ایسا کہ بارش ہو رہی ہے اور بجلی چمک رہی ہے یہ صاحب وہی ہیں کہ چار قدم بھی پانی پینے کو نہیں جا سکتے تھے مگر یہی وہ ہیں کہ باران کوٹ پہن سوار ہو کر چلدیئے اور ایک میل پہنچے اور جب وہاں سے آئے تو خوش بخوش فخر کرتے ہوئے آئے کہ ہم سے صاحب کلکٹر نے مشورہ لیا اسی کا تذکرہ ہے اسی کا چرچا ہے ان ہی کو پہلے چار قدم جانا مشکل تھا اور اب آٹھ فرلانگ چلے گئے آخر اس میں تفاوت کیا ہے بس بات یہی ہے کہ چار قدم جانے کا تو ارادہ نہ تھا اور ایک میل جانے کا ارادہ ہو گیا، ارادہ نہ کرنے سے وہ مشکل ہو گیا اور ارادہ کرنے سے یہ آسان ہو گیا کبھی سردی میں سفر کا ارادہ ہوتا ہے تو حالت یہ ہوتی ہے کہ ہاتھ پاؤں ٹھٹھرے ہوئے ہیں گلے جاتے ہیں مگر سفر کر رہے ہیں بات یہ ہے کہ ارادہ نہیں کرتے دین کا اسلئے دین مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بس چونکہ ہم میں ارادہ نہیں اس لئے نماز جیسی آسان چیز بھی مشکل معلوم ہوتی ہے حاصل یہ کہ بچوں کی تعلیم کی ابتداء نماز سے کی جائے اور اسکو عادت ثانیہ بنایا جائے جب بچہ دس برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو مارو پیٹو۔ غرض بچپن ہی میں نماز کا طریقہ تعلیم کر دو۔ جب سیانا ہو جاوے لڑکی

ہو یا لڑکا اس کو علم دین پڑھائیں. قرآن شریف بڑی چیز ہے کسی حالت میں ترک کرنا چاہیئے. یہ خیال نہ کرے کہ وقت ضائع ہو گا.

**حقیقتِ قرآن حکیم**

اگر قرآن شریف سارا نہ ہو آدھا ہی ہو یہ بھی نہ ہو ایک ہی منزل پڑھا دی جاوے اخیر کی طرف سے اس میں چھوٹی چھوٹی سورتیں نماز میں کام آئیں گی اور قرآن شریف کی یہ بھی برکت ہے کہ قرآن کے حافظ کا دماغ ایسا مناسب ہو جاتا ہے دوسرے علوم کے لئے کہ دوسروں کا نہیں ہوتا یہ تجربہ ہے رات دن کا. صاحبو! بھلا ایک منزل پڑھانے میں کیا وقت صرف ہوتا ہے آجکل قرآن شریف کے پڑھانے میں ایک اور بہانہ کیا جاتا ہے کہ اس طرح پڑھانے سے یعنی بے معنی طوطے کی طرح پڑھانے سے کیا فائدہ میں کہتا ہوں کہ اگر اسی طرح پڑھانے سے کسی بڑے عہدہ کا وعدہ ہو جائے تو انعام کی توقع کے بعد بھی کیا کوئی صاحب یوں کہیں گے کہ کیا فائدہ اور پھر معنی ہی میں فائدہ کو منحصر سمجھنا خود یہی غلط ہے کیا ثواب فائدہ نہیں ہے سو اسکی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کے پڑھنے میں ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں تو کیا نیکی روپیہ سے بھی گئی گزری ہے مگر نیکی وہ سکہ ہے جس کی قیمت دنیا میں معلوم نہیں ہوتی کیونکہ یہ سکہ دُوسرے مُلک میں چلتا ہے, سعدیؒ اسی کو کہتے ہیں ؎

قیامت کہ بازار مینو نہند ⁂ مراتب باعمال نیکو دہند
کہ بازار چندانکہ آگندہ تر ⁂ تہیدست را دل پراگندہ تر

غرض آخرت میں ایک بازار لگایا جائے گا اور وہ سکہ وہاں چلے گا پھر تو جس کے پاس یہ سکہ نہ ہو گا اسکی یہ حالت ہو گی تہیدست را دل پراگندہ تر, پاس کچھ نہیں مارے مارے پھر رہے ہیں کوئی پوچھتا ہی نہیں اس وقت قدر ہو گی اس سکہ کی, سو دیکھئے کتنا بڑا انعام ہے کہ ایک حرف پر دس نیکی ای

کو تو کہتے ہیں ؎

خود کہ باید ایں چنیں بازار را ۔۔ کہ بیک گل می خری گلزار را

ہاں اگر مسلمان ہو کر یہ کہہ دیں کہ آخرت میں بھی ضرورت نہ پڑے گی تو بس صبر آجاوے پھر ان کو خطاب ہی نہ کیا جاوے لیکن ضرورت بھی مانتے ہیں اور پھر محض لفظ ہی لفظ ہیں اس سے جی کڑھتا ہے صبر نہیں آتا۔ غرض قرآن شریف ضرور پڑھنا چاہیئے۔

## اہمیتِ صحبت

اس کے بعد ضرورت اس کی ہے کہ اگر کوئی شخص فارغ صاحبِ ثروت نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور چاہیئے کہ مکمل نصاب اُردو کا پڑھ لے اور اس نصاب کے لئے اس وقت اُردو میں کافی ذخیرہ موجود ہے علماء سے اس کو منتخب کرا کر آدھا دن دین کی تعلیم کے لئے اور آدھا دنیا کی تعلیم کے لئے مقرر کر لیں مگر یہ ضرور ہے کہ تعلیم ایسے شخص سے ہو جو مذہبی آدمی ہو اور یہ خیال نہ کیجئے کہ ایسی معمولی استعداد سے جو اُردو پڑھنے سے حاصل ہو گی. کیا فائدہ ـــــ ؟ اس سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ قلب میں دین کی عظمت پیدا ہو جاوے گی اور رگ و ریشہ میں دین رچ جاوے گا خصوص بچوں کو ایسے لوگوں کے سپرد کیجئے جو بے طمع خوش اخلاق لوگ ہوں، چنانچہ پہلے زمانہ میں جو کبھی تعلیم کا طریقہ تھا بہت ہی اچھا طریقہ تھا انکی صحبت کا یہ اثر دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ پرانے مکتب میں پڑھے ہوئے ہیں ان کے قلب میں بزرگوں کی دین کی عزت اور عظمت ہے جس کا نئی تعلیم میں نام و نشان بھی نہیں وجہ یہ کہ نری زبان سے کچھ نہیں ہوتا جب تک قلب کے اندر کوئی بات پیدا نہ ہو اور دل میں پیدا نہیں ہوتی جب تک صحبت نہ ہو اس لئے صحبت کی بڑی ضرورت ہے خواہ کتابیں تھوڑی ہی پڑھائی جاویں مگر صحبت زیادہ ہو۔ رہی لڑکیوں کی تعلیم سو اگر گھر کے مرد ذی علم ہوں تو وہ پڑھا دیں ورنہ اگر مستورات پڑھی ہوئی ہوں تو خود پڑھائیں ورنہ دُوسری نیک بیبیوں

سے پڑھوائیں اور نصاب وہی ہوں جو میں نے ذکر کیا ہے اور یہ میری سمجھ میں کسی طرح نہیں آتا کہ زنانہ مکتب قائم کیا جائے جیسے مردانے مکتب باقاعدہ ہوتے ہیں اس باب میں واقعات اس کثرت سے ہیں کہ ان واقعات نے یقین دلا دیا ہے کہ ایسے مکتبوں کا اثر اچھا نہیں ہوتا اور امتحان ہو جانے کے بعد ہمیں وجہ بیان کرنے کی حاجت نہیں جیسا مقناطیس کی کشش کی بیان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ خاص تعلق کے موقع پر تعلیم ہونا چاہیئے لڑکیوں کی تجربہ سے معلوم ہوا کہ خاص تعلق کے گھر میں جتنی حفاظت ہوتی ہے وہ عام جگہ نہیں ہو سکتی لیکن یہ میری رائے ہے میں فتویٰ نہیں دیتا ہوں۔ اگر تجربہ سے دوسری تجویز مفاسد سے خالی ہو تو اس پر عمل کیا جاوے مگر عورتوں کو تعلیم ضرور دینا چاہیئے لیکن مذہبی تعلیم نہ کہ تعلیم جدید اور تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک اور کام بھی کرنا چاہیئے وہ یہ کہ لڑکیاں کسی تعلیم کے خلاف عمل کریں تو اُن کو روکو۔ بلکہ اُن کے خلاف عمل کرنے پر یوں کرو کہ جب کبھی غیبت کریں کتاب منگا کر اور وہ مضمون دکھلا کر تنبیہ کرو۔ اگر اس طرح سے عمل رہا تو انشاء اللہ ایسا پاکیزہ نشو و نما ہو گا جس کا کچھ کہنا ہی نہیں۔

دوسرے گھر یعنی سسرال میں جا کر نیک نامی ہوگی اور یہ بھی مشاہدہ سے سب کو معلوم ہو جاوے گا دیندار ایسی چیز ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اخلاق درست ہوں گے اعمال درست ہوں گے اس سے زیادہ کیا راحت ہوگی کہ اخلاق بھی درست ہوں اعمال بھی درست ہوں غرض کافی تعلیم سے دونوں باتیں نصیب ہوں گی۔ آسائش دین اور آسائش دنیا بلکہ ایسوں سے دوسروں کو راحت ہی پہنچتی ہے کیونکہ ایسے لوگ دشمنوں تک سے بھی مخالفت نہیں کرتے اسی کو کہتے ہیں ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا ۔۔۔ دل دشمناں ہم نکردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام ۔۔۔ کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

## طریق تعلیم ناخواندہ نسواں

بس اتنی تعلیم کا یہ طریقہ ہے اور یہ طریقہ وہاں تو آسان ہے جہاں عورتیں پڑھی ہوئی ہوں اور جہاں پڑھی ہوئی نہ ہوں تو عورتوں پر لازم ہے کہ وہ مردوں سے پڑھانے کی التجا کریں پھر عورتوں کے پڑھانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مرد اُن کو کتابیں سُنا دیا کریں اس کے متعلق میں ایک کام کی بات بتلاتا ہوں مردوں کو بھی عورتوں کو بھی اور وہ بڑے کام کی بات ہے وہ یہ ہے کہ یہ جو عادت ہے کہ جس کسی کتاب کے ساتھ مولوی کا نام لکھا ہوا پایا اُس کتاب کو لے لیا یہ نہ چاہیے دیکھئے دنیا میں اطبار بہت سے ہیں مگر آپ سب کو برابر نہیں سمجھتے ہر کسی کا علاج نہیں کرتے حکیم وہ تجویز کیا جاتا ہے جو باقاعدہ طب پڑھا ہوا ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کے ہاتھ میں شفا بھی دی ہو اُس کو مریضوں پر شفقت بھی ہو حریص و طماع بھی نہ ہو لے انتر حکیم کے واسطے تو آپ نے اتنی صفتیں لگا دیں اور دین میں یہ حالت کہ ایک کتاب دیکھی کہ فلاں مولوی صاحب کی ہے بس اُسے خرید لیا یہ بحث ہی نہیں کہ انہوں نے باقاعدہ کہیں پڑھا بھی ہے وہ اہل فن کے نزدیک معتبر بھی ہیں باقی محض مولوی نام ہونے سے کیا ہوتا ہے۔

## حقیقتِ خطاب

آجکل خطابات بہت سستے ہو رہے ہیں یہ حالت ہے کہ جو قدوری بھی نہیں پڑھا سکتے ان کو مولوی کا خطاب مل جاتا ہے بہت سے شمس العلماء ایسے ہیں کہ اگر اُن کے سامنے کوئی چھوٹی سی کتاب بھی پڑھانے کے لئے رکھ دو تو پڑھا نہ سکیں۔ میں تو ایسے لوگوں کو شمس مکسوف کہا کرتا ہوں تعجب ہے کہ لوگ یہ بھی تو نہیں دیکھتے کہ حکام کا کسی کو کوئی خطاب دیدنا کہاں تک حجت کمال کی ہے اسپر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔ ایک نائی کسی بادشاہ کی حجامت بنایا کرتا تھا، ایک دفعہ وہ اپنے وقت پر حجامت کے لئے نہ پہنچا۔ بادشاہ انتظار کر کے سو رہے نائی گیا تو خبر ملی کہ بادشاہ

سو رہے ہیں وہ یہ سُن کر فکر میں پڑ گیا کہ نہیں معلوم بیدار ہونے کے بعد کیا حکم دیں اُس نے دربان سے سازش کر کے سوتے ہی میں حجامت بنا دی کہ بادشاہ کو خبر بھی نہ ہوئی بادشاہ نے اُٹھ کر آئینہ میں جو خط بنا ہوا پایا پوچھا تو معلوم ہوا کہ سوتے میں بنا گیا ہے اسپر بادشاہ نے خوش ہو کر نائی کو اُستاد کا خطاب عطا کیا یہ خبر جب پھیلی تو اُس نائی کے یہاں برادری کی عورتیں جمع ہوئیں اور اسکی نائن سے کہا کہ بہن تجھے مبارک ہو بادشاہ نے تیرے میاں کو استاد کا خطاب دیا ہے ۔ نائن نے سُن کر کہا کہ یہ تو کوئی خوشی کی بات نہیں بادشاہ نائی تھوڑا ہی ہے جو فن کو جانتا ہو خوشی کی بات تو جب تھی کہ اپنے چار بھائی مل کر خطاب دیدیتے ۔ بادشاہ کا خطاب دینا معتبر تھوڑا ہی ہے جبکہ وہ اس پیشہ ہی کو نہیں جانتا ۔ واقعی یہ ہے کہ اس نائن کی عقل ہم سے زیادہ تھی ۔ تو گورنمنٹ کے خطاب دینے سے کسی کو شمس العلماء سمجھ لینا محض حماقت ہے گورنمنٹ خود ہی شمس العلماء نہیں ہاں شمس السلاطین کہہ دو تو خیر ۔ کھُلم کھُلا دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ صرف و نحو بھی پوری نہیں جانتے خدا کے واسطے ذرا حِس دُرست کیجئے اور جس طرح بعضوں نے تو غیر واقعی مولویوں کو مولوی سمجھ لیا بعضوں نے واقعی مولویوں کو بھی مولوی نہ سمجھا اُنہوں نے یہاں تک حد سے تجاوز کیا ہے کہ سارے ہی مولویوں کو بے ایمان سمجھ لیا کیا سارے مولوی تمہارے نزدیک بے ایمان ہیں بات یہ ہے کہ آپ نے اُن مولویوں کو دیکھا ہے جو آپ کے دروازوں پر آتے ہیں کبھی آپ نے اُن کی بھی تلاش کی ہے جو کسی کے دروازوں پر نہیں جاتے اگر آپ اُن کو تلاش کرتے تب آپ کو اُن کا حال معلوم ہوتا آپ کو خبر ہی نہیں کہ مولوی کیسے ہوتے ہیں کیونکہ آپ گئے ہی نہیں سو ذرا اُن کو تلاش کر لو ۔ جیسا مولانا کہتے ہیں ؎

خواب را بگذار امشب اے پدر ۔ یکشبے در کوئے بے خواباں گذر

یعنی تلاش کرنے سے معلوم ہوگا کہ نہ سونے والوں میں کیسے کیسے ہیں مگر کبر ونخوت تلاش سے مانع ہے اس کو چھوڑو تو وہ ملیں اور اسوقت یہ مضامین سمجھ میں آدیں جو عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

مبیں حقیر گدایانِ عشق راکیں قوم ؛ شہان بے کمر وخسرواں بے کلاہند

اور فرماتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں ؛ کہ ناز بر فلک وحکم برستارہ کنم

مگر اُنکے پاس قیمتی کپڑے نہ ہوں گے نہ انگریزی لباس ہوگا ان دونوں سے عُریاں ہوں گے اُن میں بناوٹ نہ ہو گی اور اُن کو جب اپنی جان کی بھی پروا ہ نہیں تو کپڑے وغیرہ کی تو کیا ہوگی اُن کی تو یہ حالت ہے ؎

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند ؛ فرزند وعزیز وخاں وماں راچہ کند

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ پھٹے ہوئے کپڑوں میں مستغنی ہیں بس ایسے لوگوں سے رجوع کیجئے اس کے ساتھ میں ایک اور کام کی بات بتلاتا ہوں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے ایمان کی حفاظت کرنا چاہتا ہے اور اُس کے ذمہ بھی ہے ایمان کی حفاظت، سو ایمان کی حفاظت تجربہ سے آجکل اسی میں ہے کہ کسی ایک عالم متبع سنت کو اپنا مقتدا اور ہادی بنالے یہ نہیں کہ جس کو مولوی دیکھا بس اُسی کو قبلہ وکعبہ بنالیا دیکھ بھال کر خوب سمجھ بوجھ کر ایک معیّن کر لیا جاوے پھر جب معیّن ہو جاوے تو ہر بات کو اُسی سے پوچھو اسی سے پوچھ کر کتابیں سُنانے اور پڑھانے اور دیکھنے کے لئے منتخب کرو خیال کیجئے کہ دنیاوی معاملات میں ہر شخص ایک معتمد کو تجویز کر لیتا ہے اور اس میں حکمت یہی ہے کہ ایک کے معیّن کر لینے میں انتخاب بھی اچھا ہوتا ہے اور اس معتمد کو بھی تعلق وتوجہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ دیکھئے جس وکیل کے یہاں ہمیشہ مقدمات لے کر جاتے آتے ہیں جیسی وہ عنایت کریگا دُوسرا نیا آدمی نہیں کر سکتا

سو آپ نے دین کے معاملہ میں ایسا کیوں نہیں کیا یعنی آپ نے اپنی اصلاح کے لئے کوئی مولوی درویش کیوں نہیں تجویز کیا ——— بس بات یہ ہے کہ دین کو ایسا ضروری نہیں سمجھا ورنہ جس طرح دنیوی معاملات میں مصلحت کے لئے تعین کیا جاتا ہے دینی معاملات میں بھی ایسا ہی ہوتا لیکن اگر تعین کے لئے انتخاب کرو تو یہ دیکھ لینا کہ وہ مولوی ایسا ہو کہ جس نے باقاعدہ پڑھا بھی ہو شفیق بھی ہو حریص و طماع بھی نہ ہو، متبع سنت بھی ہو۔

## حقیقتِ عالم

بس ایسے شخص کو عالم سمجھیں اس منتخب کرنے ہی میں بڑے سلیقہ کی ضرورت ہے پھر جب منتخب ہو جائے تو ہر بات میں اُسی کی طرف رجوع کریں اور انتخاب میں اس احتیاط کی اس لئے ضرورت ہے کہ اسوقت دین کے پردہ میں ایسے لوگ گھس رہے ہیں کہ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ؛ پس بہر دستے نباید داد دست

اور ایسے لوگ ہیں ؎

کارِ شیطاں میکنی نامت ولی ؛ گر ولی اینست لعنت بر ولی

اور ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں فرماتے ہیں ؎

ظالم آں قومی کہ چشماں دوختند ؛ از سخنہا عالمے را سوختند

اور اچھے لوگوں کی علامت جو کہ معیار انتخاب ہو سکتا ہے فرماتے ہیں ؎

کار مرداں روشنی و گرمی ست ؛ کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست

یہ دو علامتیں ہیں گرمی اور روشنی حاصل یہ کہ اُن میں متعدد صفات ہیں ایک صفت اُن میں سے گرمی ہے اور ایک صفت روشنی ہے، روشنی تو مراد علم اور گرمی سے مراد عشق یعنی حق تعالیٰ کی محبت اور یہ گرمی ایسی ہے جیسے انجن میں گرمی ہوتی ہے، اُن گاڑیوں کو مبارک ہو جو ایسے انجن سے وابستہ ہوں اور علامت اس گرمی کی یہ ہے

کہ اُن کی صحبت سے خدا کی محبت بڑھتی جاوے اور دنیا سے دِل سَرد ہوتا جاوے مگر یہ مطلب نہیں کہ تعلقاتِ دنیویہ بالکل ترک ہوجاویں بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا سے دلچسپی نہ رہے اور دنیا کو قبلہ وکعبہ نہ بناوے۔

**انتخابِ کتب** بس ایسے شخص سے رجوع کرو اور جو بات پوچھو اسی سے پوچھو، کتابیں بھی اُسی سے انتخاب کراؤ۔ جو کتابیں دیکھنا چاہو پہلے اُس کو دِکھلا لو۔ ہر کتاب کو مت دیکھنے لگو۔ ورنہ یہ ہوگا ؏

شد پریشان خواب من از کثرتِ تعبیر ہا

آج اُسکی کتاب دیکھ لی کل اُس کی دیکھ لی یہ نہیں چاہیئے اس سے بڑی خرابی پیدا ہوتی ہے پہلے اُسی شخص کو جس کو تجویز کیا ہے دِکھلا لو اگر وہ اِجازت دے تو دیکھو ورنہ مت دیکھو محتاط امراء کی عادت ہوتی ہے کہ کھانا کھاتے ہیں تو اول حکیم سے پُوچھ لیتے ہیں اگر وہ اِجازت دیتا ہے تو کھاتے ہیں ورنہ نہیں۔ یا بعضے محتاط مریضوں کی عادت ہے کہ اگر کوئی شخص اُن کو کوئی دَوا کِھلانا چاہتا ہے تو کہتے ہیں کہ بجائے ہمارے فُلاں طبیب سے اس دوا کی بابت کہو اگر وہ کہے گا تو استعمال کر لوں گا ورنہ نہیں۔ ایسا ہی یہاں کرو۔ پھر ایک ادب اس شخص کا یہ ہے کہ ایسے شخص سے کسی رائے میں مناقشہ نہ کرنا چاہیئے۔ دیکھو طبیب سے علاج میں کوئی مناقشہ نہیں کرتا کیونکہ اگر جھگڑیں تو وہ علاج نہ کرے نُسخہ پھاڑ کر پھینک دے۔ تو دیکھئے یہ لوگ دنیوی اُمور میں کیسے بھولے بَن گئے کہ طبیب و وکیل سے مناقشہ ہی نہیں کرتے مگر جب دین کا وقت آیا تو سارے زمانے کے ہوشیار و زیرک بن گئے کہ مناقشہ کے لئے تیار ہیں ایک صاحب کہنے لگے کہ کیوں صاحب نماز پانچ وقت کیوں فرض ہوئی زیادہ کم کیوں نہ ہوئی۔ میں نے کہا کہ آپ کی ناک یہاں کیوں لگی گُدّی پر کیوں نہ لگی اور میں نے کہا کہ اپنے افعالِ تکلیفیہ کی حکمت سے پہلے تو اپنے

اجزاء کی حکمت دریافت کیجئے کیونکہ یہ تو آپ کے جسم ہی میں ہیں اور افعال تو پھر بھی خارج ہیں پس عجیب بات ہے کہ ان لوگوں کا مذاق دنیوی معاملات میں اور ہے اور دینی امور میں اور۔ ایک مذاق رکھئے اور ایک اصل صحیح قائم کرکے اسپر عمل کیجئے یہ نہیں کہ دنیا میں تو اور اصل اور دین میں اور اصل۔ یہ بحث تھی انتخاب اور اس کے آداب کی پس ایسا شخص (جس کی صفات پہلے گزر چکیں) جب کتب دینیہ انتخاب کر دے تو وہ کتابیں اپنے گھر والوں کو سناؤ، زیادہ نہ ہو تو پندرہ بیس منٹ ہی سہی مگر سناتے وقت یہ بھی نہ دیکھو کہ کون سنتا ہے کون نہیں، کس لشنود یا نشنود پر عمل ہو یعنی کوئی سنے یا نہ سنے مگر تم اپنا کام اپنا کئے جاؤ۔ گھر میں پڑھنا شروع کر دو۔ اور روز سنایا کرو۔ اٹھ کر نہ آؤ خواہ بگڑ بگڑ پڑیں بہت شخصوں نے بیان کیا کہ کتابیں سنتے سناتے اصلاح ہوگئی کیا اللہ ورسول کا نام کھٹائی سے بھی کم ہے کھٹائی کا تو منہ میں اثر ہو جو ایک حقیر چیز ہے کہ منہ میں پانی بھر آوے اور اللہ ورسول کے نام کا اثر نہ ہو۔ مگر بات یہ ہے کہ کرے کون کون وقت اٹھائے اور جو نصاب تجویز کیا جائے گا اس میں ایک بات کی اور ضرورت ہے عورتوں کو بھی اور مردوں کو بھی وہ یہ کہ اس نصاب کو ایک دفعہ ختم کرکے اس کو کافی نہ سمجھیں جیسے کسی نے عید کے چاند کی شہادت دی تھی اس سے پوچھا گیا کہ نماز بھی پڑھتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ نماز کی یوں سنو ایک مولوی صاحب ہمارے گاؤں میں آئے تھے جب تو ہم نے نماز پڑھ لی تھی پھر تو ہماری توبہ ہے سو جیسے اس نے ایک دفعہ پڑھ کر توبہ کرلی تھی ایسے ہی آجکل بھی کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کتاب سنائی اور الگ پھر سروکار ہی نہیں مگر اس اصل پر کھانے میں عمل نہیں کیا جاتا۔ کھانا تو دونوں وقت کھاؤ بلکہ کھانے پر تو ایسا عمل کہ بھوک بھی نہ ہو تو کہتے ہیں رات کیسے گزرے گی کچھ نہ سہی تو کباب ہی لے آؤ۔ کھانا تو بے بھوک بھی کھاتے

ہیں۔ مکرر سہ کرر چوکرر دونوں وقت کھانا کھایا جاتا ہے لیکن اگر اس پر عمل نہیں تو دین کے بارہ میں خوب اچھی طرح جان لیجئے کہ جو نصاب تجویز کیا جائے گا۔ اس کو روزمرہ کا وظیفہ سمجھئے اور کچھ نہیں چار ہی ورق سہی دو ہی سہی جیسے قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے ہیں اسی طرح دو ورق اس کے بھی پڑھ لئے یا سن لئے اگر تمام عمر بھی اس میں لگا رہنا پڑے تب بھی ہمت کرنا چاہئے وجہ یہ کہ دنیا کی ضرورت محدود ہے اور دین کی غیر محدود چنانچہ دین کی ضرورت مرنے کے بعد تک بھی رہے گی پس تعجب ہے کہ محدود ضرورت میں اتنا وقت صرف کریں اور غیر محدود میں کچھ بھی نہیں، بڑا تعجب ہے۔ جب دنیا کی دھن ہے تو دین کی کیوں نہ ہو۔ صاحبو یہ (دین) فراغت کی چیز نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش ✿ تا دم آخر دمے فارغ مباش

اور گو ہے تو عمر بھر کا دھندا مگر دشوار نہیں آسانی سے عمر بھر اس میں مشغول رہ سکتا ہے۔

## حقیقت مشقت دین

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ تو کہتے ہیں کہ دشوار نہیں مگر ہم نے تو دو چار دن کر کے دیکھا تھا بڑی مشقت ہوئی عقلی جواب تو اس کا یہ ہے کہ اس مشقت کو تو بڑا سمجھتے ہیں مگر اس میں کوتاہی کرنے سے جو مشقت پیش آئے گی وہ اس سے بھی بڑی ہے یعنی آخرت کی خرابی جس کا مآل عذاب جہنم ہے تو اس کے اعتبار سے پھر یہ آسان ہی ہوا عقلی جواب تو ہے اور یہی کافی ہونا چاہیئے مگر میں وجدانی جواب بھی دیتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو یہ کیسے خبر ہوئی کہ یہ مشقت تمام عمر رہے گی کسی تمباکو کھانیوالے سے پوچھ کر دیکھو کہ تمباکو جب پہلے پہلے کھایا تھا کسی طبیب نے بتلایا تھا کہ تمباکو کھایا کرو تو اس کو کھا کر کیسی پریشانی ہوتی تھی کہ ذرا سا کھا کر جی بھی میلا ہوتا تھا۔

تر بھی چکر کھاتا تھا مگر اب یہ حال ہے کہ حقہ ر ل جائیے تو جان رل جائیے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ دین کی مشقت تمباکو کی مشقت کی برابر بھی نہیں جب مزہ آجاوے گا تو یہ حالت ہوتی کہ ذرا سی کمی ہونے سے غم سوار ہو جاوے گا۔ اسی کو تو کہتے ہیں ؂

بر دل سالک ہزاراں غم بود ؛ گر ز باغ دل خلالے کم بود

ذرا سی کمی پر پہاڑ سا بوجھ ہوگا۔ غور کر لیں وہ لوگ جو نماز کے پابند ہیں جس روز نماز قضا ہو جاتی ہے یا دیر ہو جاتی ہے تو انکی کیا حالت ہو جاتی ہے کس قدر انقباض ہوتا ہے دوسرا شخص اسکا اندازہ نہیں کر سکتا۔ یہ حالت تو وساوس وخطرات والی نماز کی ہے اور اگر خالص ہو جاوے تو کیا کیفیت ہو۔ مولانا فرماتے ہیں ؂

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند ؛ صاف گر باشد ندانم چوں کند

ایک شخص نے شراب پی جس میں مٹی ملی ہوئی تھی اُس نے جب یہ حال کر دیا تو صاف اگر پی جاتی تو خدا جانے کیا حال بنا ڈالتی۔ ہماری نماز خاک آمیز ہے جب اُس کی یہ کیفیت ہے تو اگر صفائی و خلوص آجاوے تو کیا کچھ حالت ہو۔ پس وہ شبہ رفع ہو گیا کہ دین تو ساری عمر کا جنجال ہو گیا۔ صاحبو! بس سال بھر ایسا کر لیجئے اور برس روز کر لینا کچھ مشکل بھی نہیں پھر دیکھ لینا کیا ہو گا اور خواہ اعتقاد سے نہ کرو بلکہ امتحان ہی کے طور پر کر کے دیکھو تو مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؂

سالہا تو سنگ بودی دلخراش ؛ آزموں را یک زمانے خاک باش

آگے فرماتے ہیں ؂

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ؛ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

مگر کرنا شرط ہے کیونکہ کرنے کا کام کرنے ہی سے ہوتا ہے جو رف

باتوں ہی سے کام نہیں چلتا اور اگر کوئی کہے کہ ہم نے تو کیا تھا مگر کچھ نفع نہ ہوا بات یہ ہے کہ نرے کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا طریقہ سے کرو تو سب کچھ ہو لوگ بے طریقہ کام کرتے ہیں اس لئے کچھ نہیں ہوتا۔

## حقیقتِ پستی

اور طریقہ اس کا رائے اور ذہانت سے کام لینا نہیں ہے بلکہ پستی اور شکستگی اختیار کرنا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ ✻ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

بس آپ نے پستی اختیار نہیں کی جس کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ کسی کو اپنا مقتدا نہیں بنایا اُسکی رائے پر عمل نہیں کیا یاد رکھیے کہ بلا پستی اختیار کئے اور دوسرے کی جوتیاں اُٹھائے کچھ نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود ✻ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

ہر کجا دردے دوا آنجا رود ✻ ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

اپنے کو پست بناؤ تکبر چھوڑو نیاز مند ہو جاؤ کسی کے سامنے خاک بن جاؤ سچے طالب ہو جاؤ دیکھئے اگر طالبِ کیمیا کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کیمیا گر ہے اور وہ اس سے یوں کہے کہ کیمیا اس وقت بتلاؤں گا جبکہ پھٹے کپڑے پہنو تو وہاں کچھ بھی پرواہ نہ کرو گے نہ منصب کی نہ جاہ کی کیمیا کی اُمید میں سب کچھ گوارا کرو گے تو دین کے باب میں یہ انقیاد کیوں نہیں گوارا ہوتا طالب کی شان تو یہی ہے کہ جس طرح چلائے چلے۔ طبیب مسہل دیتا ہے تو کہتا ہے سونا مت دستوں کے دھیان میں رہنا حکیم صاحب کا کہنا سر اور آنکھوں پر قبول مگر اللہ والے بتلائیں تو یوں کہیں گے کہ یہ تو ترک دنیا بتلاتے ہیں وہ واصل سب جگہ جاری کیوں نہیں کی جاتی یہ کیا معنی کہ کہیں تیتر اور کہیں بٹیر۔ اگر وہاں خیال ہے

کہ طبیب کے کہنے پر عمل نہ کرنے سے صحت نہ ہو گی یہاں بھی یہی سمجھ لو کہ اس کہنے پر عمل نہ کرو گے تو صحت نہ ہو گی کیونکہ طبیب ظاہری امراض ظاہری کا معالج ہے اہل اللہ امراض باطنی کے معالج ہیں اسی کو کہتے ہیں ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں　　حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں
صحت ایں حس بجوئید از طبیب　　صحت آں حس بجوئید از حبیب
صحت ایں حس ز معموری تن　　صحت آں حس ز تخریب بدن

## تقلید اہل اللہ

اور یاد رکھو میں بشارت دیتا ہوں کہ اللہ والے جو بتلائیں گے وہ بہت آسان اور تھوڑے دنوں کا کام ہے مگر اس کے نافع ہونے کی یہ ضرور شرط ہے کہ اپنے کو آپ اللہ والوں کے بالکل تابع بنا دیں اپنے نفس کی خواہش اور رعونت کو بالائے طاق رکھدیں اپنے کو ان کے سامنے فنا کر دیں جیسے وہ کہیں ویسے عمل کریں اگر چاہو کہ یہی تنعم رہے اور اللہ والے ہمارے نوکر بنکر رہیں تو یہ ہونے سے رہا تنعم سے کام نہیں چلتا مگر ترکِ تنعم کے یہ معنی مت سمجھنا کہ وہ کھانا پینا چھڑائیں گے کھانا پینا ہرگز نہ چھڑائیں گے ہاں نفس کی تھوڑی سی مخالفت کرائیں گے مثلاً کسی میں کبر ہے جو ایک مرض ہے اور اس مرض کے مریضوں کی حالت مختلف ہوتی ہے بعض کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اچھا کپڑا پہنیں تو کبر ہو اور گھٹیا پہنیں تو کبر نہ ہو اور بعض کی حالت یہ ہوتی ہے کہ گھٹیا کپڑا پہنیں تو کبر ہو اور بڑھیا کپڑا پہنیں تو کبر نہ ہو سو اہل اللہ ہر شخص کا علاج اس کے حسبِ حال کریں گے پس بعض کو ترکِ تنعم کرائیں گے اور بعض کو تنعم کا امر فرما دیں گے اور اسمیں خود صاحب مرض کی رائے قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ علاج تجویز کرنا طبیب کا کام ہے مریض کا کام نہیں اس لئے ضرور ہے کہ

اُس کے تابع ہو جاؤ اور کَالْقَلَمِ فِــي يَدِ الْكَاتِبِ بن جاؤ۔ وہ آپ کو طریقہ بتلائیں گے۔ یہ انہیں (اہل اللہ کو) ضرور کرنا پڑے گا اور دنیا داریوں نہ سمجھیں کہ وہ حضرات ان ہی کے افعال پر دار و گیر اور اُس میں تبدیل کرتے ہیں وہ تو ظاہری دین داروں کی بھی ایسی ہی گت بناتے ہیں جو جبے قبے ڈانٹے ہوئے صدری پہنے گھڑی لگائے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب صدری پہنے گھڑی لگائے اپنی شان بناتے ہوئے طلب طریق کے لئے آئے ہیں میں نے کہا کہ یہ کیسی شکل طاؤسی بنائی ہے وہ بولے کہ صدری اس لئے پہنی ہے کہ گھڑی رکھی جاسکے میں نے کہا کیا صدری کرتہ کے نیچے نہیں پہن سکتے تھے گھڑی تو وہاں بھی رکھی جاسکتی تھی کیا شان دکھانے ہی کی شکل گھڑی رکھنے کی موقوف علیہ ہے چنانچہ ان کو وہ صدری نیچے پہنائی گئی غرض ان دینداروں کی بھی بے ڈھب گت بنتی ہے اگر اتنا بھی نہیں ہو سکتا (یعنی شیخ کا اتنا اتباع بھی نہیں ہو سکتا کہ جو بات نفس کے خلاف بتلائے اُس پر آمادہ ہو جاویں) تو پھر کچھ بھی نہیں۔ مولانا نے ایک قصہ لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی گودنے والے کے پاس اپنی کمر پر شیر کی تصویر بنوانے گیا تاکہ کمر میں قوت رہے۔ چنانچہ وہ بدن ننگا کر کے تصویر بنوانے بیٹھا گودنے والے نے تصویر بنانا شروع کی دُم سے ابتداء کی۔ کچھ سے سوئی چبھوئی تو آپ کہتے ہیں آہ، پھر پوچھتے ہیں کہ کیا بنا رہے ہو اُس نے کہا کہ دُم بنا رہا ہوں آپ نے کہا کہ یہ شیر نکمتیاں تھوڑا ہی جھلے گا ضرورت ہی کیا ہے دُم کی۔ اُس نے دُم چھوڑ کر پیٹ بنانا شروع کیا۔ دوسری جگہ کچ سے سوئی چبھوئی پھر کہا آہ اور پوچھا اب کیا بناتے ہو اُس نے کہا کہ پیٹ بناتا ہوں آپ بولے کہ یہ کوئی کھائے گا تھوڑا ہی پیٹ بھی جانے دو اُس نے تیسری جگہ سوئی چبھوئی۔ پوچھا اب کیا بناتے ہو اُس نے کہا سر بناتا ہوں۔ آپ بولے کہ یہ دیکھے یا سُننے گا

تھوڑا ہی اس کو بھی رہنے دو اس پر گودنے والے نے جھلا کر سوئی پھینک دی اور کہنے لگا ے

شیرِ بے گوش و سر و شکم کہ دید ٭ ایچنیں شیرے خدا خود نا فرید

کہ ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا کہ جس کے نہ کان ہوں نہ سر نہ پیٹ۔ پھر میں کیا بناؤں تمہارا سر تو جیسے اُس تصویر بنوانے والے نے چاہا تھا کہ تکلیف تو ہو نہیں اور شیر کی تصویر بن جائے ایسے ہی ہم لوگوں کی حالت ہے کہ کچھ تکلیف تو ہو نہیں اور کام ہو جاوے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ے

چوں نداری طاقتِ سوزن زدن ٭ پس تو از شیرِ ژیاں ہاں دم مزن

ہماری تو یہ حالت ہے کہ ذرا شیخ نے تنبیہ کی اور شکایتیں پیدا ہونے لگیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ یہ کیا لغو بات ہے کیا اتنا بھی تحمل نہیں اسی کو فرماتے ہیں ے

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق ٭ تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

**تربیتِ مشائخ** اے صاحبو! ہر طالب کو مشائخ کی طرف سے تنبیہات ہوتی ہیں اور نفس کی مخالفت کرائی جاتی ہے مشائخ کی تربیت اور اصلاح بالکل ایسی ہی ہے جیسے اپریشن میں پہلے چیرتے پھاڑتے ہیں پھر اُسکی دُرستی کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی پہلے نفس کی تھوڑی سی مخالفت کراتے ہیں پھر نرمی اور توسع کرتے ہیں تعجب ہے کہ اپریشن سے کوئی بُرا نہیں مانتا اور یہاں لوگ ذرا ذرا سی بات پر بگڑتے ہیں اپریشن کرنیوالے کو تو فیس بھی دیتے ہیں اور اُسکی شکر گزاری بھی کرتے ہیں یہاں شکر گزاری نہ کرو تو بُرا بھی مت کہو بس تھوڑے دنوں نفس کی مخالفت ضرور کرنا پڑے گی۔ بعضوں کو تنبیہ سے عزت کم ہو جانے کا خیال ہوتا ہے۔ سو صاحبو! ہماری عزت ہی کیا ہے جس کے جانے کا خیال ہو۔ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ط

عزت تو صفتِ حقیقیہ اللہ ہی کی ہے اور یہ مشقت چند روزہ ہے پھر اُس کے بعد وہ راحت ہو گی کہ دنیا کے اسباب میں کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہو گی۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے آرام میں ہیں مگر واقعی یہ ہے کہ یہ حُبِ مال اور حُبِ جاہ والے بڑی بلاؤں میں مُبتلا ہیں اگر اہل اللہ کی صحبت میں رہ گئے اور اُن کے کہنے پر عمل کر لیا اُس وقت محبوبِ حقیقی کے ساتھ وہ تعلق ہو جاوے گا کہ دُوسرے پر نظر ہی نہ رہے گی اور یہ حال ہو جاوے گا ؏

یکے خواں ویکے داں ویکے گو

یعنی اُسی کا خیال رہ جاوے گا پھر ایسے شخص کو کسی چیز سے بھی پریشانی نہیں ہو گی اور حقیقی راحت اُس وقت دیکھو گے بس یہ ثمرہ ہو گا جو طریقہ سے کام کرو گے خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کا اتباع کرنے سے یہ دولت حاصل ہو گی اُوپر ذکر اس پر تھا کہ کتابیں دیکھئے اور اسی کے ضمن میں یہ مضمون مربی کے اتباع کا آگیا تھا کہ کتابیں بھی اُسی سے منتخب کرائیے۔ اب میں اُسی کی طرف عود کرتا ہوں کہ وہی کتابیں عورتوں کو بھی سُنایا کیجئے اور خود بھی پڑھئے تعلیم عام ہو جاوے گی۔ یہاں تک قوتِ علمیہ کی تکمیل کا بیان تھا۔ اب ایک دُوسری چیز بھی ہے کہ قوتِ عملیہ دُرست ہو۔

## حقیقتِ قوتِ عملیہ

قوتِ عملیہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ احکام معلوم ہوں اُن پر عمل کیا جائے اور اُس قوتِ عملیہ کے واسطے ایک چیز کی اور ضرورت ہو گی جس کا نام ہے ہمت اور میں ہمت بڑا سا بوجھ اُٹھانے کو نہیں کہتا ہوں جس کا اُٹھانا بھی مشکل ہو بلکہ مطلب اُس کا یہ ہے کہ مستحکم کر لیجئے اس امر کا کہ جس وقت جس چیز کا ضروری ہونا آپ کو معلوم ہوا اُسی کو کرنا شروع کر دیا دل میں وسوسہ بھی نہ لائے کہ معلوم نہیں یہ کام ہم سے ہو گا

بھی یا نہیں بس شروع کر دیجئے مثلاً نماز ہے اس کو شروع کر دیجئے روزہ ہے
بس شروع کر دیجئے۔ سوچئے ہی نہیں کہ معلوم ہی نہیں ہم سے رکھا بھی جائے گا یا
نہیں۔ کانپور میں ایک صاحب تھے جنہوں نے رمضان شریف کے روزے
کبھی رکھے ہی نہ تھے۔ میں نے کہا کہ آج کا روزہ رکھ لو گناہ ہوگا خواہ رکھ کر اگر
پورا نہ ہو سکے توڑ ہی دینا مگر شرارت نہ کرنا چنانچہ وہ روزہ پورا ہو گیا کہنے
لگے کہ آج کا تو روزہ ہو گیا۔ میں نے کہا کہ ایک اور رکھ لو دوسرے روز
بھی ہو گیا پھر کہنے لگے کہ یہ تو بہت ہی آسان ہیں اب تو سارے مہینہ رکھیں گے
چنانچہ سب رکھ لئے تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب عزم مصمم ہوتا ہے، تو
حق تعالیٰ تائید فرماتے ہیں اگر پہلے سے وسوسہ شروع کر دیئے کہ معلوم نہیں
یہ کام ہوگا یا نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں ہوتا اور اگر ایسے ہی وسوسہ لانا ہے
تو کھانے میں کیوں نہیں کہتے کہ میں کھانا کھاؤں یا نہیں ممکن ہے کہ کھانا کھا کر ہیضہ
ہو جاوے ممکن ہے کہ میں مرجاؤں۔ دونوں وقت یوں ہی کیا کیجئے بس خاتمہ ہو
جاوے گا وہاں تو شبہ بھی نہیں ہوتا اور یہاں یہ خیالات ہوتے ہیں کہ شاید
یہ نہ ہو شاید وہ نہ ہو میں کہتا ہوں کہ اگر نہ ہو گا تو پورا مت کیجیو شروع تو کر دو۔
لوگ کہتے ہیں کہ رشوت سے توبہ نہیں ہوتی توبہ کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلنے
کی توبہ نہیں۔ میں کہتا ہوں ایک دفعہ توبہ تو کر لو۔ اگر ٹوٹ جائے پھر کر
لیجیو خدا تعالیٰ آپ کے قصد مصمم کر لینے پر آپ کو نہیں چھوڑیں گے غیب سے
ایسے اسباب پیدا ہو جاویں گے کہ سب سامان ہو جاوے گا اگر کوئی کہے کہ
یہ تو دل لگی ہوئی کہ توبہ کی اور توڑ دی میں کہتا ہوں کیا آپ صاحب قانون ہیں جن کا
قانون ہے وہ تو یوں کہتے ہیں کہ اگر کوئی دن میں ستر مرتبہ خطا کرے اور پھر توبہ
کرے تو قبول ہے جن کا قانون ہے وہ تو یوں کہتے ہیں اور آپ یوں کہتے ہیں مدعی

سُست گواہ چُست، آپکا مذہب تو یہ ہونا چاہیئے ۔

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں ؛ خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

جب وہ لنگڑی لُولی توبہ کو قبول کرتے ہیں تو آپ کون ہیں قانون چھانٹنے والے وہ یوں کہتے ہیں کہ اگر نہ نبھے تو بھی قبول کر لوں گا تو اس میں آپکا کیا بگڑتا ہے کیا اس کا جواب ہے کسی کے پاس؟ اصل یہ ہے کہ یہ شریر نفس کچھ نہیں کرنے دیتا ع

خوئے بد را بہانہ بسیار

اس طریقہ سے کر کے تو دیکھو اول تو گناہ چھوٹ ہی جائیگا ۔

## دلائل اور حکم قرآن

اور میں اخیر درجہ میں کہتا ہوں کہ اگر گناہ کسی طرح نہیں چھوٹتا تو خیر دو باتیں تو کر لو، دیکھو گناہ کو گناہ سمجھو۔ اب تو یہ حالت ہے کہ گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھتے ۔ یہ زیادتی ہے ۔ لوگ داڑھی منڈاتے ہیں اور اُس کو گناہ نہیں سمجھتے اور اس کو گناہ بتلانے والے سے مہمل مہمل سوال کرتے ہیں، چنانچہ ایک شخص کہنے لگے کہ ڈاڑھی رکھنے کا وجوب قرآن میں کہاں ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص آپ پر دعویٰ کرے اور ثبوت میں پورے گواہ پیش کر دے کوئی کسر باقی نہ رہے اور حاکم آپ پر ڈگری کر دے ۔ اس پر آپ حاکم سے کہیں کہ ثبوت سب پورا ہے گواہ سب ٹھیک ہیں مگر میں تو جب مانوں گا کہ صاحب کلکٹر گواہی دیں ۔ تو حاکم یوں کہے گا کہ ثبوت خاص مدعی کے ذمہ نہیں مطلق ثبوت اُس کے ذمہ ہے ۔ اسی طرح یہ ضرور نہیں کہ معاملہ میں قرآن ہی کی شہادت ہو ہمارے لئے احکام کے ثابت کرنے کو چار دلائل ہیں ۔ ہمیں اختیار ہے کہ ہم جس ایک سے بھی چاہیں ثابت کر دیں ۔ صحیح جواب تو یہ ہے مگر آجکل لوگوں کا عجیب مذاق بگڑا ہے ۔ اگر کوئی قرآن شریف سے ثابت کرنے کا دعویٰ کرے گو ثابت نہ کر سکے تو بڑے خوش ہوتے ہیں، ایک شخص

مجھ سے کہنے لگے کہ میں نے ایک شخص کے مقابلے میں داڑھی کو قرآن شریف سے ثابت کر دیا اس طرح سے کہ دیکھو قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑ لی تھی معلوم ہوا کہ ہارون علیہ السلام کے داڑھی تھی۔ تو دیکھو قرآن سے داڑھی کا ہونا ثابت ہو گیا۔ میں نے مستدل صاحب سے کہا کہ اگر وہ معترض یوں کہتا کہ اس سے تو ڈاڑھی کا وجود ثابت ہوا وجوب ثابت کرو تو آپ کیا کہتے۔ کہنے لگے کہ اتنی عقل معترض کو تھوڑا ہی تھی اسوقت جتنے لچر ارہیں اُن کے دلائل کی یہی کیفیت ہے کہ ادنیٰ طالب علم اُن میں شبہ کر سکتا ہے مگر وہ خوش ہیں غرض قرآن سے ثبوت چاہتے ہیں اصل مقصود یہ ہے کہ حرام ہونا ثابت نہ ہو۔ اس زمانہ میں یہ مذاق بہت ہی غالب ہو گیا ہے کہ حرام کو حرام نہیں سمجھتے۔ لاہور میں بعض لوگوں کا خیال معلوم ہوا کہ سود کو حلال کرنے کی فکر میں ہیں تاکہ مسلمانوں کو ترقی ہو۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ آپ کے زعم کو اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ سود ترقی کا ذریعہ ہے تو یہ سوچئے کہ ترقی کا مدار سود لینے پر ہے یا اُس کو حلال سمجھنے پر۔ کیا آپ کے پاس اسکی کوئی دلیل ہے کہ ترقی حلال سمجھنے پر موقوف ہے تو اس کے ذریعہ ترقی بنائی اسکی اعتقاد حلت میں کیوں کوشش کی جاتی ہے اگر سود لیتے ہو تو گناہ تو سمجھو یوں سمجھو کہ گوہ کھا رہے ہیں۔ بُرا کر رہے ہیں ایک بات تو یہ بھی کہ گناہ کو گناہ سمجھیں۔ دُوسری بات یہ ہے کہ ایک پندرہ منٹ کے لئے روزمرہ خدائے تعالیٰ سے اس طرح عرض کر لیا کریں کہ اللہ میں نہایت خبیث ہوں۔ بڑا گنہگار ہوں سرتاپا معاصی میں بھرا ہوا ہوں میری قوت نہیں کہ معاصی کو چھوڑ سکوں۔ آپ مری مدد فرمائیں، میں شرمندہ ہوں۔ آپ کے سامنے ——— بس اس طرح روزمرہ خدا سے عرض کر لیا کرو۔

## اعمالِ نسواں

خلاصہ یہ ہے کہ کرنیوالے کے لئے سو راستے ہیں اور نہ کرنیوالے کے لئے ایک بھی نہیں۔ آپ نے کسی سے یہ سنا ہوگا جو میں نے کہا کہ سب کچھ کرتے رہو مگر یہ بھی کرلیا کرو سو یہ تو مشکل بات نہیں۔ اب آپکو کونسا عذر ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے راستہ پر نہیں چل سکتے یہ طریقہ ہے قوتِ عملیہ سے کام لینے کا۔ اب بعض اعمال خاص عورتوں کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ ایک تو عورتوں میں نماز کی پابندی نہیں اور اگر یہی ترک ہے تو کھانا بھی ترک کر دو۔ مگر حالت یہ کہ نماز تو پانچ وقت کی قضا ہو جاوے اسکی ذرا پرواہ نہیں مگر کھانا ایک وقت کا بھی ناغہ نہ ہو ایک یہ کہ زکوٰۃ کی عادت نہیں زیور کو عورتیں یوں سمجھتی ہیں کہ یہ تو برتنے کی چیز ہے اسمیں زکوٰۃ کیا ہوتی خوب سمجھ لو کہ ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک زیور میں زکوٰۃ واجب ہے۔ ایک یہ کہ عورتیں حج بھی کیا کرتی ہیں انکو حج کا اہتمام کرنا چاہیئے اور اب تو حج کے ذرائع بھی بہت آسان ہو گئے ہیں حج نہ کرنے پر سخت وعید آئی ہے۔ ایک خاص مرض عورتوں میں یہ ہے کہ خاوندوں کی نافرمانی کرتی ہیں۔ گو بعض مرد بھی ظلم کرتے ہیں۔ مگر بعض عورتیں ایسی ہیں کہ باوجود مدارات کے پھر خاوندوں کو تنگ کرتی ہیں اور ہندوستان کی عورتوں کی خدمت کا انکار نہیں مگر اس کا حاصل یہ ہے کہ جسم کو راحت پہنچاتی ہیں اور رُوح کو تکلیف دیتی ہیں۔ صرف جسمانی خدمت بہت کم کرتی ہیں اس میں بے نظیر ہیں۔ اسی طرح عفیفہ بھی بہت ہیں عفت کے خلاف تو شاید ان کو کبھی وسوسہ بھی نہ آتا ہوگا۔ مگر زبان اُنکی ایسی ہے کہ جو جی میں آیا کہہ دیا کچھ روک ہی نہیں اس سے خاوند کی روح کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اس کی اصلاح کا آسان طریقہ یہ ہے کہ زبان کو بند رکھیں اس میں پہلے پہلے بیشک دُشواری ہوگی مگر پھر عادت ہو کر اس مرض سے نجات ہو جاوے گی۔ اصل علاج یہ ہے نہ وہ جو بعض عورتیں

نمک پڑھواتی ہیں خاوند کے تابع بنانے کو آپ تو جوچاہیں کھالیں مگر وہ چیکا سنا کرے، اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ کسی بزرگ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ ایسا تعویذ کر دیجئے کہ میرا خاوند مجھے کچھ کہا نہ کرے انہوں نے پانی پر جھوٹ موٹ چھو کر کے دیدیا اور کہا کہ یہ پانی بوتل میں رکھ لینا جس وقت خاوند آیا کرے اس میں سے تھوڑا پانی اپنے منہ میں لے کر بیٹھ جایا کرو اور وہ جبتک چلا نہ جائے منہ میں لئے رہا کرو۔ بس وہ پانی پانی ہو جاوے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا کہ جہاں خاوند آیا ڈاٹ کھولی پانی منہ میں لے بیٹھ گئی کچھ عرصہ کے بعد شوہر مہربان ہو گیا وہ عورت ان بزرگ کے پاس نذرانہ لائی اور کہا کہ حضرت اب تو وہ مجھے کچھ نہیں کہتا ان بزرگ نے مسکرا کر فرمایا وہ تو ایک ترکیب تھی کوئی جھاڑ پھونک تھی مجھ کو قرائن سے معلوم ہو گیا تھا کہ تو زبان دراز ہے اس وجہ سے خاوند سختی کرتا ہے میں نے زبان روکنے کے لئے یہ ترکیب کی تھی بس اب زبان درازی مت کرنا باقی یہ روپیہ اور مٹھائی میں نہیں لیتا۔ واقعی زبان بڑی آفت کی چیز ہے ایک کہ عورتوں کو پردہ کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اکثر گھروں میں دور دور کے رشتہ داروں کے سامنے آئیں گی اور پھر تعریف یہ ہے کہ یہی عورتیں اپنے کو پردہ دار اور باہر پھرنے والی عورتوں کو بے پردہ کہتی ہیں حالانکہ پردہ دار وہ ہے کہ جس جس سے شرع میں پردہ ہے ان سے پردہ کرے پردہ کے ساتھ قرآن کی تعلیم ہے عورتوں کو کہ مرد کے ساتھ نرم لہجہ سے گفتگو بھی مت کرو۔ واقعی قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جذبات کی پوری رعایت ہے نرم لہجہ سے اجنبی شخص کو ضرور میلان ہوتا ہے کیسی عجیب سچی بات ہے اور سخت لہجہ سے اجنبی مرد کو نفرت ہوتی ہے اس طرح سے آواز کا بھی پردہ ہے عورتوں کو ایک اس امر کا بھی لحاظ چاہیے کہ کپڑا شریعت کے موافق ہو بڑا چھوٹا نہ ہو اس میں بدن نہ جھلکتا ہو یہ ضروری اعمال تھے جو میں نے بیان کئے یہ تعلیمات تو

سب کے لئے ہیں اور بعض خاص عورتوں کے لیے کہ وہ گھر کا کام نہیں کرتیں، گھر کی نگرانی نہیں کرتیں، حدیث میں ہے کہ عورتیں حاکم ہیں گھر میں۔ گھر کے انتظام کے متعلق ان سے پوچھا جاوے گا، نگرانی نہ کرنے سے گھر میں چوری ہوتی ہے اس کا بہت خیال چاہیئے گھر کا کام کرنا چاہیے۔ دوسروں پر نہ چھوڑنا چاہیے۔ ایک امر اعمال میں سے اور یاد آگیا وہ یہ کہ عورتیں غیبت بہت کرتی ہیں خود بھی حکایت شکایت کرتی ہیں اور اوروں سے بھی سنتی ہیں اور اس کی جستجو میں رہتی ہیں۔ کوئی باہر سے آئی اور پوچھنا شروع کیا کہ فلانی مجھ کو کیا کہتی تھی گویا منتظر ہی تھیں آنیوالی نے کچھ کہہ دیا کہ یوں یوں کہتی تھی بس پھر تو پلو باندھ لیا۔ خوب سمجھ لو کہ اس غیبت سے نا اتفاقی ہو جاتی ہے آپس میں عداوت قائم ہو جاتی ہے علاوہ اس کے غیبت کرنا اور اس کا سننا خود بڑا گناہ بھی ہے کلام اللہ میں اسکی بڑی مذمت آئی ہے۔ عورتوں میں ایک اور بھی مرض ہے مجھ کو یہاں کی خبر نہیں مگر اپنے قصبہ کی حالت عرض کرتا ہوں بعضی عورتیں کھڑے جوتے پہنتی ہیں۔ حدیث میں اس امر پر لعنت آئی ہے کہ عورتیں مردوں کی وضع اختیار کریں۔

**فیشن پرستی**

آجکل بہت جگہ عورتوں کو فیشن کا بہت اہتمام ہو گیا ہے۔ دوسری قوموں کی وضع بناتی ہیں۔ سایا پہننے لگی ہیں کانپور میں دیکھا بعض عورتیں اچکن پہنتی ہیں یہ آفت اب نازل ہوئی ہے اور بعض جگہ عورتیں خود ایسا نہیں کرتیں۔ مگر بعض مرد ان عورتوں کو اس پر مجبور کرتے ہیں۔ مگر یہ سمجھ لیجئے کہ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ کہ اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔ بس عورتوں کو چاہیئے کہ مردوں کے کہنے سے ایسا لباس ہرگز نہ پہنیں کہ اس میں تشبہ ہے مردوں کے ساتھ۔

آجکل لوگوں کو اس مسئلہ میں بھی شبہ ہے ——— غیر قوم کی وضع اختیار کرنے کے متعلق کہتے ہیں کیا اس سے ایمان جاتا رہتا ہے اس باب

میں دو مثالیں عرض کرتا ہوں اس وقت سلاطین میں جنگ ہو رہی ہے اگر کوئی شخص جو برطانیہ کی فوج میں ہو وہ جرمنی سپاہی کی وردی پہن لے اور منصبی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کرے تو کیا اس کا یہ فعل موجب ناخوشی افسران نہ ہوگا۔

دوسری مثال لیجئے کیا کوئی مرد زنانہ کپڑے پہننا اپنے لئے تجویز کر سکتا ہے ذرا زنانہ کپڑے اور پازیب و جوشن وغیرہ پہن کر جلسہ عام میں مجھ تو جاویں۔ زنانی وضع میں سوائے تشبہ کے اور کیا عیب ہے افسوس ایک مسلمان تو دوسرے مسلمان کی وضع اختیار نہ کرے، کیونکہ اس مثال میں فرق اگر ہے تو صرف مرد اور عورت کا ہے، اسلام تو مشترک ہے اور مسلمان ہو کر غیر مسلمان کی وضع اختیار کرے بعضے لوگ کہتے ہیں کہ بضرورت پہنتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر اسکی ضرورت تسلیم بھی کر لی جاوے تو کیا ہر وقت ہی ضرورت رہتی ہے یہ سب حیلے ہیں، میں اس کا اصلی گر بتلا دوں صرف بات یہ ہے یہ ایسی قوم کی وضع ہے جو رعب و داب والی قوم ہے اس کو محض اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ ہمارا بھی رعب پڑے اہل ہیبت کی وضع بناتے ہیں میں کہتا ہوں کہ کونسا کام اٹکا ہوا ہے اس ہیبت پر اس کا منشا محض کبر ہے بس اپنے بڑے بنانے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہ بڑا بننا قانون الٰہی میں بڑا جرم ہے گو تعزیرات ہند میں نہ ملے گا مگر تعزیرات شرع میں ملے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کے قلب میں رائی کے دانہ برابر بھی کبر ہوگا۔ جنت میں نہیں جا سکتا جو جنت کو نہ مانے وہ تو مخاطب ہی نہیں مگر جو جنت کو مانتا ہے وہ سمجھ لے کہ اس پر کیسی وعید ہے۔ جنت جیسی چیز کا ہاتھ سے جاتا رہنا کیا چھوٹی بات ہے حدیث کے علاوہ قرآن شریف میں لیجئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ

اور لیجئے شیطان محض سجدہ نہ کرنے سے اس درجہ کا راندۂ درگاہ نہیں ہوا بلکہ سبب اس کا یہی کبر تھا چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔ وَاسْتَكْبَرَ۔ غرض اپنے

کو بڑا سمجھنا یہ جرم ہے، اور یہ جو غلو پیدا ہو گیا ہے فیشن وغیرہ میں منشاء اس کا یہی کبر ہے، یہ عورتوں کے اعمال کی ضروری فہرست تھی۔

### فضول رسوم

ایک مرض ان میں اور بھی ہے جو مفسدہ میں سب سے بڑھ کر ہے وہ یہ کہ عورتیں رسوم کی سخت پابند ہیں اور تعجب ہے کہ اکثر مرد بھی اُن کے تابع ہو جاتے ہیں اور بعض مرد جو اس میں مخالفت کرتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک تو اہلِ دین، جو دین کی حیثیت سے اُنکا خلاف کرتے ہیں، دوسرے انگریزی تعلیم یافتہ جو کہ دینی حیثیت سے اُن کی مخالفت نہیں کرتے ہاں عقل کے خلاف سمجھتے ہیں، سو پہلے لوگ قابلِ قدر ہیں باقی دوسروں کی مخالفت ایسے ہے کہ فرمن المطر و وقف تحت المیزاب۔ یعنی بارش سے بھاگ کر پرنالہ کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ وجہ یہ کہ عورتیں تو رسوم میں دو تین ہی بار عمر بھر میں صرف کرتی ہوں گی اس پر ان کو ملامت کی جاتی ہے کہ ہائیں فضول خرچی کرتی ہو اور خود رات دن اس سے بڑھ کر فضول میں مبتلا ہوں، کہیں فوٹو گراف آ رہا ہے۔ کہیں ہارمونیم ہے کہیں ولائیتی فضول چیزوں سے کمرہ سجایا جا رہا ہے۔ چھ چھ جوڑے جوتے رکھے ہیں، فیشن کے کپڑے قیمتی قیمتی سلوائے جا رہے ہیں، آٹھ روپیہ کا کپڑا اور سولہ روپیہ سلائی بعض کے کپڑے لندن دُھلنے اور سلنے جاتے ہیں، یہ لوگ رات دن اسی قصہ میں مشغول ہیں، خود کی تو یہ حالت، اور عورتوں کو فضول خرچ بتاتے ہیں پس یہ حضرات جو عورتوں کو رسوم سے روکتے ہیں تو صرف اس لئے کہ دوطرفہ خرچ نہ ہو، یہ روکنا قابلِ قدر نہیں ہاں دین کے سبب سے ہو وہ البتہ مطلوب ہے جس میں روکنے والا اپنے نفس کو بھی شریک رکھتا ہے یعنی وہ بھی اُس اصل کا عامل ہے بعضے تعن و تشنیع کے خوف سے رسوم پر عمل کر لیتے ہیں مگر جس میں احکام کی تعمیل کا مادہ ہو گا وہ رسوم کے ترک کرنے میں کسی کے طعن د

تشنیع کا خیال کبھی نہ کریگا اور گو یہ باہمت مسلمان سے کچھ بعید نہیں لیکن آجکل بوجہ مخالفت عامہ کے قابلِ تعریف ہے ایسا شخص آجکل ولی اور خدا کا مقبول ہے ایک زندہ نظیر اسکی آپکے پیشِ نظر ہے میرے دوست تحصیلدار میاں عبد الحمید صاحب ہیں ان کو اپنی دختر کی تقریب کرنا تھی ماشاء اللہ انہوں نے نہایت تدیّن خلوص سے کام لیا کیونکہ بعض رسوم تو شرک و بدعت ہیں سو یہ تو اکثر لوگوں میں سے جاتی رہی ہیں انگریزی تعلیم بھی اُن کی مانع ہے اور دینی تعلیم بھی مگر ایک دُوسرے قسم کی رسوم ہیں جو تفاخر کے لیے جاتی ہیں یہ متروک نہیں ہوئیں ان کے کرنیوالے بعضے کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے ٹونے ٹوٹکے کچھ نہیں کیے پھر ہم نے تقریب میں کون سی رسم کی سو سمجھ لیجئے کہ جو رسوم تفاخر کے لیے کی جاتی ہیں وہ بھی گناہ ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس شخص کے کھانے سے منع فرماتے ہیں جو تفاخر کے لئے کھلائے بس جو رسم تفاخر کے لیے کی جائے گی وہ منع کیوں نہ ہوگی۔ تو تحصیلدار صاحب نے یہ ہمت کی کہ ان رسموں کو بھی چھوڑا اور سُبکی کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور کمال یہ کیا کہ اتفاق سے میرے پاس تشریف لائے اور مجھ کو نکاح پڑھنے کے لیے وطن لے جانا چاہا میں نے کچھ عذر کیا تو اُنہوں نے سفر ہی میں اس کام کو تجویز کر دیا اور یہ تجویز ہو گئی کہ اسی جلسہ میں عقد کر دیا جاوے۔ اس میں دو مصلحتیں ہو گئیں ایک تو اس سنت سے اس گھر میں بھی برکت ہو گی۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہو جاوے گا کہ نکاح یُوں بھی ہو جاتا ہے۔ اور احادیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ نکاح نہایت سادی چیز ہے بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضؓ کا نکاح ہوا تھا تو حضرت علی رضؓ مجلس میں موجود بھی نہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خُطبہ پڑھ کر یُوں فرمایا تھا ان رضی علی بذلک۔ یعنی اگر علیؓ اس نکاح کو منظور کریں جب علی رضؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے قبول کیا۔ کیسا سادہ نکاح

کہ جہاں دُولہا بھی موجود نہ تھے بعضے اس سادگی کی وجہ میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ کے پاس تھا ہی کیا۔ فقر و فاقہ کی حالت تھی تو خوب سمجھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کمی کس بات کی تھی جہاں جبرئیل ؑ دربانی کریں۔ اگر آپ چاہتے تو ملائکہ آتے جوڑے جنت سے جہیز میں لاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کیا پوچھتے ہو اولیاء اللہ عجیب عجیب شان کے ہوئے ہیں کہ اُن کی مرادیں مسترد نہیں ہوتیں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواہش کرتے اور وہ مُسترد ہوتی۔ حاشا وکلا۔ پھر رشتہ ہوا تو کس طرح کہ نہ نائی نہ ڈوم نہ رسم نہ نشانی صرف زبانی درخواست زبانی منظوری پہلے شیخین ؓ نے اپنے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فاطمہ ؓ کے نکاح کی بابت عرض کیا تھا یہ شرف ہم کو حاصل ہو آپ نے فرمایا کہ فاطمہ ؓ کی عمر کم ہے تم سے مناسب نہیں ہے پھر شیخین ؓ نے حضرت علی ؓ کو رائے دی کہ تم اپنے لئے عرض کرو۔ حضرت علی ؓ شرماتے تھے ہمت دلا کر بھیجا کہ جاؤ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت شیخین اور حضرت علی ؓ میں کیسا اتحاد تھا حضور میں حاضر ہو کر شرم غالب آئی چُپکے بیٹھ گئے۔ اُسی وقت وحی آئی آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدا تعالیٰ نے حکم کیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح تم سے کر دوں یہ تو رشتہ تھا پھر نکاح ہوا تو کسطرح کہ نکاح کے وقت آپ نے ایک صحابی سے فرما دیا کہ جو کوئی مل جاوے اُسے بُلا لو پہلے سے کوئی اہتمام نہ کیا نکاح کے بعد ام ایمن ؓ سے فرما دیا کہ حضرت فاطمہ ؓ کو پہنچا دو۔ وہ برقعہ چادر پہنا کر ہاتھ پکڑ کر جا کر پہنچا آئیں اگلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے فاطمہ دلہن تھیں ان ہی سے کہا کہ برتن میں پانی لاؤ۔ یہ دلہن ہے کہ شوہر کے سامنے پھر رہی ہیں۔ آپ نے اُن کے مُنہ اور ہاتھ پر اور پشت پر چھڑکا۔ پھر اسی طرح حضرت علی ؓ کیساتھ کیا۔ غرض آپ نے دِکھا دیا نمونہ اُمت کو کہ کیا کرو۔ اسی طرح غمی میں بھی کچھ نہیں کیا صرف ایصالِ ثواب کر دیتے تھے، سعد ؓ کی ماں مر گئیں تھیں اُنھوں نے کنواں بنوا

کر کہہ دیا ھٰذَا لِاُمِّ سَعْدٍ۔ کہ اس کا ثواب سعد کی ماں کے لئے ہے نہ فاتحہ دلائی نہ کچھ کیا۔ اب تو مٹھائی کے دونے لئے نیاز دلوانے کو پھرتے ہیں جب تک خاص سورتیں پڑھ کر فاتحہ نہ دی جاوے ثواب ہی نہیں ہوتا اور مصلح کو کہتے ہیں کہ یہ منکر ہے ثواب کا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ایک شخص بے وضو اور قبلہ کو چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑا ہو اور کوئی اس کو منع کرے تو کیا وہ نماز کا منکر سمجھا جاوے گا اسی طرح اس شخص کو جو قیود مروجہ کے ساتھ فاتحہ مروجہ یا میلاد مروجہ کو روکے تو کہتے ہیں کہ یہ ذکر رسول کا منکر ہے ہم کہیں گے کہ جس طرح وہ نماز کا انکار نہیں یہ ذکر کا انکار نہیں ہاں تمہارے اس بے ڈھنگے پن سے دونوں جگہ روکتے ہیں لوگوں نے اپنی طرف سے اختراعات کر لئے ہیں ان لوگوں کی بالکل ایک نئی شریعت ہوگئی ہے ایک نیا مذہب ہو گیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر تعلیم کے مقابلے میں لوگوں نے ایک ایک رائے تجویز کر رکھی ہے ہر امر میں مقابلہ کیا گیا ہے۔ شادی میں، غمی میں، بیع میں، شرا میں ہمارا یہ اسلام و ایمان داری شادی غمی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اتباع کرنا چاہیے اور عورتوں کو زیادہ خصوصیت کے ساتھ خطاب کرتا ہوں مقصود بیان تو سب ہو گیا اب یہاں دو باتیں بطور نکتہ کی بیان کرنا باقی رہ گئیں۔

## صفاتِ نسواں

ایک تو یہ کہ یہاں تین صفتیں بیان ہوئیں۔ اَلْمُحْصَنٰتِ، اَلْغٰفِلٰتِ، اَلْمُؤْمِنٰتِ دو صفت میں تو صیغہ اسم فاعل کا لائے یعنی الغافلات المومنات مگر المحصنات صیغہ اسم مفعول کا لایا گیا محصنات صیغہ اسم فاعل کا ارشاد فرمایا گیا۔ بات یہ ہے کہ اس طرح لانے سے ہمیں ایک سبق بھی دیا ہے جس کی ضرورت چودھویں صدی میں آ کر واقع ہوئی وہ یہ کہ ہمیں مردوں کو پردہ کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ المحصنات کے

معنی ہیں پارسا رکھی ہوئی عورتیں مرد اُنکو پارسا رکھیں انکے ذمہ ہے پارسا رکھنا معلوم ہوا کہ عورت اکیلی کافی نہیں جبتک مرد اُسکو محفوظ نہ رکھے اسم فاعل کے صیغہ سے یہ بات حاصل نہ ہوتی۔

اس لئے مفعول کا صیغہ لائے دوسری یہ بات کہ بیچ میں غافلات کا لفظ کیوں لائے کیا ضرورت تھی بوبات یہ ہے کہ اس کے بیچ میں ہونے سے دونوں صفتوں میں اتصال ہوگیا اشارہ اسطرف ہے کہ قوتِ علمیہ اور عملیہ کا کمال اسپر موقوف ہے کہ وہ غافلات بھی ہوں یعنی اُن کے خیالات محدود ہوں عرفی تبادلہ خیالات نہ ہوں تب اُن کا علم وعمل مقصود باقی رہ سکتا ہے۔ مردوں کے لئے تو وسیع خیالات کا ہونا کمال ہے اور عورتوں کے لئے یہ کمال ہے کہ غیر وسیع الخیال ہوں اُن کا مکان بھی محدود آنا جانا بھی ہو علم بھی محدود یعنی صرف دین ہی کا علم ہو اس زمانہ دونوں نکتوں کے مقتضائے کے خلاف کیا جارہا ہے۔

## ضرورتِ پردہ نسواں

چنانچہ بعض لوگ گھروں میں رکھنے کو قید کہتے ہیں یہ لوگ اُنکو آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قید نہیں ہے۔ بلکہ باہر نکلنا حقیقت میں قید ہے کیونکہ قید کی حقیقت ہے خلاف مرضی محبوس کرنا پس قید تو جب ہو کہ وہ باہر نکلنا چاہیں اور تم ہاتھ پکڑ کر اندر لیجاؤ۔ یہی قید اُن کے لئے تو اگر طبع سلیم ہو بے پردہ ہو کر باہر نکلنا یہ موت ہے پس بےپردگی قید ہوئی۔ پردہ میں رہنا قید نہ ہوا بعضی عورتوں نے جانیں دیدی ہیں اور باہر نہیں نکلیں ضلع اعظم گڈھ میں ایک شخص کا زمانہ طاعون میں عارضی مکان چھپر کا تھا اسمیں اتفاقاً آگ لگی اسکی بی بی جل کر مر گئی۔ باہر نکل کر دُوسروں کو صُورت نہیں دِکھائی۔ میں یہ فتویٰ بیان نہیں کرتا کہ یہ اچھا کیا،

مطلب انکے جذبات فطریہ کا بیان کرنا ہے پھر لغت سے تائید لیجئے تو عورت کے معنی ہیں چھپانے کی چیز پھر واقعات دیکھ لیجئے جہاں پردہ نہیں ہے ان کے واقعات دیکھ لیجئے اور ان واقعات کا اب انتظام آسان ہے کیونکہ پردہ عادت عام ہے اگر یہ اُٹھ گیا پھر انتظام نہ ہوسکے گا پھر وہ واقعات دیکھ کر آپ خود کہیں گے کہ پردہ ہونا چاہیئے مگر نہ ہوسکے گا اسوقت علماء کو آپ وحشیانہ خیال والے کہتے ہیں مگر آئندہ چل کر معلوم ہوجاوے گا ایک صاحب نے پردہ کی مذمت میں لکھا مارا تھا کہ دو شخصوں کی شادی ہوئی تھی دلہنیں رخصت ہوکر جا رہی تھیں ایک جگہ ریل بدل گئی ڈولی میں دونوں اُتاری گئیں اتفاق سے دونوں شخصوں کی بیبیاں بدل گئیں اسکی تو اُس کے یہاں پہنچ گئی اور اسکی اُس کے یہاں آ گئے کہا تھا کہ یہ ساری خرابی پردہ کی ہے خوب آپنے اتفاقیات سے استدلال کیا قصور لوگوں کا تھا کہ کیوں نہ خیال رکھا اور جس کثرت سے خرابیاں بے پردگی کے سبب پیش آتی ہیں ان کے سامنے ایسا ایک امر اتفاقی کس شمار میں ہے اور اگر یہ قیدی ہی ہے تو عفت کی قید ہے میرا ایک رسالہ پردہ کے بارہ میں بقیہ شبہات کے دفع کے لئے اُس کو دیکھ بھی لیجئے اور میں تو اخیر بات کہتا کہ اگر خدا اور رسول کا حکم بھی پردہ کا وجوب کے درجہ میں نہ ہوتا۔ اور واقعات بھی نہ ہوتے تب آخر تو غیرت بھی کوئی چیز ہے مرد کو تو طبعاً غیرت آنی چاہیئے کہ اسکی عورت کو دوسرا دیکھے پھر واقعات مزید برآں خصوص میں اس زمانہ میں اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ جوان داماد یا دودھ شریک بھائی سے بھی احتیاط چاہیئے بے محابا سامنے نہ آنا چاہیئے۔ اس کے متعلق واقعات ہوتے ہیں اور بعضے لوگ اُن کو جدید علوم وفنون سکھلا کر انکو وسیع الخیال بنانا چاہتے ہیں مگر غافلات کا لفظ یہ بتلا رہا ہے کہ عورتوں کو غیر ضروری علوم سے غافل ہی ہونا چاہیئے خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کے واسطے قوت

علمیہ و عملیہ کی تکمیل کی ضرورت اور اسکی طریقہ کا بیان بقدرِ ضرورت ہو گیا۔ الحمد اللہ ——— اب تقریر ختم کرتا ہوں اور اس وعظ کا نام العاقلات الغافلات رکھتا ہوں یعنی وہ عورتیں جو ضروریات میں عاقل اور غیر ضروریات میں غافل ہوں ——— فقط :

دعواتِ عبدیت کا تیسرا وعظ

ملقب بہ

# عضل الجاھلیۃ

زمانہ جاہلیت کی ظلم و زیادتی

عورتوں کے حقوق کے متعلق یہ وعظ ۸ رجمادی الاوّل ۱۳۳۰ھ
کو ارشاد فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمدللہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولٰنا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلے اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھًا وَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْھَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا ؕ

آج جس مضمون کا بیان کرنا ہے یہ آیت اسی کے متعلق ہے۔ اہل علم تو ان کو سن کر ہی سمجھ گئے ہوں گے اور غیر اہل ترجمہ سے سمجھ لیں گے۔

**مقصد وعظ**

آج کا مضمون بالکل پھیکا ہے مگر وعظ سے خود اصلی مقصود دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ اصلاح ظاہر و باطن مقصود ہوتی ہے اگر یہ بات حاصل ہو تو سننے کے قابل اور عمل کے قابل اور

اگر یہ نہ ہو تو ناقابلِ سماعت اور فضول ہے اگر دونوں ہوں تو ہم خرما وہم ثواب۔ تو وعظ سُننے سے مقصود محض اصلاح ہونی چاہئیے۔ اس میں لذت کا منتظر ہونا فضول حرکت ہے۔ آپ نے کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اس کو حکیم محمود خاں کے نسخہ سُننے سے وَجد ہوا ہو اور ذوق کے شعر پہ وَجد ہوا ہو گا۔ لیکن اس تفاوت کی وجہ سے یہ اثر نہ ہوگا کہ وَجد ہونے کی وجہ سے ذوق کے شعر سے علاج کیا ہو کہ اس کو سُنا کرو بیماری جاتی رہے گی۔ ع

کہ داروئے تلخ است و رفعِ مرض

(دوا بدمزہ ہوتی ہے مگر اس سے مرض دُور ہوتا ہے)

ہاں اگر اتفاق سے کوئی مرکب لذیذ بھی ہو اور مزیلِ مرض (مرض کو دُور کرنے والی) بھی ہو تو خوش قسمتی ہوگی مگر لذت مقصود نہیں ہوتی اور جہاں لذت رکھی جاتی ہے تو محض بہلانے کے لئے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذکر میں ابتداً لذت ہوتی ہے بعد میں فوائد صرف رہ جاتے ہیں۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کے ایک مُرید نے کہا کہ حضرت اب تو ذکر میں لذت نہیں آتی فرمایا پُرانی بیوی اماں ہوجاتی ہے اس طرح سے کہ اوّل اوّل تو اس میں لذت ہوتی ہے مگر فوائد اخیر میں بڑھتے ہیں کہ مونس ہوتی ہے خدمت گزار ہوتی ہے۔ بہرحال عقلاء کے نزدیک زیادہ نظر کے قابل فوائد ہوتے ہیں، نہ کہ لذت، لہذا اگر مضمون بے نمک ہو تو پرواہ نہ کیجئے۔

## نکاح میں تناسب عمر

اور سنئے آج کل عورتوں کے حقوق میں لوگوں نے بہت کوتاہی کر رکھی ہے مثلاً بچی کا نکاح بوڑھے سے کر دیتے ہیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر

شوہر پہلے مرجاتا ہے پھر لڑکی کی مٹی خراب ہوتی ہے اور کہیں دوسری طرح ظلم ہوتا ہے کہ بچہ سے جوان عورت کا نکاح کر دیتے ہیں اور اس مرض کا مجھے اب تک گو اجمالاً علم تھا مگر تفصیلاً نہ تھا یعنی جس درجہ پر وہ پہنچا ہوا ہے اس کا علم نہ تھا ایک واقعہ جو یہاں ہوا اس سے اس مرض کا پتہ چلا اور ایک بزرگ کے آنے سے اس پر زیادہ توجہ ہوئی وہ یہ کہ ایک نکاح یہاں ہوا ہے لالہ چھوٹا ہو بڑی کہ دونوں کی عمر میں اتنا تفاوت تھا کہ اگر اس عورت کے پہلوٹا لڑکا ہوتا تو شاید وہ اس کے برابر ہوتا مجھے یہ ناگوار ہوا مگر وہ ناگواری اس وجہ سے نہ تھی کہ وجوب یا حرمت تک پہنچی ہوئی ہو بلکہ صرف کراہت طبعی اور عقلی تھی کہ تناسب بین العمرین اگر ہو تو اس سے موانست ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ

(نیچی نگاہ والی ایک عورت)

کہ حوروں کی ہیئت ایسی ہوگی جیسے ہم عمر ہوتے ہیں۔ دوسری آیت میں ہے

إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا عُرُبًا أَتْرَابًا لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ط

(ہم نے اٹھایا ان عورتوں کو اچھے اٹھان پر پھر کیا ان کو کنواریاں پیار دلانے والی ہم عمر)

غرض تفاوتِ عمر کا اثر اجنبیت ہوتی ہے۔ آپ دیکھئے بچہ سے بچہ کو جیسی محبت ہوتی ہے بڑے سے نہیں ہوتی۔ ایک حکایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وقت کی لکھی دیکھی ہے کہ:

ایک لڑکا نالی میں گھس گیا اور وہاں آپ ہنسنے لگے کوئی تدبیر نکالنے

کی نہ تھی کیونکہ جتنا بلاتے اور نکالنا چاہتے وہ اور اندر گھسا جاتا تھا یہاں تک کہ نیچے گر پڑنے کا اندیشہ ہوا لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے کچھ مت کہو ایک دوسرے لڑکے کو اس کے پاس بٹھلا کر کھیل میں مشغول کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، بچہ کو کھیلتا دیکھ کر یہ بھی بدرو سے نکل آیا اور اس کے ساتھ کھیلنے لگا۔

ایک حکایت اور یاد آئی۔ دیوبند کے ایک طبیب بادشاہ کے یہاں امیدوار بن کر بہت دنوں رہے مگر تقرر نہ ہوا۔ ایک شہزادہ کمسن نے روزہ رکھا تھا۔ ذرا روزہ کا عوام میں زیادہ اہتمام ہے نماز کا اہتمام نہیں حالانکہ نماز کے متعلق حکم ہے کہ اول تو کھڑے ہو کر پڑھو کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو، بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکو تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھو، جب اشارہ بھی نہ ہو سکے تو نماز مؤخر کر دو معاف نہیں ہوئی جب طاقت آجائے گی تو ان نمازوں کو قضا کرنا پڑے گا اور سات برس کے بچہ کو نماز پڑھوانے کا اور دس برس کے بچہ کو مار کر پڑھوانے کا حکم ہے اور روزہ میں یہ خاص اہتمام نہیں بلکہ جب تحمل ہو رکھو اور اگر تحمل نہ ہو تو افطار کر لینا جائز ہے۔ اور پھر جب طاقت آ جاوے گی تو قضا لازم ہوگی اور اگر طاقت نہ آوے تو فدیہ بھی دے سکتے ہیں مگر لوگوں کو روزہ کا ایسا شوق ہے کہ میں نے دیکھا ہے ایک چار برس کے بچہ کو روزہ رکھوا دیا۔ ایک جگہ میں نے دیکھا کہ لڑکیوں نے ایک ذرا سی لڑکی کو روزہ رکھوا دیا اور جب وہ پاخانہ گئی تو یہ ساتھ گئی۔ غرض چاہے بچہ کی جان پر بن جائے مگر روزہ ضرور ہو۔ مگر بعض دفعہ یہ روزہ رومنہ میں بھی لے جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک رئیس زادہ سے روزہ رکھوایا گیا گرمی کے دن تھے دوپہر تک

تو بیچارہ نے نباہ دیا مگر عصر کے وقت پیاس سے سخت پریشان ہوا۔ رئیس نے روزہ کشائی کا بہت اہتمام کیا تھا۔ تمام خاندان کی اور دوستوں کی دعوت کی تھی آخر بہلایا کہ تھوڑی دیر اور صبر کر مگر اس بیچارہ کو تاب کہاں تھی اوّل تو اس نے لوگوں کی منتیں خوشامدیں کیں مگر کسی ظالم نے اس کی جان پر رحم نہ کیا اور کسی نے اس کو ایک گھونٹ بھی پانی نہ دیا آخر وہ خود اٹھا رئیس نے اتنا سامان کیا تھا کہ مٹکوں میں برف بھری گئی تھی وہ مٹکے سے جا لپٹا کہ کچھ تو پانی سے قرب ہو اور لپٹتے ہی جان نکل گئی اس کا وبال ان بے رحم ماں باپ پر ہوا۔

صاحبو! شریعت کا تو یہ حکم ہے کہ اگر جوان کی بھی جان نکلنے لگے تو روزہ توڑ دینا واجب ہے۔ مگر اہل رسوم کے نزدیک معصوم بچہ کو بھی اجازت نہیں، افسوس خدا کو ایسے روزہ کی ضرورت نہیں، خدا کو تم سے زیادہ تم پر رحمت ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تم سے زیادہ تم پر شفقت ہے۔

النَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ۔

(مسلمان کو جتنا اپنے نفس کا خیال ہوتا ہے نبی علیہ السلام کو اس سے زیادہ مسلمانوں کا لحاظ ہوتا ہے۔)

تو جب مکلّف کو یہ حکم ہے کہ ایسے وقت میں روزہ توڑ دے تو چار پانچ برس کا بچہ تو کس شمار میں ہے اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ شریعت میں اتنی شفقت وسہولت ہے کہ تم بھی اپنے ساتھ اتنی نہیں کر سکتے۔ غرض شاہزادہ بھی روزہ سے بہت پریشان تھا اطباء سے ترکیب پوچھی گئی انہوں نے روزہ توڑنے کو کہا یہ رائے بادشاہ کو پسند نہ آئی کیونکہ سارا سامان خاک میں ملتا تھا۔ افسوس دین میں بھی دنیا ہی

مقصود ہے بچہ کی جان جاتی ہے اور بادشاہ کو اپنے سامان کی پڑی ہے غرض ان امید دار طبیب نے کہا کہ میں ایک ترکیب بتاتا ہوں چند لڑکوں کو بلا کر حکم دیجئے کہ شاہزادہ کے سامنے لیمو تراشں تراشں کر کھاویں، چنانچہ بچے بلائے گئے ان کو اس حالت میں دیکھ کر بچہ کے منہ میں پانی بھر آیا طبیب نے کہا یہ پانی نگل جاؤ۔ پس اس تدبیر سے تمام حلق تر ہو گیا اور پیاس کم ہو گئی، بہت اطمینان ہوا۔ اسی روز افسر الاطباء مقرر ہو گئے اس حکایت سے میرا مقصود یہ ہے کہ ہمعمری کی رعایت بہت ضروری ہے، خاص کر زوجین میں یہ امر طبعی تو ہے ہی مگر کسی قدر شرعی بھی ہے اور شریعت میں بھی قابلِ التفات ہے چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا تاکہ جس طرح یہ شرف ان کو حاصل تھا کہ ان حضرات کی صاحبزادیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں داخل تھیں یہ شرف بھی ان کو حاصل ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بنیں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:

انہا الصغیرۃ کہ وہ کمسن بہت ہے

ان حضرات کی عمر زیادہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تناسب بین العمرین کی رعایت فرما کر دونوں صاحبوں کی درخواست رد فرما دی، اس کے بعد ان دونوں حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رائے دی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی تم درخواست کرو امید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منظور فرما لیں گے، افسوس ہے کہ اس کے بعد بھی لوگ یوں کہتے ہیں کہ صحابہؓ میں کشاکشی تھی۔

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ذَالِکَ ظَنُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنَ النَّارِ۔

(ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں یہ کافر لوگوں کے خیالات ہیں پس بربادی ہے ان کافروں کے لئے کہ وہ دوزخ میں جانے والے ہیں)

صاحبو! شیخین نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیغام دینے کی رائے دی کیا اسی کو عداوت کہتے ہیں، عداوت تو جب ہوتی کہ یہ راہ مارتے نہ کہ خود رائے دیتے، چنانچہ یہ حاضر ہوئے، مگر چونکہ کم سن تھے اس لئے ذرا شرمندہ ہوئے اور زبان سے کچھ نہ کہہ سکے۔ مگر دیکھو خبردار شیخین پر اعتراض نہ کرنا کہ بے حیا تھے یہاں تو بیٹی مانگنا ہی تھا صحابہؓ میں تو بعض دفعہ باپ نے خود اپنی بیٹی کے لئے پیام دیا ہے، چنانچہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پہلے شوہر سے بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حفصہؓ بنت عمرؓ بیوہ ہوگئی ہے اس سے تم نکاح کر لو۔ وہاں ہندوستان کی سی رسم نہ تھی کہ باپ کا خود بیٹی کے لئے کہنا حرام سمجھتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا، چنانچہ انہوں نے عذر کر دیا اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حفصہؓ بنت عمرؓ بیوہ ہوگئی ہے اس سے آپ نکاح کر لیجئے، انہوں نے بھی وہی جواب دیا کہ سوچوں گا، پھر کچھ جواب ہی نہ دیا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آیا اور نکاح کر دیا، پھر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ملے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے کچھ جواب نہ دینے پر تم خفا ہو گئے ہو گے بھائی ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے سنا

تھا اس لئے ہم نے جواب میں توقف کیا کہ نہ خود قبول کر سکتا تھا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر کر سکتا تھا اور صاف جواب دینے میں شبہ تھا کہ تم اور کہیں منظور نہ کر لو غرض عرب میں ایسی بے تکلفی تھی کہ باپ اپنی بیٹی دیتے ہوئے نہیں شرماتا تھا بلکہ خود عورتیں آکر عرض کرتیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے نکاح کر لیجئے۔ ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی لڑکی نے کہا کہ یہ عورت کیسی بے حیا تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تجھ سے اچھی تھی اس نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی۔ غرض عرب میں یہ کوئی عیب نہ تھا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی ایسا ضرور کریں لیکن اگر کوئی کرے تو مضائقہ نہیں باقی اگر کوئی شرم وحیا سے ایسا نہ کرے تو کسی فرض کا تارک نہیں اور شرم وحیا تو کم وبیش لڑکوں میں بھی ہونی ضروری ہے۔ خصوصاً ہندوستان کے لئے تو بہت ہی زیادہ ضروری ہے کیونکہ یہاں بہت فتن پھیل رہے ہیں اور ان سب کا انسداد حیا سے کیا جا سکتا ہے اور اس کی دن بدن کمی ہوتی جاتی ہے۔ جس قدر حیا ہم نے اپنی ابتدائی عمر میں لڑکوں میں دیکھی ہے، اب لڑکیوں میں بھی نہیں دیکھی جاتی اور اب بھی جس قدر بوڑھوں میں ہے وہ نوجوانوں میں نہیں، اس کمی کی وجہ سے خرابیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں اس لئے کم وبیش حیا کا ہونا بہت ضروری ہے اور ماخذ اس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل ہے کہ چپ آکر بیٹھ گئے اور شرم کی وجہ سے زبان نہ ہلا سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خبر ہو گئی ہے کہ تم فاطمہؓ کا پیغام نکاح لے کر گئے ہو سو مجھ سے حضرت جبریل علیہ السلام کہہ گئے ہیں کہ خدا کا حکم ہے کہ علیؓ سے فاطمہؓ کا

نکاح کر دیا جائے۔ چنانچہ منگنا ہو گیا۔ مگر یہ نہیں ہوا کہ لال ڈوری ہو کوئی جوڑا ہو مٹھائی تقسیم ہو لوگ کہتے ہیں کہ منگنی میں یہ باتیں ہونے سے پختگی ہو جاتی ہے رصاجو! میں نے غیر پختہ جوڑتے ہوئے اور پختہ ٹوٹتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں اس لئے سب اوہام ہیں کہ پختگی ہوتی ہے اور اگر ہو تب بھی تو ہم کو وہ کرنا چاہیئے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تو اتباع کا اتنا اہتمام تھا کہ انہوں نے آپ کے کھانے تک کی حدیثیں بھی ضبط کی ہیں مثلاً یہ کہ:

انی آکل کما یأکل العبد۔

کہ میں تو اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھایا کرتا ہے۔

سو تم بھی ایسے ہی کھاؤ جس طرح غلام کھاتا ہے۔ دیکھو تو ہم سب خدا کے غلام ہیں اور ہر وقت خدا کے سامنے ہیں تو اسی طرح سے کھانا چاہیئے، جیسے آقا کے سامنے غلام۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکڑو بیٹھ کر کھاتے تھے ایک اس میں بڑی مصلحت ہے کہ پیٹ رانوں سے رل کر دب جاتا ہے کھانا حد سے زیادہ نہیں کھا سکتا جس سے پیٹ بھی نہیں بڑھ سکتا جیسا بعض حریصان بندۂ شکم کا بڑھ جاتا ہے، چنانچہ ایک پیر جی تھے ان کا پیٹ بہت بڑھ گیا تھا ایک مرید نے کہا اس کا کیا سبب ہے فرمایا کہ کتا مر کر پھول جاتا تو میرا نفس بھی چونکہ مر چکا ہے اس لئے پھول گیا، غرض بعض لوگ بہت ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں، شریعت کو توسط مطلوب ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اکڑو بیٹھ کر کھاؤ۔ نیز اکڑو بیٹھ کر تواضع اور انکسار بھی ہے، بعض لوگ فرعون کی طرح بیٹھ کر کھاتے ہیں، ایک بزرگ سے میں نے حکایت سُنی کہ انہوں نے ایک رئیس زادہ کو دیکھا کہ

وہ گاؤ تکیہ لگائے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ سینہ پر ایک رومال پڑا ہوا تھا تاکہ شوربا وغیرہ گرے تو کپڑے خراب ہوں کچھ تو وہ بہت موٹے تھے اور کچھ تکبر بھی کرتے تھے۔ خدا بچائے بعض تو اس قدر موٹے ہو جاتے ہیں کہ عظیم آباد میں ایک رئیس تھے ان کا استنجا نوکر کراتے تھے اس طرح کہ ایک تھان بیچ میں دے کر گھسیٹا جاتا تھا اور سقہ پانی ڈالتا تھا اس غریب کے لئے تو موٹاپا بھی ایک عذاب تھا ؎

مکن رحم برمرد بسیار خوار ۔۔۔ کہ بسیار خوار است بسیار خوار[۱]

نہ چنداں بخور کز دہانت برآید ۔۔۔ نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید[۲]

غرض اس ہیئت میں ایک یہ مصلحت تھی کہ کھانا زیادہ نہ کھایا جاوے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جلدی جلدی کھانا کھاتے تھے۔ آجکل سمجھا جاتا ہے کہ جو جلدی کھائے وہ حریص ہے۔ صاحبو کسی نوکر کو اس کا آقا کوئی چیز دے تو تبلاؤ اسکی قدر کرو گے یا بےقدری یقیناً قدر کرو گے اور ظاہر بھی کرنا چاہو گے کہ ہمیں اسکی قدر ہے تو خدا کی دی ہوئی چیز کیا قدر کے قابل نہیں اور کیا قدر کا یہ طریقہ ہے کہ نزاکت کے ساتھ آہستہ آہستہ کھایا جائے جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس کو بھوک نہیں یا رغبت نہیں، یا یہ طریقہ ہے کہ خوب جلدی جلدی اس پر جھک کر کھایا جائے جس سے معلوم ہو کہ بڑا ہی شایق ہے اور اس کو اس

---

[۱] زیادہ کھانے والے آدمی پر رحم نہ کرو کیونکہ زیادہ کھانے والا زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

[۲] نہ تو اتنا زیادہ کھا کر تیرے منہ سے نکلنے لگے نہ اتنا کم کھا کہ کمزوری سے تیری جان نکلنے لگے۔

کھانے سے بہت ہی رغبت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی قدر کی اور اس کی طرف اپنی احتیاج فعل سے بھی ظاہر کر دی اور قول سے بھی کہ دعا جو کھانے کے بعد کی ہے اس میں فرمایا: غیر مستغنی عنہ ربنا کہ اے رب ہم اس کھانے سے مستغنی نہیں عمر بھر حاجت رہے گی اور یہاں سے ایک ادب کی بات بتلاتا ہوں کہ آجکل یہ عام محاورہ ہو گیا ہے کہ پیروں کے سامنے جب کچھ لاکر پیش کرتے ہیں کہ آپ کو تو اس کی کیا ضرورت ہے مگر جی چاہا اس لئے یہ ہدیہ لیتا آیا اور پیر اس سے خوش ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اس وقت اپنی حاجت ظاہر کرنا چاہیئے۔

صاحبو! یہ استغنا محض پیٹ بھرائی ملنے کی بدولت ہے۔ ذرا ایک وقت کھانے کو نہ ملے پھر دیکھئے پیر صاحب کا سارا استغنا۔ دھرا رہ جائے گا۔ انسان کو نہ تو ایسا استغنا چاہیئے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے بھی استغنا کرنے لگے اور نہ ایسا حریص ہو کہ اشعب طماع بن جائے حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ آج کل تو پیروں کی یہ حالت ہے کہ جہاں مرید نے سر کھجلایا سمجھے کہ پگڑی سے روپے نکال کر دے گا۔

اشعب طماع عرب میں بڑا حریص شخص تھا۔ اس کو ایک دفعہ لڑکوں نے چھیڑا تو ٹالنے کی غرض سے کہنے لگا کہ دیکھو فلاں جگہ کھانا بٹ رہا ہے وہاں جاؤ۔ لڑکے اس طرف کو ہو لئے تو خود بھی انکے پیچھے پیچھے ہولیا کہ شاید یہ بات سچ ہی ہو جب اتنے لڑکے اس طرف جا رہے ہیں تو واقعی آجکل بعض کی یہی حالت ہے اور بعض کو جو استغنا۔ ہوا ہے تو ایسا کہ جہاں شریعت حکم بھی دے وہاں بھی استغنا۔ ہی برتتے ہیں۔ تو ہماری وہ حالت ہے ۔

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی
چونکہ خوردی تند و بد رگ می شوی [1]

بہرحال استغناء عن اللہ کوئی چیز نہیں خُدا کا رزق قابلِ استغناء نہیں اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فعل و قول دونوں سے ظاہر فرمادیا ہے تو ان چیزوں کے متعلق جو صحابہؓ نے افعالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کیا ہے وہ محض اسی لئے کہ ہم ان کا اتباع کریں بلکہ جو چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب تھیں وہ ہم کو بھی مرغوب ہونی چاہئیں یعنی وہ اُمور عقلاً تو مرغوب ہونے چاہئیں ہی طبعاً بھی مرغوب ہو جائیں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کدو کا سالن پکایا تو میں نے دیکھا کہ آپ پیالے میں جابجا سے کدو کو تلاش فرما کر نوش فرماتے تھے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ کونسا کدو تھا مگر محققین نے دونوں کو عام کہا ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فلم ازل احب الدبلہ من یومئذٍ یعنی اس دن سے مجھے کدو سے محبت ہو گئی نہیں کہا:

فلو ازل اکل الدباء

بلکہ میں اس دن سے کدو کھانے لگا تو صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ جس چیز کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت دیکھتے ان کا دل بھی اس کو چاہنے لگتا تھا۔

مسلمانو! اگر یہ بات نصیب ہو تو عقلاً تو پسند کرنا چاہیئے اور اس کا

---

[1] جب تو بھوکا ہوتا ہے تو کتے کی طرح خوشامد کرتا اور دُم ہلاتا ہے۔ پیچھے پیچھے پھرتا ہے۔ اور جب پیٹ بھر جاتا ہے تو سخت طبیعت اور شریر ہو جاتا ہے۔

اتباع تو کرنا چاہیے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا کہ کوئی رسم وغیرہ نہیں کی اور یہ رسمیں اس وقت موجود ہی نہ تھیں یہ تو بعد میں لوگوں نے نکالی ہیں اور خوشی میں تو رسمیں ہوا کرتی تھیں امراء کے یہاں غمی میں بھی رسمیں ہوتی ہیں۔

## منگنی اور شادی میں رسوم کی تباہ کاریاں

اور صاحبو! ان رسموں نے مسلمانوں کو تباہ کر ڈالا ہے اسی لئے میں نے منگنی کا نام قیامت صغریٰ اور شادی کا نام قیامت کبریٰ رکھا ہے۔ ان شادیوں کی بدولت گھروں کو گھن لگ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ سارے گھر کا خاتمہ ہو جاتا ہے غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ کیا اور رشتہ کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود بھی تھے اور نکاح کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خود موجود نہ تھے۔ بلکہ معلق نکاح ہوا تھا کہ اِنْ رَضِیَ عَلِیٌّ یعنی اگر علیؓ رضامندی ظاہر کریں۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا رَضِیْتُ اب نکاح تام ہوا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ اس قصہ کو سن کر دولہا بھاگ جایا کرے شاید بعضے لوگ ایسی سمجھ کے بھی ہوں مطلب یہ ہے کہ برات وغیرہ کے تکلف کی ضرورت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود نوشہ کی ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی پھر برات کا ہونا کیوں ضروری سمجھا جائے اصل میں یہ برات وغیرہ ہندوؤں کی ایجاد ہے کہ پہلے زمانہ میں امن نہ تھا دلہن کی حفاظت کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی اور اسی وجہ سے فی گھر ایک آدمی لیا جاتا تھا کہ اگر اتفاق سے کوئی بات پیش آوے تو ایک گھر میں ایک ہی بیوہ ہو۔ اور اب

تو امن کا زمانہ ہے اب اس جماعت کی کیا ضرورت ہے اگر خوف بھی ہو تو اس قدر پہنا کر کیوں لاؤ اور اگر کہیئے کہ اس میں بھی مصلحت ہے تو اس کا کیا جواب دوگے کہ بارات والے جاتے ہیں جمع ہو کر اور لوٹتے ہیں متفرق اور اکثر دلہن اور کہار اکیلے رہ جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حفاظت وغیرہ کچھ مقصود نہیں صرف رسم کا پورا کرنا اور نام آوری مدنظر ہوتی ہے اور شامت یہ کہ اکثر عصر کے وقت برات چلتی ہے اور لڑکی کے ماں باپ بھی ایسا غضب کرتے ہیں کہ اسی وقت رخصت کر دیتے ہیں شاید یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہماری چیز نہیں رہی ورنہ حفاظت کی اب پہلے سے زیادہ ضرورت ہے کیونکہ زیب و زینت کی حالت میں ہے خدا جانے کیا بات پیش آوے ہاں جب انسان دین چھوڑتا ہے تو عقل بھی رخصت ہو جاتی ہے۔

لوگوں کا یہ عام خیال ہے کہ کنواری کی حفاظت زیادہ ضروری ہے۔ بیاہی ہوئی کی نگہبانی کی ضرورت نہیں اور یہ خیال ہندوؤں سے ماخوذ ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ اگر کنواری سے کوئی بات ہو جاتی ہے تو اس میں بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے اور بیاہی سے کوئی بات سرزد ہو جاتی ہے تو بدنامی نہیں ہوتی کیونکہ اس کے تو شوہر ہے اس کی طرف نسبت کی جائے گی۔ مگر یہ خیال محض جہالت پر مبنی ہے۔ اگر عقل سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کنواری کی حفاظت کی اتنی ضرورت نہیں جتنی بیاہی ہوئی کے لئے ضروری ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ قدرتی طور پر شرم و حجاب بہت ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک طبعی مانع موجود ہے اس کی طبیعت کھل جاتی ہے مانع طبعی اس کے ساتھ موجود نہیں رہتا اس کی عفت و عصمت محفوظ رکھنے کے لئے بہت بڑی نگہبانی کی ضرورت ہے۔ نیز کنواری کو علاوہ مانع طبعی کے خوف فضیحت بھی زیادہ ہوتا ہے اور بیاہی کو اتنا خوف نہیں

ہوتا کیونکہ کنواری میں تو کوئی آڑ نہیں اور اس میں شوہر کی آڑ ہے اس کا فعل اسکی طرف منسوب ہو سکتا ہے اس لئے بیاہی ہوئی کی طبیعت بُرے کاموں پر کنواری سے زیادہ مائل ہو سکتی ہے اس کی حفاظت کنواری سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ مگر لوگوں نے اس کا اُلٹا کر رکھا ہے وجہ یہ کہ اسکی پرواہ آجکل نہیں کی جاتی کہ عصمت و عفت محفوظ رہے صرف اپنی بدنامی اور رسوائی کی پرواہ کی جاتی ہے سو چونکہ کنواری میں بوجہ کوئی آڑ نہ ہونے کے بدنامی کا قوی اندیشہ ہے اس کی نگہبانی تو کی جاتی ہے اسی خیال کی بناء پر رخصت کے وقت ماں باپ کچھ خیال نہیں کرتے کہ یہ وقت مناسب ہے یا نہیں جب چاہیں رات کے ساتھ کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تو حفاظت کا وقت کنوارپن تک تھا اب وہ ختم ہو چکا ہے چاہے راستہ میں ڈاکہ ہی مل جائیں۔ بھلا لڑکے والوں کو تو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان باتوں پر خیال کریں مگر لڑکی والوں کو تو سمجھ کر رخصت کرنا چاہیئے۔ یہ خرابیاں ہیں برات میں جن کی وجہ سے برات کو منع کیا جاتا ہے۔ اور میں جو پہلے براتوں میں جاتا تھا جب تک میری سمجھ میں خرابیاں نہ آئی تھیں۔ اب میں ان رسموں کو بالکل حرام سمجھتا ہوں اور اگر تمہاری سمجھ میں نہ آویں تو اصلاح الرسوم دیکھ لو۔ ان ہی رسموں کے روکنے کی وجہ سے ایک گاؤں کا آدمی مجھ سے کہنے لگا کہ یوں سُنا ہے کہ تمہارے مسئلے کڑے بہت ہیں۔ میں نے کہا کہ مسئلے تو ایسے ہونے چاہئیں جن میں احتیاط ہو تو حقیقت میں میرے مسئلے کڑے نہیں، مگر خدا نے میرے قلم سے بعض باتوں کی خرابیاں ظاہر کرادیں جو دُوسروں نے ظاہر نہیں کیں۔ اس لئے لوگ مجھے سخت مشہور کرنے لگے۔ غرض اگر دلہن کی حفاظت

کے لئے برات ہو تو متفرق ہو کر کیوں لوٹتے ہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ دلہن اور کہار اکیلے رہ جاتے ہیں، اگر کوئی کہے کہ دولہا تو دلہن کے ساتھ ہوتا ہے تو حضرت وہی کون سے بہادر ہوتے ہیں کیونکہ آج کل رائے یہ ہے کہ شادی جلدی ہونی چاہیئے کیونکہ اب وہ عفت و دیانت طبائع میں نہیں رہی جو پہلے تھی اب زیادہ ضبط کی ہمت نہیں ہوتی مگر جلدی شادی ہونے میں جہاں یہ فائدہ ہے چند خرابیاں بھی ہیں اور ان خرابیوں کے انسداد کے لئے بعض عقلمند لوگ رخصت کے وقت شوہر سے کہتے ہیں کہ خبردار ابھی لڑکی سے کچھ کہنا نہیں۔ یہ بہت ہی واہیات ہے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ | بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

(ترجمہ:۔ تونے مجھے لکڑی کے تختے سے باندھ کر دریا کی گہرائی میں ڈال دیا ہے اور پھر کہتا ہے کہ دیکھ ہوشیار رہنا دامن تر نہ ہونے پائے)

ایک اور بیہودہ واقعہ ہوا کہ لڑکی تو بیس برس کی اور لڑکا نابالغ اور لڑکی والا تقاضہ کرتا تھا کہ جلدی کرو کیونکہ میری لڑکی بالغ ہو گئی ہے غرض کہ رخصت کے بعد علیحدہ رہنے کی فرمائش کرنا بہت ہی نازیبا ہے۔ غرض آجکل تو دولہا صاحب کو خود حفاظت کی ضرورت ہے اگر کہیں چور یا ڈاکو چلا آوے تو پہلے دولہا صاحب ڈولے میں گھسیں گے بعض دفعہ دولہا اور دلہن اور دو چار عزیزوں نے ایک گاؤں میں قیام کیا اور برات آگے چلی آئی یہ لوگ حفاظت کے لئے گئے تھے۔

لہٰذا اب برات کو چھوڑ دینا چاہیئے یہ بات بطور تتمیم کے تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے قصہ کے لئے مقصود یہ تھا کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے شادی کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عذر فرمایا تھا

کر وہ بچی ہے۔ ایک جزو تو اس قصہ سے ثابت ہوا کہ اگر لڑکی
چھوٹی ہو تو شوہر کی عمر زیادہ نہ ہونا چاہیے اور بے جوڑ شادی مناسب
نہیں۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی کہ ایک صاحب کی شادی ہوئی تو نوے
برس عمر کی تھی اور لڑکی کی عمر بہت کم رات کو ماما آئی کہ لڑکے کو گھر میں بلایا
ہے۔ وہ نوے برس کے بھی لڑکے ہی تھے۔ وہ اتنے بوڑھے تھے کہ ایک
روز عصر کے بعد گھر میں آئے۔ ماما سے کہا کہ کھانا لاؤ اس نے کہا کہ تازی روٹی
پکا کر لاتی ہوں وہ انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب ماما روٹی لائی تو دیکھا کہ
ختم ہو چکے ہیں۔ بیمار کچھ نہ تھے۔ مگر چراغ کی سی مثال ہے کہ
جب تیل نہ ہوگا تو ختم ہی ہوگا۔ بعض لوگ غضب کرتے ہیں کہ مال کے
لالچ میں بوڑھوں سے نکاح کر دیتے ہیں۔ گنگوہ میں ایک لڑکی اپنی ساتھنوں
سے کہا کرتی تھی کہ جب میاں گھر میں آتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔
کہ نانا جان آگئے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر ہزاروں رحمتیں ہوں کہ
وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس پر کسی کا اختیار نہیں رہتا
یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مگر اتفاق سے امام صاحبؒ کا فتوے بالکل مصلحت کے
موافق آکے پڑا آج کل اس کو بے شرمی سمجھتے ہیں کہ ماں باپ نکاح کرنا چاہیں
اور لڑکی انکار کر دے، حالانکہ استدعا بے شرمی ہے۔ انکار بے شرمی
نہیں بلکہ یہ تو عین حیاء ہے کہ بیاہ کے نام کو بھی پسند نہیں کرتی۔ دیکھ لو
یہ عقل کی بات ہے یا نہیں تو ایسے مواقع میں لڑکیوں کو ضرور انکار کر دینا
چاہیے۔ بعض لوگ اس خرابی کے جواب میں کہ اگر لڑکی کمسن اور مرد مسن
(زیادہ عمر والا) ہو تو غالب ہے کہ وہ بیچاری بہت جلد بیوہ ہوگی۔ یوں کہا
کرتے ہیں کہ ابھی یہ تو خبر نہیں کہ پہلے کون مرے گا، اس لئے کیا عجب ہے

کہ لڑکی سے پہلے بڑے میاں مر ہی گئے اور پھر لڑکی کی مٹی خراب ہو گی۔ لوگ ہم عمری کا قطعی خیال نہیں کرتے۔ —— بالخصوص بعض قوموں میں اس کے عکس کا بہت ہی رواج ہے جس کو میں بیان کرونگا یعنی لڑکا چھوٹا ہوتا ہے اور لڑکی بڑی دلیل سے اس کے برعکس کی خرابی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔ بات یہ ہے کہ خود حکماء نے کہا ہے کہ اگر عورت کچھ چھوٹی ہو تو مضائقہ نہیں اور اس میں راز یہ ہے کہ عورت محکوم ہوتی ہے مرد حاکم۔ نیز عورت کے قویٰ ضعیف ہوتے ہیں بوجہ رطوبت کے اور اسی لئے جلدی بوڑھی ہو جاتی ہیں، کہتے ہیں جیسی کھیسی رسا ٹھا پاٹھا۔ تو اگر لڑکی چھوٹی ہوئی تو وہ جب ضعیف ہونا شروع ہو گی تو چونکہ مرد کی عمر اس سے زیادہ ہے وہ بھی ضعیف ہو گا تو دونوں ساتھ بوڑھے ہوں گے تو باوجودیکہ عقل اس کو جائز رکھتی ہے مگر پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا تو لڑکے کی کم عمری اور لڑکی کی زیادہ عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پسند ہو گی جو بالکل عقل کے خلاف ہے خاص کر ان دو وجہ سے کہ شوہر حاکم ہوتا ہے اور عورت مرد سے پہلے بوڑھی ہو جاتی ہے۔ جب عورت کی عمر زیادہ ہے تو شوہر سے بہت پہلے بوڑھی ہو جائے گی تو اتا جان پر حکومت کرتے ہوئے کیا اچھا لگے گا۔ لامحالہ وہ اس پر دوسری کو لا دے گا اور عیش تلخ ہو گا۔ بعض قوموں میں تو یہ آفت ہے کہ لڑکا نابالغ ہے اور لڑکی پوری جوان اور دونوں کا نکاح ہو جاتا ہے پھر اخیر میں فضیحتے ہوتے ہیں۔

صاحبو! میرے پاس اس قسم کے سوالات بکثرت آتے ہیں کہ لڑکا

تو نابالغ ہے کوئی ایسی تدبیر بھی ہے کہ نکاح ٹوٹ سکے، باپ کے اختیار میں جوڑنا تو ہے مگر توڑنا نہیں کیونکہ ولی صبی (بچہ کا سرپرست) کو منافع کا اختیار ہے مضار کا نہیں بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر لڑکے سے طلاق دلوا دیں تو ہو جائے گی یا نہیں تو نابالغ کی طلاق نہیں پڑتی، بعض دفعہ لڑکا نوجوان ہوتا ہے اور لڑکی بہت جوان مگر وہ بعض دفعہ سوال آتا ہے کہ بہو کا لڑکے کے باپ سے تعلق ہو گیا۔ اب نتیجہ یہ ہوا کہ خاوند پر بھی حرام ہو گئی اور وہ احتیاط بھی نہیں کرتا کہ وہ ماں بھی ہوتی ہے اور بیوی بھی تو شریعت اس کو کیسے پسند کر سکتی ہے۔ ہاں اگر دو چار برس کا تفاوت ہو تو کھپ سکتا ہے۔

کانپور میں ایک دیور سے زبردستی لڑکی کا نکاح کر دیا گیا۔ عورت اس لئے مجبور ہوتی ہے کہ اگر سسرے کا کہنا نہ مانوں تو روٹی نہ ملے گی، غرض ان سب واقعات سے معلوم ہو گیا کہ عورت کا زیادہ بڑا ہونا خلافِ مصلحت ہے تو مجھے یہاں کا یہ واقعہ اس لئے طبعی درجہ میں تو ناگوار ہوا تھا ایک بزرگ نے مجھے اس کا راز یاد دلایا پہلے مجھ کو بتلایا گیا تھا مگر وہ میں بھول گیا تھا، لیکن انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ میں نے اس کے بارے میں کچھ لکھا ہے وہ تم کو دکھلاؤں گا چنانچہ وہ مضمون کل آیا ہے جس سے وہ پھر یاد آ گیا انہوں نے یہ لکھا ہے کہ بعض مسلمان قوموں میں یہ بات ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد عورت میں شوہر والے اپنا حق سمجھتے ہیں یعنی ماں باپ اس کے مالک نہیں رہتے بلکہ دیور، خسر مالک ہو جاتے ہیں بلکہ وہ عورت خود بھی اپنی مالک نہیں رہتی نہ وہ خود اپنا نکاح کر سکے نہ ماں باپ کر سکیں۔ بلکہ جہاں جیٹھ وغیرہ کرنا چاہیں وہاں ہو گا

مثلاً خسر تو چاہے کہ اپنے چھوٹے بیٹے سے نکاح کر دوں ۔ اور باپ چاہے کہ غیر جگہ کرے تو باپ کا کچھ زور نہ چلے گا۔ اور منشا یہ ہوتی ہے کہ بہو گھر سے باہر نہ جائے چنانچہ ایک اور عورت نے اپنی بہو کا نکاح ایک بچّہ سے کر دیا۔ افسوس یہ ہے کہ عورت کی عقل پر تو پردہ پڑا ہی تھا۔ مردوں کی عقل بھی ماری گئی۔ ان کو بھی اس کا کچھ خیال نہیں ہوتا اور اس کو اپنے نزدیک ہلکی بات سمجھتے ہیں اس لئے میں نے اس وقت یہ آیت پڑھی جس میں ارشاد ہے کہ ایسا دستور کہ عورتوں کو اس طرح سے اپنی ملک میں سمجھیں ناجائز ہے فرماتے ہیں :

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔

اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورت کے جبراً مالک ہو جاؤ اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصّہ وصول کر لو مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں اور ان کے ساتھ خوبی گزران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شئے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بڑی منفعت رکھدے۔

یہ ہے اس کا ترجمہ اب دیکھئے کہ قرآن میں اس رسم کو مٹایا گیا ہے یا نہیں اور کرھاً کی قید واقعی ہے احترازی نہیں کیوں کہ عورتیں اس

وراثت سے راضی بھی نہیں ہوتی تھیں اور اگر وہ راضی بھی ہوں تب بھی حِصّہ کی مملوکیت جائز نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کی زبان سے اذنِ نکاح کہلوایا تھا تو یہ زبان سے کہلوانا بھی محض نام کرنے کو ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ بے پوچھے نکاح کر دیا کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ بیوہ کا نکاح بدون زبان سے کہے جائز نہیں ہوتا طیبِ خاطر کا اس میں بالکل خیال نہیں کیا جاتا اور بعض مرتبہ تو بے پوچھے ہی نکاح کر دیتے ہیں۔

نانوتہ میں ایک بیوہ کا نکاح ہوا اور دلی بند رُخصت ہوئی، وہ راضی نہ ہوتی تھی تو اس کو جبراً برات کے ساتھ کر دیا گیا اور یہ کہہ دیا گیا کہ وہاں لے جا کر اس کو راضی کر لینا اور یہاں ایک نکاح عدت میں ہوا جب میں نے پوچھا کہ یہ کیا واہیات کیا، تو کہنے لگے کہ نکاح کی نیت سے نہیں کیا۔ ذرا باڑھ لگا دی تاکہ اور کسی سے نکاح نہ کر سکے، مگر اس کمبخت نے بعد عدت کے پھر بھی نکاح نہ کیا۔ اس پر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ وبا آگئی۔ طاعون آگیا جب لوگ اس طرح حلال کے پردہ میں حرام کاری کریں تو طاعون کیوں نہ آوے۔ صاحبو! ؎

از زنا افتد وبال اندر جہات

سو بعض لوگ تو زبان سے بھی نہیں کہلواتے اور بعض زبان سے گو کہلوا لیتے ہیں مگر پھر بھی تو اس پر ظلم ہوا کیونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو مالک سمجھ کر کہلواتے ہیں۔ دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ ماں باپ کو مالک نہیں سمجھتے، حالانکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ماں باپ کا حق ہے اطاعت کا مجھ سے یہ سوال کیا گیا کہ ماں باپ کا زیادہ حق ہے

یا پیر کا ——— ؟ تو میں نے یہی جواب دیا کہ ماں باپ کا زیادہ حق ہے البتہ : لا طاعة المخلوق فی معصیة الخالق۔

یعنی اگر پیر شریعت کے موافق حکم کرے اور ماں باپ اس کے خلاف کہیں تو اس وقت پیر کی اطاعت ہوگی والدین کی نہ ہوگی۔ یعنی پیر ہونے کی وجہ سے، سو پیر کی اس لئے وقعت ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر چلاتا ہے۔ حق کے اعتبار سے نہیں، حق کے اعتبار سے والدین کا مرتبہ خدا کے بعد ہے اور پیر بھی آجکل اپنے کو مالک سمجھتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نواح میں تو موروثی پیر بھی کچھ بہت زیادہ بُرے نہیں ہیں۔

پورب میں ایک پیر تھے وہ عورتوں کے پاس جا کر ٹھہر جاتے تھے خدا ایسے پیر کو غارت کرے اس کے ساتھ وہ بڑے بُزرگ اور قطبِ اعظم مشہور تھے اور کئی لاکھ آدمی ان سے مرید ہیں ہندو بھی ان سے مرید ہیں۔

اسلام اور درویشی میں پہلے عموم وخصوص مطلق کی نسبت تھی مگر اب اس زمانہ میں من وجہ کی نسبت ہو گئی یعنی پہلے درویش کے لئے مسلمان ہونا ضروری تھا۔ اب کافر بھی صوفی اور درویش ہو سکتے ہیں یہ ان رہزنوں کی بدولت ہے ان کے نزدیک کافر بھی مُرید ہو سکتا ہے۔

یہ لوگ دجال پر ضرور ایمان لے آدیں گے کیونکہ وہ تو بڑا صاحبِ تصرف ہوگا اور چونکہ ان کے نزدیک صوفی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں اس لئے دجال کو تو بے تکلف پیشوا بنالیں گے۔ اور جس کا یہ عقیدہ ہے کہ جہاں شریعت نہیں وہاں کچھ نہیں اس کے نزدیک کرامات وغیرہ کی کوئی وقعت نہیں وہ سب سے پہلے اتباعِ شریعت کو دیکھے گا۔ اور چونکہ دجال کافر ہوگا اس لئے یہ شخص اس کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

صاحبو! دجال قریب ہی نکلنے والا ہے اس لئے جلد اپنے عقیدہ کی درستی کر لو۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے الہام ہوا ہے بلکہ علامات و آثار بتلاتے ہیں کہ دجال کا زمانہ خروج قریب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود احتمال تھا کہ کہیں میرے ہی زمانہ میں نہ نکل آوے۔ اس لئے ممکن ہے کہ ہمارے زمانہ میں نکل آوے۔ اس لئے اپنے عقائد درست کر لو جس کو خلاف شریعت دیکھو اس کے ہرگز معتقد نہ ہو آگے آپ کو اختیار ہے۔

غرض آجکل پیر سمجھتے ہیں کہ مرید ہمارے مملوک ہیں ماں باپ اور بیوی سب سے چھڑا دیتے۔ یاد رکھو اگر پیر کہے رات کو نفلیں پڑھو اور باپ کہے کہ سو رہو تو باپ کی اطاعت مقدم ہے۔ ہاں اگر باپ شریعت کے خلاف کوئی حکم کرے تو اسوقت باپ کی اطاعت جائز نہیں شریعت کا لحاظ مقدم ہے اور ماں باپ کا اتنا حق ہے کہ جریج ایک درویش تھے بنی اسرائیل میں وہ جنگل میں رہتے تھے پہلی شرائع میں رہبانیت کا حکم تھا ہماری شریعت میں یہ مطلوب نہیں اس کے متعلق آجکل کے مذاق کے اعتبار سے ایک موٹی بات بتلاتا ہوں کہ تنہائی سے جو غرض ہوتی ہے جنگل میں رہنے سے آجکل وہ حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ایسے شخص کو لوگ بہت ستاتے ہیں برخلاف اس کے اگر کوئی مسجد کے حجرہ میں رہے اسے کوئی نہیں پوچھتا۔ دوسرے سب کو چھوڑ کر تنہا عبادت کرنا کمزوری کی بات ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

زاہد نداشت تاب جمال پری رخاں
کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت[1]

---

[1] (زاہد کو پری چہرہ محبوبوں کے دیکھنے کی تاب نہیں تھی لہذا اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور بہانہ یہ کیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں)

ہمت کی بات یہ ہے کہ سب میں ملے جلے رہو اور پھر اپنے کام میں لگے رہو، حدیث میں ہے:

اور اگر جنگل میں کوئی نہیں مگر حدودِ شرعیہ سے تعدی کرنا حرام ہے۔ خوب کہا ہے ؎

| | |
|---|---|
| بزہد و ورع کوش و صدق و صفا | ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ[1] |
| خلافِ[2] پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید |
| مپندار[3] سعدی کہ راہ صفا | تواں یافت جز بر پئے مصطفیٰ |

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر کے حاصل کرو جو حاصل کرنا ہو گا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر پوری نظر نہ ہو تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات کو دیکھو وہ آئینہ رسول نما ہیں۔

## قصہ جریج

غرض جریج ایک عابد تھے، ایک مرتبہ اپنی عبادت گاہ میں نمازِ نفل پڑھ رہے تھے کہ ان کی ماں نے آ کر پکارا، یہ سخت پریشان ہوئے کہ جواب دوں یا نہ دوں۔ جواب دوں تو نماز جاتی ہے، نہ دوں تو ماں کی خفگی کا اندیشہ، آخر انہوں نے جواب نہیں دیا، اس نے دو تین آوازیں دیں اور بد دعا دے کر چلی گئی کہ:

---

[1] سچائی صفائی پرہیز گاری اور تقویٰ کی پوری کوشش کرو، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔

[2] جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے وہ کبھی بھی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔

[3] اے سعدی یہ گمان کبھی نہ کرنا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چھوڑ کر سیدھا راستہ پا سکتے ہو۔

اللهم لا تمته حتی تریه وجوہ المومسات

کہ اے اللہ جب تک یہ کسی زانیہ کا منہ نہ دیکھ لے اسکی موت نہ آئے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ لو کان فقیھا لاجاب امہ
اگر فقیہ ہوتا تو اپنی ماں کو ضرور جواب دیتا اور یہ قول اس کا قرینہ ہے
کہ نماز نفل تھی کیونکہ فرض کو بالاجماع توڑنے کی اجازت نہیں، البتہ اگر کسی پر
کوئی مصیبت آوے مثلاً جلنے لگے تو اس وقت اس کے بچانے کے لئے نماز
فرض بھی توڑ دینا واجب ہے۔ خواہ ماں ہو یا کوئی غیر ہو، صاحبو! آپ
نے شریعت کی تعلیم کو دیکھا ہے۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت کا قانون
ہے۔ آپ نے اس کے حسن وجمال کو دیکھا نہیں اس لئے کچھ قدر نہیں کرتے
اس کی تو یہ حالت ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست

## شریعت کی دل آویزی

شریعت تو ایسی حسین وخوبصورت ہے کہ اسکی جس چیز کو دیکھو دلربا ہے جس ادا کو
دیکھو دلکش ہے آپ نے ملاحظہ کیا کہ کس قدر ضرورت کے قوانین ہیں کہ
جب کسی کو گرفتار مصیبت دیکھو تو نماز فرض بھی توڑ دو اور ایسے موقع پر
پہنچو اور نفل میں تو اگر بلا ضرورت بھی ماں باپ پکاریں تو نیت توڑ دینا
چاہیئے، بشرطیکہ ماں باپ کو اطلاع نہ ہو کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے۔ مگر جریج
چونکہ فقیہ نہ تھے اس لئے جواب نہ دیا۔ اور ماں کی بددعا لگ گئی اور یہ
واقعہ ہوا کہ قریب ایک آوارہ عورت تھی، اس کو کسی کا حمل رہ گیا تھا۔ کچھ
لوگ جریج کے دشمن تھے، انہوں نے اس سے کہا کہ تو جریج کا نام لے
دینا کہ اس کا بچہ ہے اس کمبخت نے ایسا ہی کیا لوگ اس کے عبادت خانہ

پر چڑھ آئے اور اس کو توڑنے لگے اور جریج کو پیٹنا چاہا اس نے پوچھا کہ آخر اس حرکت کا کچھ سبب بھی ہے یا نہیں کہنے لگے کہ تو ریاکار ہے عبادت خانہ بنا کر زنا کرتا ہے فلاں عورت سے تو نے زنا کیا ہے اس کے بچہ ہوا ہے یہ عبادت خانہ سے نیچے اُترے آخر اللہ کے مقبول بندے تھے۔ رحمتِ خدا کو جوش ہوا اور ان کی ایک کرامت ظاہر ہوئی۔ حضرت جریج نے اس لڑکے سے پُوچھا کہ بتلا تو کس کا ہے، اُس نے کہا کہ میں فلاں چرواہے کا ہوں یہ قصّہ حدیث میں مذکور ہے اس سے ماں کا کتنا بڑا حق معلوم ہوا، مگر اس پر اجماع ہے کہ اگر پیر پکارے تو نماز نفل کا بھی توڑنا جائز نہیں تو پیر کا حق ماں سے زیادہ نہیں۔ اور یہ اچھے پیر صاحب ہیں کہ دوسرے کے پالے پلائے پر قبضہ کر لیا۔ کیا پیری مُریدی کے یہی معنیٰ ہیں۔ اور میاں جی بھی یہی یہ سمجھتے ہیں کہ لڑکے ہماری مِلک ہیں اس لئے مارنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اگر یُوں کہو کہ خطاء پر پیٹتے ہیں تو صاحبو! محض غلط ہے غُصّہ پر مارتے ہو۔ جب تک غُصّہ ختم نہ ہو اُس وقت تک مار ختم نہیں ہوتی، خطاء پر مارنا یہ ہے کہ اس کے انداز سے سزا دو مگر ایسا کوئی نہیں کرتا۔

اسی لئے میاں جیوں کا علاج یہ ہے کہ غُصّہ میں نہ مارا کریں، جب غصّہ جاتا رہے تو سوچا کریں کہ کتنا قصور ہے، اتنی سزا دینی چاہیئے یہ تو سلامتی کی بات ہے ورنہ لڑکے قیامت میں بدلے لیں گے۔ ناحق ستانے کا بڑا گناہ ہے۔ ایک عورت نے ایک بِلّی کو بہت ستایا تھا جب وہ مر گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ عورت جہنّم میں ہے اور وہ بلی اس کو نوچتی ہے۔ جب بِلّی کے ستانے سے وہ عورت دوزخ میں گئی تو لڑکے تو انسان ہیں۔

غرض پیروں کو الگ خبط ہے اور میاں جیوں کو الگ اور

ان جاہلوں کو الگ کر بہو کو اپنی ملک سمجھتے ہیں اسی کے ابطال کے لئے میں نے یہ آیت پڑھی ہے اور اسی پر میں نے ماں باپ کا حق بیان کیا ہے کہ سسرال والے انکی بات چلنے نہیں دیتے ایک تو اپنا حق سمجھتے ہیں یہ پہلا گناہ، ماں باپ کے حق کو رد کرتے ہیں یہ دوسرا گناہ ہے۔

تیسرے جوان عورت کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے اپنا نکاح کرے بشرطیکہ غیر کفو میں نہ ہو اگر غیر کفو میں کرے تو اولیاء کو حق فسخ حاصل ہے یعنی حاکم اسلام کے پاس جاکر نالش کریں وہ تحقیق کر کے کہہ دے کہ میں نے نکاح فسخ کیا تو نکاح ٹوٹ جائے گا آج کل اس کی صورت یہ ہے کہ اگر ایسا واقعہ پیش آوے تو کسی مسلمان حاکم کے یہاں جس کو یہ اختیار حاصل ہوں نالش کردو. اگرچہ وہ مقرر کیا ہوا کافر کا ہو۔ اگر اس کو ایسے اختیارات نہیں دیئے گئے تو حاکم بالا سے رجوع کرو کہ وہ اس کو اختیار دے دیں خواہ اسی ایک مقدمہ کے واسطے پھر اگر وہ نکاح فسخ کردے گا تو فسخ ہوجائے گا اور ریاستوں میں قاضی کا فسخ کردینا کافی ہے۔ غرض حاکم مسلم کے فسخ کرنے سے نکاح فسخ ہوگا محض باپ کے کہہ دینے سے کہ میں راضی نہیں کچھ نہ ہوگا. تو شریعت نے جوان عورت کو اپنے نفس کا اختیار دیا ہے یہ لوگ اس کو باطل کرتے ہیں. تو شریعت کی کتنی مخالفت کی. عورت کی آزادی کھوئی، ماں باپ کا حق غارت کیا اور اپنا حق قائم کیا افسوس تو یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے کو اچھا بھی سمجھتے ہیں کہ ہم نے بیوہ کا نکاح کردیا، حالانکہ انہوں نے نکاح کی کوئی مصلحت ملحوظ نہیں رکھی۔

## عورتوں پر اسلام کا احسان

عرب میں بھی عورتوں پر اس قسم کے ظلم ہوتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر اس کو مٹایا آپ نے فرمایا کہ چھ شخصوں پر میں اور حق تعالیٰ اور

فرشتے لعنت کرتے ہیں منجملہ ان کے ایک وہ شخص ہے کہ رسم جاہلیت کو تازہ کرتا ہے تو اس بارہ میں تم لوگ شریعت کا مقابلہ کر رہے ہو، خدا کے لئے ان رسوم کفار کو چھوڑ دو اور پھر یہاں تک ظلم ہے کہ اس عورت کے عزیز و اقارب بھی یہی سمجھتے ہیں۔ میرے پاس ایک شخص آیا کہ میرے بھاوج پر میرا حق ہے اور وہ اور جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے کوئی تعویذ ایسا کر دو کہ وہ مجھ سے نکاح کر لے۔ فقہاء نے ایسا تعویذ لکھنے کو ناجائز لکھا ہے جس سے عورت خاوند کو تابع کر لے۔ تو جب نکاح ہوتے ہوئے ایسا تعویذ دینا حرام ہے۔ تو اس صورت میں نکاح بھی نہ ہو ایسا تعویذ دینا کب جائز ہو سکتا ہے جس سے ایک نامحرم کو اپنا تابع کیا جائے مگر بہت بزرگ ایسے تعویذ دیتے ہیں۔ آج کل بزرگی کے لئے اتباع شریعت شرط نہیں سمجھا جاتا۔ صاحبو! بزرگی اس کا نام ہے

میانِ عاشق و معشوق رمزیست

کراماً کاتبین را ہم خبر نیست[1]

یہ مضمون حدیث شریف میں ہے۔ یہ حدیث حرز ثمین کی ہے کہ ذکر خفی ذکر جلی سے ستر درجہ افضل ہے۔

وھو الذی لا یسمعہ الحفظۃ۔

کہ وہ ایسا ذکر ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ ذرا خشک مزاج مولوی اس کو سُن لیں جو تصوف کے اس جز پر یعنی ذکر خفی کا جس میں زبان کو حرکت نہ ہو انکار کرتے ہیں تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر

---

[1] عاشق و معشوق کے بعض اشاروں اور بھیدوں کی کراماً کاتبین کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

کا ایک درجہ ایسا بھی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اذکار کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی سو اگر بعض حالات کی بھی اطلاع ملائکہ کو نہ ہو تو کوئی مستبعد نہیں بلکہ بعض مرتبہ صاحبِ حال کو بھی اسکی اطلاع نہیں ہوتی، قلندر فرماتے ہیں ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

کہ آنکھوں کو بھی دیکھنے نہیں دیتے وہ بھی اجنبی ہے اس سے غیرت آتی ہے۔ حضرت قلندرؒ تو مجذوب ہیں، شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود
کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے [1]

غرض جہاں صاحبِ حال خود بھی اجنبی ہو تو فرشتوں کا وہاں کہاں گزر ہوگا، یہ معنی ہیں "میان عاشق و معشوق رمزیست" کے بزرگی یہ ہے نہ کہ تعویذ گنڈے۔ پس حسب نص فقہاء ایسا تعویذ دینا بھی اگرچہ کسی بزرگ کے ہاتھ سے ہو گناہ ہے اور اگر کہو کہ وہ تو اللہ کے نام سے مدد لیتا ہے تو کیا اگر کوئی قرآن سے مار ڈالے تو قصاص نہ ہوگا اس کے متعلق جو شبہات ہیں وہ پھر کبھی بیان کرونگا چونکہ وہ دین میں اس قدر مضر نہیں اس لئے اس وقت اس کو ضروری نہیں سمجھا۔

| عورتوں پر ظلم ہو رہا ہے | غرض عورتوں پر اس قدر ظلم ہو |
|---|---|

---

[1] خدا کی قسم مجھے اپنی دونوں روشن آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ وہ ایسے خوبصورت چہرے کو دیکھیں۔

رہا ہے کہ ہر طرح ان پر اپنا حق سمجھتے ہیں اور اس کا اتنا عام اثر ہے کہ عورت بھی اپنے آپ کو ان کی مملوک سمجھتی ہے اور اس کو یہ بھی خبر نہیں کہ مجھ پر ظلم ہو رہا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہوتا ہے کہ کبھی یہ مظلومیت ظالمیت ہوتا ہے جیسے کسی نے کہا ہے ؂ اس قدر سمٹی پریشانی کہ جمعیت ہوئی

مثلاً شوہر مر گیا اور کچھ ترکہ چھوڑا نہیں صرف بیوی چھوڑی اور ساس سسرے بھوکے تنگ ہیں۔ مگر بہو ہے کہ جاتی نہیں کہ میرا تو یہی گھر ہے جہاں ڈولا آیا وہیں سے کھٹولا نکلے گا۔ چونکہ اس ظلم سے یہ اپنے کو مملوک سمجھنے لگی تو اس کے نزدیک بھی اپنے ماں باپ سے کوئی علاقہ نہیں رہا اب وہ ساس سسر پر اپنا حق سمجھنے لگی اور اس سے سسرال پر ظلم ہونے لگا بہت اچھا ہوا تمہاری سزا یہی ہے، غرض یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ ماٹ کا ماٹ ہی بگڑ گیا مالک تو مالک مملوک بھی ظلم کرنے لگا۔ ؂

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

اگر ایک جگہ زخم ہو تو پھایا رکھدو اور اگر سر سے پیر تک زخم ہی زخم ہو تو کہاں تک اصلاح کرے۔ ایک صاحب پوچھنے لگے کہ شادی میں کونسی رسم ناجائز ہے میں نے کہا کہ یہ پوچھو جائز کونسی ہے کیونکہ ناجائز تو سب ہی ہیں ان کو کوئی کہاں تک بیان کرے مستثنیٰ استثنیٰ منہ سے چھوٹا ہوتا ہے تو اگر زیادہ رسوم جائز ہوتیں تو ناجائز کو پوچھا جاتا۔ اب تو معاملہ برعکس ہے کہ زیادہ ناجائز ہیں اس لئے ناجائز کو پوچھا۔ اسی طرح ہماری حالت کو یوں پوچھنا چاہیئے کہ کون کون سی حالت اچھی ہے، دیکھئے اگر کبھی امانت دار معلوم کرنے ہوں کہ کتنے ہیں تو خائنوں کو شمار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ امانت داروں کو شمار کرتے ہیں، مطلب یہ کہ خائن تو بہت ہیں ان کو کہاں تک شمار کریں، کبھی یہ حالت تھی

کر امانت داروں کو معلوم کرنے کو خائنوں کا شمار کر لیا جاتا تھا۔ یعنی ان کے سوا سب امانت دار ہیں۔ افسوس ہماری حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

غرض ظالموں کی ایک حالت بُری ہے تو مظلوموں میں بھی ایک بڑی حالت ہے، صاحبو! اسکی اصلاح کرنی ضروری ہے۔ خدا کے لئے اپنی حالت پر توجہ کرو، اور اس رسمِ جاہلیت کو مٹانے کی کوشش کرو جس کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے مجھے اس وقت یہی بیان کرنا تھا سو الحمدللہ اچھی طرح سے بیان ہو گیا، اُمید ہے کہ سننے والے اس کو سمجھیں گے اور جا کر اپنی برادری میں اس کے مٹانے کی کوشش کریں گے۔ بہتر یہ ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد بہو کا حصّہ دے کر اس کے ماں باپ کے سُپرد کر دو، مگر خبردار اس کا حق مت دبانا۔ آگے بھی سن لو حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ولا تعضلوھن ــــــ الخ

عرب میں یہ بھی رسم تھی کہ جب کوئی شخص مال چھوڑ کر مر جاتا تو اس کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دیتے تاکہ اس کی مال اسی کے پاس رہے، اور یہ رسم ہندوستان میں بھی ہے کہ بیوہ کا نکاح نہیں کرنے دیتے تو اکثر اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس کی جائداد علیحدہ کرنی پڑے گی، لوگ یوں کہتے ہیں کہ جائداد اچھی چیز ہے، مگر صاحبو! جو عورت کے لئے تو حقیقت میں سخت مصیبت ہے کیونکہ ان کی جائداد کی وجہ سے ہر شخص ان پر جال ڈالتا ہے، اور میں نے تو زمین کی وجہ سے عورتوں کو ہمیشہ مُصیبت ہی میں دیکھا کہ ہر شخص ان کو اپنی طرف کھینچتا ہے، تو صاحبو ان کو حِصّہ دے کر ماں باپ کے سُپرد کر دو اپنے گھر میں نہ رکھو کیونکہ جب تک اپنے گھر میں رکھو گے یہ خیال دل سے نہ نکلے گا، تو واجب ہے کہ حِصّہ دے کر ماں باپ کے سُپرد کر دو خواہ وہ اس کو بٹھلا دیں یا کہیں نکاح کر دیں۔ اگر کوئی کہے کہ جہاں شوہر کچھ چھوڑ کر مرے یہ حکم اس

کے لئے ہے اور جہاں کچھ چھوڑ کر ہی نہ مرے اس صورت میں اگر عورت
کو روکا جائے تو قرآن سے ممانعت نہیں معلوم ہوئی کیونکہ آیت میں نہی
مقید ہے: وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ۔

تو جواب یہ ہے کہ جب مال کے ہوتے ہوئے روکنا جائز نہیں تو بغیر
مال کے روکنا بدرجہ اولی جائز نہ ہوگا کیونکہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔
ایک تو کسی باعث سے ایک بغیر کسی باعث کے، پہلا کسی درجہ میں ہلکا
ہے عقلاً بھی شرعاً بھی اور دوسرا گناہ بڑا گناہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ
تین شخصوں کو خدا بہت ہی مبغوض رکھتا ہے۔ مَلِک کذاب شیخ زانی
وعائل متکبر یعنی جھوٹا بادشاہ، زنا کار بڈھا۔ اور متکبر فقیر، اسکی وجہ یہی
ہے کہ ان میں ان معاصی کا کوئی داعی نہیں ہے اور پھر لوگ گناہ کرتے ہیں
بادشاہ کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے جھوٹ اسی واسطے لوگ
بولا کرتے ہیں کہ اس سے کارروائی کریں، بادشاہ کی قدرت کارروائی
کے لئے کافی ہے، اس کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے، اسی طرح
زنا بوجہ شدت باہ کے ہوتا ہے۔ بڈھے کو کیا مستی سوار ہوئی اگر وہ
ضبط کرنا چاہے تو کچھ بھی دشوار نہیں، اسی طرح غریب آدمی تکبر کرے
تو اسکی حماقت ہے اس کے پاس بڑائی کا کونسا سامان ہے، اس
حدیث سے معلوم ہوا کہ جو گناہ بغیر داعی کے ہو وہ زیادہ گناہ ہے۔ تو
یہ تقیید شبہ کرنے والے کو مفید نہیں بلکہ مضر ہے مطلب یہ ہے کہ
جب عورت کے پاس کچھ مال ہو تو اس وقت حرص کی وجہ سے یہ
تقاضا ہو سکتا ہے کہ اسکو بھی حق تعالیٰ نے منع فرما دیا تو جس کے پاس
مال بھی نہ ہو وہاں روکنا تو محض پابندی رسم ہے اس میں روکنے کا کوئی

دائمی بھی موجود نہیں تو بہت ہی بڑا گناہ ہو گا۔

پس مجھ کو یہی مضمون بیان کرنا تھا۔ آگے آیت میں اور باتیں مذکور ہیں، مگر چونکہ وہ اس مبحث کے متعلق نہیں اس لئے ان کو نہیں بیان کروں گا۔ اہلِ علم خود جانتے ہیں اب میں بیان ختم کرتا ہوں، جن لوگوں نے اس کو سُنا ہے وہ تو پختہ عہد کر لیں کہ اس رسم کو مٹا دیں گے اور جنہوں نے نہیں سنا ان کو یہ مسئلہ پہنچا دیں جتنی زیادہ شہرت دو گے اتنا ہی ثواب ملے گا۔ یہ مسئلہ مِٹ رہا تھا، خدا ان بزرگ کا بھلا کرے کہ انہوں نے اس پر ملتفت کیا یہ مٹا ہوا مسئلہ ہے اس کو زندہ کرنے کی کوشش کرو، حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص مٹے ہوئے مسئلہ کو شہرت دے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔

اب خُدا سے دُعا کیجئے کہ توفیقِ عمل عنایت ہو۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد واٰلہٖ اجمعین۔

# الاستماع والاتباع للسادة والاتباع

الملقب بہ

# نوید جاوید

## اتباع وفرمابرداری

عورتوں کو عربی علوم حاصل کرنے کے لئے ترغیب اور اس کی ضرورت کے متعلق یہ وعظ تھانہ بھون شیخ محمد صدیق صاحب، (محلہ محلات) کے مکان پر بروز یکشنبہ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ چوکی پر بیٹھ کر دو گھنٹے پینتالیس منٹ بیان فرمائے۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۴۰ تھی۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے قلمبند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## تمہید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔ اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُو الْاَلْبَابِ ط

جس آیت کا ٹکڑا تلاوت کیا گیا ہے اسوقت مجھے اس میں بھی ایک جزو بیان کرنا ہے اور اس سے بھی ایک مضمون استنباط کر کے بیان کرنا مقصود ہے جو پہلے سے تو ذہن میں تھا مگر اسوقت ذہن میں تھا کہ اتفاق سے ایک مساۃ کی فرمائش پر یہ بیان تجویز ہوا پھر اس کے ساتھ ان کا ایک نیک ارادہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی لڑکی کو علم دین پڑھانے کے لئے تجویز کیا ہے اس ارادہ کو سنکر وہ مضمون ذہن میں آگیا۔ اسوقت مجھے ان کے اس ارادے سے بہت مسرت ہوئی کیونکہ اس کی ضرورت ہے کہ عورتوں میں بھی علم دین کی جاننے والیاں کچھ ہوں تو ان کے ذریعے سے عورتوں کی اصلاح باآسانی ہو جائے گی کیوں کہ مردوں کے عالم ہونے سے عورتوں کی پوری اصلاح نہیں ہوتی اجانب کی تو بوجہ موقع نہ ملنے کے اور اقارب کی بوجہ عدم مجانست کے پھر عورتوں کی اصلاح نہ ہونے کا مردوں پر بھی اثر پڑتا ہے کیونکہ بچے اکثر ماؤں کی گود میں پلتے ہیں جو مرد ہونے والے ہیں۔ اور ان پر ماؤں کے اخلاق و عادات کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

## جنین پر اثر

حتیٰ کہ حکماء کا قول ہے کہ جس عمر میں بچہ عقل ہیولانی کے درجہ سے نکل جاتا ہے تو گو اسوقت وہ بات نہ کر سکے مگر اس کے دماغ میں ہر بات اور ہر فعل منقش ہو جاتا ہے اس لئے اس کے سامنے کوئی بات بھی بیجا اور نازیبا نہ کرنا چاہیئے بلکہ بعض حکماء نے یہ لکھا ہے کہ بچہ جس وقت ماں کے پیٹ میں جنین ہوتا ہے اس وقت بھی ماں کے افعال کا اثر اس پر پڑتا ہے اور اجنّہ اسی جنین کی جمع ہے۔ قرآن میں ہے۔ وَاَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ۔

بعض لوگ اجنہ کو جن کی جمع سمجھتے ہیں یہ غلط ہے جن کی جمع جنات و جان ہے اور مفرد جنی تھے مؤنث جنیۃ ہے اور جن ہم جنس ہے تو حکماء الٰہی نے یہ کہا ہے کہ ماں کو لازم ہے کہ حمل کے زمانہ میں نہایت تقویٰ و طہارت سے رہے کیونکہ بحالت حمل بھی اس کے افعال کا اثر جنین پر ہوتا ہے چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق ایک حکایت سُنی ہے گو کتابی نہیں مگر تقریب فہم میں اس کو بطور مثال کے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ ایک مرد و عورت بہت نیک تھے مگر ان کے بچہ نہ ہوتا تھا بڑی دُعاؤں اور اُمیدوں کے بعد حمل ٹھہرا اور بچہ کی اُمید ہوئی تو دونوں نے عہد کیا کہ دونوں زمانہ حمل میں احتیاط اور تقویٰ سے گزر کریں مرد نے بھی بہت احتیاط کی تاکہ اس کے افعال کا اثر عورت پر نہ پڑے اور اس کا جنین پر نہ پڑے چنانچہ نہایت احتیاط کے بعد بچہ پیدا ہوا اور اس میں آثار و رشد و صلاح کے ظاہر تھے جُوں جوں بڑھتا گیا رشد و صلاح کے آثار نمایاں ہوتے گئے ایک مرتبہ وہ ہوشیار ہو کر باپ کے ساتھ بازار جا رہا تھا کہ ایک کنجڑن کے ٹوکرے میں سے ایک بیر اُٹھا کر کھا لیا مرد کو حیرت ہوئی کہ یہ بات اس میں کہاں سے آئی گھر آ کر تلوار سونت لی اور بیوی سے دھمکا کر پوچھا کہ بتلا اس میں یہ عیب کہاں سے آیا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے حمل کے زمانے میں کسی کی چوری کی ہے عورت نے کہا تلوار کو نیام میں کر دیں سوچ کر بتلاؤں گی پھر سوچ کے بتلایا کہ ہمارے پڑوسی کی بیری کی ایک شاخ ہمارے گھر میں لٹک

رہی ہے اس پر سے ایک بیر توڑ کر میں نے کھا لیا کیونکہ میں نے غلطی سے اس کو چوری نہیں سمجھا۔ جب جنین پر بھی ہماری حرکات و افعال کا اثر ہوتا ہے تو ہوشیار بچوں کی طبیعت پر کیوں اثر نہ ہوگا گو وہ بات نہ کر سکتے ہوں مگر اثر ہر بات کا لیتے ہیں۔

## تعلیم نسواں

اس واسطے اولاد کی اصلاح کے لئے عورتوں کی تعلیم کا اہتمام نہایت ضروری ہے خصوصاً لڑکیوں کی اصلاح کے لئے کیونکہ لڑکے تو بعد میں ماؤں کے قبضہ سے نکل کر استادوں اور مشائخ کی صحبت میں بھی پہنچ جاتے ہیں جس سے ان کی اصلاح ہو جاتی ہے لڑکیوں کو یہ بات بھی میسر نہیں ہوتی وہ ہر وقت گھر میں ہی رہتی ہیں اور اُن کے لئے یہی اسلم ہے شاید کوئی کہے کہ اس تقریر سے تو پردہ دری کی تائید ہوتی ہے کیونکہ پردہ ہی کی وجہ سے عورتیں علماء اور مشائخ کی زیارت و صحبت سے محجوب ہیں اور بہت سے منافع علمیہ و عملیہ سے محروم ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے جو نقائص رہ جاتے ہیں ان کی اصلاح آسان ہے اور پردہ دری میں جو مفاسد ہیں ان کی اصلاح بہت دشوار ہے پردہ میں رہ کر عورتیں دین سے بقدر ضرورت واقف ہو سکتی ہیں گو مردوں کی طرح درجہ کمال حاصل نہ کر سکیں۔ اس کی ضرورت بھی نہیں اور قدر ضرورت مشائخ و علماء کی صحبت پر موقوف نہیں کیونکہ محرم مردوں کے ذریعہ سے پردہ میں رہ کر وہ تعلیم دین حاصل کر سکتی ہیں' ہاں دنیا سے واقف نہیں ہو سکتیں سو دنیا سے واقف ہونا کیا ضرور ہے بلکہ ان کے لئے تو بے خبر ہونا ہی کمال ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ
لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط

اس میں غافلات سے مراد غَافِلَاتٌ عَنِ الذَّمَائِمِ، اور غفلت عن الذمائم مردوں کے لئے بھی مدح ہے مگر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی تعریف میں تو اس کو بیان فرمایا ہے مردوں کی مدح میں کہیں یہ لفظ نہیں آیا اس سے میں یہ سمجھا ہوں کہ عورتوں کے لئے بے خبری

ہی مناسب ہے کہ ان کو دنیا کی اور دنیا کی برائیوں کی خبر ہی نہ ہو ایک دوست نے بیان کیا کہ ہمارے گھر کی عورتوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ گیہوں کا درخت کتنا بڑا اور گائے بیل کی شکل کیسی ہوتی ہے۔ واقعی عورتوں کے لئے بہتر ہے اور اسی میں سلامتی ہے اور جب دنیا نے عورتوں کو دنیا کی ہوا لگ گئی پھر ان کے دین کی سلامتی اور خیر نہیں اسی لئے میں نے کانپور میں ایک بیان میں کہا تھا کہ آجکل بعض لوگ عورتوں کو جغرافیہ پڑھاتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے کیا نفع؟ ہاں اس کا یہ نفع ہو سکتا ہے کہ ان کو بھاگنے کا راستہ بتلاتا ہے کہ یہاں سے دہلی اتنی دور ہے اور اس کا راستہ یہ ہے اور دہلی میں اتنی سرائے اور اتنے ہوٹل ہیں جس طرف کو چاہو چلے جاؤ اور جہاں چاہو جا کر ٹھہر جاؤ۔ بتلاؤ عورتوں کو جغرافیہ پڑھنے سے بھاگنے میں آسانی ہوگی یا نہیں اس کے سوا اور کوئی نفع ہو تو میں سننا چاہتا ہوں۔

بیان کے بعد ایک صاحب آئے اور کہا صاحب! میں اپنی مستورات کو جغرافیہ پڑھاتا تھا مگر آج معلوم ہوا کہ واقعی حماقت ہے۔ میں نے کہا الحمد للہ آپ نے حق بات کو تسلیم کر لیا اب ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ جغرافیہ اور تاریخ سلاطین کے کام کی ہیں سب مردوں کو بھی ان علوم کا پڑھانا فضول ہے، یہ بات دفعتہً سمجھ میں نہ آئے گی بلکہ غور کرنے سے سمجھ میں آجائے گی۔ مجھ سے ایک جنٹلمین ملے جو کہ جنٹ تھے اور علوم عربیہ میں بھی بڑے قابل تھے جنہوں نے لاتجربی وغیرہ مسائل دقیقہ میں ان سے میری گفتگو ہوئی تو وہ میری گفتگو کو خوب اچھی طرح سمجھے اور میرے جوابات کی قدر کی تو وہ جنٹلمین کہتے تھے کہ میں گھر میں لڑکوں کو تو سب علوم پڑھاتا ہوں دینیات بھی اور فلسفہ بھی مگر لڑکیوں کو بجز دینیات کے کچھ نہیں پڑھاتا کیونکہ عورتوں کی اصلاح صرف علوم دینیات پر اکتفا کرنے ہی میں ہے علوم زائدہ پڑھانے میں انکی سلامتی نہیں تجربہ سے یہ زوائد ان کے لئے مضر ثابت ہوئے صاحبو! آجکل یورپ اور امریکہ سے زیادہ عورتوں کی تعلیم میں کوئی قوم آگے

نہیں مگر یورپ تو عورتوں کی تعلیم سے پریشان ہوگیا کیونکہ اب وہ مقابلہ کرتی ہیں اور مردوں کے برابر حقوق طلب کرتی ہیں اب انکا فتویٰ یہی یہ ہے کہ عورتوں کو دنیا کی تعلیم نہ دینا چاہیئے اور امریکہ کی عورتیں تعلیم میں بہت بڑھ گئیں تو اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ انمیں ایک جماعت اس خیال کی پیدا ہوئی جو لباس کو صحت کے لئے مُضر سمجھتی ہے اور دلیل یہ بیان کرتی ہے کہ حیوانات کی غذا اور لباس مصنوعی نہیں بلکہ صرف قُدرتی اشیاء ہیں تو ان کی صحت ہم سے اچھی ہے اور ہماری غذا اور لباس مصنوعی ہے ہماری صحت خراب ہے اس لئے یہ لوگ پھل وغیرہ کھاتے ہیں اور ننگے رہتے ہیں اور یہ جو خبریں میں بیان کر رہا ہوں یہ اخبار میں نظر پڑ گئیں، میں قصداً اس قسم کی خبریں نہیں دیکھتا مگر کبھی کبھی خود بخود ایسی خبریں آنکھوں میں گھُس جاتی ہیں جیسے ایک ڈوم کی آنکھوں میں چاند گھُسا تھا اس سے کسی نے کہدیا تھا کہ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا ہم چاند ہی نہ دیکھیں گے چنانچہ اُس نے آنکھوں کو پٹی باندھ لی اور گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہا وہاں ہی ہگنا وہاں ہی موتنا آخر بیوی نے تنگ ہو کر نکال دیا ایک دفعہ رات کو قضاء حاجت کر کے تالاب پر آبدست لینے گیا تو پانی کے اندر سے چاند نظر آیا وہ چاند کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ بھلے مانس ہم تو تجھ کو دیکھتے نہیں اور تو خود بخود آنکھوں میں گھُسا جاتا ہے یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

## نتائج تعلیم دُنیا

حضرت آجکل عورتوں کی تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ حد سے بہت آگے نکل گئیں بھلا کچھ حد ہے اس حماقت کی کہ کپڑوں کو مُضر سمجھا جاتا ہے بھلا کپڑوں کو مرض میں کیا دخل ہے بلکہ اصل راز بہائم کی صحت کا یہ ہے کہ حیوانات تو بھوک اور خواہش کے بعد کھاتے ہیں اور جب تک بھوک رہے اسی وقت تک کھاتے ہیں پیٹ بھرنے کے بعد نہیں کھاتے اور آدمی کھانے میں احتیاط نہیں کرتا بلکہ مشوروں سے کھاتا ہے کہ بھوک تو ہے نہیں لیکن دوست احباب کہہ رہے ہیں

شاید کہو کہ پہلے مسلمان ایسے ہوں گے جن سے دوسری قوموں نے تہذیب تمدن سیکھا ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ ؎

ہنوز آں ابرِ رحمت دُرفشان ست — خم خم خانہ با مہر ونشان ست

## ضرورتِ دینی تعلیم

صاحبو! آپ نے مہذب و متمدن مسلمان دیکھے نہیں ہیں بے تہذیبوں کو دیکھ کر آپ نے اسلامی تہذیب کو بدنام کیا ہے خدا کا شکر ہے دنیا میں ایسے لوگ بھی ابھی بہت موجود ہیں جو اسلامی تہذیب سے آراستہ ہیں مگر وہ مشہور کم ہیں اکثر گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں پھر اسلامی تعلیم تو دنیا بھر کے سامنے موجود ہے اس کو دیکھ کر ہر شخص کو اسلامی تعلیم اور تہذیب و تمدن کا اندازہ ہو سکتا ہے گو ایک مسلمان بھی مہذب نہ ہو بہر حال اسلام میں تمام اسباب راحت کی تعلیم موجود ہے بلکہ راحت کا جیسا سبب اسلام میں بتلایا گیا ہے کسی مذہب میں بھی نہیں بتلایا گیا وہ یہ کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو اس کا یہ اثر ہوگا کہ فقدان اسباب میں بھی ایک سبب راحت کا موجود رہے گا کیونکہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کو محبوب و حکیم سمجھے گا اور جب اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی تو پھر کسی حالت میں اس کو کوئی کلفت نہ ہوگی کیونکہ ؎

ہر چہ آں خسرو کند شیریں بود

محبوب کا ہر کام محبوب ہوتا ہے۔ دنیا میں کسی مردار کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے تو اس کی ساتھ یہی حالت ہو جاتی ہے کہ اسکی ہر ادا پیاری لگتی ہے کوئی بات ناگوار نہیں ہوتی پھر حق تعالیٰ کے ساتھ یہ معاملہ کیوں نہ ہوگا سعدی فرماتے ہیں ؎

ترا عشق ہمچو خودی ز آب و گل — رباید ہمہ صبر و آرام دل

بچو در چشم شاہد نیاید زرت — زر و خاک یکساں نماید برت

کہ حضور کچھ تو کھا لینا چاہیے فاقہ بہتر نہیں اب یہ دوسروں سے رائے لیتا ہے۔ اس طرح مشورہ اور کمیٹی کرکے کھانا کھاتا ہے۔ اس لئے صحت پر خراب اثر پڑتا ہے۔ باقی عریانی کو صحت میں کچھ دخل نہیں بلکہ عریانی مضر ہے (اور کچھ دنوں کے بعد اسکی مضرت کو یہ لوگ بھی خود تسلیم کرلیں گے جو آج اس کو مفید بتلا رہے ہیں کیونکہ انکی حالت یہی ہے کہ تجربہ کرکے ٹھوکریں کھا کے ان کو حقیقت کچھ معلوم ہوتی ہے چنانچہ (۲) ایک قوم نے یہ حماقت کی کہ ان کی عورتیں سر مونڈنے لگیں یہ بھی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے جس میں دنیا سے خبردار کیا جاتا ہے اس کا یہ اثر ہوا ان کے ڈاڑھی نکلنے لگی تب آنکھیں کھلیں اور اس فعل کو ترک کیا۔ الحمد للہ ہم سب مسلمان کیسی راحت میں ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں حضورؐ نے ہماری سب مصالح و مضار کی رعایت فرما کر ایسی جامع مانع تعلیم ہمکو فرمائی جس میں مضرت کا نام و نشان نہیں بلکہ راحت ہی راحت ہے۔ حضورؐ نے عورتوں کو سر منڈانے سے روک دیا ہے بس ہمکو اس کے بعد کسی تجربہ کی ضرورت ہی نہیں اسی طرح ہر معاملہ میں حضور نے ہمکو ایسی تعلیم فرمائی جس میں تمام مصالح کی رعایت ہے پس ہم کو حصولِ منافع و اجتناب مضار کی دولت پہلے ہی سے حاصل ہے ہمیں ٹھوکریں کھانے کی کچھ ضرورت نہیں بحمد اللہ کسی نے آج تک کسی تعلیمِ شرعی میں کوئی مضرت ثابت نہیں کی بلکہ سائنسدانوں کے کلام سے روز و شب اسلامی تعلیمات کے فوائد و منافع ہی ثابت ہوتے جاتے ہیں۔

صاحبو! تم کیوں دوسری قوموں کے دستِ نگر بنتے ہو کس لئے ان کی تقلید کے درپے ہو آخر تمہارے گھر میں کیا نہیں؟ واللہ تمام قوموں نے اسلام ہی سے تمدن و تہذیب سیکھا ہے اور ان کو اس کا اقرار ہے مگر تمہارا یہ حال ہے ؎

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر ۔۔۔ تو ہمی جوئی لب نان در بدر
تا بزانوئی میان قعر آب ۔۔۔ وز عطش وز جوع گشتستی خراب

محبوب کو جو چیز پسند نہ ہو خواہ کیسی ہی قیمتی اور نفیس ہو وہ عاشق کے نزدیک مٹی سے بدتر ہوتی ہے اور جو اُس کو پسند ہو وہ اس کے نزدیک جواہرات سے زیادہ قیمتی ہے پھر حق تعالیٰ کو جو چیز پسند ہو وہ عشاق حقیقی کو کیوں کر ناگوار ہو سکتی ہے۔

عجب داری از سالکان طریق ۔ کہ باشند در بحر معنی غریق
دلادم شراب الم درکشند ۔ وگر تلخ بینند دم درکشند

مولانا نے اس کو بہت صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود ۔ گوئے گشتن بہر اُو اولیٰ بود

یہ ہے وہ چیز جو شریعت نے بتلائی ہے۔

## طریق حصولِ راحت

بس ہمارا یہ کہنا صحیح ہے کہ شریعت نے دنیا و آخرت دونوں کی راحت کا طریقہ بتلایا ہے لیکن راحتِ دنیا کے طریقہ کی تعلیم کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت نے صنعت و حرفت کے طریقے بتلائے ہیں بلکہ صنعت و تجارت وغیرہ کا بھی جو منتہیٰ ہے شریعت نے اُس کی تعلیم دی ہے یعنی دنیا کا لب لباب راحت ہے کیونکہ تمام اسباب عیش سے راحت ہی مطلوب ہے سو راحت کا طریقہ شریعت سے بہتر کسی نے نہیں بتلایا ایک شخص کا بیان ہے کہ انہوں نے اخبار میں کسی ترقی یافتہ فلسفی کا مقولہ دیکھا ہے کہ گو ہم نے ترقی بہت کرلی ہے مگر پھر بھی ہم کو چین حاصل نہیں ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اندر ابھی کچھ کمی ہے اور تحصیلِ راحت کا طریق وہ نہیں جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔ اب بعض عقلاء نے تو یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمارے اندر مذہب نہیں یہ کمی ہے جس کی وجہ سے ہمکو راحت حاصل نہیں مجھے ان لوگوں کے قول سے استدلال مقصود نہیں مگر چونکہ آجکل ان لوگوں کی بہت تقلید کی جاتی ہے اس لئے میں نے انکے قول کو بیان کر دیا کہ جکو تم ترقی یافتہ سمجھتے ہو وہ بھی اس ترقی کو سببِ راحت

نہیں سمجھتے اور یہ مضمون حقیقی ہے کیونکہ راحت ہوتی ہے سکونِ قلب سے اور سکون ضدِ حرکت ہے اور یہ اہل ترقی ہر وقت حرکت میں رہتے ہیں کبھی چاند میں جانے کی فکر کرتے ہیں کبھی مریخ میں ان کی ترقی کا کوئی منتہی نہیں ؎

لَا یَنْتَهِیْ اَرَبٌ اِلَّا اِلٰی اَرَبٍ

تو ایسے شخص کو راحت کہاں، راحت اس کو ہے جس کا مقصود متعین ہو، وہ صرف اہل مذہب کو حاصل ہے اور اہل مذاہب میں سے بھی صرف اہل اسلام کو، کیونکہ دوسرے مذاہب میں بھی مقصود متعین نہیں گو ان کے نزدیک غایۃ المقصود معبود ہے مگر چونکہ وہ کامل موحد نہیں اس لئے ان کے معبود بالمقصود چند در چند ہیں اور تعدد مطلوب کی صورت میں تشتت قلب لازم ہے کہ کبھی ایک کی طرف قلب جھکے گا کبھی دوسرے کی طرف اور جس وقت ایک طرف مائل ہوگا اس وقت دوسرے کی ناراضی سے خائف ہوگا جیسے کسی طوائف کے چند آشنا ہوں تو وہ ہر شخص سے ملاقات کرتے ہوئے دوسرے آشنا کے مطلع ہو جانے یا آ جانے سے ڈرتی رہتی ہے۔ ہر دم اس کوشش میں رہتی ہے کہ ہر ایک یوں ہی سمجھے کہ اس کے سوا میں کسی سے نہیں ملتی اس حالت میں ظاہر ہے کہ اس کو کسی سے بھی لطف حاصل نہیں ہو سکتا بخلاف اس کے جس کا تعلق ایک ہی سے ہو وہ ہر دم اسی کی طرف متوجہ ہے اسی کا خوف اس کے دل میں ہے اور اسی کی محبت۔ کسی دوسرے سے اس کو کچھ واسطہ نہیں اس کے دل کو پورا سکون حاصل ہے اسی کو ایک دانا اس طرح بیان کرتا ہے ؎

| | |
|---|---|
| اَرَبًّا وَّاحِدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ | اَدِیْنُ اِذَا تُقُسِّمَتِ الْاُمُوْرُ |
| تَرَکْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا | کَذٰلِكَ یَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِیْرُ |

اور ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| دلا رامے کہ داری دل درو بند | دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند |

**اثرِ کلامُ اللہ** اور یہ بات سوائے اسلام کے کسی مذہب میں نہیں کیونکہ توحید اسلام کے سوا کسی مذہب میں نہیں گو دعویٰ کرنے والے بہت ہیں

غرض اہلِ سائنس نے بھی تسلیم کر کر سائنس وغیرہ کی ترقی سے ان کو راحت نہیں ملی اور وہ حیران ہیں کہ اسکی کیا وجہ ہے اور آخر وہ کون سی کمی ہے جس کی وجہ سے قلب ہنوز بے چین ہے، پھر بعض نے اس کمی کو متعین بھی کر دیا کہ ہمارے اندر مذہب کی کمی ہے اور بعض ابھی تک حیرت ہی میں ہیں چونکہ یہ لوگ متعصب نہیں اور تلاش وفکر میں لگے ہوئے ہیں کیا عجب ہے کہ ایک دن انکو حق واضح ہو جائے یہ تو ان کا مقولہ تھا جنہوں نے ابھی تک مذہب اسلام کو اختیار نہیں کیا اور جنہوں نے مذہب اسلام کو اختیار کر لیا ہے ان کا مقولہ یہ ہے کہ ہم کو اسلام لاکر وہ اطمینان اور چین حاصل ہوا جو کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں چنانچہ اخبار میں کچھ دن ہوئے دیکھا تھا کہ ایک امریکن ڈاکٹر بائسکوپ کی کمپنی کا منیجر تھا اس نے ایک دن مسلمانوں کی اذان و نماز کا تماشا کرنے کی نیت سے ایک مؤذن کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم اذان دو ہم تمہاری اذان کو گراموفون میں بند کریں گے مؤذن نے اذان دی اور اس منیجر کے دل پر چوٹ لگی اسکی حالت بدلنے لگی حالانکہ اس نے تماشا کی نیت سے اذان کو بند کیا تھا معتقد ہو کر اذان نہ سُنی تھی مگر متبرک کلام میں برکت اور اثر ہوتا ہے اگر قلب میں عناد نہ ہو تو اس کا اثر ضرور ہوتا ہے چنانچہ ہندوستان میں ایک بہت مشہور فلسفی صاحب قلم ہیں وہ لکھتے ہیں کہ میں پہلے ملحد تھا اسلامی تعلیم کا میرے قلب پر کچھ اثر نہ تھا اتفاقاً اسی زمانہ میں میں نے مثنوی مولانا رومؒ کا مطالعہ کیا حالانکہ اسوقت میں اسکو کچھ سمجھا بھی نہیں کیونکہ بدون شرح کے لفظی مطالعہ کیا تھا مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ میں مثنوی پڑھ کر مسلمان ہو گیا شرح کا مطالعہ بعد میں کیا۔ واقعی مثنوی متبرک کلام ہے اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ضرور ہو جاتا ہے اور جب مثنوی میں یہ اثر ہے تو کلام اللہ میں کیا اثر

ہو گا اس کو خود سمجھ لیا جائے۔ قرآن کا یہ اثر ہے کہ لاٹوس صاحب (گورنر) جب دیوبند کے مدرسہ میں آئے اور تمام درسگاہوں کا معائنہ کیا تو درجہ قرارت میں پہنچ کر محوحیرت ہو گئے اور دیر تک کھڑے رہے اور قرآن سنا کئے اسوقت بعض رؤسا نے ان کے لئے کرسی منگانا چاہی تو اشارہ سے منع کر دیا اور کہا کہ اسوقت بیٹھنا بے ادبی ہے۔ کیمپ میرٹھ میں بچپن میں جس مسجد کے اندر میں اکثر تراویح میں قرآن سنایا کرتا تھا وہ مسجد سڑک کے اوپر ہے کچی مسجد کہلاتی ہے جب میں قرآن تراویح میں پڑھتا تھا تو اکثر انگریز چلتے چلتے قرآن سننے کو کھڑے ہو جاتے تھے حالانکہ میں کچھ بہت اچھا نہیں پڑھتا نہ میری آواز اچھی ہے نہ مجھے قرأت آتی ہے مگر پھر بھی یہ اثر تھا تو جو لوگ ماہر قرارت ہیں اور اچھی آواز سے پڑھتے ہیں انکی قرارت کا کیا اثر ہو گا اور یہ قرآن ہی کا اثر ہے آواز کا اثر نہیں کیونکہ لہجہ اور آواز کا اثر ہوتا تو کوئی غزل سن کر تو بچو اس کا وہ اثر ہرگز نہ ہو گا جو قرآن سننے سے ہوتا ہے مکہ میں جب ہم اول اول داخل ہوئے اور وہاں مؤذن کی اذان و تکبیر سُنی تو اللہ اکبر سُنکر دل نکلا جاتا تھا جیسے کسی نے ذبح کر دیا ہو یہ بات غزلوں کے سُننے میں کہاں ؟ (اور قوالی میں جو اثر ہوتا ہے وہ محض غزل کا اثر نہیں بلکہ اس کی ستار ڈھولک بجنے سے اثر ہوتا ہے پھر اس کا اثر محض نفسیاتی قوت پر ہوتا ہے روح پر اثر نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ اور جن پر سماع میں روحانی اثر ہوتا ہے ان پر قرآن کا اس سے زیادہ اثر ہوتا ہے ۱۲ جامع) اور جب آجکل کے قاریوں کے پڑھنے کا یہ اثر ہے تو اب قیاس کر لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرارت کا کیا اثر ہوتا ہو گا۔

جرعہ خاک آمیز چو مجنوں کند ❊ صاف گر باشد ندانم چوں کند

غرض اذان سُنکر اس انگریز کی حالت بدل گئی اور وہ بعد میں اسلام لے آیا پھر اس نے اخباروں میں ایک مضمون شائع کیا جس میں لکھا تھا کہ میرے احباب مجھ سے پوچھتے

ہیں کہ اسلام سے کیا حاصل ہوا میں ان کو بتلاتا ہوں کہ اسلام سے میرے دل کو وہ چین حاصل ہوا جو کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں اب میں ہوں اور میرا خدا ہے دنیا کی ہر چیز میری نظر میں خار ہے اور یوں دل چاہتا ہے کہ ایک گوشہ میں الگ پڑا رہوں اور اپنے خدا سے لو لگائے رہوں اسی لئے میں زیادہ تر خلوت میں رہتا ہوں۔ صاحبو! مومن کے دل میں ایسی دولت ہوتی ہے جس کی سلاطین کو ہوا بھی نہیں لگی مگر افسوس ہم اس دولت سے بے خبر ہیں اگر اسکی خبر ہو جائے جیسا کہ اکثر نومسلموں کو خبر ہوتی ہے کیونکہ کفر کے بعد جو اسلام کا نور دل میں آتا ہے تو ان کو اس کا زیادہ احساس ہوتا ہے تو ہم بھی اس نومسلم انگریز کی طرح دنیا سے بے غرض ہو جائیں اور کسی چیز میں دل نہ لگے ؎

ستم ست اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درآ
تو ز غنچہ کم ندمیدہ در دل کشا بچمن درآ

اور ہمارے ماموں صاحب کا شعر ہے ؎

کر غور ذرا دل میں کچھ جلوہ گری ہو گی
یہ شیشہ نہیں خالی دیکھ اس میں پری ہو گی

آگے مرشد کو خطاب ہے ؎

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہو گا
جب تو نے یہ مے ظالم شیشہ میں بھری ہو گی

تو شریعت نے دنیا کی راحت کے اسباب کی تعلیم اس طرح کی ہے کہ ہمکو ایسی چیز کی تعلیم دی ہے جو راحت کا اصلی سبب ہے اور وہ حاصل ہو جائے تو افلاس وغنی صحت ومرض ہر حال میں انسان کو راحت ہی حاصل ہو گی۔

**مقصد وعظ** یہ گفتگو اسپر چلی تھی کہ میں نے دعویٰ کیا تھا کہ شریعت نے ہم کو ایسی تعلیم دی ہے جس میں تمام مصالح و مضار کی رعایت ہے اس لئے ہمیں تجربہ کرکے ٹھوکریں کھا کے مصالح و مضار معلوم کرنے کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ صرف اسکی ضرورت ہے کہ شریعت کی تعلیم حاصل کرلیں پھر ہمیں تہذیب تمدن میں کسی قوم کی تقلید کی ضرورت نہ رہے۔ پس لازم ہے کہ عورتوں کو بھی شریعت کی تعلیم دیجائے تاکہ انکی بھی اصلاح ہو جائے اور بچوں کی بھی۔ چونکہ اسوقت ایک مسماۃ نے اپنی لڑکی کو تعلیم دین کے لئے تجویز کیا ہے (اللہ تعالیٰ ان کے ارادہ کو پورا فرمائیں آمین ۱۲) تو خیال ہوا کہ اسوقت ضرورت تعلیم ہی کو بیان کیا جائے جس کے لئے گو حدیث اَلْعِلْمُ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ زیادہ صریح تھی مگر اس میں مسلمۃ کی زیادت ثابت نہیں بلکہ ناواقفوں نے اپنی طرف سے لفظ مسلمۃ حدیث میں اضافہ کر دیا ہے گو معنیً صحیح ہے مگر لفظاً صحیح نہیں تو میں نے اس مسئلہ کو عموم آیت سے مستنبط کرنا چاہا کیونکہ آیات و احادیث کا عموم و خصوص دونوں حجت ہیں۔ اب مضمون مقصود شروع کرتا ہوں اوّل آیت کا ترجمہ سُن لیجئے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰىھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

پس خوشخبری دے دیجئے ان لوگوں کو جو (اللہ تعالیٰ کا) یہ کلام سُنتے ہیں پھر اسکی اچھی اچھی باتوں کا اتباع کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی لوگ اہل عقل ہیں۔ ربط اس کا ماسبق سے یہ ہے کہ اس سے پہلے اشرار کے خسران و عذاب کا ذکر تھا۔

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ وَاَھْلِیْھِمْ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الی قوله ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۔

اس کے بعد متقین کے لئے بشارت ہے اور تقویٰ کا طریق بتلایا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا
وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۔

کہ جو لوگ شیطان سے بچتے ہیں یعنی اسکی عبادت سے بچتے ہیں اس ترجمہ ہی سے معلوم ہو گیا کہ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا "الطاغوت" سے بدل ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے جو ہر شیطان کو شامل ہے خواہ شیطان الانس ہو یا شیطان الجن جنکا منتہی ابلیس ہے۔ کیونکہ شیطنت و طغیان میں وہ سب سے بڑھا ہوا ہے پس جو شخص کسی شیطان الانس کی اطاعت کرتا ہے وہ بھی ابلیس ہی کی عبادت کر رہا ہے اور شیطان کی عبادت ہر شرک میں ہے کیونکہ جس قدر شرکیات ہیں سب کا وہی امر کرتا ہے یہاں پر شاید کوئی یہ شبہ کرے کہ مشرکین تو عبادتِ شیطان کے مُقر نہیں بلکہ وہ بھی اپنے زعم میں خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شیطان کی اطاعت اس طرح کرتے ہیں جو عبادت کی حد میں پہنچ گئی ہے۔

## اقسام اطاعت

کیونکہ اطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک اطاعتِ مطلقہ ایک اطاعتِ مقیدہ اطاعت مقیدہ تو یہ ہے جیسے مسلمان امام اور مجتہد کی اطاعت کرتے ہیں جو اس شرط سے مقید ہے کہ امر الٰہی کے موافق ہو، اور اطاعتِ مطلقہ یہ ہے کہ ایسی اطاعت کی جائے جس میں موافقت امر الٰہی کی بھی شرط نہ ہو۔ مشرکین اپنے پیشواؤں کی ایسی ہی اطاعت کرتے تھے اور ایسی اطاعت مطلقہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے دوسرے کا حق نہیں جب انہوں نے غیر حق کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق تھا تو وہ مشرک اور شیاطین کے عابد ہوئے اگو زبان سے اس کا اقرار نہ کریں اسی لئے حق تعالیٰ نے اہل کتاب کو اس امر کی تعلیم دی ہے

وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط

کہ ایک دوسرے کو رب نہ بنائے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی رضی بن حاتم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے تو اپنے علماء کو معبود نہیں بنایا تھا حضور ﷺ نے فرمایا:

اَلَیْسَ کَانُوْا یُحِلُّوْنَ لَکُمْ وَیُحَرِّمُوْنَ فَتَاْخُذُوْنَ بِقَوْلِھِمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ ھُوَ ذَالِکَ یعنی کیا یہ بات نہ تھی کہ تمہارے علماء جس بات کو حلال کر دیتے تم اس کو حلال مان لیتے اور جس کو وہ حرام کر دیتے اس کو حرام مان لیتے تھے کہا ہاں یہ تو ہوا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ بس اسی سے تم نے اپنے علماء کو اللہ کے سوا رب بنا لیا تھا مطلب حضور ﷺ کا یہی ہے کہ تم نے انکی اطاعتِ مطلقہ کی تھی اور اطاعتِ مطلقہ عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ بحمد اللہ اہلِ اسلام کسی کی اطاعت مطلقہ نہیں کرتے۔ غیر مقلدوں کا اہلِ تقلید پر یہ الزام ہے کہ ان مقلدوں نے بھی اپنے ائمہ و مجتہدین کو ارباب بنا لیا ہے کہ یہ بھی انکی اطاعتِ مطلقہ کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے ؎

بگذر از ظن خطا اے بدگماں
ان بعض الظن اثم را بخواں

کہ یہ محض بدگمانی ہے مقلدین اطاعتِ مطلقہ کسی مجتہد کی نہیں کرتے بلکہ ان کے اقوال کا اتباع اس قید کے ساتھ کرتے ہیں کہ اللہ و رسول کے حکم کے موافق ہوں اسی وجہ سے وہ ایسے شخص کا اتباع کرتے ہیں جس کی نسبت ان کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ یہ اللہ و رسول کا پورا متبع ہے اور خلافِ حکم شرعی کوئی بات نہیں کہتا۔

## علم اور اتباع

اس کے بعد ارشاد ہے۔ وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰہِ یہ تقابل بدیع ہے یعنی وہ لوگ شیطان کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اسی کو مقصود و معبود سمجھتے ہیں اس کے بعد مبتدا کی خبر ہے لَھُمُ الْبُشْرٰی کہ جن کی یہ شان ہے وہ بشارت سنانے کے مستحق ہیں جیسا مفہوم ہے لام کا۔ اس کے بعد ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ

القول ۔ کہ اچھا پھر ان کو بشارت سُنا ہی دیجئے ۔ سبحن اللہ قرآن بھی کس قدر بلیغ ہے کہ اول تو ان کا مستحق بشارت ہونا بیان فرمایا پھر بشارت سنانے کا حکم دیا کہ ان کو بشارت سنا ہی دیجئے ۔

اس طرزِ تشویق کا جس درجہ مخاطب پر اثر ہوتا ہے اہل ذوق پر مخفی نہیں۔ اب یہ سمجھئے کہ یہاں عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ وہ شیطان سے بچتے ہیں اور اُس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں کیونکہ عربیت کا قاعدہ ہے کہ :

إِذَا أُعِيْدَتِ الْمَعْرِفَةُ مَعْرِفَةً كَانَتِ الثَّانِيَةُ عَيْنَ الْأُوْلٰى ۔

(وہذہ قاعدہ کلیۃ ان لم یعارضہا معارض) کہ جب معرفہ کو دوبارہ معرفہ ہی بنا کر اعادہ کیا جائے تو ثانی سے مراد وہی ہوگا جو اُولیٰ سے مراد ہے۔ مگر اعادۂ معرفہ کی بھی ظاہر صورت یہ تھی کہ یہاں ضمیر لائی جاتی یا اسم اشارہ یعنی ، فَبَشِّرْهُمْ یا فَبَشِّرْ هٰؤُلَاءِ ۔ فرمایا جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے ضمیر کو چھوڑ وضع الظاہر موضع المضمر اختیار کیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس عنوان سے تحصیل کمالات کا طریقہ بتلایا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ تحصیل کمالات میں ترتیب ہے ۔ حاصل اس ترتیب کا یہ ہے کہ تم کو اول اِسْتِمَاعُ الْقَوْلِ لازم ہے جس کا حاصل طلب علم ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہو جائے گا اس کے بعد اس کا اتباع لازم ہے اس کا حاصل عمل ہے خلاصہ یہ ہوا کہ تحصیل کمال کا طریقہ علم وعمل ہے ۔

## رُونمائے قرآن حکیم

اب سمجھئے کہ یہاں يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ ۔ قول سے مراد کلام اللہ ہے دو وجہ سے ایک کہ اس میں لام عہد کا ہے اور یہاں معہود کلام اللہ ہی ہے ۔ دوسرے قاعدہ عربیت کا ہے ۔

الْمُطْلَقُ اِذَا اُطْلِقَ يُرَادُ بِهِ الْفَرْدُ الْكَامِلُ ۔

کہ مطلق سے مراد فردِ کامل ہوتا ہے پس یہاں بھی مطلق قول سے مراد قول

کامل ہونا چاہئیے اور قول کامل قرآن ہی ہے کیونکہ قرآن سے کامل تر کون سا قول ہوگا اسی لئے فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ
یہی کتاب کامل ہے اس میں کچھ شک نہیں (وہذا علی احدی التقادیر فی ترکیب الآیۃ)
اور یہ ایسا ہے جیسا ہمارے محاورہ میں بولا کرتے ہیں کہ بات تو یہ ہے یعنی یہی اور کامل بات یہ ہے اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس کے سوا اور کوئی بات، بات ہی نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کی برابر دوسری بات کامل نہیں ایسے ہی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ کو سمجھئے کہ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کی برابر کوئی کتاب نہیں کیونکہ قرآن معجز ہے لفظاً بھی معنیً بھی مضموناً بھی حفظاً بھی کسی نے خوب کہا ہے ؎

محذرات سراپردہائے قرآنی
چہ دلبرند کہ دل می برند پنہانی

ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

چیست قرآں اے کلام حق شناس!
رونمائے رب ناس آمد بناس

یہ قرآن رونمائے حق ہے یعنی اس کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کی صفاتِ کمال کا مشاہدہ ہوتا ہے قرآن کے رونما ہونے پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا جو میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ شاہ ایران کی زبان سے بیساختہ ایک مصرع موزوں ہوگیا ؎

درِ ابلق کسے کم دیدہ موجود

اس پر بادشاہ نے دوسرا مصرع لگانا چاہا مگر نہ بن سکا تو اس نے دوسرے شعراء کو حکم دیا کہ اسپر مصرع لگاؤ، سب حیرت میں رہ گئے کیونکہ کوئی مضمون ہو تو اسکو پورا کیا جائے یہ کچھ مضمون ہی نہ تھا کہ چت کبرا موتی کسی نے کم دیکھا ہوگا۔ اسپر شاعرانہ مصرع نہیں لگ سکتا تھا، ہاں تک بندی ہو سکتی تھی جیسے کسی نے ایک مصرع کہا تھا ؎

کہا تھا

دندان تو جملہ در دہانند

تو دُوسرے شاعر نے اس پر یہ مصرع لگایا

چشمان تو زیر ابروانند

تو یہ شعر نہیں ہوا بلکہ ایک بندی ہوئی اور جیسے ہمارے یہاں ایک شاعر تھے وہ جنگل سے آئے اور ہمارے ماموں صاحب سے کہا کہ منشی جی میں نے ایک مصرع کہا ہے دوسرا تم لگا دو' وہ یہ ہے سُنو دوستو ہے عجب ماجرا

اس پر تو ماموں صاحب نے برجستہ جواب دیا

———— کہ کھایا تھا منڈوا ہگا باجرا

وہ جھلا گئے کہ تم تو مذاق کرتے ہو ماموں صاحب نے کہا کہ عجب ماجرا تو یہی ہے کہ کھائے کچھ ہگے کچھ اور اگر وہی ہگے جو کھایا تھا یہ تو عجب ماجرا نہیں ہے۔ اور ایک قصہ اکبر کے زمانہ کا سنا ہے کہ اکبر کے یہاں مشاعرہ ہوا کرتا تھا ایک بھائی بھی خبر سنکر مشاعرہ میں آیا راستہ میں فیضی شاعر ملا اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو کہا بادشاہ کے دربار میں جا رہا ہوں میں نے سنا ہے کہ وہاں مشاعرہ ہے میں نے بھی ایک مصرعہ کہا ہے مگر دوسرا نہیں بنتا وہ یہ ہے

املی کا پتہ ہرا بہنج (سبز)، فیضی نے کہا ابجد حطی ہنج (ہوز)

اب وہ خوش خوش دربار میں پہنچا اور اپنی باری میں آپ نے پڑھا

املی کا پتہ بہنج ابجد حطی ہنج ، اکبر سمجھ گیا کہ دُوسرا مصرع کسی لکھے پڑھے نے لگایا ہے تو کہا چودھری تمہارا پہلا مصرع تو بہت اچھا ہے مگر دُوسرا مصرع واہیات ہے تو آپ سر دربار فیضی کی طرف اشارہ کرکے بولے کہ یہ اسکی ماں نے ایسی تیسی کرائی تھی یعنی یہ اس کا لگایا ہوا ہے، اکبر مارے ہنسی کے لوٹ گیا اور فیضی سے کہا لو اور مصرع لگاؤ۔

غرض شعراء ایران نے کہا کہ یہ مصرع بے تکا ہے اسپر بے تکا مصرع لگ سکتا ہے عمدہ مصرع نہیں لگ سکتا شاہ ایران کو یہ جواب ناگوار ہوا کہ ہمارے مصرع کی ان لوگوں نے بے قدری کی تو اس نے ہندوستان کے بادشاہ کو خط لکھا کہ شعراء ہندوستان سے اس مصرع پر دوسرا مصرع لگانے کی فرمائش کی جائے۔

ایران کے شعراء اس سے عاجز ہوگئے ہیں، عالمگیر نے شعراء کو اسکی اطلاع کی یہاں بھی سب کے سب حیران رہ گئے کہ اس بے تکے مضمون کو کون پورا کرے عالمگیر کی بہن زیب النساء بھی شاعرہ تھی اس کو جو اس مصرع کی خبر پہنچی تو وہ بھی سوچ میں پڑ گئی کہ اس کو کس طرح پورا کیا جائے۔ اتفاقاً ایک دن صبح کو شاہزادی سرمہ لگا رہی تھی وہ کسی قدر تیز لگا اور آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا جس میں سرمہ کی کچھ سیاہی تھی اور کچھ سپیدی اور آنسو کو موتی سے تشبیہ دیا ہی کرتے ہیں تو فوراً اس کا ذہن شاہ ایران کے مصرع کی طرف گیا اور اسپر دوسرا مصرع لگا کر اس طرح شعر پورا کر دیا۔

دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود
مگر اشکِ بتانِ سُرمہ آلود

شاہزادی نے فوراً عالمگیر کو اطلاع کی عالمگیر بہت خوش ہوئے کہ جس مصرع کی تکمیل سے شعراء ایران عاجز ہوگئے تھے خوشی کی بات ہے کہ شعراء ہندوستان نے اس کو پورا کر دیا اور ایسا پورا کیا کہ پہلا مصرع بھی جو بے معنی تھا با معنی ہوگیا۔ عالمگیر نے ایران کے بادشاہ کو خط کے ذریعہ سے اطلاع دی شاہ ایران خوشی کے مارے اُچھل پڑا کیونکہ اسے تو اپنے مصرع کے ناتمام رہ جانے سے رنج تھا خصوصاً جب کہ شعراء نے اس کو بے معنی قرار دے کر ٹھکرا دیا تھا۔ اب اس نے تمام شعراء ایران کو جمع کیا اور کہا تم نے ہمارے مصرع کو بے معنی کہہ کر واپس کر دیا تھا لو ہندوستان کے ایک شاعر نے اس کو پورا کر دیا پھر اس نے پورا شعر سُنایا۔

ڈرا اُبلق کے کم دیدہ موجود
مگر اشکِ بتانِ سرمہ آلود

شعراء سب کے سب محو حیرت ہو گئے کہ واقعی شاعر نے کمال کیا اب بادشاہ نے درخواست کی کہ ہم اس شاعر کی زیارت کرنا چاہتے ہیں شاہ ایران نے عالمگیر کے پاس تحریر کا خط لکھا اور کہا کہ شاعر کو ایران بھیج دیا جائے یہاں سب اس کی زیارت کے مشتاق ہیں عالمگیر وہ خط اور انعام لے کر بہن کے پاس گئے کہ لو یہ بادشاہ کا خط ہے وہ تم کو بلاتے ہیں اور شعر کہو اب بتلاؤ میں بادشاہ کو کیا جواب دوں۔ شاہزادی نے کہا کہ آپ میری طرف سے ان کو جواب میں یہ شعر لکھ بھیجئے

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

عالمگیر نے یہی شعر لکھ دیا جس سے شاہ ایران کو معلوم ہو گیا کہ شاعر پردہ نشین عورت ہے اس لئے آنے سے معذور ہے صاحبو! جب ایک انسان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

تو حق تعالیٰ کا کلام اگر رونمائے حق ہو تو کیا تعجب ہے۔ بس دنیا میں اگر کوئی حق تعالیٰ کو دیکھنا چاہے تو وہ قرآن میں تجلی دیکھ لے۔ کلام اللہ میں حق تعالیٰ متجلی ہیں اور اگر کسی کو اس سے تسلی نہ ہو تو وہ اس مراقبہ سے تسلی حاصل کر لے کہ حق تعالیٰ تو قرآن پڑھتے ہوئے مجھے دیکھ رہے ہیں کیونکہ حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ بندہ کو خاص نظر سے دیکھتے ہیں۔

## نگاہِ عشق

اور عشاق جانتے ہیں کہ محبوب کا محب کو دیکھنا زیادہ لذیذ ہے چنانچہ اگر کسی عاشق کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر میں محبوب کی طرف دیکھوں گا تو وہ میری طرف سے نگاہ ہٹا لے گا اور اگر میں ادھر نہ دیکھوں تو وہ میری طرف

نظر کرتا رہے گا تو عاشق اس صورت میں سینہ پر پتھر رکھ کر محبوب کی طرف نہ دیکھے گا بلکہ یوں چاہے گا کہ وہی مجھے دیکھتا رہے۔ حدیث میں حضرت کعب بن مالک صحابی رضی اللہ عنہ کا قصہ آتا ہے کہ جس زمانہ میں حضورؐ نے ان پر عتاب فرمایا اور سب مسلمانوں کو ان کے ساتھ بات چیت کرنے سے منع کر دیا تھا تو یہ اسوقت سخت پریشان تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں حاضر ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا تو آپ جواب نہ دیتے مگر میں آپ کے لبوں کی حرکت کرتے ہوئے دیکھتا تھا نیز فرماتے ہیں کہ اسوقت حضورؐ کی یہ عادت تھی کہ جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپ میری طرف سے منہ پھیر لیتے اور جب میں آپ کی طرف نہ دیکھتا تو آپ مجھ کو دیکھتے تھے حضرت کعبؓ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے اور اصل میں تو وہ آپ کی نبوت کے عاشق تھے پھر بعد میں آپکی ہر چیز سے عشق ہوگیا کیونکہ قاعدہ ہے کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوجاتی ہے ایسی حالت میں ان کا ایسا قول تو منقول نہیں کہ پھر میں ہی آپ کی طرف نہ دیکھتا تھا تاکہ آپ مجھے دیکھتے رہیں لیکن شان عشق سے غالب یہی ہے حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اسوقت اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر اس حالت میں میں مرگیا تو حضور میرے جنازے کی نماز نہ پڑھیں گے (اور یہ ایک مسلمان عاشق کے لئے سخت حسرت کی بات ہے ہر مسلمان کی تمنا یہ ہے کہ ہماری موت حضورؐ کے قدموں میں ہو اور آپ ہماری نماز پڑھیں) اور اگر خدانخواستہ حضورؐ کا وصال اس عرصہ میں ہوگیا تو میں ساری عمر اسی طرح مردود رہوں گا کہ مجھ سے کوئی مسلمان بات نہ کرے گا اور منہ بھی نہ لگائے گا اللہ تعالیٰ نے حضرت کعبؓ اور ان کے ساتھیوں کی یہ حالت جن لفظوں میں بیان فرمائی ہے ان سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ان صاحبوں پر اس وقت کیا گزر رہی تھی۔ فرماتے ہیں:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰىٓ اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ؁

اس آیت میں ان حضرات کی توبہ قبول ہونے کی بشارت بھی دی گئی ہے اور اس کے ساتھ انکی دردناک حالت کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں صاحبوں کی توبہ بھی قبول کرلی جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا یہاں تک کہ جب ان کے اوپر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہوگئی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آگئے تو حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور دوبارہ ان کے حال پر توجّہ کی تاکہ وہ آئندہ بھی ایسے مواقع میں توبہ کرتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان ہیں۔ حضرت کعبؓ کی اس بات پر کہ مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ اس حالت میں اگر میں مرگیا تو حضورؐ میری نماز نہ پڑھیں گے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب کی ایک تقریر یاد آئی مولانا نے حدیث سوال قبر کے اس جملہ کی شرح میں کہ میت سے پوچھا جائے گا ھٰذَا الرَّجُلُ یہ کون صاحب ہیں اور بعض اہل کشف کے اس قول کی حکمت میں کہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت ہر شخص کے سامنے پیش کی جائے گی اور دکھلا کر سوال کیا جائے گا کہ یہ کون صاحب ہیں مسلمان تو صورت دیکھتے ہی تعلق قلبی کی وجہ سے پہچان لے گا اور بے ساختہ کہے گا۔

ھٰذَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا جَآءَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی

کہ ہمارے نبی سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ہمارے پاس معجزات و ہدایات لے کر تشریف لائے تھے یہ فرمایا کہ درصل ہماری محبت کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ ہم سب حضورؐ کے سامنے مرتے اور حضورؐ ہمارے جنازے کی نماز پڑھتے مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے یہ صورت مقدر نہ ہوئی تو اب کم از کم محبت کا یہ اثر تو ہونا چاہیے کہ حضورؐ ہماری قبر ہی میں تشریف لائیں گے پھر مولانا نے یہ شعر پڑھا ؎

کشتے کہ عشق دارد نگذار دت بدیں ساں
بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

اور صاحبو! ہم ہی حضورؐ کے قدموں میں جان نثار کرنے کے متمنی نہیں بلکہ حیوانات بھی اس کے متمنّی تھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجتہ الوداع میں جب سَو اونٹوں کی قربانی کی ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ہمارے حضورؐ مفلس غریب تھے بلکہ آپ امیر اور بادشاہ تھے ورنہ مُفلس بھی کہیں سَو اونٹوں کی قربانی کیا کرتا ہے اور آپ کے جو واقعات فقر کے منقول ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ کو خدا نے دیا نہیں تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضورؐ جمع نہیں کرتے تھے آپ کی سخاوت کی عادت تھی کہ اِدھر آیا اُدھر خرچ کیا آپ کا فقر اختیاری تھا خُلاصہ یہ کہ آپ تارک الدنیا تھے متروک الدنیا نہ تھے تو ان سَو اونٹوں میں سے تریسٹھ ۶۳ کو حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے نحر فرمایا اور بقیہ کو حضرت علیؓ نے آپ کی طرف سے نحر کیا حدیث میں اس موقعہ پر ان اُونٹوں کی حالت ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔ کُلُّهُنَّ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ کہ جب حضورؐ برچھالے کر انکی طرف بڑھتے ہیں تو ہر ایک حُضور کی طرف کو کھسکتا تھا کہ پہلے مجھے ذبح کیجئے بس حضورؐ اس شعر کے حقیقی مصداق ہیں جو مذکور کی غزل کا ایک جُزو ہے ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سر خود نہادہ بر کف
باُمید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

**حقیقت کلام اللہ**

یہ مضمون اس پر چلا تھا کہ میں نے کہا تھا کہ جو دنیا میں خُدا تعالیٰ کو دیکھنا چاہے وہ قرآن میں خُدا کو دیکھے اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو وہ اس سے تسلی کرلے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہے ہیں حدیث میں ہے قرآن پڑھنے والے کو حق تعالیٰ خاص محبّت کی نظر سے دیکھتے ہیں

اور اسکی تلاوت کی طرف پوری توجہ فرماتے ہیں بلاشبہ یوں کہئے کہ اللہ تعالیٰ اسوقت اس کو میٹھی میٹھی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ زیادہ لذیذ ہے اور صاحبو! اگر ذرا تامل سے کام لیا جائے تو تم دنیا میں بھی حق تعالیٰ کو دیکھتے ہو کیونکہ دیکھنے کی چند قسمیں ہیں خاص ملابس کو دیکھنا بھی دیکھنا ہی ہے، دیکھو آفتاب کے دیکھنے کی ایک صورت یہ ہے کہ قرص شمس کو دیکھے ایک صورت یہ ہے کہ دوپہر کے وقت تیزی کی وجہ سے قرص کو تو نہ دیکھے بلکہ شعاعوں کو دیکھے اور ایک صورت یہ ہے کہ دیوار پر دھوپ کو دیکھ لے یہ بھی آفتاب ہی کو دیکھنا ہے (جب بادشاہ کا دربار ہوتا ہے تو بعض لوگ بادشاہ کو دیکھ کر کہتے ہیں ایک کہتا ہے کہ بادشاہ کی صورت ایسی ہے شکل ایسی ہے اور ایک کہتا ہے کہ میں نے چہرہ تو نہیں دیکھا کیونکہ میں دور تھا اور بادشاہ کا رُخ دوسری طرف تھا۔ ہاں میں نے ۔ دشاہ کا لباس اور ساز و سامان خوب دیکھا ہے۔ تو دیکھئے دور سے بادشاہ کا لباس دیکھنے والا بھی اپنے کو دیکھنے والا ہی سمجھتا ہے ۱۲) دوسرے جس چیز کو عام طور سے ابصار سمجھا جاتا ہے اس میں مرئی کی حقیقت تو مبصر نہیں ہوتی صرف لون مبصر ہوتا ہے چنانچہ جس شے کا لون نہیں ہے وہ مبصر نہیں ہوسکتی جیسے ہوا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا، ہاں اس کے آثار کو دیکھ کر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میں نے ایسی تیز آندھی دیکھی کہ ایسی سخت ہوا کبھی نہیں دیکھی۔ جب آثار کو دیکھ کر ہوا کو عرفاً مبصر کہا جاتا ہے تو اب بتلاؤ حق تعالیٰ سے زیادہ کس کے آثار ہیں یقیناً کسی کے آثار، قدرتِ حق کے آثار سے زیادہ نہیں پھر یہ کہنا کیوں غلط ہے کہ دنیا میں بھی حق تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں گو مجازاً ہی اور صوفیہ تو یہاں تک کہتے ہیں

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتُ اللّٰهَ فِيْهِ ۔ اور دوسرے کہتے ہیں إِلَّا رَأَيْتُ اللّٰهَ مَعَهُ ۔ اور تیسرے کہتے ہیں إِلَّا رَأَيْتُ اللّٰهَ قَبْلَهُ اور یہ سب اقوال صحیح ہیں شاید آپ کو زیادہ اشکال اس میں ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ

کو ہر چیز سے پہلے دیکھتا ہوں مگر اس کی ایسی مثال ہے کہ جب تم کسی چیز کو دیکھتے ہو تو نورِ آفتاب کو اس سے پہلے دیکھتے ہو کیونکہ بدون معونتِ نور کے ابصار نہیں ہو سکتا لیکن اسپر کسی کو بھی التفات نہیں ہوتا کہ ہم نورِ شمس کو اول دیکھ رہے ہیں، صوفیہ کو اول التفات ہر چیز پر نظر کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے کہ انہوں نے ہم کو وجود دیا اور ہماری نگاہ میں قوت دی اور اس مبصر کو وجود ولون عطا کیا تو ہم نے اسکو دیکھا اب کچھ بھی اشکال نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا وجود اور اس کا خالق و مکوّن ہونا تمہارے ابصار سے یقیناً مقدم ہے تو اس کی طرف التفات بھی اگر پہلے ہو تو کیا بعید ہے جب ابصار کی حقیقت معلوم ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ملابس کو دیکھنا بھی رویت ہے تو اب سمجھئے کہ کلام اللہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ایسا ہے جیسا آفتاب کی شعاعوں میں آفتاب کو دیکھنا پس دنیا میں بھی حق تعالیٰ کو اس معنی کر ہم دیکھ سکتے ہیں پس اس سے زیادہ اس مسئلہ کی تقریر میں نہیں کر سکتا (اور کی بھی جائے تو سمجھنے والا کہاں ہے ۱۲) اور کوئی دوسرا تو شاید اتنا بھی نہ بیان کر سکتا اسی مضمون کو اس عنوان سے بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کلام اللہ نہ عین ذات ہے نہ غیر ذات پس لاعین لاغیر ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ قرآن کو حق تعالیٰ سے ایسا تعلق ہے جیسا شعاع شمس کو شمس سے، اور جب قرآن ایسی چیز ہے تو القول مطلق کا مصداق وہی ہو سکتا ہے یہ تو عقلی دلیل تھی القول سے قرآن کے مراد ہونے کی اور اس آیت کے چند آیات بعد ہی نقلی دلیل بھی مذکور ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ــــــــــــــــ

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ـــ الآیۃ

اسمیں قرآن کو اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ کہا گیا ہے اور یہاں اَحْسَنَهٗ فرمایا جس کا مرجع قول ہے تو حاصل اَحْسَنُ الْقَوْلِ ہوا اور اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ و اَحْسَنُ

اَلْقَوْلِ ۔ کے ایک ہی معنیٰ ہیں ۔ اور اس سے (یعنی قرآن کو احسن الحدیث کہنے سے ) یہ معلوم ہو گیا کہ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ میں احسن کی اضافت تفاضل کے لئے نہیں بلکہ بیانیہ ہے اسی لئے میں نے اپنی تفسیر میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ اتباع کرتے ہیں اس کی اچھی اچھی باتوں کا ہمارے محاورہ میں یہ عنوان اس بات کو بتلاتا ہے کہ اس میں سب ہی اچھی باتیں ہیں، قرآن بلا تشبیہ مصری کی ڈلی ہے اگر کوئی مصری کے بارہ میں یہ سوال کرے کہ کدھر سے کھاؤں تو اس سے یوں ہی کہا جائے گا کہ میاں مصری کی ڈلی ہے جدھر سے چاہو کھاؤ جدھر چاہو منہ مارو۔ مگر کوزہ کی مصری میں تو بانس کے ٹکڑے اور تنکے وغیرہ بھی ہوتے ہیں یہ ایسی مصری ہے جس میں کوئی تنکا اور لکڑی مطلق نہیں ۔

## حقیقت مطلق تقلید

یہ میں نے اس واسطے کہا تاکہ اس شعر کا غلط ہونا سب کو معلوم ہو جائے ؂

من ز قرآں مغز را برداشتم
استخواں پیش سگاں ، انداختم

یہ شعر جاہلوں نے مولانا کی طرف منسوب کیا ہے اور بھی بہت سے شعر مولانا کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں مگر مثنوی میں ان میں سے ایک بھی نہیں ، چنانچہ یہ اشعار بھی مولانا کی طرف منسوب ہیں ؂

ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام
ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

اور یہ شعر بھی ؂

دین حق را چار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

اور یہ شعر ؂

چوں صحابہ حبِ دنیا داشتند
مصطفٰے را بے کفن بگذاشتند

ان کی تو نسبت ہی غلط ہے اور بعض کی نسبت تو صحیح ہے مگر مطلب غلط سمجھا گیا اور اس کو غلط موقع پر استعمال کیا گیا ہے جیسے بعض غیر مقلدین تقلید ائمہ کی مذمت میں مولانا کے اس شعر کو پیش کیا کرتے ہیں ؎

خلق را تقلید شان برباد داد
کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد

اس میں مولانا نے مطلق تقلید کی مذمت نہیں فرمائی ہے بلکہ خاص تقلید کی مذمت فرمائی ہے ———————— جیسا کہ بریں تقلید میں اشارہ اس خصوصیت پر دلالت کر رہا ہے۔ اور اس کا مشار الیہ وہ تقلید ہے جس کا اس مقام پر ذکر ہے کہ ایک صوفی ایک خانقاہ میں مہمان ہوا خانقاہ والے ایسے ہی بنے ہوئے حرام خور تھے ان کے یہاں کئی روز سے فاقہ تھا یہ صوفی جو گدھے پر سوار ہو کر وہاں پہنچا تو خانقاہ والوں نے اس کا گدھا رات کو بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے عمدہ عمدہ کھانے پکوائے گئے پھر سماع کی مستی سوجھی اور قوال سے کہا کہ سماع کے اندر کسی موقع پر بھی گانا خر برفت و خر برفت و خر برفت قوال نے جو کسی موقع پر یہ مصرع گایا تو سارے خانقاہ والے وجد میں آگئے اور سب نے یہی مصرع کہنا شروع کیا وہ صوفی گدھے والا بھی دیکھا دیکھی یہی کہنے لگا، خر برفت و خر برفت خر برفت۔ رات کو تو سماع سے فارغ ہو کر سو رہے صبح کو اُٹھے اور صوفی صاحب نے سفر کا ارادہ کیا تو گدھا ندارد خادم سے پوچھا اُس نے کہا کہ وہ رات سے غائب ہے۔ کہا تم نے اسی وقت ہم کو کیوں اطلاع نہ کی کہا حضور میں تو اطلاع کرنے آیا تھا میں نے یہاں آکر سب کو دیکھا کہ خر برفت کا وظیفہ پڑھ رہے ہیں اور ان کے ساتھ آپ بھی خر برفت کر رہے ہیں، میں سمجھا کہ شاید آپ کو کشف ہو گیا

ہے کہا میں تو انکی دیکھا دیکھی کر رہا تھا مجھے کیا خبر تھی مولانا اس تقلید کو کو راز فرماتے ہیں کہ

دو صد لعنت بریں تقلید باد

اس سے مطلق تقلید کی مذمت پر استدلال کرنا حماقت ہے خیر یہ شعر تو مثنوی میں تھا مگر مطلب غلط بتایا گیا اور یہ شعر تو مثنوی میں ہے ہی نہیں ؎

من ز قرآں مغز را برداشتم
استخواں بہر سگاں بگذاشتم

(یہ شعر کفر ہے ۱۲) قرآن میں استخواں و پوست کچھ نہیں سب مغز ہی مغز ہے بلا تشبیہ۔

## فضائل قرآن حکیم

قرآن کی ایسی مثال ہے جیسے جنت کی غذا کہ اس میں ثفل بالکل نہیں سب غذا ہی غذا ہے اسی لئے وہاں بول و براز کی حاجت نہ ہو گی کیونکہ دنیا میں جو بول و براز کی حاجت ہوتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی غذا میں جزو لطیف کیساتھ جو کہ خون بنتا ہے جزو کثیف بھی ملا ہوا ہے اور جنت میں ایسا نہیں۔ جب جنت کی غذا کا یہ حال ہے کہ اس میں جزو کثیف نہیں تو کلام اللہ جو حق تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق رکھتا ہے اس میں استخواں و پوست ثابت کرنا کتنی بڑی جرأت ہے۔ قرآن کا ہر ہر جزو احسن ہے اور معنی حسن کو احسن سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ قرآن چونکہ سب کلاموں سے افضل ہے اس لئے اس کے حسن کو احسن کہنا چاہیئے۔ یہاں تک یہ بات ثابت ہو گئی کہ طریقہ تحصیل کمال کا یہ ہے کہ اول علم قرآن حاصل کیا جائے پھر اس پر عمل کیا جائے۔

ایک مقدمہ تو یہ ہوا اب دوسرا مقدمہ یہ سمجھو کہ علم قرآن کو استماع سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ مراد صرف الفاظ کا سننا ہے معانی کا جاننا مطلوب نہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ آگے فَيَتَّبِعُونَ اَحْسَنَهٗ بھی تو ہے اور اتباع الفاظ

مجردہ کا نہیں ہو سکتا بلکہ اتباع بعد علم معانی کے احکام کا ہوگا اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ مراد تو علم معانی ہے مگر اسکو استماع سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ معانی کا سمجھنا اسپر موقوف ہے کہ اول الفاظ کو غور سے سُنا جائے، جو شخص تحصیل علم کے وقت معلّم کی تقریر کو توجہ سے نہیں سنتا وہ مراد بھی نہیں سمجھ سکتا، اور جب یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ سے مراد علم معانی ہے تو اب یہ سمجھو کہ معانی قرآن کے بہت درجات ہیں بعض معانی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سمجھ سکتے ہیں غیر رسول نہیں سمجھ سکتا ان معانی کو حضورؐ نے بعض احادیث میں بیان فرمایا ہے، اور بعض معانی کو حضورؐ کے بعد صرف مجتہدین ہی سمجھ سکتے ہیں جن معانی کو مجتہدین نے سمجھا ہے وہ فقہ کے بعض میں مدون ہیں اور بعض معانی کو تمام اہل علم سمجھ لیتے ہیں اور بعض کو ترجمہ کے بعد عوام بھی سمجھ سکتے ہیں اسی کو ایک عارف نے کہا ہے ؎

حرف حرفش راست در بر معنیٰ
معنئے در معنئے در معنئے

اور ایک عارف کہتے ہیں ؎

بہارِ عالم حسنش دل وجاں تازہ می دارد
برنگ اصحابِ صورت رابوار بابِ معنی را

## حقیقت حدیث وفقہ

اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ حدیث وفقہ بھی قرآن ہی ہے بعض احکام تو بلا واسطہ اور بعض بواسطہ کلیات مدلولۂ قرآن کے جن سے حجیۃ حدیث وفقہ کی ثابت ہے پس سب قرآن ہوا مگر دوسرے لباس میں بس یوں کہنا چاہیئے کہ ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ
وَكُلٌّ اِلٰی ذَالِكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ

اور ؎ بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدرت را می شناسم

اور لباس کے بدلنے سے گو تشخص بدل جاتا ہے مگر تشخص کے بدلنے سے ذات نہیں بدلتی جیسا کہ بعض حمقاء کا قول ہے اور اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں محض دعوئی ہی دعوئی ہے اس پر مجھ کو ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ہمارے یہاں ایک مہمان آئے تھے تو میں نے صبح کے وقت ایک ملازم کو بلا کر کہا کہ دیکھو یہ مہمان ہیں دوپہر کو کھانا گھر سے لاکر انکو کھلا دینا اور ان کو اچھی طرح پہچان لو (اسوقت وہ مہمان چادر اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے ۱۲) دوپہر کو وہ ملازم صاحب گھر سے کھانا لائے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ وہ مہمان کہاں ہیں مجھے ملتے نہیں حالانکہ وہ اسوقت بھی میرے پاس ہی بیٹھے تھے میں نے کہا اور یہ میرے پاس کون بیٹھے ہیں، تو آپ کہتے ہیں کہ یہ چادر تو اوڑھے ہوئے ہیں ہی نہیں۔ میں نے کہا اچھا آپ کے نزدیک تشخص کے بدلنے سے ذات بھی بدل جاتی ہے بس چادر اتارنے سے یہ دوسرے آدمی ہو گئے پھر میں نے ان مہمان سے کہا کہ آج سے یہ بات یاد کر لیجئے کہ آپ جہاں کہیں مہمان جائیں تو جس لباس میں وہاں اول اول اُتریں اسی لباس میں آخر تک رہیں ورنہ بھُوکے مرد گے کیونکہ دنیا میں ایسے عقلاء بھی ہیں جو لباس کے تبدل سے ذات کو متبدل سمجھتے ہیں یہ تو ایک لطیفہ تھا جو حمقاء کے قول پر یاد آ گیا ورنہ اہل عرف کے نزدیک تبدلِ تشخص سے عین نہیں بدلتا پس حدیث و فقہ بھی قرآن ہی ہے گو لباس دوسرا ہے اور فقہ میں جو مسائل منصوصہ قرآنیہ ہیں وہ تو قرآن ہیں ہی مسائل قیاسیہ مستنبط من القرآن بھی قرآن ہی ہیں کیونکہ فقہاء فرماتے ہیں۔ اَلْقِیَاسُ مُظْہِرٌ لَا مُثْبِتٌ کہ قیاس سے کوئی نئی بات ثابت نہیں ہوتی بلکہ قرآن و حدیث کی مراد ظاہر ہوتی ہے اور کلیات کے واسطہ سے سب

ہی قرآن میں جیسا اوپر مذکور ہوا اور اس مسئلہ کو امام ابوحنیفہؒ نے سب سے زیادہ سمجھا ہے غالباً طلبہ سمجھ گئے ہوں گے (کانہ اشارۃ الی تجویزہ القراءۃ بالعجمیۃ للعاجز عن العربیۃ ۱۲) پس یستمعون القول میں علم قرآن وعلم حدیث وعلم فقہ سب داخل ہے۔

## مغربی تقلید

اور یہ آیت عورتوں کو اسطرح شامل ہے کہ عبادی میں تغلیباً عورتیں بھی داخل ہیں کیونکہ یہ بات اجماعاً مسلم ہے کہ احکام کے مخاطب جس طرح مرد ہیں اسی طرح عورتیں بھی ہیں باقی عورتوں کا صراحۃً ذکر نہ کرنا اس میں حکمت یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے تابع ہیں پس جو احکام مردوں کے لئے ہیں ان کے توابع بھی ان کے مخاطب ہیں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ اس طرز میں یہ بات بتلا دی گئی کہ عورتوں کے لئے پردہ ضروری ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے انکے ذکر اور خطاب کو مستور رکھا چنانچہ قرآن میں عورتوں کا ذکر بالاستقلال بہت کم ہے پس حیرت ہے کہ آجکل کے لیڈر خدا سے نڈر یعنی بے خوف ہو کر عورتوں کی پردہ دری چاہتے ہیں مگر مجھے ان کے غوغا سے کچھ اندیشہ نہیں انشاء اللہ ہماری مستورات پر اس تحریک کا کچھ اثر نہ ہوگا کیونکہ خدا نے عورتوں میں حیاء کا مادہ مردوں سے زیادہ رکھا ہے اور حیا خود پردہ دری سے مانع ہے اگر دلائل شرعیہ سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو غیرت وحیا خود پردہ کو مقتضی ہے چنانچہ اسی حیاء کی بنا پر ہماری مستورات درزی سے کپڑا نہیں سلواتیں وہ غیر مردوں سے اپنے لباس کا بھی پردہ کرتی ہیں۔ اور جو لوگ پردہ کے مخالف ہیں وہ فقہاء کے اقوال کی خواہ مخواہ آڑ لیتے ہیں فقہاء کے اقوال کو وہ ہم سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے اور حقیقت یہ ہے کہ انکو فقہاء کے اقوال پر عمل کرنا مقصود نہیں ورنہ فقہاء کے دوسرے احکام پر بھی تو عمل کرتے بلکہ ان کو محض یورپ کی تقلید مقصود ہے دیکھئے

یورپ کی تقلید کیا رنگ لاتی ہے، ایک جنٹلمین کی حکایت میں نے سُنی ہے کہ وہ لندن سے تعلیم پاکر آئے تو ان کے ابا جان اسٹیشن پر استقبال کے لئے گئے۔ صاحبزادے صاحب جو ریل سے اُترے تو ابا جان سے ہاتھ ملا کر کہتے ہیں ڈِل بڈھا تم اچھا ہے۔ اسوقت ابا جان کو معلوم ہوا کہ میں نے اس نالائق کو لندن بھیج کر آدمی سے جانور بنا دیا ہے، صاحبو! حیرت ہے کہ ہندو جو تمہارے ہمسایہ ہیں انگریزی میں جس قدر ترقی کرتے جاتے ہیں اسی قدر اپنے مذہب میں پختہ ہوتے جاتے ہیں چنانچہ میں نے ایک ہندو کلکٹر کی حکایت سُنی ہے کہ وہ روزانہ صبح کو پگڑی باندھ کر اور ماتھے پر تلک لگا کر عدالت میں آتا تھا اور اسی ہیئت سے اجلاس کرتا تھا اگر کوئی مسلمان کلکٹر ہوتا تو ہیٹ پتلون بوٹ سوٹ پہن کر اجلاس کرتا اور اپنے نام کو بھی انگریزی کے قاعدہ سے تعلیل کر کے بدل ڈالتا، چنانچہ ایک مسلمان کا نام حسن علی تھا جب وہ کسی بڑے عہدہ پر پہنچے تو اپنا نام ہیلے کر دیا تھا جو حسن علی کی انگریزی ہے، اللہ کے بندو! اگر تم کلکٹر بن کر نماز پڑھو روزہ رکھو ڈاڑھی بڑھاؤ اور ہندوستانی لباس پہنو تو کیا تمہارا عہدہ گھٹ جائے گا ہرگز نہیں۔

## لباس و لیاقت

بلکہ تجربہ یہ ہے کہ ایسے شخص کی عزت حکام کی نگاہ میں کوٹ پتلون والوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ خواجہ عزیز الحسن صاحب کو ایک جرمنی حاکم نے ہندوستانی وضع میں دیکھ کر ایک جنٹلمین مسلمان سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے کہا یہ ڈپٹی کلکٹر ہیں تو جرمنی نے کہا کہ یہ شخص بہت شریف معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے عہدہ پر پہنچ کر بھی اپنی وضع پر قائم ہے وہ جنٹلمین مسلمان کہتے تھے کہ اسکی اس بات سے میرے اُوپر گھڑوں پانی پڑ گیا کہ جب اس کے نزدیک خواجہ صاحب شریف ہیں تو میں رذیل ہوں گا کیونکہ یہ سر سے پیر تک انگریزی وضع میں جکڑے ہوئے تھے اگر مسلمان عہدہ دار شیروانی اور ترکی ٹوپی ہی پہن لے تو خیر اس کا مضائقہ نہیں گو ہم کو تو یہ بھی پسند نہیں کہ اُوپر شیروانی اور

نیچے گرگابی سر سے پیر تک شیر اور گرگ ہی بن جائیں (آدمی سے درندے ہو جائیں) مگر ہیٹ پتلون سے پھر یہ وضع غنیمت ہے (کیونکہ اس میں تشبہ بالکفار تو نہیں ہے!) مگر اب بعض عورتیں بھی میموں کی تقلید کی حرص کرنے لگی ہیں چنانچہ سر میں ایک کنگھا لگاتی ہیں جس سے بال بکھرتے نہیں اور بال بھی انگریزی رکھتی ہیں مگر اب سنا ہے کہ میمیں چٹیا کاٹنے لگی ہیں، بس تم بھی چٹیا کاٹنے لگو تو وہ لعنت کا کلمہ صادق آجائے گا جو عورتیں کوسنے کے وقت کہا کرتی ہیں کہ تیری ناک چٹیا کاٹو گی ہم نے خود تو نہیں دیکھا کیونکہ ہم عورتوں کو تک سکتے نہیں ہیں چنانچہ فتح پور میں جب بڑے گھر کا علاج ہو رہا تھا تو زنانہ شفاخانہ میں ایک امریکن مس انکا علاج کر رہی تھی وہ کبھی راستہ میں گاڑی پر ملتی مجھے سلام کرتی تھی مگر میں نے کبھی جواب نہیں دیا کیونکہ مجھے اس کے سلام کی خبر ہی نہیں ہوتی تھی پھر اس نے خود ہی ایک روز عیسائیوں میں کہا کہ فلاں شخص بہت عفیف معلوم ہوتے ہیں کسی عورت کی طرف نظر بھی نہیں اٹھاتے۔ سو بحمد اللہ شریعت پر عمل کی جس قدر توفیق ہے اس کی برکت سے میں تو کسی عورت پر قصداً نظر اٹھاتا نہیں مگر دیکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ میمیں چٹیا کاٹنے کے بعد بہت ہی بری معلوم ہوتی ہیں جیسے مرد ہو لیلا تو جو عورتیں آجکل میموں کی تقلید میں انگریزی بال رکھتی ہیں کچھ تعجب نہیں کہ چند روز میں وہ چٹیا بھی کاٹنے لگیں۔ کیونکہ آجکل تقلید یورپ کی یہ حالت ہے کہ ریل میں ایک جنٹلمین نے سردی کے زمانہ میں ایک انگریز کو لیمینڈ اور برف پیتے دیکھا تو آپ نے بھی لیمنڈ برف پیا مگر وہ انگریز تو برف پی کر بھی کھلے سر بیٹھا رہا اور حضرت کانپنے لگے ان کو جاڑا چڑھ آیا لحاف اور کمبل میں دبکے تب ہوش درست ہوئے تو آجکل بے سوچے سمجھے یورپ کی تقلید کی جاتی ہے۔ مگر افسوس خدا اور رسولؐ کے احکام کی تقلید بے سوچے سمجھے نہیں کی جاتی وہاں تقلید سے عار آتی ہے بلکہ ہر

شخص مجتہد بننے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ جہاں یورپ نے کوئی فیشن ایجاد کیا اور یار دوستوں نے شریعت سے اُسکی دلیل نکالنے کی کوشش کی گویا اہلِ یورپ کا فعل تو غلط ہو نہیں سکتا بس شریعت کے حق ہونے کا معیار انکے نزدیک ہے کہ وہ یورپ کی ہر بات کو صحیح کہتی رہے اور اس کی دلیل بھی بتلاتی رہے اگر ایسا نہ ہوا تو شریعت غلط ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ چنانچہ پردہ دری کا سبق ان جنٹلمینوں نے اوّل یورپ سے سیکھا پھر اس کوشش میں لگے کہ شریعت سے اسکی دلیل نکالی جائے اب لگے فقہاء کے اقوال کی غلط تاویلیں کرنے اور آیات میں تحریف کرنے اگر ان لوگوں نے یہ سبق اولاً شریعت سے سیکھا تھا تو اب تک کہاں سو رہے تھے اور ان کے باپ دادا کیا سارے جاہل ہی تھے کہ وہ تو شریعت سے اس مسئلہ کو نہ سمجھے اور یہ لوگ لندن جا کر سمجھ گئے کچھ نہیں ان لوگوں نے شریعت کو کھیل بنا رکھا ہے کچھ تعجب نہیں کہ کچھ دنوں میں عورتوں کی چٹیا کاٹنے کا مسئلہ بھی شریعت میں ٹھونسنے لگیں۔ افسوس یہ ہے کہ تقلید یورپ کا لوگوں کو ایسا ہیضہ ہوا ہے کہ اسبابِ راحت بھی انکی تقلید میں ترک کر دیتے ہیں اور اسباب زینت بھی چنانچہ مردوں کے لئے ڈاڑھی اور عورتوں کے لئے زلفیں اسباب زینت میں سے ہیں مگر محض تقلید کی بنا پر لوگ اس زینت کے دشمن ہو رہے ہیں اور اسباب راحت کے ترک کرنے کی یہ صُورت ہے کہ جنٹلمین سردی کے سفر میں رضائی بسترہ ساتھ لینے سے عار کرتے ہیں اور گرمی کے موسم میں پانی کا برتن ساتھ نہیں لیتے ہمیشہ بیک بینی و دو گوش سفر کرتے ہیں چنانچہ مولانا جمیعت علی صاحب رحمہ اللہ (قاضی پوری والد ماجد مولانا عبداللطیف صاحب مدظلہٗ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۲) جو بہاولپور ریاست میں دینیات کے پروفیسر تھے ایک دفعہ بہاولپور سے آ رہے تھے چونکہ ادھر گرمی بہت ہے اور پانی کی بھی قلت ہے اس لئے مولانا نے اپنے ساتھ

صراحی وغیرہ پانی کے برتن لے رکھے تھے ریل میں ایک جنٹلمین سوار تھے وہ صراحی وغیرہ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ بھنگیوں جیسے برتن آپ نے کیوں ساتھ لئے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جیسے ہم ہیں ویسے ہی ہمارے برتن ہیں پھر جب گرمی زیادہ ہوئی اور جنٹلمین صاحب کو پیاس لگی اور پانی تو اسٹیشن پر بھی نہ ملا چونکہ پیاس بہت لگ رہی تھی اس لئے وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بار بار مولانا کی صراحی کو تک رہے تھے مولانا جمعیت علی صاحب کو معلوم ہو گیا کہ یہ صراحی سے پانی پینا چاہتے ہیں مگر شرم کی وجہ سے میرے سامنے نہیں پی سکتے کیونکہ ابھی صراحی کو بھنگیوں کا برتن کہہ چکے تھے تو مولانا نے غایت کرم کی وجہ سے لیٹ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ سو گئے ہیں چنانچہ کچھ دیر کے بعد جب وہ یہ سمجھ گئے کہ مولانا واقعی سو گئے تو جنٹلمین اپنی جگہ سے آہستہ آہستہ اُٹھے اور صراحی اُٹھا کر منہ سے لگائی مولانا جمعیت علی صاحب کہتے تھے کہ جی میں تو یہ آیا تھا کہ صراحی کو ہاتھ لگاتے ہی اُنکا ہاتھ پکڑ لیتا مگر میں نے رحم کیا کہ غریب پیاسا ہے پانی پی لے تو کہوں گا چنانچہ جب وہ خوب پانی پی چکے اور صراحی ہاتھ سے رکھ دی تو میں فوراً بیٹھ گیا اور میں نے کہا کیوں صاحب! یہ کیا حرکت تھی کہ آپ نے بھنگیوں کے برتن سے پانی پیا (اور وہ بھی چوری سے!) اب تو ان پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور ندامت کے مارے اُوپر کو سر نہ اُٹھا سکے غرض مولانا نے انکی خوب ہی خبر لی پھر ان کو یہ معلوم ہوا کہ مولانا کالج بہاولپور کے پروفیسر دینیات ہیں تو عہدہ معلوم کر کے ان پر بڑا اثر ہوا اور معافی چاہنے لگے آجکل یہ بھی جنٹلمینوں کی ایک حماقت ہے کہ لباس کو معیار لیاقت سمجھتے ہیں جن کا لباس معمولی ہو اُنکو لیاقت سے خالی سمجھتے ہیں چنانچہ جب میں شملہ گیا اور جمعہ کے بعد بیان کے لئے کھڑا ہوا تو ایک صاحب نے کرنل عبدالمجید خاں صاحب سے جو ہمارے وعظ کے مشتہر تھے کہا کہ آپ کے علماء کا لباس ایسا ہے جیسے ابھی پاخانہ سے آ رہے ہوں۔

کرنل عبدالمجید خان صاحب نے کہا اس سوال کا جواب میں ابھی نہیں دینا چاہتا کیوں کہ وعظ شروع ہونے کو ہے۔ وعظ کے بعد جواب دوں گا پھر وعظ کے بعد انہوں نے کہا کہ صاحب فرمائیے آپ کیا کہتے تھے تو وہ نادم ہو کر کہنے لگے کہ ہماری حماقت تھی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ لیاقت کا معیار لباس ہے مگر آج اپنی حماقت معلوم ہوئی۔ مجھے جب اس گفتگو کی اطلاع ہوئی تو دوسرے بیان میں میں نے ان کی خوب خبر لی۔ یہ گفتگو تقلید یورپ پر چلی تھی اور میں نے کہا تھا کہ بعض عورتوں میں بھی یہ رنگ آنے لگا ہے مگر یہ وہ ہیں جو باہر شہروں میں جا کر رہنے لگی ہیں ورنہ قصبات کی اکثر عورتیں ابھی تک اس سے محفوظ ہیں اور عورتیں جو میم بننے کی کوشش کرتی ہیں یہ ان کی حماقت ہے وہ کہاں تک میم بنیں گی میمیں تو بندوق چلاتی ہیں۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگی بھاگی پھرتی ہیں، اور تم چاہے کتنی ہی تقلید کرو دہیا اُوئی کہنے والی رہو گی۔

## ضرورت تعلیم نسواں

میں عورتوں کی تعلیم کا مخالف نہیں ہوں مگر یہ کہتا ہوں کہ تم ان کو مذہبی تعلیم دو اور زیادہ ہمت ہو تو عربی علوم کی تعلیم دو اور اس کے لئے زیادہ ہمت کی قید اس لئے ہے کہ عربی کے لئے زیادتِ فہم اور زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ دُوسرا نکتہ عبادی کے ساتھ اِملائی نہ کہنے میں یہ ہے کہ گویا عورتوں کو تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں وہ تو بدوں کہے بھی خود دین کی طرف توجہ کریں گی۔ کہنے کی ضرورت صرف مردوں کو ہے، چنانچہ مَردوں کو تو مذہب میں شبہات بھی پیش آتے ہیں اور عورتوں کو شبہات بھی پیش نہیں آتے، عمل میں اور فہم میں تو عورتیں کم ہیں مگر اعتقاد میں بڑی پختہ ہیں دین میں بڑی پکی ہیں اور عمل و فہم میں جو عورتیں کم ہیں اس میں بڑا قصور مَردوں کا ہے کہ انہوں نے ان کے مادہ کو کمزور کر رکھا ہے کیونکہ وہ انکی تعلیم کا انتظام نہیں

کرتے اگر وہ عورتوں کو مذہبی تعلیم دیں تو انکا عمل و فہم بھی زیادہ ہو جائے اور اس کا سب سے بہتر اور آسان طریقہ تو یہ ہے کہ مرد خود تعلیم حاصل کریں پھر عورتوں کو پڑھائیں اور اگر تم خود پڑھے ہوئے نہ ہو تو علماء سے مسائل پوچھ پوچھ کر والوں کو زبانی ہی تعلیم دو دیکھو اللہ تعالیٰ نے دین کو کتنا سستا اور آسان کر دیا ہے کہ محض سننے سنانے سے بھی دین حاصل ہو سکتا ہے یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حصولِ علم دین کے لئے توجہ سے سُننا اور دُوسرے کا زبانی تقریر کرنا کافی ہے تو تم اتنا ہی کر دو کہ اردو میں جو رسائل احکام شرعیہ کے لکھے گئے ہیں ایک وقت مقرر کر کے اپنی مستورات کو وہ رسائل پابندی سے سُنا دیا کرو مگر اب تو یہ حالت ہے کہ گھر جاکر سب سے پہلے یہ سوال کرتے ہیں کہ کھانا پکا یا نہیں اگر کھانا تیار ہو اور ذرا نمک تیز ہو گیا تو اب گھر والوں پر نزلہ اُتر رہا ہے ڈپٹی نذیر احمد خان نے خوب کہا ہے کہ ہماری بیبیاں کیا ہیں مقرب مامائیں ہیں، غرض آجکل مردوں کو نہ عورتوں کے دین کی فکر ہے نہ دُنیا کی فکر ہے بس اپنی راحت کی فکر ہے۔ رات دن عورتوں سے اپنی خدمت لیتے رہتے ہیں کبھی چولہے کی اور کبھی کپڑا سینے کی اور یہ حالت ہمارے ہی صُوبہ میں ہے ورنہ عرب اور بھوپال میں مردوں کی یہ مجال نہیں کہ عورتوں سے اس طرح خدمت لے سکیں وہاں تو روز خلع و طلاق کا بازار گرم رہتا ہے اور عورتیں ہر دن قاضی کی عدالت پر کھڑی رہتی ہیں پھر چاہے خطا عورت ہی کی ہو مگر فیصلہ اکثر مرد کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر حکام عورتوں ہی کو مظلوم سمجھتے ہیں وہاں کی حالت دیکھ کر ہمارے یہاں کی عورتوں کی قدر ہوتی ہے کہ واقعی یہ تو جنت کی حوریں ہیں۔ مگر صُورت میں نہیں، بلکہ ایک خاص صفت میں بلاشبہ اس صوبہ کی عورتیں حوروں کے مُشابہ ہیں وہ یہ کہ ان میں حوروں کی طرح قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ کا وصف ہے کہ یہ اپنے خاوند کے سوا غیر مرد کی طرف آنکھ بھی نہیں اُٹھاتیں بلکہ بعض کے

دل میں تو عمر بھر وسوسہ بھی نہیں آیا، مولانا عبدالحق صاحب کانپوری جو بہت حسین جمیل تھے اور جوانی میں تو انکا حسن و جمال بہت ہی مشہور تھا وہ اپنی جوانی کا قصہ بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ ہم بہلی میں سفر کر رہے تھے اور ہمارا بہلوان بہت ہی سیاہ فام تھا راستہ میں اس کا گھر آیا تو اس نے قریب پہنچ کر بیوی کو آواز دی وہ جو باہر آئی تو ہم کو حیرت ہوگئی کیونکہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ مولانا فرماتے تھے کہ میں نے غور کیا کہ دیکھوں یہ میری طرف بھی نظر کرتی ہے مگر توبہ اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا کہ گاڑی میں کون سوار ہے وہ برابر ہنس ہنس کر اپنے خاوند سے ہی باتیں کرتی رہی اور اس کے کھانے پینے کا سامان دیکر رخصت ہوگئی جس صوبہ کی جاھل اور کم درجہ کی یہ حالت ہے اس میں شریف زادیوں کی کیا حالت ہوگی خود سمجھ لیجئے۔ تو کیا ان عورتوں کی یہی قدر ہے کہ مردوں نے انکو جاہل بنا رکھا ہے نہ ان کے دین کی فکر ہے نہ دنیا کی نہ آرام کی نہ راحت کی، بس مردوں کے نزدیک نکاح کا میزان کل یہ ہے کہ بی بی کے ذریعہ سے بابا ہو جائیں گے، یاد رکھو! یہ بڑا ظلم ہے جو ہم نے عورتوں پر کر رکھا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ خود بھی کامل بنیں اور اپنی عورتوں کو بھی کامل بنائیں جس کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اول علم دین حاصل کرو پھر عمل کا اہتمام کرو اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ سے مراد قرآن ہے اور قرآن میں سب دین داخل ہے اور سارے دین کا علم اور عمل دفعتہً ہم کو حاصل نہیں ہو سکتا تو ہم نے علم و عمل کا اہتمام شروع بھی کیا جب بھی نہ معلوم کب اور کس وقت اس آیت کے مصداق بنیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں عزم اتباع بھی بحکم اتباع ہے تم جس وقت سے عزم کر لو گے اسی وقت سے اس آیت کے مصداق ہو جاؤ گے۔ غرض علم و عمل کا اہتمام نہایت ضروری ہے جس کے لئے اس آیت کے علاوہ اور بھی بہت دلائل موجود ہیں۔

## طریق تعلیم نسواں

اور اس کا طریقہ وہی ہے جو میں نے اُوپر بیان کیا ہے کہ اوّل مرد علم حاصل کریں پھر عورتوں کو پڑھائیں یہ نہ ہو سکے تو اُردو رسائل گھر والوں کو سنائیں مگر ان رسائل کی تعیین کسی محقق عالم سے کرائیں اور یہ بھی نہ ہو سکے تو علماء سے زبانی مسائل پُوچھ کر عورتوں کو بتلایا کریں اس کے سوا جو دُوسرے طریقے آجکل نکالے گئے ہیں مثلاً زنانہ اسکولوں کے ذریعہ سے یا زنانہ مدارس کے ذریعہ سے تعلیم دینا یہ تو سم قاتل ہے میرا ایک وعظ حقوق البیت ہے اس کے آخیر میں اسپر مفصل کلام کیا گیا ہے جو قابل مطالعہ ہے میں مدارسِ نسواں کو بھی پسند نہیں کرتا خواہ کسی عالم ہی کے تحت میں ہوں میں تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو ورنہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو بعد میں پچتاؤ گے بس اسکولوں اور مدرسوں کو چھوڑو عورتوں کو گھر میں ہی رکھ کر تعلیم دو اگر عربی میں تعلیم دو تو سُبحان اللہ ورنہ اُردو ہی میں دینا چاہئیے بالکل ٹھوس رکھنا بہت واہیات ہے رہا لکھنا تو یہ نہ واجب ہے نہ حرام ہے اس کو لڑکیوں کی حالت دیکھ کر تجویز کیا جائے جس لڑکی میں جھینپ اور حیا و شرم ہو اسکو لکھنا سکھلاؤ اور جس میں بیباکی اور آزادی ہو اسکو ہرگز نہ سکھلاؤ اور سکھلانے کے بعد بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے مثلاً ایک احتیاط یہ کی جائے کہ لڑکیوں کو منع کیا جائے کہ کسی عورت کے خاوند کے نام اس عورت کی طرف سے بھی خط نہ لکھیں خواہ وہ کتنی ہی خوشامد کرے کیونکہ وہ مرد یہ تو جانتا ہے کہ میری بیوی جاہل ہے کسی دُوسرے سے خط لکھوایا ہے اور بعض لوگ طرز تحریر سے معلوم کر لیتے ہیں کہ لکھنے والی عورت ہے اور طرز تحریر ہی سے اسکی طبیعت کا اندازہ کر لیتے ہیں پھر انکو بعض دفعہ لکھنے والی کی طرف میلان ہو جاتا ہے جب سفر سے آتے ہیں تو خط لکھنے والی کے واسطے بھی ہدایا تحائف لاتے ہیں اور اس طرح میل جول اور اس کے ذرائع پیدا کر کے فتنہ کھڑا

کر دیتے ہیں۔

نیز لڑکیوں کو یہ بھی تاکید کریں کہ جو خط لکھیں لسے اپنے گھر کے مردوں کو دِکھلا دیا کریں تاکہ ان کے دل میں کسی طرح کا شبہ اور وہم نہ پیدا ہو۔ ایک یہ بات بھی ضروری ہے کہ لفافہ پر پتہ عورتیں اپنے قلم سے نہ لکھیں بلکہ مردوں سے لکھوایا کریں کیونکہ بعض دفعہ ٹکٹ میلا ہونے کی وجہ سے کوئی مقدمہ سرکاری قائم ہو جاتا ہے تو عورتوں پر دار و گیر نہ ہو بلکہ مردوں سے گرفت ہو اور مردوں کا عدالت میں جانا کچھ مضائقہ نہیں ایک جگہ ایسا قصہ ہو چکا ہے اس لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے یہ تفصیل ہے کتابت سکھلانے میں۔ اب آجکل بعض کی تو یہ حالت ہے کہ کتابت کو عورتوں کے لئے مطلقاً حرام سمجھتے ہیں یہ بھی غلو ہے اور بعض نے اس کو اتنا جائز کر دیا ہے کہ اخباروں میں عورتوں کے مضامین چھپتے ہیں جس میں صاحبِ مضمون کا پورا نام اور پتہ درج ہوتا ہے بس آج کل ہماری یہ حالت ہے ؎

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی

چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

ہر طرف افراط و غلو ہے تنگی کریں گے تو حرام سے ادھر نہ رہیں گے اور وسعت دیں گے تو پردہ دری سے ادھر نہ رہیں گے ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی

تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

بعض لوگ عورتوں کو ناول اور فحش قصوں کی کتابیں پڑھاتے ہیں یا پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں اس سے جس قدر فتنہ برپا ہوتا ہے حیاداروں پر مخفی نہیں اس لئے ضروری ہے کہ عورتوں کی تعلیم کا کورس کسی عالم محقق سے تجویز کراؤ اپنی رائے سے تجویز نہ کرو۔ بس مجھے اسوقت یہی مضمون بیان کرنا تھا جس کو میں نے اب

آیت سے مستنبط کیا ہے، آگے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدح پر بشارت کو ختم فرماتے ہیں جو علم وعمل کا اہتمام کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ٭

کہ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی ہیں جو درحقیقت عقلاء ہیں اس میں دو کمالات مذکور ہیں ایک ہدایت یہ تو کمالِ شرعی ہے اور ایک عقل یہ کمالِ دنیوی ہے۔

## ضرورت علم وعمل

خُلاصہ یہ کہ علم وعمل ہی سے کمالِ شرعی حاصل ہوتا ہے اور اسی سے کمالِ دنیوی یعنی عقل حاصل ہوتی ہے عقلاء حقیقت میں وہی ہیں جو علم وعمل کے جامع ہیں نہ وہ جنکو تم عقلاً سمجھتے ہو۔ آجکل عقلمند وہ شمار ہوتا ہے جو چار پیسے کمانے کی قابلیت رکھتا ہو، خواہ اس کو علم دین اور عمل حاصل ہو یا نہ ہو چنانچہ اسی لئے انگریزی پڑھنے والے اپنے کو عقلاء، اور اہلِ علم کو غیر عاقل سمجھتے ہیں مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جو لوگ علم دین حاصل کر چکے ہیں ان کے سامنے بڑے بڑے انگریزی داں جس نے علمِ دین حاصل نہ کیا ہو بیوقوف ہے اگر ان کو شک ہو تو ذرا کسی عالم سے گفتگو کر کے دیکھ لیں جو دو ہی منٹ میں اپنی بیوقوفی کا اقرار نہ کر لیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقلمند ان ہی کو کہا ہے جو علم دین وعمل حاصل کر لیں اور ان کے سوا ان لوگوں کو جو دنیا کی ترقی اور قابلیت میں تم سے بھی دس قدم آگے تھے اللہ تعالیٰ نے اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ فرمایا ہے کہ یہ جانوروں سے بھی زیادہ بیوقوف ہیں کیونکہ جانور بھی اپنے مصالح ومضار سے واقف ہیں اور یہ آدمی ہو کر اپنے مصالح ومضار سے ناواقف ہیں تو یہ جانور سے بھی بدتر ہیں اب بتلاؤ جس کو خدا عقلمند کہے وہ عقلمند ہے یا جس کو تم عقلمند کہو یقیناً خدا ہی کا قول سچا ہے پس ہدایت وعقل

کا معیار علم و عمل ہے اسی پر ہدایت و عقل کا مدار ہے اور جو شخص علم دین اور عمل سے محروم ہے وہ یقیناً گمراہ اور بیوقوف ہے ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب کوئی اہل یورپ کو عقلمند کہتا تو نہایت برہم ہوتے اور فرماتے تھے کہ جو قوم خدا کو بھی نہ پہچانے وہ خاک عقلمند ہے ہاں یوں کہو کہ چاقو قینچی بنانا خوب جانتے ہیں یعنی کاریگر اچھے ہیں اور صنعت کو عقل سے کیا واسطہ عقل کا کام علم و معرفت ہے اس سے ان لوگوں کو مس بھی نہیں خلاصہ بیان کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مستحق بشارت فرمایا ہے جو شرک سے بچتے اور توحید اختیار کرتے اور علم و عمل کا اہتمام کرتے ہیں اور ان ہی کو اہل ہدایت اور عقلاء کا خطاب دیا ہے پس ہم کو ہدایت و عقل کا کمال حاصل کرنے کے لئے علم و عمل کا اہتمام کرنا چاہیے اب میں ختم کرتا ہوں اور اس بیان کا نام اَلْاِسْتِمَاعُ وَالْاِتِّبَاعُ ؛ للسادة والاتباع تجویز کرتا ہوں اور لقب نوید جاوید رکھتا ہوں اس لقب کے جزء اوّل میں محرکہ کے نام کی رعایت ہے ۔ نوید کے معنی بشارت کے ہیں اور بشارت قرآن میں جہاں بھی ہے دائمی ہے اس لئے اس کے ساتھ جاوید بڑھا دیا ۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق دیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں ۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اشرف علی

۱۷ ر جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ

## دعوات عبدیت کا دوسرا وعظ

ملقب بہ

# منازعۃ الھویٰ

# نفس کشی

عورتوں کی اصلاح کے متعلق یہ وعظ جناب عبدالحفیظ صاحب سوداگر میرٹھ صدر بمبئی والے کے مکان پر ۲۳ رجب ۱۳۲۵ھ کو تقریباً ایک گھنٹہ بیٹھ کر بیان فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی۔ علاوہ مستورات مولانا محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری رحؒ نے قلمبند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

**خطبہ** الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

امّا بعد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعاً لِّمَا جِئْتُ۔

**تمہید** یہ ایک حدیث ہے ترجمہ یہ ہے کہ کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں حق تعالیٰ کے پاس سے لایا ہوں یعنی شریعت کے۔ یہ چھوٹی سی حدیث ہے لیکن جامع ہے تمام باتوں کو۔ اس مضمون کی عورتوں کو زیادہ ضرورت ہے اسی واسطے اس کو اختیار کیا گیا یوں تو مسلمانوں کی حالت عموماً جیسی کچھ بگڑی ہوئی ہے معلوم ہے مگر عورتوں کی حالت بہت زیادہ خراب ہے۔

یہ اپنی ذہن کی ایسی پکی ہوتی ہیں کہ دین تو کیا دنیا کی بھی بربادی کا ان کو

خیال نہیں رہتا رسموں کے سامنے اور اپنی ہٹ کے سامنے چاہے کچھ بھی نقصان ہو جائے کچھ پروا نہیں کرتیں بعضی عورتیں ایسی دیکھی جاتی ہیں کہ ان کے پاس مال تھا کسی شادی یا کسی تقریب میں لگا کر کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئیں اور ہر وقت مصیبت اٹھاتی ہیں مگر لطف یہ ہے کہ اب تک بھی ان رسموں کی برائی ان کو محسوس نہیں ہوئی یوں کہتی ہیں کہ ہم نے فلانے کے ساتھ بھلائی کی اس کی شادی ایسی دھوم دھام سے کر دی۔ یہ سب رقم ہماری خدا کے یہاں جمع ہے۔ جیسی جمع ہے آنکھ مچتے ہی معلوم ہو جاوے گا۔ جب دنیا تک کی تکلیفیں جو کہ ان کے سامنے اُن پر اثر نہیں کرتیں جو حالانکہ بالکل محسوس ہیں تو آخرت کی تکلیفوں کو وہ کب خیال میں لاتی ہیں جو ابھی مخفی ہیں خیر عورتوں کی کیا شکایت ہیں مردوں کو بھی کہتا ہوں کہ کہیں شاذونادر ایسا ہوتا ہو کہ ایک بات کو کسی کا جی چاہے پھر وہ اتنا سوچ لے کہ یہ کام اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہے یا نہیں بس جو جس کے جی میں آتا ہے وہ کر گزرتا ہے۔

اور جو اس کام میں کوئی دنیا کی بھی مصلحت ہو تو اس صورت میں یہ خیال آنا تو درکنار کہ یہ کام اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے یا نہیں اگر کوئی یاد بھی دلائے کہ یہ کام جائز نہیں تو کبھی نہ سُنے اور جو سُنے بھی تو کھینچ تان کر اس کو جائز ہی کر کے چھوڑے ویسے کرنا تو ایک ہی گناہ تھا اب یہ جہل مرکب ہو گیا اور اصرار علی المعصیت کا مرتبہ ہو گیا۔

## گناہوں سے اجتناب کی صورتیں

اور ہم لوگ جن گناہوں سے بچے ہوئے بھی ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اُن کو گناہ سمجھ کر چھوڑا ہے بلکہ اکثر یا تو وجہ یہ ہے کہ ہم کو اس پر قدرت نہیں جیسی کسی کی نوکری ایسی ہے کہ اس میں رشوت کا سلسلہ ہی نہیں

وہ رشوت سے بچا ہُوا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ گناہ سے ڈرتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ رشوت ملتی ہی نہیں، عصمت بی بی است از بے چادری اور بعضے گناہوں سے اس وجہ سے بچے ہوئے ہیں کہ ان کی ہم کو ضرورت نہیں پڑتی مثلاً الحمد للہ زیادہ تر مسلمان شراب خوار نہیں ہیں نہ اس وجہ سے کہ شراب کو گناہ سمجھ کر چھوڑا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس کی کوئی ضرورت ذہن میں نہیں آئی تو بچنا کوئی کمال نہ ہوا۔ کمال تو یہ ہوتا کہ قدرت اور رغبت ہوتی پھر اس سے خدا سے ڈر کر بچتے غرض جن گناہوں سے ہم بچے ہوئے ہیں وہ علاوہ خوفِ حق کے کسی اور وجہ سے چھوڑ رکھے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے وہ آدمی جو شراب نہیں پیتے تارک الصلوٰۃ ہیں یہ شراب چھوڑنا اُن کا اگر معصیت کے خوف سے ہوتا تو نماز بھی نہ چھوڑتے کیونکہ یہ بھی معصیت ہے۔ اور جب نماز چھوڑتے ہیں اور شراب نہیں پیتے تو معلوم ہوا کہ شراب سے کوئی ایسا مانع موجود ہے جو ترکِ صلوٰۃ سے نہیں ہے اور وہ خوف معصیت کے علاوہ ہے کیونکہ معصیت تو دونوں میں مشترک ہے اور وہ مانع چاہے یہ ہو کہ شراب سے نقصان ہوتا ہے یا یہ ہو کہ دام خرچ ہوتے ہیں یا یہ ہو کہ اس کا کبھی ارادہ نہیں ہوا یا یہ کہ اس میں بدنامی ہے اور یہ مرض کچھ عام ہی لوگوں میں نہیں خواص بھی علی العموم اس میں مبتلا ہیں الا ماشاء اللہ جو لوگ بحمد للہ نماز کے پابند ہیں یہ سن کر تو وہ خوش ہوئے ہوں گے کہ ہم شراب نہیں پیتے اور تارک الصلوٰۃ بھی نہیں ہیں لیکن وہ اتنا اور سمجھیں کہ معصیت صرف ترکِ صلوٰۃ ہی نہیں ہے بہت سے معاصی ایسے ہیں کہ جن میں یہ لوگ بھی پڑے ہوئے ہیں تو پھر وہی الزام عائد ہو گیا کہ مناہی سے اجتناب اور اوامر کی بجا آوری حق تعالیٰ کے خوف سے نہیں کیونکہ اگر خوف سے ہوتی تو ان مناہی میں کیوں پڑتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے اعمال یعنی

شراب سے بچنا اور نماز کا پابند ہونا بھی صرف ایک رسم اور عادت ہے خوف کی وجہ سے نہیں۔

وہ مناہی سنئے جن میں نمازی بھی مبتلا ہیں، وہ غیبت اور تفاخر اور تکبر ہے ان سے بچنے والے بہت کم ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی چور باقی ہے۔ شراب پینا اور نماز کا پابند ہونا ابھی کمال کے مرتبہ میں نہیں آیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو شخص غیبت یا تفاخر وغیرہ میں مبتلا ہو وہ نماز کو بھی چھوڑ دے اور شراب بھی پینے لگے کیونکہ برائی سے نجات جس طرح بھی ہو عادۃً یا عجزاً یا کرہاً بہرحال قابلِ شکر ہے کیونکہ اس سے براءت تو رہی اور اس عذاب کا تو خوف نہ رہا جو اس پر موعود ہے۔ جو چاہے کچھ بھی ہو جیسا کہ ایک شخص کو سانپ کاٹنے والا ہو اور وہ شخص اپنی ناواقفیت سے اس سے نہ بچ سکے۔ لیکن کوئی واقف آدمی سانپ کو مار کر اس کو بچا دے تو بہرحال یہ شخص موت کے منہ سے تو بچ گیا اگر اپنے ارادہ سے بچتا تب بچتا اور اگر دوسرے کے ارادہ سے بچ گیا تب بھی بچ گیا۔ بہرحال گناہ سے بچنا ہر حال میں بہتر ہی ہے ہاں اکمل درجہ اس کا وہ ہے کہ معصیت کے خوف سے بچے اور اس درجہ کی شناخت یہ ہے کہ سب گناہوں سے بچے۔ جس کو خدا تعالیٰ یہ درجہ نصیب کرے سبحان اللہ اسی پر موعود ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۚ

ترجمہ: ”جو شخص دنیا میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا

ہوگا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہے جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لیے دو باغ ہیں سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے

وہ دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن وانس اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں سے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دو باغوں میں دو چشمے ہوں گے بہتے ہوئے چلے جائیں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی دو قسمیں ہوں گی)

یعنی جو شخص حق تعالیٰ کے خوف سے گناہ سے بچے اس کی جگہ جنت ہی ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ اس کے لئے دو جنتیں ہیں کہ ان میں نہریں ہیں اور طرح طرح کے نعیم ہیں لیکن اس درجہ کا تو کیا ذکر ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم معاصی کیے جاتے ہیں اور دل میں کبھی کھٹکا بھی نہیں ہوتا کہ یہ گناہ ہوا۔ بلکہ ان معاصی پر فخر کرتے ہیں کہتے ہیں ہم نے ذرا سی نوکری میں اتنا روپیہ کما لیا یہ ہمارا ڈھنگ اور چالاکی ہے۔ دھوکہ دے کر اور معاملات ناجائز کر کے ساری عمر روپیہ جمع کرتے رہتے ہیں پھر اس کو ہنر سمجھتے ہیں یہ وہ حالت ہے جس کو موتِ قلب کہتے ہیں اس کے بعد توبہ کی بھی کیا امید ہے۔ کیونکہ توبہ کی حقیقت ہے ندم یعنی پشیمانی اور پشیمانی اسی کام سے ہوا کرتی ہے جس کی برائی ذہن میں باقی ہو۔ اور جب گناہ دل میں ایسا رچ گیا کہ اس پر فخر کرتے ہیں تو پھر پشیمانی کہاں ؟

یہ تو ان گناہوں کی حالت ہے جن کو ہم گناہ سمجھتے تھے مگر چند روز عادی ہو جانے کی وجہ سے غفلت ہو گئی۔ بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ جن کی طرف آج کل خیال بھی نہیں جاتا بلکہ چھوڑنے سے جی برا ہوتا ہے اور یوں تو گناہ سب ہی برے ہیں، لیکن ایسے گناہ زیادہ خطرناک ہیں جو علی العموم عادت اور رواج میں داخل

ہو گئے ہوں، کیونکہ طبیعتیں ان سے مانوس ہو گئی ہیں حتیٰ کہ ان کی بُرائی ذہن سے دُور ہو گئی اور بجائے اس کے اُن کی ضرورت اور بھلائی دلنشیں ہو گئی ہے اُن کے چھوٹنے کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ آدمی چھوڑتا اس چیز کو ہے جس کی بُرائی خیال میں میں ہو، اور جس چیز کی بُرائی ذہن سے نکل جاتی ہے پھر اس کو کیوں چھوڑنے لگا۔ اُن گناہوں کو میں مختصراً بیان کرتا ہوں۔

## احکام کی قسمیں

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ گناہ کیا چیز ہے گناہ کی حقیقت ہے خدا کے حکم کو بجا نہ لانا اور ان احکام کی کئی قسمیں ہیں ایک وہ جو کہ عقائد کے متعلق ہیں۔ اور ایک وہ جو عمل کے متعلق ہیں، اور بعضے معاملات کے متعلق ہیں اور بعضے حقوق عباد کے۔ میں ان کو ترتیب وار مختصر بیان کرتا ہوں۔ اول عقائد کے متعلق سُنیئے:

## عقائد

ان حقوق کا بجا لانا یہ ہے کہ عقائد جیسے خدا تعالےٰ نے بیان فرمائے ویسے ہی رکھے جائیں، لیکن ان میں بھی بہت فساد آگیا اور ان کو جو کچھ خراب کیا جہالت نے کیا، عورتوں میں تو عام رواج ہے کہ پڑھنے پڑھانے کو کچھ چیز ہی نہیں سمجھتیں، جس کی طبیعت بچپن سے جس طرف کو چل جائے اُسی طرف چھوڑ دی جاتی ہے۔

کیوں بی بیو! اپنی لڑکیوں کو کھانا پکانا، سینا پرونا کیوں سکھاتی ہو ان کاموں میں بھی ان کو اپنی طبیعت پر چھوڑ دو پھر دیکھو بڑے ہو کر کیا لطف آتا ہے، ان کو اپنی زندگی کاٹنا دُشوار ہو جائے گی حالانکہ دنیا کی زندگی بہت محدود ہے۔ فرض کر لو کہ سو برس تک جیئے گی اگر کھانا پکانا سینا پرونا نہ بھی جانتی ہو گی تو آرام و عزت سے نہیں تکلیف اور ذلت سے ہی کسی طرح اس عمر کو کاٹ ہی لے گی۔ لیکن زندگانی آخرت بلا وہاں کے کام سیکھے ہوئے نہ کٹے گی،

کیونکہ وہ دائمی ہے۔

جب تم دنیا کی چند روزہ زندگی کے لیے اتنے ہنر سکھانے کی ضرورت سمجھتی ہو تو اس زندگانی کی نسبت کیا خیال ہے جو اس سے کہیں زیادہ اور دشوار ہے۔ از روئے قاعدہ اگر محدود زندگی کے لیے دس ہنروں کی ضرورت ہے تو غیر محدود کے لئے ہزاروں ہنروں کی ضرورت ہونی چاہیئے مگر افسوس ہے کہ ہزاروں کی جگہ سیکڑوں بھی نہیں بلکہ اتنے بھی نہیں جتنے کہ دنیا کے لیے سکھلائے جاتے ہیں، امر آخرت کے بارہ میں لڑکیوں کو بالکل مخلّی بالطبع چھوڑ دیا جاتا ہے۔

## ضرورت علم دین

اب ایک بلا اور چلی ہے کہ اگر کسی کو تعلیم کی ضرورت محسوس ہوئی تو لڑکیوں کو بھی انگریزی تعلیم دلاتے ہیں انگریزی نے مردوں کو بڑی فلاح دی تھی جو عورتوں کو دے گی، مرد ہو یا عورت سب کو پہلے ضرورت ہے علم دین کی اس پر بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ سب کام چھوڑ کر سب کے سب مولوی بن جائیں اس کا جواب ہے کہ علم کے معنی ہیں جاننا، دین کے جاننے کی ضرورت ہے، متعارف کتابیں پڑھنے کی سب کو ضرورت نہیں ہاں دین سے بقدر ضرورت واقفیت لابدّ ہے وہ خواہ عربی کی کتابیں پڑھ کر ہو یا فارسی کی یا اُردو کی یا زبانی پوچھ پوچھ کر قرونِ اولیٰ کے لوگ سب عالم تھے۔ مگر نہ کتاب کے ذریعہ سے بلکہ پوچھ پوچھ کر اور زبانی سیکھ کر۔ پھر کیسے کیسے عالم تھے کہ جن کے ذریعہ سے خود کتاب والوں کو بھی علم پہنچا لیکن زمانہ کا رنگ بدلنے سے اب زبانی باتوں پر اعتماد نہیں رہا اس واسطے ضرورت پڑی کہ قرون اولےٰ کے علوم کتابی صورت میں لائے جائیں اس واسطے اب یہ رواج ہو گیا کہ عالم اس کو سمجھتے ہیں جس نے کتابیں پڑھی ہوں اور یہی طریقہ آج کل اسلم ہے اور چونکہ زبانی پوچھنا اور پوچھنے کے بعد اس کو یاد رکھنا

یہ بھی دشوار ہوگیا اسی لئے احوط طریقہ یہی ہے کہ کتابی تعلیم دی جائے پہلے زمانہ میں کتابیں مشکل تھیں۔ لیکن اب خدا کے فضل سے سہل اور اردو زبان میں ہوگئیں جن سے بہت معمولی لیاقت کا آدمی بھی کاربراری کرسکتا ہے۔

تو اب اس شبہ کی گنجائش نہیں کہ کیا سب کے سب مولوی بن جائیں۔ اور اگر مولوی بننا اسی کو کہتے ہیں کہ بقدرِ ضرورت دین کی باتیں سیکھ لے تو میں کہتا ہوں ایسا مولوی بننا ضروری ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں جس وجہ سے آپ نے یہ اعتراض کیا تھا کہ سب کام چھوڑنے پڑیں گے۔ وہ وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ بہت تھوڑا کام ہے دنیا کے کاموں سے خارج نہیں ہوسکتا دس پانچ منٹ روزانہ وقت دینے سے کاربراری ہوسکتی ہے مگر تعلیم باقاعدہ ہونی چاہیئے۔

## طریقۂ تعلیمِ نسواں

طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کو وہ کتابیں پڑھایئے جن میں ان کے ضروریاتِ دینی لکھے گئے ہیں اور ان کو سبقاً سبقاً پڑھایئے ان کے ہاتھ میں کتاب دے کر بے فکر نہ ہوجایئے عورتیں اکثر کج فہم اور کم فہم ہوتی ہیں یا تو کتاب کے مطلب کو سمجھیں گی نہیں یا کچھ کا کچھ سمجھ لیں گی اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کرکے گھر کا کوئی مرد بی بیوں کو اکٹھا کرکے وہ کتابیں پڑھایا کرے یا اگر وہ پڑھ نہ سکتی ہوں تو اُن کو سُنایا کرے مگر نظر تعلیم کی غایت اور غرض پر رہے۔ صرف ورق گردانی نہ ہو جو مسئلے ان کو پڑھائے جائیں یا سنائے جائیں اُن پر عمل کی نگرانی بھی کی جائے۔

یہ بھی قاعدہ ہے کہ مسئلہ پڑھنے سے یاد نہیں رہتا بلکہ اس کے کاربند ہوجانے سے خوب ذہن نشین ہوجاتا ہے۔ اور اگر کوئی بی بی پڑھی ہوئی میسر ہوں تو وہی کتاب لے کر دوسری بی بیوں کو پڑھائیں یا سکھائیں۔

بہر حال کوئی صورت ہو مگر اس سے غفلت نہ ہونی چاہیئے آپ صرف اپنی ذاتِ خاص سے پابندِ شریعت ہو کر بری نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے:

قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

یعنی بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔ اور حدیث ہے

اَلَا فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔

یعنی ہر بڑا چھوٹے کا نگراں ہے۔ اور اس سے باز پرس ہوگی تو جس طرح ممکن ہے عورتوں کو دین سکھاؤ۔ مرد خود سکھائیں یا کوئی بی بی دوسری بی بیوں کو سکھا دیں اور سکھانے کے ساتھ ان کو کاربند بھی بنا دیں اس کے بغیر برات نہیں ہو سکتی اس پر آپ یہ نہ کہیں کہ عورتیں راہ پر آتی ہی نہیں کیونکہ آپ کو خدا تعالیٰ نے حاکم اور ان کو محکوم بنایا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ۔

(مرد عورتوں پر حاکم ہیں)

## مرد عورتوں پر حاکم ہیں

حاکم کا محکوم پر بڑا قبضہ ہوتا ہے۔ یہ صرف حیلہ ہے کہ وہ مانتی نہیں اس کو ہم سچ جب سمجھیں کہ وہ کھانے میں نمک کڑوا کر دیں اور آپ دو چار مرتبہ کہنے کے بعد چپکے بیٹھ کر کھا لیا کریں مگر دنیا کے کاموں میں یہ کبھی نہیں ہوتا سنتا تو دین ہے کہ اس کو جس طرح چاہیں رکھیں۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ عورتوں کو دو ایک بار نصیحت کر کے خاموش ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ جن کاموں سے عورتوں کو منع کرتے ہیں اُن کاموں میں مردوں کو بھی حظ آتا ہے، منع کرنا اُن کا برائے نام ہے۔ حتیٰ کہ عورتیں جب رسمیں کرتی ہیں اور مرد

ان کو منع کرتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہیں کہ مجھے کیا مل جاوے گا۔ تمہارا ہی تو نام کروں گی۔ بس اسوقت مرد خاموش ہو جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ نام کرنے کی خواہش ان کو خود بھی ہے جب ان ہی کے افعال میں کوتاہی ہے تو ان کے محکوموں کے افعال میں کیوں نہ ہوگی اور جو مرد مستعد بھی ہیں اور تشدد سے بھی کام لیتے ہیں ان میں بھی کوتاہی یہ ہے کہ ان کے ذہن میں جو فہرست گناہوں کی ہے جس پر عورتوں کو تنبیہ کرنا چاہتے ہیں اس میں غلطی ہے

## رواجی اور غیر رواجی گناہ

بہت سے گناہ اس میں ہیں ہی نہیں اس میں فقط چوری اور حرام کاری وغیرہ رواجی گناہ ہیں ان پر عورتوں کو بھی مجبور کرتے ہیں، دیکھا ہوگا۔ اگر خدانخواستہ شرفاء میں سے کوئی عورت ان گناہوں میں سے کوئی گناہ کرے تو بڑی دور تک نوبت پہنچتی ہے اور ان کے سوا چاہے ان سے بڑے بڑے گناہ کر ڈالے تو کوئی پوچھنے والا نہیں وجہ یہی ہے کہ یہ گناہ مردوں کی فہرست میں ہے ہی نہیں تو اصل یہ ہوئی کہ ان گناہوں میں خطا مردوں کی بھی ہے اس واسطے نہیں چھوڑتیں اور اس فہرست بنانے میں صرف ناواقفیت سے غلطی نہیں ہوئی بلکہ چالاکی سے کام لیا گیا ہے اور ان گناہوں کو کھینچ تان کر جائز کیا گیا۔ دیکھئے آج کل کی بعض رسمیں خوبصورت مباحات ہیں، ان میں یہ چالاکی کی گئی ہے کہ:

جب علماء سے دریافت کیا گیا تو اس طرح سے کہ آپس میں ملنا جلنا جائز ہے یا نہیں اور کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں ——— اور کسی رشتہ دار کے ساتھ سلوک کرنا جائز ہے یا نہیں، ان سوالوں کا جواب مجیب کیا دے سکتا ہے، سوائے اس کے کہ جائز ہے۔

بس آپ نے یہ جواب لے کر گناہوں کی فہرست میں سے ان افعال کو علیحدہ

کر لیا اور ان افعال کو جائز رکھا اور سمجھ لیا کہ جس مرکب کا ہر جزو مباح ہے تو مرکب ناجائز کیسے ہوگا یہ اصل ہے آج کل کے رسوم کی جو اکثر پڑھے لکھوں کو یاد ہے۔

لیکن سمجھ لیجئے کہ شریعت نے جو گناہوں کی فہرست دی ہے اس میں اور بھی گناہ ہیں جو آپ کی رسوم کا جزو ہیں یعنی اس میں تکبر اور تفاخر وغیرہ بھی داخل ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔

(بیشک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں، شیخی کی باتیں کرتے ہوں)

اور یہ آپ کی فہرست میں نہیں ہے، اور فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ۔

(بیشک اللہ تعالیٰ متکبر لوگوں کو پسند نہیں کرتے)

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِنَ الْکِبْرِ۔

(جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ ہوگا)

اور دوسری حدیث میں ہے:

من سمع سمع اللّٰہ بہ۔

(اور جو شخص لوگوں کو سنانے کے واسطے کوئی عمل کرے گا تاکہ لوگوں میں اسکی شہرت ہو تو اس کے عیب کو اللہ تعالیٰ مشہور کرے گا اور اس کے قیامت کے دن رسوا کرے گا)

اور ایک حدیث میں ہے:

وَمَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ الذِّلِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
(جو شخص دکھاوے کی غرض سے کوئی کپڑا پہنے گا تو اس کو خدا تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے)

ان آیات اور احادیث سے عجب اور تکبر اور تصنع اور دکھلاوے کی برائی ثابت ہے اب دیکھ لیجئے کہ رسوم کی بناء ان ہی پر ہے۔ پس ہر مفرد اس مرکب کا جائز کہاں ہوا جو مرکب جائز ہو پس آپ کی دلیل تو نہ چلی اور ہمارے پاس دلیل ہے جس کی بناء پر ہم ان رسوم کو برا کہتے ہیں وہ دلیل یہ ہے کہ تکبر اور تفاخر اور دکھلاوے کو شریعت نے معصیت قرار دیا ہے جس فعل میں یہ معصیت موجود ہو گی وہ بھی معصیت ہو گا پس جزو معصیت ہو گا پس جزو معصیت کو ذکر نہ کرنا اور صرف مباحات کا نام لے کر استفتاء کر لینا چالاکی نہیں تو کیا ہے۔ خدارا ان چالاکیوں کے مفاسد میں نہ پڑیئے مفاسد تو اپنا اثر ضرور لائیں گے۔ گو کیسی ہی تاویل کر لو کیا ممکن ہے کہ کوئی سنکھیا پیس کر ہتھیلی پر رکھ کر یہ تاویل کر کے کھائے کہ شکر بھی سفید ہوتی ہے اور یہ بھی سفید ہے تو ہم اس کو شکر کیوں نہ کہیں کیا اس تاویل سے سنکھیا اپنا اثر چھوڑ دے گا ایسے ہی کھانے اور پینے اور لباس اور اٹھنے اور بیٹھنے میں جب شرعی مفاسد موجود ہوں تو کیا ان مفاسد کا ازالہ آپ کے اس دل سمجھانے سے ہو جائے گا کہ لباس بھی جائز ہے اٹھنا بیٹھنا بھی جائز ہے۔ لینا دینا بھی جائز ہے۔

تو ان سب کا مجموعہ کیسے ناجائز ہے۔ اگر تحقیق مقصود ہے تو سوال میں اس جزو ناجائز کو بھی ظاہر کر کے جس عالم سے چاہے پوچھ لیجئے کہ لباس بطور تفاخر پہننا کیسا ہے اور کسی کو دنیا دکھلا دے کے لئے کیسا ہے جواب یہ ہی ملے گا کہ ناجائز ہے اور اسی طرح اگر یہ پوچھا جاوے کہ تفاخر کے لئے رسمیں

کرنا کیسا ہے تو دیکھئے کیا جواب ملے گا۔

## اچھا لباس

اور کوئی صاحب یہ شبہ نہ کریں کہ میں اچھے لباس کو منع کرتا ہوں، میں خود لباس کو منع نہیں کرتا بلکہ اس مفسدہ سے بچاتا ہوں جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ ریا اور عجب ہے جو ان سے بچ سکے وہ پہنے، اللہ کے بندے سب طرح کے ہیں۔

بھوپال کا ایک قصہ ہے کہ ایک دفعہ بہت سے آدمی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک صاحب ان میں سے بہت صاحب ثروت اور عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ بارش آگئی تو لوگ نیت توڑ توڑ کر بھاگے اور اندر جاکر نماز پڑھی یہ اللہ کا بندہ ایسا نماز میں مشغول تھا کہ اسی اطمینان سے نماز پڑھتا رہا۔ اتنا بھی نہ کیا کہ چھوٹی سورت پڑھ کر ختم کردے اسی طرح اطمینان کے ساتھ نماز پوری کی، کپڑے نہایت لطیف اور قیمتی تھے سب خراب ہوگئے۔

کسی نے کہا حضرت بڑا نقصان کیا اتنی قیمت کے کپڑے خراب ہوگئے جیسے اور لوگ نیت توڑ کر اندر چلے گئے تھے آپ بھی نماز مختصر کرکے اندر چلے جاتے تو اتنا نقصان کیوں ہوتا۔

انھوں نے کہا بھائی میرے پاس کپڑے اور بھی ہیں یہ خراب ہوگئے تو اب جاکر اور پہن لوں گا، نماز میں جو کوتاہی ہوتی تو اس کا بدل کیا ہوتا۔ سو اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں اس میں اعتبار دِل کا ہے کیونکہ نیت فعل قلب ہے اگر نیت تفاخر کی نہیں ہے تو اچھے کپڑے میں کچھ حرج نہیں اس کا ذمہ دار خود پہننے والا ہے وہ اپنے قلب کو دیکھ لے اپنا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ صاف کرے جو فتوے دیا جاسکتا ہے وہ ظاہر حالت پر مبنی ہوتا ہے اور میں نے جو کہا ہے کہ اعتبار دِل کا ہے۔

## ظاہر و باطن کی اصلاح

اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ شرع کے خلاف ظاہر کے بگاڑ لینے میں کچھ حرج نہیں صرف باطن درست ہونا چاہیئے کیونکہ حق تعالیٰ نے دونوں کا اعتبار کیا ہے۔ فرماتے ہیں : وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ

یعنی ظاہری گناہ بھی چھوڑو اور باطنی بھی اسی ترجمہ کے لئے دُوسرے لفظ یہ ہیں کہ ظاہر کی بھی اصلاح کرو اور باطن کی بھی اسی مغالطہ میں بہت سے آدمی پڑے ہوئے ہیں کہ ظاہر کی اصلاح کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ بعضے تو ظاہر کے بگاڑنے کو اچھا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اس سے تکبر نہیں ہوتا۔ ظاہر بُرا ہونے سے خلق کی نگاہ میں وقعت نہیں ہوتی اس سے نفس مرتا ہے اور بعضوں نے تو حد ہی کر دی کہ نماز تک نہیں پڑھتے اور جب ان سے کہا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ کیا تمہارے دکھلاوے کی نماز پڑھیں تمہیں کیا معلوم ہے کہ فقیر کس حال میں ہے۔ ان کا راز بتلائے دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ نفس کی ہزاروں چالیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی مصلحت سمجھا کر کسی کام سے روک دیتا ہے، وہ مصلحت کبھی دنیاوی ہوتی ہے اور کبھی دینی۔ جو لوگ ضعیف ہیں ان پر تو دُنیاوی مصلحت کا پیش کرنا کافی ہو جاتا ہے ان کے قلب میں اتنا بھی استقلال نہیں ہے کہ اس مصلحت کو باوجود دنیاوی جاننے کے دین کے مقابلہ میں چھوڑ سکیں۔ مثلاً جماعت کا وقت ہُوا اور کوئی شخص سوداگر ہو تو نفس اس وقت سوجھاتا ہے کہ اگر جماعت کے لئے جاؤں گا تو یہ سودا بگڑ جائے گا اور اتنا نقصان ہوگا۔ پس وہ سوداگر اس پریشان ہوتا ہے اور صرف مصلحت کا لفظ سُن کر دین کے کام سے رہ جاتا ہے۔ اور جو لوگ کسی قدر قوی القلب ہیں اور دیندار کہلاتے ہیں ان کے سامنے نفس مصلحت نہایت خوبصورت پیرایہ میں پیش کرتا ہے اور مغالطہ میں ڈال کر کام سے روک

دیتا ہے، چنانچہ یہ کہنا کہ ہم دِکھلاوے کی نماز نہیں پڑھتے یہ بھی نفس کی چال ہے کہ اس مغالطہ میں ڈال کر کہ جماعت کی نماز پڑھنے میں ریا وتکبّر پایا جاتا ہے جماعت سے روک دیتا ہے غرض نہ باطن کی اصلاح چھوڑیئے نہ ظاہر کی اور میرے اس کہنے کا کہ دِل کا اعتبار ہے یہ مطلب نہیں کہ ظاہری معاصی جائز ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مباحاتِ ظاہری میں بھی جب دِل بگڑا ہوا ہو تو وہ مباح نہیں رہتا پس اچھا کپڑا پہننے میں یہ بھی ضرور خیال کر لیجئے کہ کہیں نفس میں تفاخر وغیرہ تو نہیں ہے رسوم میں بھی غور کریں گے تو صاف تفاخر معلوم ہوگا۔ پس وہ چیزیں واجب الترک ہوں گی یہ عورتوں میں رسوم ہی کی طرح اس تصنّع اور تزئین کی بھی حد ہوگئی ہے کہ جو کپڑا بناتی ہیں۔ بڑی چھان بین کر کے انتخاب کرتی ہیں ہر بی بی کا یہی حوصلہ ہے کہ ایسا کپڑا بناؤں کہ دوسرے کے پاس نہ نکلے اسی کو ترفع کہتے ہیں یا نہیں۔

## نیتِ لباس

اسی کے بارہ میں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ الذِّلِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

یعنی جو شخص کوئی کپڑا دکھلاوے کی غرض سے پہنے گا اس کو خدا تعالیٰ ذلت کا لباس قیامت کے دِن پہنا دیں گے۔

کیا عورتوں کے ان معمولی افعال کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ رسوم میں نیت انکی درست ہے۔ عورتوں کو اس طرف التفات بھی نہیں کہ نیت دُرست اور نادرست کیسی ہوتی ہے۔ اور یہاں کوئی یہ شُبہ نہ کرے کہ جب کوئی کپڑا بناتا ہے تو دو چار کپڑوں میں سے اچھا ہی چھانٹ کر لیتا ہے تو یہ سب ترفع یا دِکھلاوا ہوا اس کا گُر یاد رکھو کہ کپڑا اپنا جی خوش کرنے کو پہنا جاوے تو

مباح ہے۔ اور دوسرے کی نظر میں بڑا ہونے کے لئے پہنا جاوے تو ناجائز ہے گویا کپڑے کے اچھے ہونے کے دو مرتبے ہیں ایک یہ کہ بُرا نہ ہو جس سے اپنا دل خوش ہو اور اوروں کے سامنے ذلیل نہ ہونا پڑے۔ اس کا کچھ حرج نہیں اور ایک یہ کہ دوسروں سے بڑھا چڑھا ہو کہ اس کی طرف نظریں اٹھیں یہ بُرا ہے یہ گناہ تو کپڑے کے متعلق تھے جن سے بعض رسوم کا حکم بھی معلوم ہوا۔

## ریائی کھانا

اب کھانے کے متعلق سنئے کہ رسموں سے اس کا بھی تعلق ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ کھانا کھلانا جائز ہے اور مفتی فتویٰ دیتے ہیں کہ جائز ہے مگر شریعت کی فہرست میں تو دیکھو اس میں حدیث کا یہ مضمون بھی گناہوں میں لکھا ہوا ہے۔ یعنی حدیث میں ہے۔

نَہٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِیَیْنِ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کے کھانا کھانے سے منع فرمایا جو آپس کی بچا بچی سے کھانا کھلاتے ہوں دیکھ لیجئے یہ کھانا جائز ہے تو آپ کا یہ کہنا صحیح نہ رہا کہ کھانا کھلانے میں کیا حرج ہے اسی پر تمام ان کاموں کو قیاس کر لیجئے۔ جن کے مجموعہ کا نام رسوم ہے آپ نے رسموں کے جواز میں یہ دلیل پیش کی تھی کہ کھانا کھلانا دینا لینا آنا جانا علیحدہ علیحدہ سب افعال مباح ہیں ان کے جمع ہونے سے ممانعت کیسے لازم آگئی۔ میں کہتا ہوں دیکھ لیجئے کپڑا پہننے کو آپ جائز سمجھتے ہیں۔ مگر اس کے لئے شریعت میں ایک قید ہے کھانے کھلانے کو آپ جائز کہتے ہیں۔ اسمیں بھی ایک قید ہے۔ اب ان رسوم میں دیکھ لیجئے کہ وہ افعال مع ان قیدوں کے موجود ہیں یا بلا قیدوں کے اس میں آج کل کے عقلمند بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

## رسمیں دو قسم پر ہیں

مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ خدا کا شکر ہے اس زمانہ میں پہلی سی رسمیں بہت کم ہو گئیں میں نے کہا ہرگز نہیں، بات یہ ہے کہ رسمیں دو قسم کی ہیں ایک وہ جو شرک تک پہنچی ہیں وہ البتہ چھوٹ گئیں۔ ایک وہ ہے جن کی اصل تفاخر ہے۔ یہ پہلے سے بھی بڑھ گئیں۔ البتہ پہلے شرک کی عجیب عجیب رسمیں تھیں۔

سید صاحب ایک جگہ مہمان ہوئے، صاحب خانہ ایک عالم شخص تھے وہ سید صاحب کی وجہ سے باہر بیٹھے ہوئے تھے اندر سے ایک عورت آئی کہ ذرا گھر میں چلو وہ سید صاحب کی وجہ سے اٹھ نہ سکے۔ گھر سے کئی بار تقاضا آیا کہ کام حرج ہو رہا ہے جلدی چلئے۔ سید صاحب نے سن لیا اور فرمایا گھر میں تشریف لے جائیے کچھ کام ہوگا، صاحب خانہ نے کہا کہ نہیں حضرت کچھ بھی کام نہیں۔ ایک شادی کے لئے دھان کوٹنے تھے اس کے لئے موسل میں ڈورا باندھنے کے لئے مجھ کو بلاتے تھے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ مولانا یہ تو شرک ہے انہوں نے اس ماما سے کہہ دیا کہ والدہ سے کہہ دو کہ سید صاحب شرک بتلاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ رسمیں بالکل لغو تھیں مگر یہ ضرور تھا کہ بہت سے سمجھ دار کرنے والے بھی ان کو لغو سمجھتے تھے، اگرچہ کرتے سب تھے اور آج کل کی رسمیں جن کو میں نے کہا ہے کہ بڑھ گئیں ہیں، ان کو دانشمند لوگ بھی یہ نہیں سمجھتے کہ یہ گناہ ہے اور وہ رسمیں آجکل کی تفاخر اور تکلف کی ہیں۔ پہلے لوگوں میں موٹا جھوٹا پہن لیتے تھے، باسی تازہ کھا لیتے تھے اور آجکل کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی غریبانہ معیشت کو پسند نہیں کرتا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عیب سمجھتے ہیں، بول چال میں اور اٹھنے بیٹھنے میں سب میں تکبر اور تکلف بھرا ہوا ہے گویا ہر وقت کسی نہ کسی رسم کے پابند ہیں اور تکلف میں علاوہ گناہ کے ایک دنیوی خرابی یہ بھی ہے کہ

کوئی شخص بناوٹ کرنے والے کی بات پر اعتماد نہیں کرتا اس خوف سے کہ شاید یہ بات بھی بناوٹی ہو اسی واسطے پہلے لوگوں کی بات بڑی پکی ہوتی تھی آج کل کے لوگوں کی بات ایسی نہیں مانی جاتی غرض رسمیں شرک کی تو چھوٹ گئیں کیونکہ علم کا شیوع ہو گیا۔ پہلے مولوی کم ہوتے تھے اور تفاخر کی رسمیں بڑھ گئیں کیونکہ تعلیم جدید کی ترقی ہے تو آج کل کی رسموں میں شرک نہ سہی تفاخر تو ضرور ہے یہ بھی منع ہونے کے لئے کیا کچھ کم ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا ہو گا کہ آپ نے جو فہرست گناہوں کی بنائی ہے اس میں بہت ہی کوتاہیاں ہیں شریعت کی دی ہوئی فہرست میں اور بھی گناہ ہیں آپ کی نظر چونکہ اپنی فہرست پر ہے اس واسطے رسموں کو گناہ نہیں سمجھتے۔ میں نے بتلا دیا کہ شریعت کی فہرست میں ایک گناہ تفاخر بھی ہے جس عمل میں پایا جاوے اسی کو فاسد کر دیتا ہے اب آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کی رسموں کا یہ جزوِ اعظم ہے یا نہیں یہ ایسا جزو ہے کہ تمام ان اجزاء کو جن کو آپ نے مباح کہا تھا سب کو اباحت سے نکال دیتا ہے۔ دیکھئے کپڑا پہننا جائز ہے مگر جب تفاخر شامل ہو جائے تو جائز نہیں کھانا کھلانا جائز ہے مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں کسی کو دینا لینا رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا سب اچھا ہے۔ مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں یہ تفاخر حلال چیزوں کو ایسا گندہ کرتا ہے جیسے نجاست ایک کنوئیں کو جس کو آپ نے بہت سہل سمجھ رکھا ہے اور اس کا نام ہی اپنی فہرست میں سے اڑا دیا ہے حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو رسموں کی بناء اور اصل بھی تفاخر ہے حتیٰ کہ بیٹی کو جو چیز جہیز میں دی جاتی ہے اسکی اصل بھی یہی ہے بیٹی لختِ جگر کہلاتی ہے۔ ساری عمر تو اس کے ساتھ یہ برتاؤ رہا کہ چھپا چھپا کر اس کو کھلاتے تھے کہ اچھا ہے کوئی لقمہ ہماری بیٹی کے پیٹ میں پڑ جائے گا تو کام آئے گا۔

دوسرے کو دکھانا بھی پسند نہ تھا شاید نظر لگ جائے نکاح کا نام آتے ہی ایسا کایا پلٹ ہوا کہ ایک ایک چیز مجمع کو دکھائی جاتی ہے۔ برتن اور جوڑے اور صندوق حتیٰ کہ آئینہ کنگھی تک شمار کرکے دکھلائے جاتے ہیں۔ شاید وہ پہلے لختِ جگر تھی اور اب نہیں رہی، یا اب ہے اور پہلے نہ تھی جواب کے اور پہلے برتاؤ میں بالکل عکس کا فرق ہو گیا۔

اگر آپ غور کریں گے تو اس کی وجہ صرف تفاخر پائیں گے۔ برادری کو دکھانا ہے کہ ہم نے اتنا دیا صرف یہ ہی منظور نہیں کہ ہماری بیٹی کے پاس سامان زیادہ ہو جائے۔

## جہیز کیسا ہو؟

اور اسی واسطے جوڑے اور برتن غرض تمام جہیز ایسا تجویز کیا جاتا ہے کہ ظاہری بناوٹ میں بہت اُجلا ہو اور قیمت کے اعتبار سے یہی کوشش کی جاتی ہے کہ سب چیزیں ہلکی رہیں، جب بازار میں خریدنے جاتے ہیں تو دکاندار سے کہا جاتا ہے کہ شادی کا سامان خریدنا ہے، لینے دینے کا سامان دکھاؤ۔ اگر اسکی اصل بیٹی کے ساتھ ہمدردی تھی تو گو تعداد میں جہیز کم ہوتا مگر سب چیزیں اچھی اور کارآمد ہوتیں بجائے اس کے وہ چیزیں دی جاتی ہیں جو برتنے کے قابل بھی نہیں ہوتیں، صرف ظاہری شمار بڑھا کر دکھا دی جاتی ہیں۔

بعض چیزیں ایسی دی جاتی ہیں جو کبھی کام میں نہیں آتیں سوائے اس کے کہ گھر کی جگہ گھیر لیں، مثلاً چوکی اور نواڑ کا پیڑھا کہ یہ اس تکلف کی ہوتی ہیں کہ ان کو کام میں لاتے ہوئے درد آتا ہے اور حقیقت میں وہ کام کے قابل ہوتے بھی نہیں کیونکہ تکلف کی چیز نازک ضرور ہوا کرتی ہے اسکی نزاکت اور خوبصورتی کی وجہ سے ایک طرف احتیاط سے رکھ دیا جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا وہ رکھے

رکھے گل جاتے ہیں اور کبھی کام میں نہیں آتے۔

اگر بیٹی کو لختِ جگر سمجھ کر دینا ہے تو کیا ایسی ہی چیزیں دینی چاہیئے تھیں، جو اس کے کام میں کبھی نہ آئیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ چیزیں بیٹی کو دی ہی نہیں جاتیں صرف تفاخر اور دکھاوے کے لئے دی جاتی ہیں۔ اس میں جتنا جس کا حوصلہ ہوتا ہے بڑھ کر قدم رکھتا چلا جاتا ہے۔ ایک نے دس برتن اور پچاس جوڑے دیئے تو دوسرا نو برتن اور انچاس جوڑے نہیں دے گا۔ ایک بڑھا کر ہی دے گا گو قرضدار ہی ہو جاوے۔ کیونکہ دنیا میں سب امیر ہی نہیں ہیں۔ اور شادی بیاہ سب کو پیش آتے ہیں غریب آدمی کو بھی خبط سوجھتا ہے کہ اگر ذرا بھی گھٹیا کام کروں تو ساری عمر کو برادری منہ کالا کرے گی۔

اس واسطے سُود پر قرض لینا گوارا کرتا ہے۔ صاحبو! اب مجھے یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ آپ کی فہرست گناہوں کی بہت ناقص اور غلط ہے آپ نے اس سود کو بھی اس میں نہیں لکھا جو منصوص قطعی ہے اور جس کے کھانے والے اور کھلانے والے اور لکھنے والے اور گواہوں پر سب پر لعنت آئی ہے۔ غرض برادری کے دباؤ سے غریب آدمی بھی عاقبت برباد کرتا ہے۔ اور غریب ہی کی کیا تخصیص غریب کے اخراجات غریب ہی کے سے ہوتے ہیں اور امیر کے اخراجات امیر کے سے ہوتے ہیں امیر لوگ بھی ان رسموں کی بدولت قرض سے نہیں بچتے۔ امیروں کی تو منگنی بھی معمولی شادیوں سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ ان کو اُن کی حیثیت کے موافق برادری زیرِ بار کرتی ہے۔ اور دین کے برباد کرنے کے ساتھ دنیا میں بھی ان کو ذلیل کر کے چھوڑتی ہے۔ اچھی اچھی ریاستیں دیکھی گئی ہیں کہ ایک شادی کی بدولت غارت ہو گئیں۔ یہ وہی رسمیں ہیں جن کو آپ نے فرمایا تھا کہ مجموعۂ مباحات ہیں۔

## نکاح میں فضول خرچی

میں کہتا ہوں مجموعۂ اسرافات ہیں اور آپ نے اپنی فہرست میں اسراف کو بھی گناہ نہیں لکھا جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ

ترجمہ: فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

اسراف شریعت کی فہرست میں گناہوں میں لکھا ہوا ہے شریعت نے نکاح کو مسنون کیا اور رسوم کو اس کا جزو نہیں قرار دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقریب کو کر کے دکھلا دیا۔

## حضرۃ فاطمہ رضؓ کی منگنی

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کیا نہ اس میں منگنی تھی ——— نہ مہندی تھی نہ نشانی تھی۔ منگنی آپ کی یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود جا کر پیغام دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا نہ اس میں مٹھائی کھلائی گئی نہ کوئی مجمع ہوا۔ اور درحقیقت منگنی چیز کیا ہے، صرف وعدہ ہے جو زبان سے ہوا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ مٹھائی کھٹائی وغیرہ کی کیا ضرورت ہے اگر خط میں لکھ کر وعدہ بھیج دیا جائے تب بھی یہ ہی کام ہوسکتا ہے۔ اس کے ساتھ جس قدر بھی زوائد ہیں سب زائد از کار ہیں نہ اس میں پرانی تاویل ہے کہ اس سے وعدہ کا استحکام ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں جو شخص اپنی زبان کا پکا ہے اس کا ایک مرتبہ کہنا ہی کافی وافی ہے۔ اور جو زبان کا پکا نہیں وہ منگنی کر کے بھی خلاف کر لے تو کیا کوئی توپ لگا دے گا۔ چنانچہ بہت جگہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصلحت سے یا کسی لالچ سے منگنی چھوڑ لیتے ہیں اس وقت وہ استحکام کس کام آتا ہے اور جو

کچھ خرچ ہوا وہ کس کام آیا، غرض یہ تاویل صحیح نہیں، صرف دھوکہ ہے۔
حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منگنی تو یہ ہوئی۔

**نکاحِ فاطمہ رضہ** اب نکاح سُنیئے نہ اس کے لئے کوئی مجمع کیا گیا نہ کوئی خاص اہتمام ہوا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آسمان کے فرشتوں کو بھی بُلا لیتے، صرف چند آدمیوں کو بُلایا۔ اُن میں حضرت انس رضہ اور حضرت طلحہ رضہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ایک دو اور صحابی تھے اور یہ سنکر حیرت ہوگی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود موجود نہ تھے، آپ کی غیبت میں نکاح معلق برضاء علی رضی اللہ عنہ کر دیا گیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر پہنچی تب آپ نے قبول کیا۔

**رخصتی** پھر رخصتی سُنیئے۔ حضرت فاطمہ رضہ کو ام ایمن کے ہمراہ حضرت علی رضہ کے یہاں پہنچوا دیا نہ پالکی تھی نہ رتھ تھا نہ عماری تھی اپنے پاؤں چلی گئیں۔ پھر اگلے دِن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا تھوڑا پانی لاؤ۔ حضرت فاطمہ رضہ خود اُٹھ کر پانی لائیں پھر حضرت علی رضہ سے پانی منگایا جس سے معلوم صاف ہوا کہ حضرت فاطمہ رضہ کا پانی لانا حضرت علی رضہ کے سامنے تھا۔ ذرا اپنی دلہنوں کو دیکھئے کہ سال بھر تک منہ پر ہاتھ رہتے ہیں شادی کے زمانہ میں تو کبھی وہ اپنے منہ سے پانی تک بھی مانگ بیٹھے تو چاروں طرف سے غل مچ جائے کہ ہے ہے کیسی بے حیائی کا زمانہ آگیا بلکہ شادی سے پہلے ہی سے یہ مُصیبتیں اس بیچاری پر آجاتی ہیں اول سخت قرنطینہ میں رکھی جاتی ہے جس کو آپ کی اصطلاح میں مائیوں بیٹھنا کہتے ہیں۔

ایک کوٹھڑی میں بند کر دی جاتی ہے جہاں ہوا تک اس کو نہیں پہنچتی

سارے گھر سے بولنا بند ہو جاتا ہے اپنی ضروریات میں دُوسرے کی محتاج ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ پاخانہ پیشاب کو نہیں جا سکتی یہاں تک بھی غنیمت تھا کہ ان رسموں کی بدولت دنیا کی سزائیں بھگتیں۔ لیکن غضب یہ ہے کہ اس قرنطینہ میں نماز تک نہیں پڑھتی کیونکہ اپنے منہ سے پانی نہیں مانگ سکتی اور اوپر والیوں کو اپنی ہی نمازکی پرواہ نہیں اسکی کیا خبر لیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ نماز جو کہ مرتے وقت بھی معاف نہیں چنانچہ کتاب میں لکھا ہے کہ:

## نماز کی اہمیّت

ایک شخص کشتی میں سوار ہو اور کشتی ٹوٹ جائے اور یہ شخص ڈوبنے لگے اور وقت نماز کا آگیا ہو تو اس شخص کے ذمّہ واجب ہے کہ اسی غوطہ کھانے کی حالت میں نماز کی نیت باندھ لے، پھر چاہے بچے چاہے ڈوب جائے۔ دیکھئے نماز کی یہ تاکید ہے مگر اس قرنطینہ میں قضا کی جاتی ہے کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ با وجود ان منکرات کی یہ رسمیں جائز ہوسکتی ہیں حاشا وکلا دین سے قطع نظر عقل کے بھی تو یہ بات خلاف ہے کہ اس کو آدمی سے حیوان بلکہ جمادات بنا دیا جائے۔ اس کا کھانا پینا بند کیا جاتا ہے محض اس لئے کہ اگر کم کھانے کی عادت نہ ہو گی تو سسرال میں کھا دے گی پھر پاخانہ جاوے گی جو قانونِ حیا کے خلاف ہے حتیٰ کہ بہت جگہ یہ دیکھا گیا کہ فاقہ کرتے کرتے لڑکیاں بیمار ہو گئیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ جب دین کو کوئی چھوڑتا ہے تو عقل بھی سلب ہو جاتی ہے۔ شادی کی تقریبات کو کہاں تک بیان کروں جس رسم کو چاہے دیکھ لیجئے وہ دین کے خلاف ہونے کے ساتھ عقل سے بھی خارج ثابت ہو گی۔

غرض حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگلے دن حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے اور دلہا دلہن دونوں سے فرمایا پانی لاؤ۔ دونوں اُٹھ کر پانی لائے، یہ ساری

باتیں قصہ کہانی ہیں۔ یا اس واسطے کی گئی تھیں کہ ہم لوگ سیکھیں۔

## اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن شریف میں ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

جس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپکی ذات مبارک میں ایک اچھا نمونہ دیا ہے۔ نمونہ دینے سے کیا غرض ہوتی ہے یہی کہ اس کے موافق دوسری چیز تیار ہو۔

میں نے ایک بزرگ محقق کا اس کے متعلق ایک لطیف مضمون سنا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی نے درزی کو ایک اچکن سینے کو دی اور نمونہ کے لئے ایک سلی ہوئی اچکن بھی دی کہ اس ناپ اور نمونہ کی اچکن سی لاؤ۔ درزی نے ساری اچکن نمونہ کے موافق تیار کی غرض طول بھی برابر سلائی بھی یکساں غرض کہیں قصور نہیں کیا۔ فرق کیا تو صرف یہ کیا کہ ایک آستین ایک بالشت چھوٹی بنادی جب وہ اچکن لے کر مالک کے پاس پہنچے گا تو مالک اُسے کیا کہے گا وہ اچکن خوش ہو کرلے گا یا اس کے سر سے مارے گا۔ اگر درزی جواب میں یہ کہے کہ جناب ساری اچکن تو ٹھیک ہے صرف ایک آستین میں ذرا سی کمی ہے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ مالک اس کو پسند کرے گا ہرگز نہیں اس سارے کپڑے کی قیمت رکھوالے گا۔

خوب یاد رکھئے کہ حق تعالیٰ نے احکام نازل کئے جو بالکل مکمل قانون ہے اور ان کا عملی نمونہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا سو اگر آپ کے اعمال نمونے کے موافق ہیں تو صحیح ہیں ورنہ غلط ہیں۔ اگر نماز آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے موافق ہے تو نماز ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ اگر ذکر آپ کا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے موافق ہے تو ذکر ہے ورنہ اُلٹی معصیت ہے۔ دیکھئے نماز میں کوئی بجائے دو کے ایک سجدہ کرلے تو وہ نماز نہ رہی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

کوئی قرآن شریف بحالت جنابت پڑھے تو بجائے ثواب کے اُلٹا گناہ ہوتا ہے (اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ اسمائے الٰہی توقیفی ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی نام رکھنا جائز نہیں) اگر آپ روزہ رکھیں تو وہی روزہ صحیح ہوگا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو علیٰ ہذا حج وہی صحیح ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے موافق ہو اگر حج میں کوئی احرام نہ باندھے تو وہ حج حج نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ وہی صحیح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق ہو اور کوئی سارا مال خلافِ تعلیم خرچ کردے تو زکوٰۃ سے فارغ نہیں ہوسکتا۔

یہ ارکانِ اسلام ظاہری ہوئے۔ اسی طرح اعمال باطنی کو سمجھ لیجئے اور معاملات اور طرزِ معاشرت سب میں یہی حکم ہے۔ حق تعالیٰ نے ہمارے پاس کبھی فرشتہ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اس میں حکمت یہ ہی ہے کہ اگر فرشتہ آتا تو وہ ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتا تھا۔ اس کو نہ کھانے کی ضرورت ہوتی نہ پینے کی نہ ازدواج کی نہ معاشرت کی ان چیزوں کے احکام میں صرف یہ کرتا کہ ہم کو پڑھ کر سُنا دیتا۔ یہ کام صرف کتاب کے بھیج دینے سے بھی نکل سکتا تھا کہ ایک کتاب ہمارے اُوپر اُتر آتی اس میں سب احکام لکھے ہوتے ہمیں آپ پڑھ لیتے اور عمل کرلیتے فرشتے کے اُترنے سے اس سے زیادہ کوئی بات نہ پیدا ہوتی جو کتاب سے ہوسکتی تھی۔

حق تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہماری جنس میں سے پیغمبر بنائے کہ وہ ہماری طرح کھاتے پیتے بھی ہیں، ازدواج اور تعلقات بھی رکھتے ہیں۔ تمدن اور معاشرت کے بھی خوگر ہیں اور ان کے ساتھ کتابیں بھیجیں تاکہ کتاب

میں احکام ہوں اور وہ خود بنفسِ نفیس ان کی تعمیل کر کے دکھاویں تاکہ ہم کو سہولت ہو اسی واسطے فرمایا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ

یعنی ہم نے جس قدر پیغمبر بھیجے وہ اور آدمیوں کی طرح کھانے پینے والے اور معاشرت رکھنے والے بھیجے دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا

یعنی اگر ہم فرشتہ کو احکام لے کر بھیجتے تب بھی یہ ہوتا کہ وہ انسان کی صورت میں آتا ورنہ انسان کو اس سے ہدایت نہ ہو سکتی کیونکہ وہ نمونہ نہ بن سکتا۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات فرشتوں سے بھی زیادہ ہیں۔ لیکن حکمتِ الٰہی اسی کی مقتضی ہوئی کہ آپ نسلِ انسان سے پیدا ہوں تاکہ تمام افعالِ انسانی میں نمونہ بن سکیں دیکھ لیجئے کہ جتنی باتیں انسان کو پیش آتی ہیں سب آپ کو پیش آئیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیبیاں رکھیں اور اپنی اولاد کا نکاح کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں غمی کی تقریبیں بھی ہوئیں کئی صاحبزادوں نے انتقال کیا جو حالات ہم کو پیش آتے ہیں وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں نکلے تاکہ ہمارے لئے پورا ایک دستور العمل بن جائے۔

اب آپ دیکھ لیجئے کہ کونسا فعل ہمارا نمونہ کے موافق ہے۔ کوئی تقریب خوشی کی ہوتی ہے تو ہم نہیں دیکھتے اور کوئی تقریب غمی کی ہوتی ہے تب ہم نہیں دیکھتے کہ دستور العمل میں کیا ہے۔ اس درزی کی مثال کو یاد رکھئے ایک بالشت کپڑا کم کر دینے سے اچکن منہ پر ماری جاتی ہے اور اگر وہ بجائے

سینے کے کپڑے کی دھجیاں کر کے مالک کے سامنے جا رکھے تو وہ کس سزا کا مستوجب ہے جبکہ مالک قادر بھی ہو۔

واللہ باللہ ہمارے اعمال کی حالت یہ ہی ہوگئی ہے کہ جو طریقہ ان کا بتلایا گیا تھا وہ تو کوسوں دور ان اعمال کو تباہ کر کے اور دھجیاں اڑا کے ہم حق تعالے کے سامنے رکھ دیتے ہیں یہ کچھ مبالغہ آمیز الفاظ نہیں ہیں دیکھ لیجئے کہ جیسے اچکن سینے کے واسطے کپڑے کا اپنی اصل پر رہنا شرط ہے اور دھجیاں کرنے والا اس کو اس اصل سے نکال دیتا ہے کہ جس سے اچکن تو کیسی کپڑے کی کوئی غرض بھی اس سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح تمام اعمال کے صحیح ہونے کے واسطے ایمان کا ہونا شرط ہے۔ کوئی چاہے کہ ایمان کھو کر کوئی عمل کرے تو وہ ایسے ہی بیکار ہوگا جیسے کوئی کپڑے کی دھجیاں کر کے اچکن سینا چاہے۔

## نکاحِ مسلمہ

اور اس تقریر سے ضمناً آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ نکاح مسلمہ کے واسطے شرط ہے، مسلمان ہونا مسلمان عورت اور کافر مرد میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ آج کل جن لڑکوں کو بیٹیاں دی جاتی ہیں بعضے ان میں سے جدید تعلیم کے اثر سے ایسے آزاد منش ہیں کہ ان کو دین ایمان سے بھی کچھ علاقہ نہیں رہا زبان سے کلماتِ کفر بک جاتے ہیں اور کچھ پرواہ نہیں ہوتی پھر ان ہی سے ایک مسلمان لڑکی کا نکاح پڑھوایا جاتا ہے اور سب گھر والے خوش ہوتے ہیں کہ ایک مسنون طریقہ ادا کیا جاتا ہے، اس سنت کی صحت کے لئے موقوف علیہ ہے ایمان، افسوس ہے کہ نوشہ صاحب جانے کتنی دفعہ اس سے خارج ہو چکے ہیں، اب وہ مثال صادق ہے یا نہیں کہ کپڑے کے پرزے پرزے کر کے بلکہ جلا کے اچکن سینے کا ارادہ کیا جاتا ہے ہم کو تو اسی کا رونا تھا کہ

اچکن نمونہ کے موافق نہیں سی جاتی، ایک آستین بالشت بھر کم کی جاتی ہے۔ یہاں نہ آستین رہی نہ دامن اور خیال یہ ہے کہ اچکن تیار ہے۔

ایک نیک بخت لڑکی ایک انگریزی خواں سے بیاہی گئی جو ایک مجمع میں زبان سے یہ لفظ کہہ رہے تھے کہ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی بہت بڑے ریفارمر تھے اور مجھ کو آپ سے بہت تعلق ہے۔ لیکن رسالت میں یہ ایک مذہبی خیال ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک، یہ کلمہ کفر ہے نکاح اس سے ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ مسئلہ اگر لڑکی والوں کو بتلایا جاتا ہے تو اُلٹے لڑنے کو سیدھے ہوتے ہیں کہ ہمارے خاندان کی ناک کٹواتے ہیں، اب وہ زمانہ ہے کہ اسکی بھی ضرورت ہے کہ دیکھ لیا جائے کہ داماد مسلمان ہے یا کافر بجائے اس کے کہ پہلے دیکھا جاتا تھا۔ نیکوکار ہے یا بدکار۔ اس قصہ سے میرے قول کی تصدیق ہو گئی ہوگی کہ ہمارے اعمال خراب ہی نہیں بلکہ باطل ہیں پھر لطف یہ ہے کہ ہم ان کو اچھے سمجھ کر اجر کے اُمیدوار بیٹھے ہیں۔ شعر:

وسوف ترى اذا انكشف الغبار
افرس تحت رجلك ام حمار

(یعنی ذرا غبار ہٹنے دو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر یعنی آنکھیں ذرا مچ جائیں اسی وقت معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے اعمال مقبول اور قابلِ اجر ہیں یا مردود اور قابلِ مواخذہ)

خوب نمونہ کی قدر کی ہمیں خدائے تعالیٰ نے تو محض اپنی رحمت سے دستور العمل دیا تھا۔ ہم نے سب کو کاٹ پھانٹ کر جیسا چاہا ویسا بنا لیا۔

## شریعت میں تنگی نہیں

اور پھر خداوندی لطف یہ ہے کہ اس نمونہ میں بھی کچھ تنگی نہ تھی، دو قسم

کا نمونہ دیا گیا تھا۔ فعلی اور قولی اور یہ محض رحمت ہے کہ اتنی وسعت کر دی کہ کچھ بھی دِقّت باقی نہیں رہی اب اس کی مثال ایسی ہو گی کہ جیسے درزی کو ایک کپڑا دیا گیا کہ اسکی اچکن سی لاؤ اور اس کے حدود بتلا دیئے گئے کہ اتنی نیچی اور اتنی ڈھیلی ہو اس کے سوا اور کسی بات کا پابند اس کو نہیں کیا گیا اور اس کو اجازت دی گئی کہ اچکن ہو خواہ دیسی وضع کی ہو یا شیروانی ہو سلائی معمولی ہو یا بڑھیا استری ہو یا نہ ہو تو اس کو کتنی گنجائش مِل گئی کہ جیسی چاہے اچکن سیئے۔ بشرطیکہ حدود قولیہ سے تو نہ نکل جاوے اور جاکر مالک کے سامنے پیش کر دے اور اپنی اُجرت خاطر خواہ لے لے اس کا شکریہ ازروئے انصاف درزی کے ذمہ یہ ہے کہ خُوب دِل سے سیئے۔

اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو یہ تو واجب اور ضروری ہے کہ اس طرح اس کپڑے کو قطع بُرید نہ کرے کہ اچکن ہونے سے خارج ہو جائے۔ اگر ایسا کرے گا تو اُجرت کا مستحق نہ ہو گا بلکہ کپڑے کے تاوان کا ذمّہ دار ہو گا ہم کو اعمالِ شرعیہ میں اسی قسم کی گنجائش دی گئی ہے کہ حدود بتلا دیئے گئے ہیں کہ ان سے باہر نہ ہوں اور ان حدود کے اندر جتنی گنجائش ہو عمل کر لیں۔ یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔

دوسرا یہ ہے کہ جناب رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو نمونے ہم کو دکھائے ہم کو بالکل اُن پر کاربند ہونا چاہیئے مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر جَو کھایا ہے اور دنیا میں بہت تنگی کے ساتھ گزر کی نہ رنگا رنگ کے کھانے کھائے۔ نہ مکان سجائے نہ درہم و دینار رکھے اور ہم نہ جَو کھاتے ہیں نہ کسی قسم کی تنگی کرتے ہیں۔ کپڑا بھی اچھا پہنتے ہیں مکان میں بھی تکلّف کرتے ہیں، روپے پیسے بھی جمع رکھتے ہیں اور ان سب باتوں کو کون علماء جائز کہتے ہیں تو یہ

نمونے کی تطبیق نہ ہوئی جواب یہ ہوا کہ نمونہ دو قسم کا دیا گیا ہے، قولی و فعلی تو ایک خاص ہیئت ہے اور قولی ان حدود کی تعیین ہے جن سے باہر نکلنا جائز نہیں مگر خود ان کے اندر وسعت بہت ہے۔

عشاق نے تو نمونہ فعلی کی بھی تطبیق کر کے دکھا دی وہی کھایا وہی پیا، اسی طرح دنیا گزار دی مگر خیر ہم جیسوں کے لئے گنجائش ہے کہ ان حدود تک اپنی خواہش کو پورا کر سکیں مگر ان سے آگے نہ بڑھئے ہر کام میں خیال رکھئے کہ حدودِ شرعی کہاں تک ہیں ان کے اندر بھی آپ رہیں گے تو نمونہ پر عامل کہلا سکیں گے، ہاں ان حدود سے نکل جانا ایسا ہو گا جیسے وہ درزی بجائے اچکن سینے کے کرتہ یا ٹوپی سی ڈالے، کھانا کھلانا حلال ہے اور دنیا لینا حلال ہے مگر نہ قرض کر کے اور تفاخر کے طور پر یہ دونوں حدیں ہیں جب آپ حد سے نکل جائیں گے تو گناہ کا مرتکب ہو گا۔

اب آپ ہی پر انصاف ہے، تھوڑی دیر کے لئے قلب کو رواج کی پابندی سے خالی کر کے کہہ دیجئے کہ یہ رسمیں تفاخر کی ہیں یا نہیں امید ہے کہ اگر آپ بے رو رعایت کہیں گے تو یہی کہیں گے کہ بیشک تفاخر ہے، بس یہی حدِ شرعی سے خروج ہے، یہ تو رسموں میں لزوماً خرابی ہوئی اور جن مفاسد کا ان میں عروض ہو جاتا ہے وہ علیحدہ رہیں۔

## شادی کے وقت نماز

مثلاً جہاں شادی وغیرہ دھوم دھام سے اور رواج کے موافق ہوتی ہے وہاں عورتوں کو اور مردوں کو اور صاحبِ خانہ کو اور نوکروں چاکروں کو نماز کا مطلق ہوش نہیں ہوتا رات بھر جاگنے اور کھانے دانہ میں اور مہمان داری اور لینے دینے میں کٹ جاتی ہے مگر نماز کی فرصت کسی کو نہیں ہوتی یہ حدِ شرعی سے خروج ہے

کہ نہیں نماز جس کا چھوڑنا کسی ضرورت سے بھی جائز نہیں بے ضرورت چھوڑ دی جاتی ہے۔

بعضی عورتوں کو یہ ہی عذر ہوتا ہے کہ گھر میں اتنا مجمع ہو گیا ہے کہ نماز کے لئے جگہ ہی نہیں اتنی عورتیں کہاں نماز پڑھیں کیوں بیبیو! سارے کاموں کے لئے جگہ ہے اور نماز کے لئے جگہ نہیں کیا جس وقت سونے کا وقت آئے گا، اس وقت ان کو لیٹنے کے لئے بھی جگہ نہ ملے گی۔ لیٹنے کے لئے تو ضرور جگہ ملے گی اگر کسی بی بی کو ذرا سی بھی تکلیف ہو گی تو ساری برادری میں ناک کٹی ہو جائے گی اگر بیبیاں سونے کے برابر بھی نماز کو ضروری سمجھیں تو نماز کی جگہ نہ ملنے پر بھی برادری میں ناک کٹی کر دیں مگر نماز پڑھنا ہی نہیں، یہ سب حیلے بہانے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جتنی جگہ سونے کے لئے چاہیئے نماز کے لئے اتنی بھی درکار نہیں عورتوں کا سجدہ بہت دب کر ہوتا ہے ذرا سی جگہ کافی ہے پھر جگہ نہ ملنے کا حیلہ کیسے چل سکتا ہے اور کچھ بھی ہو فرض کر لیجئے جگہ بالکل نہیں ہے تو حق تعالیٰ اس کے کب ذمہ دار ہیں، حق تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ ایسے مجمع میں جاؤ جہاں نماز بھی نہ پڑھ سکو جب وقت آئے لاکھ تدبیر کرو اور نماز ادا کرو مجمع میں پڑھو یا مجمع پر خاک ڈالو گھر جاکر نماز ادا کرو جس صورت سے بھی ہو، نماز چھوڑ کر گناہ سے نہیں بچ سکتیں۔

## سفر میں نماز

اسی ضمن میں ایک اور مسئلہ یاد آگیا وہ یہ ہے کہ سفر میں بھی عورتوں کو یہ عذر ہوتا ہے کہ ریل میں جگہ نہیں ملی، یا یہ کہ پانی نہیں ملا، یا یہ کہ قبلہ کی سمت معلوم نہیں ہوئی، یہ سب عذر اپنے گھڑے ہوئے ہیں، شریعت نے ان کا اعتبار نہیں کیا۔ ریل میں بیٹھنے کی جگہ تو مل جاتی ہے اور بچہ یا اسباب ساتھ ہوتا ہے

تو اس کی بھی جگہ بُری بھلی ہو ہی جاتی ہے تعجب ہے کہ نماز کی جگہ نہیں ہوتی اسی طرح بچہ پیاسا ہو تو کہیں نہ کہیں پانی مل جاتا ہے مگر نماز کے لئے نہیں ملتا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر اسٹیشن پر تم ہو تو وہاں پانی مانگ لو اگر پانی نہ مل سکے یا پانی ملنے میں ریل چھوٹ جائے گی تو تیمم کر لو، مگر تیمم کے مسئلے سیکھ لو۔

ایک بی بی نے ریل کے تختوں پر تیمم کیا اس خیال سے کہ جیسے گھر کی دیوار ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ یہ غلطی ہے دیوار مٹی کی ہوتی ہے اور وہ لکڑی ہے، ہاں اگر ریل کی بینچ پر خوب گرد پڑی ہوئی ہو تو اس پر تیمم جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ گرد پاک ہو، ناپاک مٹی پر تیمم نہیں ہو سکتا، اور اتنا بھی بکھیڑا کیوں کیا جاوے مٹی کا کوئی برتن پاس ہو تو اس پر تیمم کر لو اس پر گرد ہونا بھی شرط نہیں اول تو ریل کے سفر میں تیمم کی نوبت ہی آنے کی امید نہیں، پانی ہر جگہ ملتا ہے۔ اگر یوں ملنے میں دقت ہو تو پیسہ دو پیسہ خرچ کر دو پھر جتنا پانی چاہے لے لو جہاں دنیا کی آسائش کے لئے تیسرے درجہ کی جگہ ڈیوڑھا یا دوئم درجہ کا ٹکٹ لیتے ہو اگر دو چار پیسے خرچ کر کے نماز مل جائے تو کیا حرج ہوگا ہاں خیال رکھنا اور مستعدی شرط ہے۔

## ریل میں سمت قبلہ

اسی طرح جب ریل میں سمت سمجھ نہ آئے تو دوسرے سے دریافت کر لینا ضروری ہے بے پوچھے نماز نہیں ہو سکتی، اگر ریل اسٹیشن پر ہے تو کسی قلی یا کسی ملازم سے دریافت کر لے پر وہ بھی اسی حد تک درست ہے جہاں تک شریعت نے بتلایا ہے اس عذر سے نماز نہیں چھوڑی جا سکتی کہ قبلہ معلوم نہ تھا یہ سب ایسے عذر ہیں جن کو شریعت اعتبار نہیں کرتی اگر مجمع نماز پڑھنے کو مانع ہوتا ہے تو شریعت اس مجمع کو بھی جائز نہیں رکھتی اگر ایک نماز بھی ان تفریحات

میں چھوٹ گئی تو ان کی قبیح ہونے کے لئے کافی وجہ ہے مگر ہم کو حسن و قبیح کی خبر ہی نہیں ان تقریبات کو خوشی کے مواقع سمجھتے ہیں۔ ان کے واسطے دِن اچھے تلاش کئے جاتے ہیں ساعتِ سعید دیکھی جاتی ہے اس خبط میں یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ جائز ہے یا ناجائز۔

## حقیقۃً نحوست کا وقت

نجومیوں اور پنڈتوں سے ساعت پُوچھ کر بیاہ رکھا جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو کوئی ساعتِ نحس آن پڑے اور یہ خبر نہیں کہ نحس حقیقی ساعت کون سی ہے۔

نحس حقیقی وہ ساعت ہے جس میں حق تعالیٰ سے غفلت ہو جس وقت میں آپ نے نماز چھوڑی اس سے زیادہ نحس کون وقت ہو سکتا ہے اور جو اشغال نماز چھوڑنے کے باعث بنے ان سے منحوس شغل کونسا ہو سکتا ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ

ترجمہ:۔ شیطان کی جُوئے اور شراب سے یہ غرض ہے کہ آپس میں دشمنی ڈالدے اور ذکر اللہ سے اور نماز سے روکدے، حق تعالیٰ نے اس آیت میں جوئے اور شراب کے دو نقصان بتلائے ایک یہ کہ شیطان اس کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں نفاق ڈالدے گا، دوسرے یہ کہ خُدائے تعالیٰ کی یاد سے اور اور نماز سے روکدے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ عداوۃ اور بغضاء۔ اور نماز اور ذکر اللہ سے غافل کرنے کے لئے یہ دونوں چیزیں آلہ ہیں اور آلہ اور علت ایک ہی چیز ہیں اسی واسطے اس کی شرح میں فرماتے ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

كُلُّ مَا اَلْهَاكَ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ فَهُوَ مَيْسِرٌ۔

یعنی جو چیز تجھ کو ذکر اللہ سے غافل کرے وہ سب جوا ہے۔

ظاہر ہے کہ لفظ میں تو اس کو جوا نہیں کہتے حدیث میں جو اس کو جُوا فرمایا گیا وہ باشتراک علت ہے اس میں تصریح ہو گئی کہ : نَهَىٰ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ کی علت الہاء عن ذکر اللہ ہے۔

پس جہاں الہاء عن ذکر اللہ پایا جائے گا وہ سب حکماً خمر اور میسر ہو گا۔ اب اس سے اپنی رسموں کا حکم نکال لیجئے۔

## تردیدِ رسوم

حدیث کے الفاظ صاف کہتے ہیں کہ ان کا حکم بھی شراب اور جوئے کا سا ہے کیونکہ نماز سے غافل ہونے کا سبب ہو گئیں اگر اور دلیلوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو یہ دلیل میں نے ایسی پیش کی ہے کہ اس کے سامنے کسی دلیل کی حاجت نہیں اور اس کا جواب آپ کچھ بھی نہیں دے سکتے جب چاہے مشاہدہ کر لیجئے کہ جہاں یہ رسمیں ادا ہوتی ہیں وہاں نماز کی گت نہیں ہوتی تو بموجب ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میسر یعنی جوئے کے حکم میں ہوئیں اور میسر کو قرآن شریف میں رجس اور عمل شیطان فرمایا گیا ہے۔ تو میں نہیں کہتا بلکہ قرآن ان کو عمل شیطان کہتا ہے۔

پس اور دلیلوں کو جانے دیجئے یہی کیا کم خرابی ہے کہ اس کا نام عمل شیطان ہوا حکم شرعی تو یہی ہے جس کے لئے ایسی دلیل بتلائی گئی کہ موٹی سے موٹی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے، لیکن سمجھے تو وہ جس کی طبیعت میں یہ کچھ کھٹکیں۔

## رسوم میں دینی خرابیاں

انھوں نے رواج ایسا پایا ہے جیسے سالن میں ہلدی مصالح نمک کے بغیر ان کے سالن بنتا ہی نہیں حتیٰ کہ جو لوگ مرچ زیادہ کھاتے ہیں اُن سے کوئی حاذق طبیب بھی کہے کہ مرچ میں یہ نقصان ہیں تو کبھی ان کا دل قبول نہ کرے گا اور یہی جواب دیں گے کہ میاں طب کو رہنے دو تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ساری عمر کھاتے

ہو گئی کوئی بھی نقصان نہیں ہوا اور بے مرچ کے لطف ہی کیا۔

اسی طرح مسلمان غیر قوموں کی صحبت سے رسموں کے ایسے خوگر ہو گئے ہیں کہ بلا ان کے کسی تقریب میں لطف ہی نہیں آتا چاہے خانہ ویرانہ ہی ہو جائے لیکن یہ نہ قضا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ اعتقاد میں ان کا معصیت ہونا ہی نہیں رہا حتیٰ کہ اگر کوئی رسم رہ جاتی ہے تو مرتے مرتے وصیت کر جاتے ہیں کہ ہمارا چہلم دھوم دھام سے کرنا اور بعض کو اس وصیت پر بھی اعتبار نہیں ہوتا۔ اس چہلم کو قبل از وقت اپنی زندگی ہی میں کر جاتے ہیں۔

کیسا حس باطل ہوا ہے کہ نماز قضا ہو تو پرواہ نہیں جس کا وقت آ گیا اور خطاب اللہ متوجہ ہو چکا اور چہلم کا وہ اہتمام ہو کہ وقت آنے سے بھی پہلے ادا کیا جائے امر اللہ کی وہ بے وقعتی اور امر شیطان کی یہ وقعت ڈوب مرنے کی بات ہے افسوس ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے جاتے وقت بھی وہ معصیت ذہن میں بھری ہوتی ہے اس وقت تو شرمانے کا وقت تھا۔ مگر بطلان حس کا کیا علاج —— ؟ جب کسی کو پاخانہ میں خوشبو آنے لگے تو کیا تعجب ہے کہ مہمانوں کے سامنے بجائے کھانے کے غلیظ کو رکھ دے مگر یاد رکھئے کہ مہمانوں کا حس باطل نہیں ہے آپ کے بے حس ہو جانے سے معصیت طاعت نہیں بن جائے گی خدائے تعالیٰ کے یہاں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوگا۔ یہ حالت بہت اندیشہ کی چیز ہے کہ معصیت کا برا ہونا بھی ذہن سے اٹھ جائے اس کو موت قلب کہتے ہیں رسموں کو کہاں تک بیان کروں۔

**نیوتہ کا حکم**

سب سے عمدہ رسم جس کے فوائد بہت بیان کئے جاتے ہیں ایک اسی کا حال آپ سن لیجئے جس سے معلوم ہوگا کہ وہ رسمیں جن کے برا ہونے کے آپ خود معترف ہیں وہ کسی

درجہ کی بُری ہوں گی۔ لوگ کہتے ہیں کہ نیوتہ سلوک ہے گویا اس کو صلہ رحم میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ یہ قرض ہے کیونکہ صلہ رحم میں بشرطِ عوض کی قید نہیں ہوتی ———— اور اس میں یہ قید ہے صراحۃً ہو یا تعاملاً دیکھ لیجئے نیوتہ بجبر وصول کیا جاتا ہے۔ ایک صاحب کے یہاں شادی ہوئی تو اس میں نیوتہ کم آیا انھوں نے کاغذ نکال کر دیکھا تو بہت سے آدمی نیوتہ دینے سے رہ گئے تھے۔ شادی ختم ہوگئی مگر انھوں نے ایک تنخواہ دار نوکر کئی مہینہ تک تنخواہ دیکر تحصیلِ نیوتہ کے لئے مقرر کیا یہ کیسا صلہ رحم تھا جس طرح وصول کیا جاتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ صرف تاویل ہے درحقیقت نیوتہ قرض ہے اس کو کسی اور عقد میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں جب یہ قرض ہے تو اس پر احکام شرعی قرض کے جاری ہوں گے ان احکام میں آپ کو کوئی اختیار نہیں کہ کوئی تغیر تبدّل کر سکیں جیسا کہ حاکم وقت کسی معاملہ کو ایک عقد میں داخل کرکے اس کے احکام جاری کر دیتا ہے تو وہ جبراً تسلیم کرنے پڑتے ہیں اس میں آپ کو اختیار نہیں ہوتا کہ ان احکام میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر دیں۔

مثلاً ایک زمین کچھ مدت تک کاشت کرنے سے موروثی قرار دی جاتی ہے اور اس پر حاکم وقت یہ حکم مترتب کر دیتا ہے کہ اب مالک کاشتکار کو بیدخل نہیں کر سکتا تو یہ حکم لازم ہو جاتا ہے اس میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ موروثی ہے مگر اس حکم کو ماننے کی ضرورت نہیں کہ اب اس کا قبضہ نہیں چھوٹ سکتا۔ ہماری مِلک ہے جس طرح چاہیں تصرف کریں۔

جب دنیا کے بادشاہ کا ایک معاملہ پر حکم مرتب کرنا جس میں ابھی یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ یہ عقلاً صحیح ہے یا نہیں لازم ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کے

احکم الحاکمین کے قرار دادہ احکام معاملات میں کیوں لازم نہ ہوں گے۔

درحالیکہ یہ بھی تسلیم کیا ہوا ہے کہ خدائے احکم الحاکمین کے احکام عین عدل و عین حکمت ہیں۔ پس وہ احکام جو عقد قرض پر خدائے تعالیٰ نے مرتب کئے ہیں یہ ہیں کہ بلا ضرورت قرض نہ لیا جائے یہ نیوتہ کیسا قرض ہے کہ ضرورت کا تو ذکر کیا دینے والے کے اختیار سے دیا جاتا ہے اور نہ لینے سے برادری بُرا مانتی ہے کہیں آپ نے ایسا قرض دیکھا ہے کہ دینے والا زبردستی نہ کرے اور دوسرا مقروض بن جائے یہ حکم تو لینے کے وقت کا ہے اور دینے کے وقت کے احکام سنئے۔ قرآن شریف میں ہے۔

وَاِنْ کَانَ ذُوْعُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ۔

یعنی اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو مہلت دینی چاہیئے جبتک کہ وہ دے سکے اور آپ کے اس قرض کا وقت وہ مقرر ہے جبکہ شادی ہو خواہ کسی کے پاس ہو یا نہ ہو اور ایک حکم یہ ہے کہ مدیون جس وقت ادا کرنا چاہے تو ادا ہو سکتا ہے اگر کوئی ایک مدت کا وعدہ بھی کرکے قرض لے اور اس مدت سے پہلے ادا کرے تو دائن کو نہ لینے کا اختیار نہیں اسی وقت لینا پڑے گا اور آپ کے اس نیوتہ کو اگر کوئی بلا تقریب کے واپس کرنا چاہے تو نہیں لیا جاتا یہ کیسا قرض ہے۔ یہ حق تعالیٰ کے احکام میں مداخلت ہے، اور ایک فساد اس میں بہت بڑا یہ ہے کہ جب نیوتہ قرض ہوا تو قرض میں میراث جاری ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ عورت مرجاتی ہے تو اس کے وارث خاوند پر نالش کرکے مہر کا روپیہ وصول کر لیتے ہیں تو نیوتہ کے روپیہ میں بھی میراث جاری ہونی چاہیئے اور حصہ شرعی کے موافق سب وارثوں کو پہنچنا چاہیئے مگر اس کا کوئی اہتمام نہیں کرتا یہ میراث کے احکام کو بدلنا ہے

جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔

فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا۔

یعنی میراث کی تقسیم خدائے تعالیٰ کی مقرر کردہ ہے اور خدائے تعالیٰ علیم و حکیم ہیں۔

تقسیم کے مواقع اور مقادیر حصص کو تم سے زیادہ جانتے ہیں اسی کے آگے دوسری آیت ہے۔

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ۔

یعنی خدائے علیم حلیم کے مقرر کردہ احکام ہیں جو کوئی اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کو مانے گا اس کو جنت میں داخل کریں گے اور جو کوئی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نہ مانے گا اس کو دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈالیں گے۔

اس آیت میں وصیۃ من اللہ سے احکام میراث میں تشدد پیدا ہوتا ہے۔ پھر حکم ماننے پر وعدہ ہونے اور حکم نہ ماننے پر وعید ہونے سے اس میں اور تاکید ہوتی ہے اور وعید بھی کیسی کہ جس کی شدت ظاہر ہے اب دیکھئے کہ نیوتے میں کیا ہوتا ہے۔ اگر دینے والا بہت جگہ نیوتہ چھوڑ کر مر جاتا ہے تو وہ نیوتہ

بڑے بیٹے کی شادی کے وقت ادا کیا جاتا ہے اور وہ اس کو اپنی شادی کے خرچ میں لاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب وارثوں کا مال ہے جو ایک کے خرچ میں آ رہا ہے اس سے کھانا کیا جاتا ہے اور سب برادری کھاتی ہے اس میں دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوئی۔ اور بلا اجازت ان کے ان کھانے والوں نے کھایا یہ حق العبد ہوا اور اگر ان وارثوں میں کچھ نابالغ بچے بھی ہیں تو ان کا حصہ بھی کھانے والوں نے کھایا۔ اس میں حق العبد ہونے کے ساتھ اتنا اور اضافہ ہے کہ یتامیٰ کا مال ہے جو ظلماً کھایا گیا جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال بلا کسی حق کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔

یہ آپ کے نیوتہ کے مختصر نتائج ہیں جن میں ساری برادری والے گرفتار ہوتے ہیں، کیا کوئی مسلمان ان وعیدوں کے سننے کے بعد اس کے جاری رکھنے کی جرأت کرے گا دینا تو درکنار یہ ایسی وعیدیں ہیں کہ ان کے خوف سے عجب نہیں کہ اپنا آتا ہوا بھی وصول کرنا بھول جائے۔ یہ تو ایسی رسم کا حال ہے جس کو سب سے اچھی رسم کہا جاتا ہے۔ اور جن رسموں کو آپ خود بھی برا کہتے ان کا حال کیا ہوگا یہ تو خوشی کی رسمیں ہیں، اسی کے قریب قریب غمی کی رسمیں ہیں۔

## موت کی رسمیں

جب کوئی مرتا ہے تو اسکی فاتحہ، تیجہ اور دسواں سب اسی کے مال میں سے ہوتا ہے، حالانکہ شریعت

کا حکم یہ ہے کہ وہ مال وارثوں کا حق ہو چکا سب سے اوّل تو اس قرض میں دینا چاہیئے جو کوئی چیز گروی رکھ لیا گیا ہے۔ تجہیز و تکفین بھی اس کے بعد ہے وہ گروی چیز چھڑا کر بیچی جاوے اور اس میں سے تجہیز و تکفین کی جاوے اور بعد تجہیز و تکفین کے اور قرض دیئے جاویں اور میراث بعد ادائے قرض ہے، رہی میت کی فاتحہ اور ایصال ثواب اس کا شریعت میں کہیں پتہ نہیں ہے اس کو کوئی حق میّت کے مال کے متعلق نہیں قرار دیا گیا اگر میّت کسی مصرف میں صرف کرنے کی وصیّت بھی کر جائے تب بھی ایک تہائی سے زیادہ میں نافذ نہیں اور اس تہائی سے مُراد بھی اس مقدار کا تہائی ہے جو بعد ادائے قرض بچے، اگر قرض میں سب آجائے تو وصیت بھی نافذ نہیں۔

اب دیکھ لیجئے کہ آپ کے یہاں میّت کا مال کس طرح اڑایا جاتا ہے نہ کسی کو قرض کی خبر نہ وصیّت کی نہ میراث کی بلا سوچے سمجھے سب سے پہلے تیجہ اور دسویں میں لگا دیا جاتا ہے جس کا شرعاً یہ حکم ہوا کہ اگر میّت قرضدار ہے تو تیجہ اور دسویں کے کھانے والے ان قرض خواہوں کا حق مارتے ہیں اور اگر میّت قرضدار نہیں بھی ہے تو وارثوں کا حق اُس مال کے ساتھ متعلق ہو چکا اُن کا حق مارنے والے ہیں۔ غرض ہر صورت میں حق العبد کے دیندار ہیں۔ یہاں کوئی یہ نہ کہے کہ وارثوں کی تو اجازت ہوتی ہے کیونکہ میں بارہا بیان کر چکا ہوں کہ رسمی اور شرما حضوری کی اجازت معتبر نہیں۔ اجازت جب معتبر ہے کہ مال تقسیم کر کے سب کو دیدیا جائے پھر ان سے کہا جائے کہ اِتنا اِتنا سب مل کر دو تو فاتحہ کی جائے یہ اجازت معتبر ہو سکتی ہے مگر یاد رکھئے کہ اگر آپ ایسا کریں گے۔ تو ایک وارث بھی آیا ہوا پیسہ دینا گوارا نہ کریگا یہ حکم بھی بالغین کا ہے اور اگر وارثوں میں

کوئی نابالغ ہے تو بعد تقسیم کے بھی اُس کا خوشی سے دینا معتبر نہیں۔ فقہ کا مسئلہ ہے کہ نابالغ کے تصرفات تبرعات کے متعلق نافذ نہیں غرض یہ مال جو تیجہ اور دسویں میں لگایا جاتا ہے مالِ سُحت ہے غنی کو یا فقیر کو کسی کو بھی اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ حق غیر ہے خاص کر اس صورت میں کہ جب وارث نابالغ ہوں کہ اس میں حق غیر ہونے کے ساتھ اتنا اور اضافہ ہے کہ مالِ یتامیٰ ہے جس پر قرآن شریف کی یہ وعید ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۔

اس کو میں نیوتہ کے بیان میں مفصل عرض کر چکا ہوں یہ خرابیاں رسوم موت میں وہ ہیں جن میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اور دیگر خرابیاں جو رسوم میں لازم آتی ہیں جیسے التزام مالایلزم اور اسراف وغیرہ یہ الگ ہیں ذرا تو دین کا خیال چاہئے۔ مال تمہارے پاس کہاں سے آیا تمہارا پیدا کیا ہوا نہیں ہے کہ ایسے خودمختار ہو جاؤ کہ اس کے متعلق کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہی تم بھی خدا کے اور مال بھی خدا کا۔ پھر جس کی ملک ہے اس سے تو پوچھ لینے کی ضرورت ہے جہاں مالکِ حقیقی منع کرے وہاں کسی کو کیا حق ہے کہ صرف کر سکے۔

## رسوم میں عقلی خرابیاں

یہ تو دین کی خرابیاں ہیں۔ اور عقل کی خرابیاں دیکھئے کہ جس مال کو محنت جانفشانی سے حاصل کیا گیا ہو اس کو اس بے دردی سے خرچ کر دیا جائے کہ مالک کے قرض تک ادا نہ ہوں اور اس کے بچے محتاج ہو کر رہ جائیں — ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ جن کے باپ خوش حال

تھے اور بہت کچھ ترکہ چھوڑا تھا۔ مگر انھوں نے برادری کی خوشی اور نمود کے لئے سب تیجہ اور دسویں اور بیسویں میں لگا دیا جو کچھ بچا وہ چہلم میں اور اس سے بھی بچا تو برسی میں لگا دیا۔ تھوڑی دیر کے لئے خوب واہ واہ ہوئی اپنے آپ محتاج ہو گئے۔ گھر پھونک تماشا دیکھا یہ کون عقل کی بات ہے کہ ایک ایک لقمہ برادری کو کھلا کر خود فقیر ہو گئے۔ دین سے قطع نظر عقل سے بھی کام لیا جائے تو اس کا عکس ہونا چاہیئے۔ یعنی برادری سب مل کر پیسہ پیسہ دیں تاکہ ایک شخص کے پاس کافی رقم جمع ہو جائے اور برادری کو معلوم بھی نہ ہو مگر جبکہ ہم کو دین یا عقل سے کام کرنا بھی تو ہو، ہمارا امام تو ہوائے نفسانی اور خواہش نفسانی ہے اس کے سامنے ہمیں کچھ نہیں سوجھتا کہ کیا کر رہے ہیں اور اس کا انجام کیا ہوگا نفس اور شیطان آپ کا دشمن ہے کبھی آپ کے فائدہ کی بات نہ بتلائے گا ہمیشہ وہ باتیں بتلائے گا جو دین کے خلاف اور عقل سے بھی خارج ہوں اس کی مثال میں ایک اور رسم پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب عورتیں کسی کے یہاں جاتی ہیں تو عمدہ سے عمدہ کپڑے اور زیور پہنکر جاتی ہیں اور جب وہاں سے اپنے گھر کو واپس آتی ہیں تو اس زیور اور کپڑے کو ایسی جلدی اتار کر سنگوا دیتی ہیں جیسے کسی کا مانگا ہوا تھا اور اس نے اتروا لیا۔ اس رسم میں دینی مفاسد مثل ریا ؤ سمعہ و شہرت و تفاخر وغیرہ سے قطع نظر کر کے میں کہتا ہوں کہ عقل کے بھی خلاف ہے جس کی کمائی سے یہ کپڑا اور زیور میسّر ہوا اس کے سامنے تو بھنگنوں کی طرح رہیں اور دوسروں کے سامنے بن ٹھن کر جائیں اور اتنی بھی توفیق نہ ہو کہ دوسروں کے طفیل ہی میں اس کے سامنے تھوڑی دیر کے لئے پہنے رہیں یہ ایسے ہوا جیسے کھانا کسی کی لاگت سے پکایا جاوے اور کھانے کو دوسرے بلائے جاویں اور

وہ دیکھنے کا دیکھتا ہی رہ جاوے۔ جو باتیں خواہش نفسانی کے اتباع سے کی جاتی ہیں وہ ایسی ہی بے ہودہ اور عقل سے خارج ہوتی ہیں اسی سے سمجھ لو کہ اور رسمیں بھی ایسی ہی لغو اور عقل کے خلاف ہوں گی۔ مگر ہماری طینت میں ایسی جہالت داخل ہوگئی ہے کہ اچھے بُرے میں تمیز ہی نہیں رہی اپنا نفع نقصان بھی نظر نہیں آتا بس خواہش کو امام بنالیا ہے۔

میں نے تھوڑے سے حالات بیان کئے ——— جس حال میں آپ غور کریں اس میں اپنی خواہش کا اتباع ثابت ہوگا۔ عقائد ہیں تو اپنی خواہش کے موافق اور اعمال ہیں تو اپنی خواہش کے مطابق اور اخلاق ہیں تو اپنی خواہش کے موافق۔ کوئی حال ایسا نہیں معلوم ہوتا جو شریعت کے موافق ہو۔ اس کی نسبت حدیث کے الفاظ یہ ہیں لا یومن احدکم الخ جس کے معنی لغوی یہ ہیں کہ بلا اتباع شریعت ایمان ہی نہیں مگر ہم لوگوں نے اس کی تاویل بھی اتباع ہوائے ہی سے یہ کرلی کہ ایمان کی نفی نہیں کمال ایمان کی نفی ہے۔ اور مومناً کے آگے کاملاً مراد ہے۔ میں اس تاویل سے انکار نہیں کرتا۔ کیونکہ جن لوگوں نے یہ تقدیر نکالی ہے وہ خدانخواستہ گمراہ یا جاہل نہ تھے۔ اہلِ حق کا مذہب یہی ہے کہ معاصی سے ایمان نہیں جاتا یہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ گناہ کرنے سے دوزخ میں جانا ضروری ہے۔ اہلِ سنت کہتے ہیں کہ سوائے شرک کے کوئی گناہ ایسا نہیں جس میں مغفرت سے یاس ہو چکی ہو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ بڑے سے بڑے گناہ کو بخش دیں۔

تو مذہب حق یہی ہے کہ یہاں کاملاً کی قید ہے اس کی دلیل اور نصوص ہیں جو اسباب میں قطعی الدلالت ہیں کہ معصیت سے ایمان نہیں جاتا میری غرض تو اس غلطی پر متنبہ کرنا ہے کہ آپ جس غرض سے یہ قید کاملاً کی نکالتے ہیں یہ بھی اتباع ہوائے ہے کہ معاصی سے قلب مالوف ہوگیا ہے ہوا کی اتباع چھوڑ نہیں سکتا اور بحمد للہ قرآن و حدیث پر ایمان بھی ہے تو اس الفت بالمعاصی کو قائم رکھنے کے واسطے قرآن و حدیث میں تاویل کرلیتا ہے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ہمارے تاویل کرنے میں اور علماء کے تاویل کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے تاویل اس کو کہتے ہیں کہ دو کلام جو بظاہر متعارض معلوم ہوتے ہیں کوئی ایسے معنی ان میں سے ایک کے لے لئے جاویں کہ تعارض نہ رہے۔ سو ہماری تاویلات باتباع نفس ہوتی ہیں اور ان کی تاویل باتباع قرآن و حدیث ان دونوں کے نتیجہ میں فرق ہے ہم کو اس تاویل سے معاصی پر جرأت بڑھتی ہے اور ان کو اسی تاویل سے دوسری آیت کی تعمیل نصیب ہوتی ہے وہ ہر صورت میں مطیع ہیں اور ہم ہر طرح نافرمانی کی گنجائش نکالتے ہیں، دونوں قسم کی تاویلوں میں فرق خوب سمجھ لو ہماری تاویلوں کی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎

بر ہوا تاویل قرآں میکنی ۔۔۔ پست و کج شد از تو معنے سنی
چوں ندارد جان تو قندیل ہا ۔۔۔ بہر بینش میکنی تاویلہا

(ترجمہ) تم محض ہوائے نفسانی پر قرآن کی تاویل کرتے ہو جس سے تمہاری تاویل کی بدولت روشن معنی قرآن کے کج اور متغیر ہوگئے۔ تمہاری جان چونکہ انوار نہیں رکھتی اس واسطے بنیائی تاویلیں کرتے ہو یعنی تم حقائق و علوم سے چونکہ خالی ہو اس لئے تم اپنی جہالت چھپانے کے واسطے تاویلیں کرتے ہو

غرض اپنی تاویلات کو علماء کی تاویل نہ سمجھئے اور ان کو تاویل کرتے دیکھ کر آپ جرأت نہ کیجئے اس میں آمیزش نفس کی ہے کہیں نہ کہیں دھوکہ ضرور ثابت ہوگا ان تاویل کو حق سمجھئے کہ حدیث مذکور میں نفی کمال ایمان مراد ہے یہ آج کی تاویل نہیں متقدمین کی اور علماء حقانی کی کی ہوئی تاویل ہے مگر اس پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیے کہ معاصی سے ایمان نہیں جاتا کیونکہ یہ صحیح ہے کہ معاصی سے ایمان نہیں جاتا مگر یہ بھی صحیح ہے کہ ایک معصیت دوسری کا سبب بن جاتی ہے اور چھوٹی معصیت سے بڑی تک نوبت آ جاتی ہے اور رفتہ رفتہ آدمی کفر تک پہنچ جاتا ہے یہی معنی ہیں مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ ۔ کے اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جس کا ماحصل یہ ہے کہ بخل ایک درخت ہے دوزخ میں جب آدمی بخل کرتا ہے تو دوزخ میں پہنچ جاتا ہے اور میں کہتا ہوں کفر وغیرہ نہ بھی ہو تو کیا نقصان ایمان ڈرنے کی چیز نہیں اور کیا کمال ایمان ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کو حاصل کیا جائے جب آپ کھانا پکاتے ہیں تو اتنی سی بات بھی گوارا نہیں ہوتی کہ ذرا نمک پھیکا ہو حالانکہ اگر نمک بالکل بھی نہ ہو تو کھانا میں مقصود کا بطلان نہیں ہوتا کمال ایمان بڑی چیز ہے ہمت کیجئے اور حاصل کیجئے اور ہمہ تن اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع بنائیے عقائد ہوں تو شریعت کے موافق اعمال ہوں تو شریعت کے موافق اخلاق ہوں تو شریعت کے موافق اور معاملات کی بالخصوص اصلاح کیجئے ان میں ابتری بہت ہی زیادہ ہے نماز روزہ کے مسائل تو لوگوں کو معلوم ہی ہیں مگر ان سے ایسی اجنبیت ہوئی ہے کہ ان کے مسئلے بتانے والے بھی کم ہیں میں نے بہت تھوڑی سی باتیں توضیح کے ساتھ بیان کی ہیں اب وقت نہیں ان ہی سے اتنا پتہ آسانی سے چل سکتا

ہے کہ ہمارے حالات سب کے قابلِ اصلاح ہیں یہ کھٹکا اگر آپ کے دل میں پیدا ہو گیا ہے تو کل مفاسد کی تفصیل معلوم کرنا آسان ہے معلوم کیجئے اور ہمت کرکے اصلاح کی فکر کیجیے۔

ایک لغو عذر یہ بھی ہے کہ جب عوام سے کہا جاتا ہے کہ شریعت کو مانو تو کہتے ہیں کہ ہم تو دنیا دار ہیں ہم سے کہیں شرع نبھ سکتی ہے۔ کیوں صاحبو! جس وقت جنت سامنے کی جائے گی اس وقت بھی تم یہ ہی کہہ دو گے کہ ہم تو دنیا دار ہیں ہم کیسے اس میں جائیں شریعت کو ایسی ایک ہولناک چیز فرض کر لیا ہے کہ جو دنیا داروں کے بس کی نہیں خوب سمجھ لو کہ شریعت دن رات نفلیں پڑھنا اور کھانے پینے کے چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے۔ کہ مشکل ہو بلکہ اس میں بہت وسعت ہے جس چیز کو کتاب مباح کہے بیدھڑک کر ڈالو مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہ جس چیز کو منع کرے اس کے پاس مت جاؤ یہ ہے اپنی خواہش کو شریعت کے تابع بنانا جس کو کمال ایمان فرمایا گیا ہے ہاں اس کے لئے اتنی ضرورت ہے کہ تم کو معلوم ہو کہ فلاں چیز کو کتاب جائز کرتی ہے اور فلاں چیز کو نہیں یہ معلوم ہونا بھی کچھ دشوار بات نہیں جس کو فرصت ہو وہ تعلیم تعلم سے حاصل کرلے اور جس کو فرصت نہ ہو وہ جاننے والوں سے پوچھ پوچھ کر سیکھ لے۔ آج کل تو علم گلی کوچوں میں عام ہو گیا ہے ہر جگہ مولوی موجود ہیں جو مسئلہ چاہو پوچھ لو ——— اور اگر مولوی نہیں موجود بھی ہوں تو ڈاک کا راستہ ایسا کھلا ہوا ہے کہ چار پیسے میں خط [illegible] علماء سے جو چاہو جواب منگالو، غرض اس بات کا التزام کرلو کہ بدون پوچھے اور بے سوچے محض اپنے نفس کے کہنے سے کوئی کام نہ کرو

تاکہ کمال ایمان میسّر ہو اسی کو فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ۔
ترجمہ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا ،
جبتک کہ اس کی خواہش ان احکام کے تابع نہ ہو جائے جن کو میں لایا
ہوں )، اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ توفیق عطا فرما دیں ۔ آمین !



# غایۃ النجاح

## فی

# آیاۃ النکاح

### نکاح کے معاملے میں کامیابی کا راز

یہ وعظ اہلیہ صغریٰ حضرت حکیم الامت کے مکان پر ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ
بروز یکشنبہ تین گھنٹہ کرسی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔
سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی مستورات پس پردہ اس کے
علاوہ تھیں۔
حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے قلمبند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

**خطبہ** الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم ـــــــ

**اما بعد**: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ـــــــ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ط ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون ـــــــ (سورۃ الروم پارہ ۲۱)

**تمہید** ان آیات کی تلاوت سے غالباً ان لوگوں کو جو ترجمہ سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں یہ شبہ ہوا ہوگا کہ شاید میں نکاح کے حقوق بیان کرونگا کیونکہ موقع بھی نکاح کا ہے اور درخواست کرنیوالے بھی اسی تقریب میں آئے ہیں مگر اسوقت میرا یہ مقصود نہیں نہ اسواسطے کہ یہ مضمون مقصود

بالذات نہیں کیونکہ اگر یہ مضمون (یعنی حقوقِ نکاح کا بیان) فی نفسہ مقصود نہ ہوتا تو نصوص میں اس کا ذکر نہ ہوتا کیونکہ نصوص میں غیر ضروری اُمور کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اسوقت مجھے دوسرا مضمون بیان کرنا ہے جو نیا مضمون ہے جو غالباً آج سے پہلے کانوں میں نہ پڑا ہو گا اور حقوقِ نکاح کا بیان بعض مواعظ میں چند بار بیان ہو چکا ہے اور فقہ کے اُردو رسائل میں بھی اُنکا ذکر ہے اس لئے اس وقت میں ان حقوق کو بیان نہ کروں گا۔

## نصوص میں غیر ضروری اُمور کا ذکر نہیں

یہ جو میں نے کہا ہے کہ نصوص میں غیر ضروری اُمور کا ذکر نہیں کیا گیا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ جو لوگ قرآن وحدیث میں غیر ضروری اُمور کو داخل کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں اور نصوص کی وقعت کو کم کرتے ہیں کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی طبِ اکبر میں جوتہ سینے کی ترکیب داخل کر دے اور ربط یہ بیان کرے کہ بعض امراض ننگے پاؤں پھرنے سے بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا علاج جوتہ پہننے ہی سے ہو سکتا ہے اس لئے ہم نے ناظرین کی آسانی کے لئے جوتہ سینے کی ترکیب بھی لکھ دی ہے مگر یقیناً اس ربط کے بعد بھی یہ مضمون اس کتاب کی وقعت کو کم کر دے گا کیونکہ یہ ربط محض لغو ہے اگر اس وجہ سے طبِ اکبر میں جوتہ سینے کی ترکیب اضافہ کیجائے گی تو پھر کپڑا بُننے کی ترکیب بھی بڑھانا چاہیئے کیونکہ بعض امراض عریانی سے پیدا ہوتے ہیں اور کھانا پکانے کی ترکیب بھی لکھنا چاہیئے کیونکہ بعض امراض بھوکا رہنے یا خراب غذا کھانے سے پیدا ہوتے ہیں اور پاخانہ کمانے کی ترکیب بھی درج کرنا چاہیئے کیونکہ بعض امراض غلاظت اور ترکِ صفائی سے پیدا ہوتے ہیں پھر وہ طب کی کتاب کیا ہوئی قیامت کی معجون مرکب ہو گئی ۱۲)

## نصوص میں غیر ضروری امور کو داخل نہ کریں

اسی طرح تفسیر بالرائے کر کے قرآن میں غیر ضروری امور اور فضول تحقیقات کو ٹھونسنا بھی قرآن کی وقعت کو کم کرنا ہے یہ سخت غلطی ہے جس کا منشاء خودرائی ہے جس سے وہ تفسیر پیدا ہوئی ہے مگر کوئی ان سے پوچھے کہ آپ کی رائے کی صحت پر ہی کیا اطمینان ہے کیونکہ خود آراء میں بکثرت اختلاف ہے اس کا فیصلہ کیونکر ہو کہ کونسی رائے صحیح ہے۔

## محض کثرۃِ رائے پر فیصلہ لغو ہے

اب میں قطع نظر تفسیر بالرائے سے مطلق کثرتِ رائے کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں آجکل اکثر امور میں اس کے لئے ایک قاعدہ نکلا ہے کہ کثرت کی طرف فیصلہ کیا جائے۔ مگر اس میں اول تو یہ کلام ہے کہ جس کو آپ کثرت سمجھتے ہیں وہ حقیقت میں کثرت نہیں کیونکہ تم نے دس پندرہ یا بیس پچاس آدمیوں کو جمع کر کے اُنسے رائے لے لی اور کثرت پر فیصلہ کر دیا حالانکہ کروڑوں آدمی ابھی ایسے باقی ہیں جن سے رائے نہیں لی گئی کیونکہ عوام سے کون رائے لیتا ہے اور انکی رائے شمار ہی کون کرتا ہے اگر عام سے رائے لی جائے اور انکی آراء کو شمار کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ جس کو آپ کثرت سمجھتے تھے حقیقت میں وہ قلت ہے اور اگر یوں کہو کہ ہم کو عوام سے رائے لینے کی ضرورت نہیں بلکہ ہم عقلاء کو انتخاب کرینگے اور انکی کثرۃ پر فیصلہ کا مدار رکھیں گے تو میں پوچھوں گا کہ عقلاء کس معیار سے منتخب کئے جائیں گے اور اس معیار کے صحیح ہونے کی کیا دلیل ——— ؟ اگر انتخاب عقلاء کا معیار تم نے اپنی ذاتی رائے سے قائم کیا تو تمہاری رائے کے غلط نہ ہونے کی کیا وجہ ؟ اور اگر کثرت رائے سے وہ معیار کیا تو ہمارے خیال میں تو آجتک کسی نے اس معیار کے متعلق کثرتِ رائے احاصل

نہیں کی۔ اور جس دن اس مسئلہ کو کثرتِ رائے سے حل کیا جائے گا ہم دکھلا دیں گے کہ یہ مسئلہ طے ہی نہ ہو گا (کیونکہ ہر شخص انتخاب عقلاء کا معیار ایسا بیان کرے گا جس میں وہ خود بھی داخل ہو سکے ایسا معیار کوئی نہ بیان کرے گا جس کی وجہ سے وہ خود بیوقوف قرار پائے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی ایک معیار پر کثرتِ رائے ہو جانا دشوار ہے ۱۲) غالباً آج آپ کو کثرت رائے پر فیصلہ کرنے کی حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ یہ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں حقیقت میں فیصلہ ہمیشہ شخصی رائے سے ہوتا ہے کیونکہ کثرتِ رائے کے حاصل کرنے کا جو معیار تجویز کیا جاتا ہے وہ شخصی رائے سے تجویز ہوتا ہے اس میں خوب غور کر دیکھئے یقیناً انتہا شخصی رائے پر ہو گی۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ اس کثرتِ رائے کے فیصلہ میں بھی وہ خرابی موجود ہے جو شخصی رائے میں بیان کی جاتی ہے کیونکہ کثرت رائے کے فیصلہ سے بھی رعایا کی حریت باطل ہوتی ہے جس کا آج کل بہت چرچا ہے کہ مساوات اور حریت ہونا چاہئے۔ یہاں تک کہ عورتوں کو بھی مردوں کے برابر حقوق دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے میں کہتا ہوں کہ تم عورتوں کو تو مردوں کے برابر پیچھے کرنا پہلے مردوں مردوں کو تو برابر کر دو۔ میں پوچھتا ہوں کیا پارلیمنٹ کے سب قوانین عام رعایا کی رائے کے موافق ہوتے ہیں ———— ؟ ہرگز نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں افراد کی رائے کے خلاف ہوتے ہیں تو کیا اس صورت میں کثرت رائے سے حریت باطل نہیں ہوئی پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو جن کی رائے پارلیمنٹ کے فیصلہ کے خلاف ہے اس فیصلہ کے تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور ان پر جرم کی دفعات قائم کرتے ہیں۔ آخر ان کو آزادی کیوں نہیں دیجاتی یہ کیا کہ مرد و عورت تو برابر ہوں اور مرد مرد برابر نہ ہوں۔ کیا یہ ظلم و ستم نہیں

اور جب کثرت رائے سے بھی حریت کا ابطال ہوتا ہے اور وہی جبر و استبداد ہمیں بھی جو شخصی رائے میں ہے تو اب بتلایئے کہ ایک شخص کی غلامی اور استبداد سے پارلیمنٹ کی غلامی اور اس کا استبداد کیوں افضل ہے ——— ؟ یقیناً بیس پچیس آدمیوں کی غلامی سے ایک کی غلامی بہتر ہوگی جیسا ایک عاقل سلیم الفطرۃ شاعر کہتا ہے ؎

اَرَبًّا وَّاحِدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ
اَدِیْنُ اِذَا انْقَسَمَتِ الْاُمُوْرُ
تَرَکْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا
کَذٰلِکَ یَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِیْرُ

پس اپنی اپنی رائے کا یا کثرت رائے کا اتباع نہ کرو بلکہ حکم واحد کا اتباع کرو اور وہ حکم واحد وحی ہے اس میں خود رائی سے فضولیات کو نہ ٹھونسو کیونکہ رائے کی صحت پر کسی طرح اطمینان نہیں ہو سکتا جیسا کہ اوپر مفصل معلوم ہو چکا۔ پس اپنی رائے کو رہنے دو اور جو کچھ وحی بتا گئی اس کا اتباع کرو۔ جو شخص وحی میں اپنی رائے کو دخل دیتا ہے وہ جاہل ہے مجنون ہے مگر آجکل بڑی حمایت یہ ہو رہی ہے کہ مجنون اپنے کو مجنون نہیں سمجھتا اور یہ بھی آثارِ جنون سے ہے۔ بلکہ (جنون کا اعلیٰ نمبر ہے ۱۲)

## شبہات کا صحیح علاج

اور اگر کوئی یہ کہے کہ میں نصوص کی تفسیر اپنی رائے سے اس لئے کرتا ہوں کہ نصوص کی مشہور تفسیر میں شبہات پیدا ہوتے ہیں تو میں کہوں گا کہ شبہات کا یہ علاج نہیں کہ تم اپنی رائے سے ہر شبہ کو دفع کرو بلکہ اس کا اصل علاج یہ ہے کہ شبہات کے منشاء کا علاج کرو ہر شبہ کو الگ الگ دفع

کرنے میں دردسری بھی ہے اور اس سے سلسلہ شبہات کا ختم بھی نہیں ہو سکتا تم منشاء کا علاج کرو انشاء اللہ سب ایک دم سے زائل ہو جائیں گے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے رات کو اندھیرے میں گھر کے اندر چوہے چھچھوندر کودتے پھرتے تھے اور گھر والا ایک ایک کو پکڑ کر باہر نکالتا تھا مگر پھر وہ سب کے سب اندر آجاتے تھے۔

یک عاقل نے کہا کہ میاں یہ سب اندھیرے کی وجہ سے کودتے پھرتے ہیں۔ تم لیمپ روشن کردو یہ سب خود ہی بھاگ جائیں گے پھر کوئی پاس نہ پھٹکے گا۔

## منشاءِ شبہات اور علاج کی عجیب مثال

چنانچہ لیمپ روشن کیا گیا اور سب کے سب اِدھر اُدھر اپنے بل میں گھس گئے اسی طرح یہاں سمجھ لو کہ یہ وساوس وشبہات جو وحی اور قرآن میں آپ کو پیش آتے ہیں انکا منشاء ظلمتِ قلب ہے جس کا علاج یہ ہے کہ قلب میں نور پیدا کرلو! پھر ایک شبہ بھی پاس نہ آئے گا۔ وہ نُور کیا ہے؟ نُورِ محبت ہے۔

## عشق علاجِ وساوس ہے

حضرت محبت وعشق وہ چیز ہے کہ جب یہ دِل میں گھس جاتی ہے تو پھر محبوب کے کسی حکم اور کسی قول وفعل میں کوئی شبہ اور وسوسہ پیدا نہیں ہوتا اگر ایک پروفیسر فلسفی کسی طوائف پر عاشق ہوجائے اور وہ اس سے یوں کہے کہ سربازار کپڑے نکال کر ننگے آؤ تو میں تم سے بات کروں گی ورنہ نہیں تو فلسفی صاحب اس کے لئے فوراً تیار ہوجائیں گے اور یہ بھی نہ پوچھیں گے کہ بی؟ اسمیں تیری کیا مصلحت ہے اب کوئی اس سے پُوچھے کہ آپ کی وہ عقل وفلسفیت اس طوائف کے سامنے کہاں چلی گئی افسوس قرآن وحدیث کے مقابلہ میں تو ساری فلسفیت ختم کی جاتی ہے اور ایک ادنیٰ مردار کے احکام میں چون چرا اور لم وکیف

سب رخصت ہوگیا۔ آخر اسکی کیا وجہ؟ یقیناً آپ یہی کہیں گے کہ اسکی وجہ محبت و عشق ہے بس معلوم ہوگیا کہ خدا و رسولؐ کے احکام میں شبہات پیدا ہونے کی وجہ عدمِ محبت یا قلتِ محبت ہے اگر آپ کے دل میں نورِ محبت روشن ہوتا تو یہ سارے چوہے اور چھچھوندر خود بھاگ جاتے۔ شیخ سعدیؒ اسی کے متعلق فرماتے ہیں ؎

ترا عشق ہمچو خودے ز آب و گل | رباید ہمہ صبر و آرام دل

اور جب ایک مخلوق کے عشق کا یہ اثر ہے تو خالق کے عشق کا اثر کیا کچھ ہونا چاہیئے ؎

عجب داری از سالکانِ طریق | کہ باشد در بحرِ معنی غریق
زمام شراب الم درکشند | دگر تلخ بینند دم درکشند

مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود | گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

**شبہات میں راہنمائی**

اور میں علماء کو بھی متنبہ کرتا ہوں کہ علماء کے عرفی اخلاقی ہی نے عوام کو خراب کیا ہے کہ جہاں ان کے سامنے کسی نے شبہات بیان کئے اور یہ ہر شبہ کے مفصل جواب کو تیار ہو گئے —— ارے اصلی جواب یہ ہے کہ مرض کو تشخیص کرو اور جڑ کو اکھاڑو، تم شاخوں کو چھانٹتے ہو اس سے کیا ہوتا ہے جب جڑ موجود ہے تو چند روز میں ہزاروں نئے نئے پتے اور نکل آئیں گے محقق تشخیص کر کے اصل مرض کا علاج کرتا ہے اور غیر محقق آثار کا علاج کرتا ہے۔ میں نہایت پختگی سے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ جن مسلمانوں کو آج کل مذہب میں شکوک و اوہام پیدا ہوتے ہیں ان کے اس مرض کا منشاء قلتِ محبت مع اللہ ہے ان کو

اللہ و رسول کے ساتھ محبت نہیں ہے، تعلق نہیں ہے اور محض برائے نام تعلق کو تعلق کہا جاتا۔ اور تعلق مع اللہ کے حاصل ہونے کا واحد طریق صرف یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت حاصل کی جائے اہل محبت کی صحبت میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے بہت جلد محبت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اہل غفلت کی صحبت سے غفلت جلدی پیدا ہوتی ہے پھر جب محبت اور تعلق مع اللہ حاصل ہو جائے گا یہ لم وکیف باطل اور وساوس و شبہات سب جلتے رہیں گے۔ میں علماء سے خیر خواہی کے ساتھ کہتا ہوں کہ تم ان شبہات کے جواب میں کیوں اپنا دماغ تھکاتے ہو بس تم صرف ایک کام کرو کہ ان لوگوں کو اہل اللہ کی صحبت و محبت کا پتہ دے دو، ورنہ تمہاری ساری تدبیریں اور تقریروں کا وہی حال ہو گا جو مولانا نے ابتدائے مثنوی میں ناواقف طبیبوں کی تدبیر کا حال بیان فرمایا ہے کہ ایک بادشاہ کی کنیزک بیمار تھی اطباء نے اس کا مرض سوداء و صفرا تجویز کر کے دوائیں دینا شروع کیں اس کے بعد طبیب الٰہی آیا اور اس نے تجویز کیا کہ ؎

رنجش از سوداء از صفرا بود | بوئے ہر ہیزم پدید آید ز دود

اس کو سوداء یا صفرا کا مرض نہیں بلکہ یہ تو ایک زرگر کے عشق میں گرفتار ہے اور اسنے دُوسرے طبیبوں کی تدبیروں کے متعلق یوں کہا ؎

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند | آں عمارت نیست ویراں کردہ اند
بیخبر بودند از حال دروں | استعیذ اللہ مما یفترون

اصل مرض سے آنکھیں بند کر کے آثار علاج کرنا ایسا ہے جیسا ایک شخص پاخانہ لئے بیٹھا ہو اور بدبو آ رہی ہو اور تم پاخانہ کو تو نہیں دھوتے اُوپر سے عطر حنا اور عطر خس لگا رہے ہو اس سے کیا ہوتا ہے جب تک پاخانہ کو دُور نہ کرو گے تمہارے سارے عطر برباد ہو جائیں گے۔

## ازالۂ شبہات میں، تقلیدِ محقق لازم ہے

مگر غضب تو یہ ہے کہ آج کل علماء بھی خود طریق علاج نہیں جانتے۔ تو اب عوام نے اپنا علاج خود کرنا شروع کیا کہ قرآن وحدیث کا ترجمہ پڑھنے لگے اور ترجمہ دیکھ کر شبہات کا خود ہی جواب دینے لگے مگر میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ ایسے عوام کو خود ترجمہ پڑھنا حرام ہے۔ بلکہ تمکو لازم ہے کہ کسی محقق سے رجوع کرو اور جو طریق وہ بتلائے اسپر عمل کرو اپنی رائے کو دخل نہ دو پھر وہ بھی تم کو قرآن کا ترجمہ پڑھائے گا یا پڑھنے کی رائے دے گا۔ مگر قابل بنا کر۔ اور اگر اسکے سامنے بھی اپنی رائے چلائیں گے تو اسکی ایسی مثال ہوگی جیسے اپنے بچہ کے لئے تمام ایک نصابِ تعلیم تجویز کرد اور وہ اسمیں اپنی رائے کو دخل دے تو کیا آپ کو اسکی رائے کی کچھ وقعت ہوگی ——— ؟ ہرگز نہیں صاحبو! دنیا و دین کا کام بدون تقلیدِ محقق کے نہیں ہوسکتا۔ دیکھئے اگر ایک سرکاری مکان دو لاکھ روپے میں تیار ہوا ہو مگر انجینئر اسکو پاس نہ کرے اور یہ کہے کہ دو ماہ میں یہ مکان گر جائے گا تو اسی وقت لاکھوں کی عمارت کو بیکار کر دیا جاتا اور اس کو خالی کر دیا جاتا بلکہ بعض دفعہ گرا دیا جاتا ہے یہاں کوئی اپنی عقل کو دخل نہیں دیتا بلکہ بلا چوں وچرا انجینئر کی تقلید کی جاتی ہے یہی حال ڈاکٹروں کی تقلید کا ہے کہ انکی تجویز میں کوئی دخل نہیں دیتا۔

## اہلِ یورپ عاقل پرستی کرتے ہیں

صاحبو! جن لوگوں کی تقلید میں آپ عقل پرستی کرتے ہیں وہ تو خود بھی عقل پرستی نہیں کرتے۔ ہاں عاقل پرستی کرتے ہیں۔ پس قرآن میں عقلیات کو اور ہر نئی تحقیق کو اپنی رائے سے ٹھونسنا سخت غلطی ہے

آپ کی رائے باطل ہے کیونکہ آپ محقق نہیں ہیں۔ اس پر شاید آپ یہ کہیں کہ جب علماء یہ کام نہیں کرتے تو ہم نے کہا لاؤ ہم ہی یہ کام کریں کیونکہ علماء تو پرانی لکیر کے فقیر ہیں وہ جدید تحقیقات کا ثبوت قرآن و حدیث سے نہیں دیتے تو یہ کام ہم ہی نے شروع کر دیا۔ میں کہتا ہوں بیشک مگر آپ کے کام کی ایسی مثال ہوگی جیسے کسی طبیب کا لڑکا اپنے باپ کے ساتھ مطب میں اور مریضوں کو دیکھنے جایا کرتا تھا مگر خود اسے گھر کی عقل نہ تھی ایک دفعہ اس کے باپ نے کسی مریض کی نبض دیکھ کر کہا کہ آج معلوم ہوتا ہے تم نے نارنگی کھائی ہے مریض نے اقرار کیا حکیم صاحب نے اس کو پرہیز کی تاکید کر کے نسخہ لکھ دیا۔ جب واپس ہوئے تو لڑکے نے باپ سے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے کہا نبض سے تو یہ معلوم ہوا تھا کہ اس نے کوئی شے محرک صفراء کھائی ہے۔ پھر چارپائی کے نیچے جو میں نے نظر کی تو نارنگی کے چھلکے نظر پڑے اس سے میں سمجھا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے بس صاحبزادہ کے ایک قاعدہ ہاتھ آگیا کہ مریض کے پلنگ کے نیچے جو چیز پڑی ہو اس نے وہی کھائی ہے جب حکیم صاحب کا انتقال ہوگیا اور صاحبزادہ کی نوبت آئی تو آپ ایک رئیس کی نبض دیکھنے گئے۔ اور چارپائی کے نیچے نظر دوڑائی کہنے لگے کہ آپ نے آج نمدہ کھایا ہے (کیونکہ چارپائی کے نیچے نمدہ ہی پڑا تھا) رئیس نے کہا کہ نمدہ بھی کوئی کھایا کرتا ہے کہا کچھ ہی نبض تو یہی بتلاتی ہے۔ رئیس نے حکم دیا اسکی دم سے نمدہ باندھ کر گھر سے باہر نکال دو۔ یہ تو بالکل جاہل مطلق معلوم ہوتا ہے تو حضرت اسی طرح آپ کی حالت ہوگی کیونکہ آپ کو گھر کی تو عقل نہیں شریعت سے اور قرآن سے مناسبت نہ معلوم آپ ان میں کیا سے کیا ٹھونسیں گے؟

## علماء کا کام صرف قانون الٰہی کا بیان کرنا ہے

صاحبو! علماء کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ قرآن میں صنعت و حرفت ٹھونسیں اور نہ قرآن صنعت و حرفت کی کتاب ہے، بلکہ قرآن قانونِ الٰہی ہے اور علماء کا کام وہ ہے۔ جو وکلاء کا کام ہوتا ہے کہ وکیل صرف یہ تبلاتا ہے کہ یہ امر قانون کے موافق ہے یا خلاف ہے اس سے زیادہ وکیل کا کام کچھ نہیں مثلاً اس سے قانون کی لم پوچھی جاوے اسی طرح علماء کا اس سے زیادہ کچھ کام نہیں کہ جس بات کے متعلق شبہ ہو کہ یہ قانون کے خلاف تو نہیں ہے اس کو علماء سے پوچھ لو وہ قانون الٰہی کے موافق یا مخالفت ہونے کو واضح کر دیں گے نہ انکا یہ کام ہے کہ اس قانون کی لم تبلا دیں نہ یہ کام ہے کہ تمام سائنس کی تحقیقات کو قرآن میں داخل کریں اسی طرح نہ ان کا یہ کام ہے کہ قومی کاموں میں حصہ لیں نہ یہ کہ اس کے لئے چندہ کریں۔ ان کا کام صرف قانون الٰہی کو سمجھنا ہے اور ان سے یہی پوچھنا بھی چاہیئے کہ یہ بات قانون الٰہی کے خلاف تو نہیں۔

## سب علماء کو میدانِ سیاست میں قدم رکھنا جائز نہیں بلکہ تقسیم خدمات لازم ہے۔

اور یاد رکھو! اگر سب لوگ میدان میں آجائیں گے تو چند روز کے بعد قرآن و حدیث کا سمجھنے والا آپ کو کوئی نہ ملے گا، میں علماء کے میدان میں آنے کا من کل وجہ مخالف نہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ سب کو میدان میں نکلنا جائز نہیں ہاں جب علماء علم دین کو اچھی طرح حاصل کر لیں تو جن کو میدان میں نکلنے کا شوق ہو وہ آئیں مگر کچھ لوگ حجرہ نشین بھی رہنا چاہئیں جن کا کام سوائے قال اللہ قال الرسول اور سوائے کتابیں پڑھنے پڑھانے

کے کچھ نہ ہو کیونکہ تجربہ ہے کہ کتابی استعداد اور فتویٰ دینے کی قابلیت بدون اس کے کامل نہیں ہوتی جو علماء میدان میں آئے ہوئے ہیں انمیں اکثر تو وہ ہیں جن کو کتابی استعداد بالکل نہیں اور اگر کسی کو یہ قابلیت حاصل ہے تو یہ حجرہ نشینی ہی کی برکت ہے کہ وہ ایک مدت تک نشین ہو کر کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا ہے مگر آپ اس حجرہ ہی کو بند کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ چند روز میں حدیث و قرآن وفقہ کے سمجھنے والے اور ان کو صحیح طور پر حل کرنیوالے دنیا سے ناپید ہو جائیں گے۔ اگر اس کی ضرورت کو آپ محسوس کرتے ہیں اور یقیناً ہر شخص اسکی ضرورت کو تسلیم کریگا تو ضروری ہے کہ سب علماء میدان میں نہ آئیں بلکہ کچھ میدان میں آئیں اور کچھ مناظرہ کریں۔ کچھ تبلیغ کریں اور ایک جماعت ایسی ہو جو ان سب کاموں سے الگ رہ کر حدیث و قرآن وفقہ اور ضروریات کی تعلیم دیں۔ ان کو سوائے تعلیم و تعلم کے کچھ نہ کرنا چاہیئے ورنہ قابل علماء ہرگز پیدا نہ ہوں گے تقسیم خدمات بہت ضروری ہے اور تمام عقلاء اور متمدن اقوام اسکی ضرورت پر متفق ہیں پھر حیرت ہے کہ ہمارے بھائی اس کو نظرانداز کر کے سب کو ایک کام میں کیوں لگانا چاہتے ہیں بعض لوگوں نے اس کا نام رکھا ہے مل کر کام کرنا۔

### مل کر کام کرنے کے معنی

سو صاحبو! مل کر کام کرنے کے یہ معنی نہیں کہ بڑھئی اور معمار جن کے سب ایک ہی کام کو لگ جائیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مکان بنانے میں جتنے کاموں کی ضرورت ہے ان کو بانٹ کر ایک کام بڑھئی کرے ایک کام لوہار کرے ایک کام معمار کرے۔ جبھی کام تیار ہو گا ورنہ بڑھئی اور معمار اور لوہار سب کے سب اینٹوں ہی کے کام پر لگ گئے تو مکان ہرگز تیار نہ ہو گا۔

## علماء اپنا کام کر رہے ہیں

بس اب یہ کہنا غلط ہے کہ علماء کام نہیں کرتے علماء کا جو کام ہے جس کا انہوں نے بیڑا اٹھایا ہے وہ اسکو بحمداللہ بخوبی کر رہے ہیں آپ کو ان کے کام میں دخل دینے کی ضرورت نہیں آپ اپنی رائے سے قرآن و حدیث میں غیر ضروری اور فضول باتوں کو نہ ٹھونسیئے اور اپنی تحقیقات کو شریعت میں داخل نہ کیجئے بلکہ قرآن و حدیث کو ان لوگوں پر چھوڑ دیجئے جو اس کے سمجھنے والے ہیں اور اس معاملہ میں آپ کو انہی کی تقلید کرنا چاہیئے اپنی رائے سے قرآن و حدیث میں کسی چیز کا ٹھونسنا آپ کو جائز نہیں بلکہ سراسر حماقت ہے چونکہ آجکل لوگوں میں یہ مرض عام ہو گیا ہے اس لئے استطراداً اس کا بیان کر دیا گیا، چنانچہ میں ایک جگہ گیا ہوا تھا وہاں ایک صاحب مجھسے کہنے لگے کہ آجکل تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہر چیز میں نر و مادہ ہوتے ہیں نباتات میں بھی اشجار میں بھی تو مجھے فکر ہوئی کہ قرآن میں اس مضمون کا کہاں ذکر ہے گویا وہ تحقیق تو ان کے نزدیک وحی سے بھی زیادہ تھی کہ اس کے لئے تو کسی دلیل کی بھی ضرورت نہ تھی اس پر ایمان لانے کے لئے تو اتنا کافی ہو گیا کہ اخبار میں پڑھ لیا کہ آجکل تحقیقات سے یہ ثابت ہو گئی ہے۔

## سائنس دانوں کا افسوسناک رویہ

افسوس یہ لوگ قرآن حدیث کو تو بدون اپنی مزعوم دلیل کے ماننے کو تیار نہیں ہوتے بلکہ اس میں شکوک و شبہات نکالتے ہیں اور نئی تحقیقات پر صرف اخبار میں دیکھ کر ایمان لے آتے ہیں ایسی بے انصافی اور بدتمیزی کی بھی کوئی حد ہے۔

## قرآن میں ہر مضمون کا ہونا ضروری نہیں

پھر اس کے بعد یہ قاعدہ بھی ثابت کر لیا، کہ قرآن میں ہر واقعی بات مذکور ہونا چاہیے اور اس کے متعلق کسی بزرگؒ کی طرف ایک شعر منسوب کیا جاتا ہے ؎

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ
تُقَاصِرُ عَنْہُ اَفْہَامُ الرِّجَالِ

(قرآن میں تمام علوم ہیں لیکن لوگوں کی افہام اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں!) مگر میں کہتا ہوں کہ اول تو سند صحیح سے اس کا ثبوت دو کہ یہ شعر کس بزرگ کا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسمیں یہی تو کہا گیا ہے کہ قرآن میں تمام علوم ہیں جمیع الجہل فی القرآن تو نہیں کہا تو اب تم اس کا ثبوت دو کہ جن تحقیقات کو تم قرآن میں ٹھونستے ہو یہ علم ہے جہل نہیں۔ اور اگر علم سے مراد مطلق دانستن ہے تو میں کہونگا کہ اگر ویسرائے کا امتحان قانون وغیرہ میں ہو رہا ہو تو کیا کوئی اسوقت یہ کہے گا کہ ویسرائے کا امتحان پارچہ سازی و پارچہ و درزی میں بھی ہونا چاہیئے کیونکہ علم لغوی تو یہ بھی ہے یقیناً کوئی اسکی جرأت نہ کرے گا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ویسرائے کے علم کے سامنے یہ جہل ہے علم نہیں اسی طرح جن باتوں کو آپ قرآن میں اپنی رائے سے ٹھونستے ہیں وہ علوم قرآن وحدیث کے سامنے علم نہیں بلکہ جہل محض ہیں۔ غرض وہ صاحب بڑے حیران تھے کہ قرآن میں یہ مسئلہ کہاں ہے کہ نباتات وغیرہ میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں تو انھوں نے تمام ترجمے دیکھے اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ اس خیال سے بڑے اہتمام سے دیکھا کہ وہ نئی روشنی کے مفسر ہیں۔ شاید انہوں نے نئی تحقیقات کو قرآن میں ٹھونسا ہو باقی یہ مدرسوں اور مسجدوں کے مُلّا تو لکیر کے فقیر ہیں۔ ان سے کیا اُمید ہے کہ سلف کے اقوال پر کچھ زیادتی

کریں گے مگر ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ میں بھی کہیں اس مسئلہ کا ذکر نہ ملا کیونکہ گو وہ نئی روشنی کے مفسر تھے مگر عمر میں پرانے ہی تھے اس لئے وہ آجکل کے نوجوانوں کی طرح ٹھوس نہ تھے کہ قرآن میں جو چاہیں ٹھونس دیں۔

## ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ قابلِ اعتبار نہیں

اور میں آپ کو ایک بشارت سناتا ہوں کہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمے میں بہت سی غلطیاں تھیں جن پر میں نے ایک رسالہ میں تنبیہ کی تھی ڈپٹی صاحب نے میری تنقید کو پسند کیا اور یہ ارادہ کیا تھا کہ اس کے بعد طبع ثانی میں ان اغلاط کو صحیح کر دونگا مگر ان کو موقعہ نہ ملا۔ تو وہ صاحب کہتے تھے کہ جب مجھے کسی ترجمہ میں یہ مضمون نہ ملا اور مایوسی ہو گئی تو پھر ایک دن میری بیوی قرآن پڑھ رہی تھی سورۂ یٰسین میں جب اس آیت پر پہنچی۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ؏

تو میرا ذہن فوراً اس مسئلہ کی طرف منتقل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ ہر شئے میں نر و مادہ ہیں (اور عجیب بات ہے کہ یہ مسئلہ آپ کو قرآن میں بیوی کی قرأت سے سمجھ میں آیا خود مطالعہ کرنے میں سمجھ میں نہ آیا شاید اسکی یہ وجہ ہو کہ نر و مادہ کا مسئلہ نر و مادہ کے اجتماع ہی سے حل ہو سکتا ہے ۱۲ ظ) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تمام ازواج کو پیدا کیا زمین کی نباتات سے بھی اور خود تمہاری جنس میں بھی

---

؏ پاک ذات ہے وہ جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے اس قسم سے جو زمین سے اگتا ہے اور خود ان میں سے اور ان چیزوں سے جن کی ان کو خبر نہیں (سورۂ یٰسین)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

**تواضع** [illegible]

[illegible]

[illegible]

صاحبو! آجکل جو لوگ قرآن میں اپنی رائے کو دخل دیتے ہیں ان کو ایمان عزیز نہیں ورنہ اگر جان کی طرح انکو ایمان بھی عزیز ہوتا تو قرآن میں اپنی رائے کو نہ ٹھونستے نہ علماء سے مزاحمت کرتے جیسا کہ اطباء سے مزاحمت نہیں کرتے اور اگر وہاں طبیب یا ڈاکٹر کی رائے سے مزاحمت کریں گے تو وہ نکال باہر کردے گا پھر نہ معلوم دین ہی اتنا سستا کیوں ہے کہ اسمیں ہر شخص اپنی رائے کو دخل دیتا ہے۔

**ایمان کی قدر و منزلت** بس ایمان کو تو یوں سمجھ لیا ہے کہ ہم کو خود پلٹتا پھرتا ہے کہ جب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ - کہہ لیں گے بس ایمان آجائے گا اور اگر کبھی چلا بھی جائے گا تو پھر کلمہ پڑھ لینے سے واپس آجائے گا اسی لئے بیوی کا نکاح ٹوٹنے کا تو لوگوں کو خوف ہوتا ہے مگر ایمان جانے کا خوف نہیں ہوتا۔ سو یاد رکھو بیشک ایمان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہہ لینے سے ہر بار لوٹ آتا ہے اور چاہے کتنی دفعہ کفر کرے اس سے ایمان تازہ ہو جائے گا مگر اس فعل میں اس بیوفائی میں خاصیت یہ ہے کہ پھر ایمان کی توفیق ہی نہ ہو گی۔ قرآن میں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ[1] اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ حالانکہ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا کے بعد بھی ثُمَّ اٰمَنُوْا کی گنجائش تھی مگر اس کے بعد حق تعالیٰ نے ثم آمنوا نہیں فرمایا، کیونکہ اسپر متنبہ کرنا مقصود ہے، کہ اس فعل میں خاصیت یہ ہے کہ

---

[1] جو لوگ ایمان پہلے لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر بڑھ گیا تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ ان کو سیدھی راہ دکھائے گا۔

اس کے بعد اگر توفیق ایمان نہیں ہوتی پس ایمان کی قدر کرو اور اسکی حفاظت کی کوشش کرو قرآن وحدیث میں اپنی رائے کو دخل نہ دو اور نہ علماء سے مزاحمت کرو بلکہ محققین کے اپنے کو سپرد کر دو اس سے شبہات و وساوس کا دروازہ بند ہو جائے گا چونکہ آج کل یہ مرض عام ہے، اس لئے میں نے اس پر تنبیہ کر دی میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسوقت مجھے حقوقِ نکاح کا بیان مقصود نہیں نہ اسواسطے کہ وہ مقصود بالذات نہیں کیونکہ اگر مقصود بالذات نہ ہوتے تو قرآن وحدیث میں ان کا ذکر نہ ہوتا بلکہ مجھے اس آیت سے ایک اور مضمون کی تائید کرنا مطلوب ہے اور میں اس آیت سے اس مضمون کو ثابت کرنا نہیں چاہتا صرف تائید کرنا چاہتا ہوں۔

## آج کل ثبوت و نظیر کو ایک سمجھا جاتا ہے

آجکل یہ بھی ایک عام غلطی ہے کہ ثبوت اور نظیر و تائید کو ایک سمجھتے ہیں ان لوگوں کو علم خاک نہیں اگر انگریزی کی منطق کے بعد یہ لوگ عربی منطق پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ انگریزی منطق محض بچوں کی باتیں ہیں۔

## انگریزی منطق، عربی منطق کے سامنے بچوں کا کھیل ہے

واللہ علماء کے سامنے ان لوگوں کو نہ علم ہے نہ عقل ہے کیونکہ انہوں نے علوم کی صورت ہی نہیں دیکھی عربی کے علوم وہ ہیں کہ ایک معمولی طالب علم کے سامنے بھی بڑے سے بڑا انگریزی داں طفل مکتب ہے اور جو فاضل علماء ہیں وہ تو ان سے ہزار درجہ اعقل ہیں مگر آجکل مولویوں کی وقعت اس لئے نہیں ہے کہ ان کا لباس خستہ ہے اور انگریزی دانوں کا لباس قیمتی ہے۔

## آجکل لیاقت کا معیار لباس ہے

اور آج کل لیاقت کا معیار لباس ہی رہ گیا ہے چنانچہ ہم جو شملہ گئے

تھے تو حالانکہ ہم لوگ بحمد اللہ معمولی لباس نہیں پہنتے۔ اوسط درجہ کا اچھا لباس پہنتے ہیں مگر بعض جنٹلمینوں کی نظر میں وہ اتنا گھٹیا تھا کہ جب میں بیان کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو ایک صاحب کرنل عبدالمجید خاں سے جو ہمارے وعظ کے مشتہر تھے کہنے لگے کہ آپ کے مولویوں کا لباس تو ایسا ہے کہ گویا ابھی پاخانہ سے نکلے آ رہے ہوں مطلب تھا کہ بس انکی لیاقت بھی ایسی ہی ہوگی، کرنل صاحب نے کہا کہ میں اس سوال کا جواب ابھی نہیں دینا چاہتا وعظ ختم ہونے کے بعد جواب دونگا چنانچہ جب میرا بیان ختم ہوگیا تو کرنل صاحب نے کہا ہاں صاحب! اب فرمائیے آپ کیا فرماتے تھے کہنے لگے اب کیا کہوں میری سخت حماقت تھی کہ میں لیاقت کا معیار لباس کو سمجھتا تھا اب معلوم ہوا کہ لیاقت اور قابلیت دوسری شئے ہے۔ ذرا دیکھئے تو سہی یہ ان لوگوں کی عقل کا حال ہے کہ لباس کو معیار لیاقت و قابلیت سمجھتے ہیں نہ معلوم یہ کہاں کی عقل ہے مجھے جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو میں نے دل میں کہا کہ میں ان لوگوں کے ضرور کان کھولوں گا چنانچہ اس کے بعد جو دوبارہ میرا بیان ہوا تو میں نے اس کا جواب دیا مگر تہذیب کے ساتھ، گو انہوں نے تو اعتراض بدتمیزی سے کیا تھا مگر میں نے جواب میں تہذیب کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا میں نے بیان سے پہلے بطور تمہید کے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں بعض صاحبوں کو ہمارے لباس پر اعتراض ہے اور ممکن ہے کہ انکی نیت اسمیں اچھی ہو وہ یہ کہ اگر واعظ کا لباس قیمتی ہوگا تو سامعین کے قلوب میں اسکی عظمت ہوگی اور عظمت سے بیان کا اثر زیادہ ہوگا اور اس نیت کے ساتھ اس اعتراض کا منشاء خیر خواہی ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ علماء آپ حضرات کے خیال کے موافق لباس کہاں سے لائیں کیونکہ مولویوں کے پاس اتنی آمدنی کہاں جس سے قیمتی لباس تیار کریں ان میں تو اکثر کی آمدنی بیس پچیس تیس روپے ماہوار ہے اور جو زیادہ عروج

ہوا تو پچاس روپے کی تنخواہ ہوگئی تو اتنی آمدنی میں تو ایسا ہی لباس بنا سکتے ہیں جیسا وہ پہن رہے ہیں مگر وہ مصلحت بھی قابلِ لحاظ ہے جو قیمتی لباس میں ہے کیونکہ بعض لوگوں کا یہ مذاق بھی ہے کہ انکی نظر میں لباس ہی سے لیاقت و قابلیت ظاہر ہوتی ہے تو اب اسکی صورت کیا ہو کہ یہ مصلحت بھی حاصل ہو اور مولویوں کا عذر بھی ملحوظ رہے میرے ذہن میں اسکی یہ صورت آتی ہے کہ آپ حضرات علماء کے لئے اپنے مال سے جوڑے تیار کریں۔ اور اس سے نہ گھبرائیے کہ ہملوگ وہ جوڑے لے کر اپنے گھر چلدیں گے ہرگز نہیں بلکہ انجمن میں اسی غرض سے داخل کر دیں کہ وہ انکو صرف وعظ کے وقت پہن لیا کریں گے اور جاتے ہوئے انجمن میں واپس دے جائیں گے تاکہ وہ دوسرے واعظوں کے کام آدیں جب کوئی مولوی معمولی لباس میں آوے آپ انکو یہ کپڑے پہنا دیجئے کہ انکو پہن کر وعظ کہو۔ اس صورت میں آپکا زیادہ خرچ بھی نہ ہوگا۔ بس جو کچھ ہونا ہوگا ایک دفعہ ہو جائیگا مگر اس کے بعد اس طرح یہ مقصود سہولت کے ساتھ حاصل ہو سکتا ہے اب میں منتظر ہوں کہ معترض صاحب اس کا انتظام کرتے ہیں یا نہیں اگر انمیں کچھ بھی غیرت ہے تو ضرور ہمارے واسطے جوڑے تیار ہوں گے ورنہ ان کو چاہیئے کہ چلو بھر پانی میں ڈوب مریں (بس صرف یہ ایک جملہ میں نے تیز کہا) آپنے دیکھا کہ آجکل یہ تمیز رہ گئی ہے کہ علماء کے پاس چونکہ لباس قیمتی نہیں اسلئے ان کی وقعت نہیں، دُوسرے انکے پاس دعوی نہیں کیونکہ ان کو یہ مضمون یاد ہے ؎

ہر کہ گردن بدعوئے افرازد | خویشتن را بگردن اندازد

اور آجکل اسی کی وقعت ہے جو خود اپنی زبان سے کہتا ہو کہ میں ایسا ہوں ویسا ہوں اور علماء بیچارے تو خود یہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں ہم کو کچھ نہیں آتا اور تو اور وہ بیچارے تو ڈر کے مارے ایمان کا دعوی نہیں کرتے ہاں تحدیث بالنعمۃ کے طور پہ یوں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمکو ایمان عطا کیا ہے دعوی

نہیں کرتے بس ان کی تواضع نے اہلِ دنیا کو شیر کر دیا وہ یہ سمجھنے لگے کہ جب یہ خود اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم کو کچھ نہیں آتا اور مولوی ہو کر یہ جھوٹ نہیں بول سکتے ــــــــــــــــ تو یہ واقع میں کچھ نہیں ہوں گے۔ یہ آجکل کی عقل ہے جو ان حضرات کو مُبارک ہو ورنہ حقیقت میں علماء کے سامنے انگریزی منطق پڑھے ہوئے خاک بھی وقعت نہیں رکھتے وہ استحالہ و استبعاد میں امتناع و تعدد میں ثبوت اور نظیر تک میں بھی فرق نہیں کر سکتے۔ مگر علماء ان میں فرق کرتے ہیں اور ہر اک کی حقیقت کو الگ الگ جانتے ہیں اس لئے میں نے کہہ دیا کہ اس آیت سے میں اس مضمون کو جو اسوقت بیان کرنا چاہتا ہوں ثابت نہ کرونگا بلکہ آیت سے صرف تائید کرونگا۔

## حفظِ حدود

اور یہ حفظ حدود ہے کہ ہر مضمون کو اسکی حد پر رکھا جائے چونکہ اس سے پہلے وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ کا بیان ہوا تھا جس میں بتلایا گیا تھا کہ شریعت میں حفظِ حدود کا بڑا اہتمام ہے اس لئے میں نے اسپر متنبہ کر دیا کہ حفظِ حُدود میں یہ بھی داخل ہے کہ دلالت کلام کے درجات کا لحاظ رکھا جائے کہ جو مضمون جس درجہ میں مدلول کلام ہو اُس کو اس سے آگے نہ بڑھایا جائے۔ اب میں اوّل آیت کا ترجمہ کرتا ہوں اس کے بعد مضمون مقصود کی تائید کرونگا۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خُدا تعالیٰ کی قُدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے۔

## نکاح کا اصل موضوع لہٗ

یعنی ازواج کو پیدا کیا تاکہ تم کو انسے سکونِ قلب حاصل ہو۔ یہ نکاح کا اصل موضوع لہٗ ہے یعنی سکون حاصل ہونا باقی خدمت وغیرہ یہ سب فُروع ہیں وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط

 

اور تمہارے درمیان باہمی محبت اور ہمدردی پیدا کی، یہ بھی دلائلِ قدرت میں سے ہے کہ جو دو شخص ابھی ایک ساعت پہلے اجنبی محض تھے اب انہیں نکاح کے بعد کیسی محبت ہو جاتی ہے کہ دوسرے تعلقات میں اسکی نظیر نہیں ملتی اسی لئے حق تعالیٰ نے اس کو صیغہ امر سے بیان نہیں کیا کہ تم کو آپس میں مودّت ورحمت کا برتاؤ رکھنا چاہیئے بلکہ صیغۂ خبر سے بیان فرمایا کہ ہم نے تمہارے درمیان خاص تعلق پیدا کر دیا یعنی ہم نے تمہاری مدد کی ہے بدون ہماری مدد کے اجنبیت میں ایسا تعلق نہیں ہو سکتا تھا اور یہاں مودّت ورحمت دو لفظ اختیار کئے گئے اس سے مطلب یہ ہے کہ اس تعلق میں کبھی مودّت کا غلبہ ہوتا ہے کبھی رحمت وہمدردی کا چنانچہ ابتدا میں عموماً محبت کا غلبہ ہوتا ہے اور انتہا میں رحمت وہمدردی کا۔ اور اس عنوان میں عورتوں کی اس شکایت کا بھی جواب ہو گیا جو عورتوں کو مردوں سے اکثر ہوا کرتی ہے۔ جب نکاح کو چند سال گزر جاتے ہیں تو عورتیں مردوں سے کہا کرتی ہیں کہ اب تمہارے دل میں ہماری ویسی محبت نہیں رہی جیسی شروع میں تھی اب وہ ولولہ اور تقاضا اور جوشِ عشق نہیں رہا اس شکایت کا منشا جہل ہے اور اگر مرد لاجواب ہو جائے تو یہ اس کا جہل ہے دونوں جاہل ہوں گے تو شکایت بڑھے گی عاقل اس اعتراض کو کبھی تسلیم نہ کریگا وہ اس کا یہ جواب دے گا۔

## جوش کا کم ہونا کمالِ محبت کی دلیل ہے

کہ قاعدہ یہ ہے کہ قدامت کے بعد جوش کم ہو جاتا ہے مگر جوش کا کم ہو جانا زوالِ محبت کی دلیل نہیں بلکہ کمالِ محبت کی دلیل ہے کیونکہ جوش خود نقص کی دلیل ہے دیکھو ہنڈیا میں جب تک جوش رہتا ہے کچی ہے اور جب جوش کم ہو کر سکون ہو جاتا ہے اسوقت سمجھتے ہیں

ہنڈیا پک گئی اسی لئے انبیاء علیہم السلام اور کاملین میں کیفیات کا جوش کم ہوتا ہے اور متوسطین میں ان سے زیادہ اور چھوٹے بچوں میں تو سب سے زیادہ جوش ہوتا ہے مگر سب جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کامل ہیں تو انکی محبت بھی سب سے کامل ہے حالانکہ وہاں جوش نہیں۔ پس عورتوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ——— بیوی کے پرانی ہو جانے سے اگر مرد کا جوش کم ہو جائے تو یہ محبت کے کم ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اسکی دلیل ہے کہ محبت کامل ہوگئی ہے مگر رنگ بدل گیا ہے پہلے محبت وعشق کا رنگ تھا اب رحمت (مہربانی) کا رنگ ہے پہلے محبت تھی مگر کسی قدر تکلف اور اجنبیت بھی تھی اب بالکل بے تکلفی ہے کہ ایک دوسرے کا ہمراز و دمساز اور راحت وغم کا شریک ہے گویا دو قالب ایک جان ہیں یہ نکتہ ہے مودت و رحمت دو لفظوں کے اختیار کرنے میں اسکے بعد ارشاد ہے إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ : کہ اس میں لوگوں کے لئے دلائل قدرت ہیں جو سوچ اور سے کام لیتے ہیں۔

## معاملۂ نکاح میں دلائل قدرت

اس میں ایک دلیل تو یہ ہے کہ اس سے وجود صانع پر استدلال ہوتا ہے اس طرح کہ دیکھو عورت اور مرد دونوں انسان ہی ہیں مگر دونوں میں کس قدر تفاوت ہے کہ مرد کی خلقت اور بناوٹ جدا ہے مرد سے بچہ نہیں پیدا ہو سکتا، عورت سے بچہ پیدا ہوتا ہے مرد کو مرد سے وہ راحت اور سکون حاصل نہیں ہو سکتا جو عورت سے حاصل ہوتا ہے تو ایک ہی نوع کے افراد میں ایسا تفاوت اور اسمیں مصالح کی اسقدر رعایت بدون صانع حکیم کے نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا کوئی صانع ضرور ہے۔ ایک اعرابی کہتا ہے : اَلْبَعْرَةُ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ وَالْاَثَرُ يَدُلُّ عَلَى

الْمُنِيرِ كَالسَّمَاءِ ذَاتُ الْأَبْرَاجِ وَالْأَرْضُ ذَاتُ الْفِجَاجِ كَيْفَ لَا يَدُلَّانِ عَلَى اللَّطِيفِ الْخَبِيرِ ـــــ کہ اونٹ کی مینگنی دیکھ کر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں سے کوئی اونٹ گیا ہے اور قدم کا نشان دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے کوئی گیا ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے | کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

تو یہ بڑے بڑے ستاروں اور چاند سورج والا آسمان اور یہ کشادہ اور فراخ سڑکوں والی زمین اپنے صانع حکیم کے وجود پر کیونکر دلالت نہ کرے گی ضرور کریگی سبحان اللہ! ایک جاہل بدوی کیسی عجیب بات کہتا ہے کہ جب آثار موثر پر دلالت کرتے ہیں دھواں دیکھ کر تم کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں آگ ہے۔ نشان قدم دیکھ کر یہ خبر ہو جاتی ہے کہ یہاں سے کوئی ضرور گیا ہے اور ایک نفیس عمارت دیکھ کر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کا بنانے والا کوئی ضرور ہے اور یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ نشان قدم خود ہی بن گیا ہوگا۔ یا یہ مکان خود ہی تیار ہو گیا ہوگا۔ پھر حیرت ہے کہ اتنا بڑا آسمان اور یہ پہاڑ اور زمین دیکھ کر اور اس کے نظام اکمل کا مشاہدہ کر کے تم کو اسکے صانع کا علم نہ ہو اور یوں کہو کہ یہ خود ہی اپنی طبیعت سے بن گئے ہیں اسکو کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا بلکہ ایک بدوی بھی اس خیال کو دلیل سے باطل کر رہا ہے۔

## مصنوعات سے صانع پر استدلال کرنا فطری امر ہے

جس سے معلوم ہوا کہ مصنوعات سے صانع پر استدلال کرنا فطری امر ہے اور قرآن میں جا بجا اسی فطری دلیل سے وجود اور توحید صانع پر استدلال کیا گیا ہے چنانچہ اس مقام پر بھی اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری جنس میں سے بیبیاں بنائی ہیں۔

اگر غور سے کام لو تو اسمیں تمہارے لئے دلائل قدرت موجود ہیں اور یہی وہ فطری امر ہے جو میثاق الست میں قلوب کے اندر پیوست کیا گیا ہے اس میثاق سے آپ کو یہی سبق پڑھایا گیا ہے، اور اسپر جو ایک شبہ مشہور ہے کیونکہ آجکل ہمارے دوستوں نے شبہات کا سبق بھی پڑھ لیا ہے کہ ہم کو تو یہ عہد یاد نہیں کہ کب اور کس وقت لیا گیا اور جب یاد نہیں تو اس عہد سے فائدہ ہی کیا ہوا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ آپکو اس عہد کی کیفیت بیشک یاد نہیں رہی لیکن اس کا مقصود سبکو یاد ہے اور مطلوب مقصود ہی کا یاد ہونا ہے کیفیت تعلیم و تعلم کا یاد رہنا مقصود نہیں۔ دیکھو جن لوگوں نے کبھی فارسی پڑھی ہے انکو یہ محفوظ ہے کہ آمدن کے معنی آنا ہیں کیونکہ آمدنی کا سبق آجکل ہر شخص کو یاد ہے لیکن اگر آپ انسے پوچھیں کہ آمدن کے معنی آپکو کسدن اور کس جگہ پڑھائے گئے اور آمدنامہ آپنے کونسے استاد سے پڑھا ہے تو ان سوالات کا جواب شاید ہزار میں ایک ہی آدمی دے سکے گا کیونکہ یہ باتیں کسی کو محفوظ نہیں رہتیں تو کیا ان کے یاد نہ رہنے سے یہ کہا جائے گا کہ آمدنامہ پڑھنا فضول اور بیکار گیا ہرگز نہیں بلکہ ہر شخص یہ کہے گا کہ آمدنامہ پڑھنے سے مقصود صرف یہ تھا کہ اس کا مضمون یاد رہے کیفیت تعلیم و تعلم کا یاد رہنا مقصود نہ تھا، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ میثاق الست سے مقصود یہ تھا کہ وجود صانع اور توحید صانع کا مضمون طبائع میں مرکوز ہو جائے کیفیت تعلیم کا محفوظ ہونا مقصود نہ تھا سو بحمد اللہ وجود اور توحید صانع فطرۃً ہر شخص کے دل میں مرکوز ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ مصنوعات کو دیکھ کر ایک جاہل بدوی بھی صانع کے وجود پر استدلال کرتا ہے اسپر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ آمدنامہ کی جو تم نے مثال دی ہے تو وہاں ہزار میں ایک آدمی تو ایسا نکلتا ہے جس کو کیفیت تعلیم بھی یاد ہوتی ہے چنانچہ بعضے قوی الحافظہ اب بھی بتلا سکتے ہیں کہ ہم نے آمدنامہ کس سے

پڑھا تھا اور کس مکان میں پڑھا تھا مگر میثاق الست کی کیفیت یاد رکھنے والا تو کئی ہزار میں بھی ایک نہیں ملتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ سب کو اپنے اُوپر قیاس نہ کیجئے۔

## بعض اہل اللہ کو میثاق الست کی کیفیت یاد ہے

یہاں بھی بعضے قوی الحافظہ ایسے موجود ہیں جن کو اس عہد کی کیفیت ابتک یاد ہے چنانچہ شیخ سعدی اس طرف اشارہ بھی فرماتے ہیں ؎

الست از ازل ہمچناں شان بگوش
بفریاد قالوا بلیٰ، در خروش

اسمیں تو اجمالاً بتلایا گیا ہے کہ اس عہد کے یاد رکھنے والے اب بھی موجود ہیں اور بعض بزرگوں کے کلام میں اس سے زیادہ تفصیل موجود ہے چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہمکو یاد ہے کہ اسوقت ہماری دائیں طرف فلاں اور بائیں طرف فلاں تھا۔

اور انہی بزرگ کے کشف سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اسوقت ارواح صف بستہ نہ تھیں بلکہ یوں ہی گڈمڈ جمع تھیں جیسے میلہ میں اجتماع ہوا کرتا ہے پھر اسوقت جو لوگ باہم رودررو ہوگئے انمیں تو طرفین سے محبت ہوتی ہے اور جو لوگ رود پشت ہوئے کہ ایک کا منہ دوسرے کی پشت کی طرف تھا انمیں ایک طرف سے محبت اور ایک طرف سے اعراض ہوتا ہے اور جو پشت در پشت ہوئے انمیں طرفین سے انقباض و اعراض ہوتا ہے اور ان بزرگ کے مذاق پر اس حدیث کا بھی محمل ہے۔

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ

## منہا اختلف

ایک اور بزرگ کا ارشاد ہے کہ جس وقت ازل میں میثاق لیا گیا تو سب ارواح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ تکنے لگیں کہ جو آپ کہیں گے وہی سب کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضور اقدس (سردار عالم فداہ آباؤنا وامہاتنا) کی زبان مبارک سے بلیٰ نکلا تو آپ کے بعد سب نے بلیٰ کہا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ کما یحب ویرضیٰ) تو حضرت آپ سب کو اپنے اوپر قیاس نہ کیجئے اس امت میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنکو اس عہد کی کیفیت یاد ہے بلکہ اس امت میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو جنت اور دوزخ کی پیمائش تک کر آئے کہ جنت کتنی بڑی ہے اس کے کتنے درجے ہیں اسی طرح دوزخ کی تفصیلی سیر کی اور اس کی پیمائش بھی کر لی اور یہ سیر روحانی طریقہ پر تھی۔ انہی بزرگ کو زمین آسمان سے باہر ایک سمندر بہت بڑا مکشوف ہوا ہے جس کی ایک موج اس غضب کی ہوتی ہے کہ اگر ملائکہ اس کو نہ روکیں تو آسمان و زمین کو غرق کر دے اور اس کے ساتھ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مگر عرش سب سے بڑا ہے اس سے بڑی کوئی چیز نہیں میں یہ کہہ رہا تھا کہ دلائل قدرت اور آثار خلق کو دیکھ کر خلاق عالم کی ہستی کا اقرار فطری امر ہے اسپر یہ گفتگو طبعاً آ گئی کہ فطرت میں یہ مضمون میثاق الست کے وقت سے مرکوز ہوا ہے اور اس کے بیان میں اور شبہات کے جوابات میں کلام قدرے طویل ہو گیا۔ بہر حال مصنوع کو دیکھ کر صانع پر استدلال فطری ہے گو اسکی فلسفی تقریر دقیق ہے جس کو ہر شخص آسانی سے نہیں سمجھ سکتا۔

**وجودِ صانع کی فلسفی دلیل** چنانچہ فلسفی طریقہ پر وجودِ صانع کی دلیل یہ ہے کہ تمام عالم حادث ہے

کیونکہ بہت سی چیزوں کا حدوث تو ہمکو مشاہدہ ہوتا ہے اور جن کا حدوث مشاہدہ نہیں ہوا ان کے احوال کا تغیر و انقلاب بتلا رہا ہے کہ یہ حادث ہیں کیونکہ محل حادث کا حادث ہوتا ہے ابھی میں نے اخبار میں ایک امریکن ڈاکٹر کا یعنی ماہر سائنس کا قول پڑھا ہے کہ وہ لکھتا ہے کہ آفتاب کی روشنی میں بہت کمی آ گئی ہے اور عنقریب اسکی روشنی زائل ہو کر یہ چراغ گل ہو جائے گا اور اسوقت دنیا میں اسقدر سردی پڑے گی کہ مخلوق کا زندہ رہنا محال ہے تمام عالم فنا ہو جائے گا (ہم تو اس خبر سے خوش ہوئے اور اہل سائنس کو قرآن سے قیامت کی خبر کا یقین نہ ہوا تھا تو اب آلات رصد سے یقین کرنے لگا ۱۲) غرض اشیاء عالم کا تغیر و انقلاب کا پتہ دے رہا ہے کہ یہ سب حادث ہیں قدیم نہیں یعنی انکا وجود دائمی اور ضروری نہیں اور حادث کے لئے ممکن ہونا لازم ہے اور ممکن کیلئے کسی مرجح کی ضرورت ہے کیونکہ ممکن وہ ہے جس کا وجود و عدم مساوی ہو یعنی نہ اس کے لئے موجود ہونا ضروری ہے نہ معدوم ہونا ضروری ہے اور جس کا وجود و عدم برابر ہو تو اس کے وجود کے لئے کوئی مرجح ہونا چاہیے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور ترجیح بلا مرجح باطل ہے پھر اس مرجح میں گفتگو کی جائے گی کہ وہ ممکن ہے یا کچھ اور ہے اگر ممکن ہو تو اس کے لئے دوسرے مرجح کی ضرورت ہوگی اور چونکہ تسلسل محال ہے اس لئے کہیں نہ کہیں سلسلہ ختم کرنا پڑے گا اور یہ ماننا پڑے گا کہ مرجح ایسی ذات ہے جو ممکن نہیں بلکہ واجب الوجود ہے اسی واجب الوجود کو ہم صانع اور خلاق عالم کہتے ہیں۔

## ایک شبہ کا جواب

اسپر ایک سوال یہ ہوگا کہ صانع کے ماننے کے بعد بھی تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے کیونکہ صانع نے تمام مخلوقات کو ایکدم سے پیدا نہیں کیا اور ایک حال میں پیدا نہیں کیا بلکہ کسی کو آج پیدا کیا کسی کو آج سے ہزار برس سو برس پہلے

پیدا کیا اور کسی کو بعد میں پیدا کریگا اور کسی کو حسین بنایا کسی کو بدشکل کسی کو مرد کسی کو عورت کسی کو امیر کسی کو غریب کسی کو عاقل کسی کو احمق، تو یہاں مرجح کون ہے؟ زید کو آج کیوں پیدا کیا کل کیوں نہیں کیا تھا اور اس کو امیر کیوں بنایا عمرو کی طرح غریب کیوں نہ بنایا زید کو عمرو پر کیا ترجیح تھی مثلاً۔ اس سوال کا جواب حکماء اسلام کے سوا کوئی نہیں دے سکا فلاسفہ کی عقلیں یہاں آکر چکر کھانے لگیں حکماء اسلام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ان امور میں ارادہ واجب مرجح ہے اور ارادہ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے مرجح ہے اس کے لئے کسی دوسرے مرجح کی ضرورت نہیں اس پر حکماء یونان کی طرف سے ان کے معتقدوں نے یہ اشکال وارد کیا کہ بیشک یہ تو ہم نے مان لیا کہ ارادہ کے لئے کسی مرجح کی ضرورت نہیں وہ خود اپنی ذات سے مرجح ہے مگر یقیناً خدا تعالیٰ کا ارادہ قدیم ہے پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ ارادہ تو قدیم اور مراد حادث ہو اس صورت میں تخلف مراد کا ارادہ سے لازم آتا ہے اور یہ محال ہے اس کا جواب حکماءِ اسلام نے ایسا ہی دیا ہے کہ حکماء یونان کے دانت کھٹے ہو گئے۔ فرمایا کہ صفات واجب اپنی ذات میں قدیم ہیں مگر ان کا تعلق ممکنات کے ساتھ حادث ہے اور تخلف مراد کا تعلق ارادہ کے بعد محال ہے اس سے پہلے محال نہیں پس ہم یہ کہیں گے کہ ارادہ کا تعلق مختلف طور سے ہوتا ہے اس لئے مراد کا وجود بھی مختلف ازمنہ اور مختلف حالات کے ساتھ ہوتا ہے۔ ۱۲ ظ

## وجودِ صانع کی عقلی دلیل عوام نہیں سمجھ سکتے

یہ عقلی دلیل ہے

وجودِ صانع کی اب اگر کوئی یہ کہے کہ ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا تو میں کہوں گا کہ اس کا میرے پاس کچھ علاج نہیں، میں تو جواب دے چکا، گو آپ کے پاس برتن

نہ ہو اور کھانا گر جائے تو میں کیا کروں۔ اور اگر آپ یوں کہیں کہ اسکو ایسا آسان کرکے بیان کرو جو ہم بھی سمجھ جائیں تو میں کہوں گا کہ آپ ایک سائنس کو اقلیدس کی ایک شکل ایسے آسان طریقہ سے سمجھا دیجئے جس میں نہ اس کے اصول موضوعہ کے معلوم کرنے کی ضرورت ہو نہ علوم متعارفہ کی نہ حدود کی نہ دوسری اشکال کی۔ صرف آپ کی تقریر ہی سے ایک مجلس میں اقلیدس کی شکل سمجھ جائے تو میں بھی آپکو یہ تقریر آسان کرکے سمجھا دونگا اور اس مثال سے آپ برا نہ مانیں کہ ہم کو سائنس بنا دیا کیونکہ اول تو یہ لفظ عربی ہے سیاست سے مشتق ہے سائس کے معنی عربی میں سیاست داں ہیں اور سیاست داں ہونا تو تعریف کی بات ہے بُرا ماننے کی بات نہیں ہے آپ تو اپنے آپ کو سیاست داں سمجھتے ہی ہیں تو میں نے سائنس کہہ دیا تو کیا بُرا ہوا۔ دوسرے یہ کہ میرا مقصود ہر بات میں آپ کو سائنس سے تشبیہ دینا نہیں بلکہ صرف اس بات میں تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح وہ اقلیدس کے اصول موضوعہ اور مبادی سے ناواقف ہے اس لئے اقلیدس کی شکلیں نہیں سمجھ سکتا اسی طرح چونکہ آپ دلائل عقلیہ کے اُصول و مبادی سے ناواقف ہیں اس لئے اس تقریر کو آپ نہیں سمجھ سکتے گو کتنا ہی آسان کرکے بیان کیا جائے کیونکہ میں نے تو اسوقت بھی اردو ہی میں تقریر کی تھی عربی یا عبرانی میں تقریر نہ کی تھی مگر آپکو اصول و مبادی حاصل نہیں اس لئے آپ نہیں سمجھ سکتے اگر سمجھنا مطلوب ہے تو اول اصول و مبادی سے فراغت کر لیجئے پھر فوراً سمجھ میں آجائے گا۔

## علماء کے پاس ہر بات کا جواب ہے

خُلاصہ یہ ہے کہ علماء کے پاس تو ہر بات کا جواب ہے مگر آپ کے پاس سوال ہی نہیں یعنی سوال کی اہلیت نہیں۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد | اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

اب شاید کسی کو یہاں یہ سوال پیدا ہو کہ خلق ازدواج میں آیات کثیرہ کہاں ہیں جو کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ میں صیغہ جمع سے مفہوم ہو رہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو دنیا میں ہزاروں لاکھوں میاں بیوی ہیں پس ہر فرد کا وجود اور انکی باہمی مودت و رحمت الگ الگ دلیل ہے جو مجموعہ ہو کر بہت سے دلائل ہیں

## نکاح سے ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک ہی میاں بیوی کو لیا جائے تو خود انمیں بھی بہت سے دلائل ہیں کیونکہ نکاح سے انسان کے لئے ایک نیا عالم شروع ہو جاتا ہے جو ہر شخص کی زندگی کا ورق اُلٹ دیتا ہے۔ یقیناً جس شخص نے کسی بچہ کو چار پانچ سال کی عمر میں دیکھا تھا وہ اس کو نکاح کے بعد اس حال میں دیکھے کہ وہ گھر کا سردار بنا ہوا بیوی بچوں کی پرورش کر رہا ہے تو وہ ہرگز یہ نہ سمجھے گا کہ یہ وہی بچہ ہے جو میرے سامنے ننگا پھرا کرتا تھا یقیناً" وہ اول اس کو دوسرا آدمی سمجھے گا پھر لوگوں کے بتلانے کے بعد جب یہ سُنے گا کہ یہ وہی لڑکا ہے تو اس کو بڑی حیرت ہوگی کہ اللہ کیا سے کیا ہو گیا اور جس نے کسی شخص کو اس حال میں دیکھا ہو کہ آج اسکی شادی ہو رہی ہے پھر ایک عرصہ کے بعد اس حال میں دیکھے کہ وہ خود اپنے لڑکے کا نکاح کر رہا ہے تو اسکو بڑی حیرت ہوگی یہ تو وہ باتیں ہیں جو دوسروں کو محسوس ہوتی ہیں اور خود اس شخص کو اگر وہ تامل سے کام لے نکاح کے بعد اپنی زندگی میں ایسا انقلاب عظیم معلوم ہوگا کہ گویا یہ دوسری زندگی ہے اور یہاں سے ایک مسئلہ کشفی کی تائید ہوتی ہے یعنی تجدد امثال کی جو صوفیہ کو کشف سے معلوم ہوا ہے کہ ہر شئے کے لئے ایک ہی وجود مستمر نہیں ہے بلکہ ہر آن میں پہلا وجود فنا ہو کر دوسرا

وجود عطا ہوتا ہے مگر چونکہ تبدل وجود الاتصال و التوالی پے درپے ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ہی وجود بچپن سے اخیر عمر تک مستمر ہے۔ حالانکہ یہ ایک وجود نہیں بلکہ اسپر ہزاروں لاکھوں وجود آئے ہیں جس کو اہل کشف مشاہدہ کرتے ہیں اسی کی ایک نظیر کو ایک عارف نے یوں بیان کیا ہے ؎

کشتگان خنجر تسلیم را،
ہر زمان از غیب جان دیگرست

اور یہی محمل ہو سکتا ہے اس شعر کا جو مولانا کیطرف اغلط منسوب کر دیا گیا ہے

ہفت وہفتاد قالب دیدہ ام
ہمچو سبزہ بار بار روئیدہ ام

مگر یہ مسئلہ کشفی ہے اسپر اعتقاد لازم نہیں اور چونکہ نصوص اس سے ساکت ہیں نفی بھی نہیں کرتیں، اس لئے صحت کا بھی احتمال ہے (اسوقت حضرت مولانا پر دھوپ آگئی اس لئے کرسی کو ہٹانا پڑا، تو فرمایا دیکھئے اونچا ہونے میں یہ خرابی ہے کہ ذرا سی دیر میں دھوپ سے سکنے لگے مگر یہ ثبوت نہیں، محض تائید ہے) یہ تو آیت کا مدلول تھا جو ترجمہ کے بعد بیان کر دیا گیا۔ اب میں بطور تشبیہ کے اس مضمون سے ایک اور مضمون کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ تشبیہ اور نظیر سے تائید اور توضیح ہو جاتی ہے مثلاً کوئی تشبیہ کے طور پر یوں کہے کہ زید شیر ہے تو اس سے محض وضاحت اور تنویر مقصود ہے یہ مطلب نہیں کہ واقعی شیر ہے۔

## موضوع کی مناسبتہ آیۃ سے

اسی طرح جو مضمون میں بیان کرونگا وہ مدلول آیت نہیں ہاں اس کی نظیر اور مثال ہے۔

## صوفیاء پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

اور یہاں سے یہ بھی سمجھ لیجیے کہ حضرات صوفیہ پر جو بعض تفاسیر کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ قرآن کی نئی نئی تفسیریں کرتے ہیں یہ معترضین کی غلطی ہے صوفیہ نے ان باتوں کو تفسیر کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ محض تنظیر وتشبیہ کے طور پر بیان کیا ہے اور صوفیہ کے معتقدین جو اسکو تفسیر سمجھتے ہیں وہ بھی غلطی کرتے ہیں مثلاً اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى کے تحت میں صوفیہ نے لکھا ہے اذھب یا روح الی النفس جاھدھا انھا قد طغت۔

کہ اے روح نفس کی طرف جا اور اس سے جہاد کرکے اس کو مغلوب کر کہ وہ حد سے نکلا جا رہا ہے بعض ناواقفوں نے اس کو تفسیر سمجھ لیا پھر انہیں جو معتقد تھے۔ وہ یہ کہنے لگے کہ قرآن میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنۃ کا قصہ مذکور ہی نہیں ہے بلکہ موسیٰ سے مراد روح ہے اور فرعون سے مراد نفس۔ مگر یہ سراسر جہل ہے واللہ صوفیہ کی یہ مراد ہرگز نہیں اور جو انکی طرف یہ بات منسوب کرے وہ جھوٹا ہے اور بخدا قرآن میں موسیٰ و فرعون سے روح و نفس ہرگز مراد نہیں بلکہ اسمیں موسیٰ علیہ السلام ہی کا قصہ فرعون کے ساتھ مراد ہے جو کہ ظاہری مدلول ہے ورنہ اگر ظاہری مدلول مراد نہ ہوا تو پھر قرآن سے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کچھ ثابت نہ ہو سکے گا۔

## صوفیا ملحد نہ تھے

اور یہ وہی بات ہو گی جو ملحدین نے کہی ہے اور صوفیہ ملحد نہ تھے وہ الحاد سے بالکل بری تھے۔ بعض ملحدین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں صلوٰۃ سے مراد نماز شرعی نہیں بلکہ روح صلوٰۃ مراد ہے یعنی تعلق مع اللہ اسی طرح

زکواۃ سے مراد زکواۃ شرعی نہیں بلکہ اسکی روح مراد ہے یعنی سخاوتِ نفس۔

## اعمال کے ظاہر و باطن کی تحقیق

اسی طرح تمام نصوص میں تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ اعمال کا ایک ظاہر ہے ایک باطن۔ علماء نے قرآن کو ظاہر پر محمول کیا ہے ہم اُس کو باطن پر محمول کرتے ہیں اور ان لوگوں نے مولانا رومی کا ایک قول اپنی دلیل میں بیان کیا ہے ؎

پنج وقت آمد نماز اے رہنموں | عاشقان ہم فی صلوٰۃ دائموں

کہ دیکھو مولانا فرماتے کہ عوام تو پانچ ہی وقت نماز پڑھتے ہیں اور عشاق ہمیشہ نماز ہی میں رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ صلوٰۃ شرعیہ کا تحقق دائماً نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اکل و شرب و بول و براز اور سونے کی حالت میں نماز ظاہری نہیں ہو سکتی تو وہ کونسی نماز ہے جس میں عشاق دائماً مشغول رہتے ہیں وہ روح نماز ہی تو ہے یعنی تعلق و حضور مع اللہ جو کسی وقت ان کے دل سے جُدا نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ مولانا کے کلام سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عشاق ظاہری نماز ادا نہیں کرتے بلکہ مولانا کے کلام کے معنی عشاق کے لئے دو نمازوں کا ثابت کرنا ہے پس انہوں نے اوّل یہ فرمایا ہے کہ عوام تو پانچ ہی وقت نماز پڑھتے ہیں اس کے بعد عشاق کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ وہ ہر وقت نماز میں رہتے ہیں اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ وہ ان پانچوں کو بھی ادا کرتے ہیں اور ان ہی پانچ پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر دم نماز میں رہتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا کہ مولانا نے عشاق سے نماز ظاہری کی نفی کی ہے اُن کے کلام کی تحریف ہے۔ بلکہ مولانا نے اُسکے ساتھ عشاق کے لئے ایک زائد بات بیان فرمائی ہے جسکی وجہ سے اُن کے لئے دائماً مشغولی صلوٰۃ ثابت ہو رہی ہے۔ اور وہ

زائد بات کیا ہے وہ نماز کا شوق اور انتظار ہے مطلب یہ ہے کہ عوام تو نماز پڑھ کر اُس سے غافل ہو جاتے ہیں اور عشاق نماز کے بعد دوسری نماز کی فکر و انتظار میں بیتاب رہتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ نماز کے انتظار میں لگا رہنے والا نماز ہی میں ہے اسی لئے عشاق ہر وقت نماز میں ہیں یعنی اُن کو ہر وقت نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ عشاق کی نماز دوسری ہے اور وہ پانچ وقت کی نمازیں نہیں پڑھتے ۔ یہ تو مولانا کے کلام سے استدلال کا جواب تھا۔ رہا اُن کا یہ کہنا کہ اعمال کے لئے ایک ظاہر ہے ایک باطن، یہ مسلّم لیکن اس سے یہ کیوں کر لازم آیا کہ اعمال کی صورت اب ظاہر مطلوب نہیں دیکھو اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے آپ کے بیٹے کا ایک ظاہر ہے یعنی قالب اور ایک باطن ہے یعنی روح کیونکہ انسان صرف ظاہر سے انسان نہیں بلکہ اپنی روح کے ساتھ انسان ہے اگر روح نہ ہو تو یہ قالب مٹی میں دفن کرنے کے قابل ہے لیکن کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف رُوح ہی مطلوب ہے اور قالب بالکل مطلوب نہیں اگر یہ ہے تو پھر اپنے بیوی بچوں کو گلا گھونٹ کے مار دو، کیونکہ رُوح تو پھر بھی رہے گی اُس کو تو گلا گھونٹنے سے موت نہ آئے گی صرف قالب کو موت آئے گی تو کیا حرج ہے یہ تو مطلوب ہی نہیں۔ اس پر شاید آپ یہ کہیں کہ مطلوب تو روح ہی ہے اور قالب مطلوب نہیں مگر چونکہ یہ روح ہمارے پاس بدون اس قالب کے نہیں رہ سکتی اس لئے بدن بھی مطلوب ہے۔ جزاک اللہ بس یہی ہم کہتے ہیں کہ جس چیز کو آپ روح صلوٰۃ کہتے ہیں وہ روح آپ کو بدون نماز کی اس صورت و قالب کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی وہ رُوح اسی صُورت کے ساتھ لگی ہوئی ہے اگر اسکو حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس صُورت کو لازم پکڑو ورنہ بدون اس کے جو شخص رُوح صلوٰۃ کے حصول کا مدعی ہو وہ یقیناً جھوٹا ہے یہ

تو معتقدوں کی حالت تھی کہ انہوں نے صوفیہ کے ان اقوال کو تفسیر سمجھ لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ مقصود صرف باطن ہی ہے ظاہر مراد ہی نہیں۔ اور جو لوگ ان کے معتقد نہ تھے وہ ان پر فتویٰ لگانے لگے کہ صوفیہ ملحد ہیں کہ قرآن کے اندر تحریف کرتے ہیں: آیات کی تفسیر بالرائے کرتے ہیں، یہ بھی غلطی پر ہیں۔

## علمِ اعتبار کی حقیقت

اور جو سچے معتقد اور محقّق تھے انہوں نے یہ کہا کہ صوفیہ کی مراد تفسیر کرنا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اے قرآن پڑھنے والے تو قرآن کے قصّوں کو محض قصّہ سمجھ کر نہ پڑھ بلکہ اُن سے سبق حاصل کر کیوں کہ قرآن میں جو قصّے مذکور ہیں وہ عبرت حاصل کرنے کے لئے بیان کئے گئے ہیں جیسا خود قرآن میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ
مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي
بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى
وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ [1]

پس جب تو موسیٰ علیہ السلام کے قصّہ پر پہنچے تو اس سے یہ سبق حاصل کر کہ تیرے اندر بھی ایک چیز موسیٰ کے اور ایک چیز فرعون کے مشابہ ہے یعنی رُوح اور نفس دوسری عبارت میں یوں ہو کہ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں ایک داعی الی الخیر جو مشابہ موسیٰ علیہ السلام کے ہے دوسری داعی الی الشر جو مشابہ فرعون ملعون

---

[1] البتہ ان کے احوال سے عبرت ہے واسطے عقل والوں کے کچھ بناتی ہوئی بات نہیں لیکن موافق ہے اس کلام کے جو اس سے پہلے بھی ایمان لانے والوں کے ہر چیز سے بیان ہدایت اور رحمت ہے پارہ میں یوسف کی بالکل ختم پڑھو۔

کے ہے پس تو بھی اپنی رُوح کو نفس پر غالب کر جس کا طریقہ مجاہدہ اور تبلیغ ہے پس تو نفس کو آیات الٰہیہ یاد دِلا تاکہ اس کو خوف الٰہی پیدا ہو اور نافرمانی سے باز آ جائے یہ علم اعتبار ہے کہ دُوسرے کے قصّہ کو اپنی حالت پر منطبق کر کے سبق حاصل کیا جائے پس اس آیت سے روح ونفس کی حالت پر حکم کرنا استدلال کے طور پر نہیں بلکہ بطورِ اعتبار کے ہے۔ استدلال تو مفہوم لغوی سے ہوتا ہے ان طرق کے ساتھ جو اہلِ معانی واصول نے بیان کئے ہیں اور اعتبار تشبیہ واشارہ کے طور پر ہوتا ہے اور ان دونوں کی اصل قرآن سے ثابت ہے لیکن قرآن میں دلیل واستدلال کا لفظ صراحتہً نہیں آیا بلکہ اس کے مرادفات آئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے قُلْ ھَاتُوا بُرْھَانَکُمْ۔

اور ارشاد ہے: قُلْ ھَلْ عِنْدَکُمْ مِنْ عِلْمٍ چونکہ برہان اور علم دلیل کے معنی میں ہے اس لئے اس کا نام استدلال رکھنا صحیح ہو گیا جیسے اقیموا الصلوٰۃ کے معنی میں یوں کہنا کہ حق تعالیٰ نے نماز کو فرض کیا ہے صحیح ہے حالانکہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ میں اللہ اور فرض کا لفظ صراحتہً نہیں مگر اس کا قائم مقام موجود ہے۔ اور دوسرے طریق کا نام خود قرآن ہی میں اعتبار آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ اس سے اوپر بنی نضیر کے (جو یہود کا ایک قبیلہ ہے) جلاوطن کئے جانے کا قصہ مذکور ہے جس کے بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا ہے کہ اے بصیرت والو! اس سے عبرت حاصل کرو۔ یعنی اگر تم ایسی حرکت کرو گے جو ان لوگوں نے کی ہے تو اپنے واسطے بھی اسی عذاب کو تیار سمجھو اور یہی تو علم اعتبار ہے کہ دو چیزوں میں مشابہت ہو

---

لے آپ فرما دیجئے کہ اپنی دلیل لاؤ۔

تو ایک نظیر سے دُوسری نظیر کا استحضار کیا جائے اور یہی عبرت حاصل کرنے کے معنیٰ ہیں کہ دوسرے کی حالت کو اپنے اوپر منطبق کیا جائے کہ اگر ہم نے اس کے جیسے اعمال کئے تو ہمارا بھی وہی حال ہوگا جو اُس کا ہوا ہے رہا یہ سوال کہ جس طرح صوفیہ نے علم اعتبار کا استعمال کیا ہے کیا نصوص میں بھی ایسا استعمال آیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ بحمد اللہ اس کی نظیر نصُوص میں بھی موجود ہے۔ اور میں یہ بات خود نہیں کہتا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے میں اس کا ثبوت دیتا ہوں اور وہ اتنے بڑے محقق ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کو غیر مقلد سمجھ لیا ہے کہ وہ ائمہ کی تقلید بھی نہ کرتے تھے مگر یہ غلط ہے وہ مقلد ہی ہیں مگر مقلد محقق ہیں الخیر کے فیقر نہیں جیسے سالکین و مجذوبین کے سلوک وجذب میں مراتب ہیں کہ بعض سالک مجذوب ہیں بعض مجذوب سالک محض ہیں۔ بعض سالک محقق ہیں۔

——————— ایسے ہی تقلید و تحقیق کے بھی مراتب ہیں کہ بعض مقلّد محض ہیں بعض محقّق محض یعنی مجتہد ہیں اور اور بعض مقلّد محقق ہیں بعض محقق مقلّد ہیں۔ تو شاہ صاحب مقلّدِ محض نہ تھے بلکہ مقلد محقق تھے اسی لئے بعض کو ان پر غیر مقلدی کا شبہ ہوا تو اتنے بڑے محقق نے دُو حدیثوں کے متعلق فوز الکبیر میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے علم اعتبار کا استعمال فرمایا ہے صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تقدیر کا مسئلہ ارشاد فرمایا:

اَمَا مِنكُم مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ لَهٗ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ

یعنی ہر شخص کا ٹھکانا جنّت میں یا دوزخ میں پہلے ہی سے لکھدیا گیا ہے۔ اس پر حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ پھر عمل کی کیا ضرورت ہے حضورؐ نے فرمایا:

اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَاَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى الآیہ متفق علیہ (مشکوٰۃ صلا)

کرعمل کرتے رہو ہر شخص کے لئے وہ عمل آسان کر دیا گیا ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے جو شخص اہل سعادت سے ہوگا اُس کے لئے عمل سعادت آسان ہوگا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے جو شخص اہل سعادت سے ہوگا اس کے لئے عمل سعادت آسان ہوگا جو اہل شقاوت سے ہوگا اُس کے لئے عمل شقاوت آسان ہوگا اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى [له]

(ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ جو شخص (اللہ کی راہ میں) صدقہ دے اور تقویٰ اختیار کرے اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کی تصدیق کرے تو ہم اس کے لئے راحت کی چیز (یعنی جنّت) کا سامان کر دیں گے اور جو بخل کرے اور بے پروائی اختیار کرے اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کی تکذیب کرے ہم اُس کے لئے تکلیف

---

له قال الشیخ مقابلتہ الاستغنا بالتقوی یشعر بان المراد بالاستغناء عدم المبالاۃ والغفلۃ ففیہ دلالۃ ان الغنی المذموم ھو ما کان مع الغفلہ وعدم المبالاۃ وان التقوی حقیقتہ الفکر فان المقابل للاستغنا ھو التقوی بھذا المعنی وبھذا سھل تفسیر قولہ تعالی ھدی للمتقین ای الذین ھم فی فکر وخشیۃ ویتاید ھذا التفسیر باللغۃ فان التقوی لغۃ الخوف والحذر ۱۲ (اشرف)

کی چیز (یعنی جہنم) کا سامان کر دیں گے ۔ (۱۲۷)

اب اسپر سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں تقدیر کا ذکر کہاں ہے آیت کا مدلول تو یہ ہے کہ اعطاء و تقویٰ سے جنت آسان ہو جاتی ہے اور بخل و استغناء سے دوزخ آسان ہو جاتی ہے اُس کا جواب شاہ صاحبؒ نے یہ دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ علم اعتبار کے اس آیت کے مضمون سے حدیث کے مضمون پر استشہاد فرمایا ہے اور مقصود تشبیہ دینا ہے کہ جیسے بواسطہ اعمال کے بعض کے لئے جنت اور بعض کے لئے دوزخ کو آسان کر دیا ہے اسی طرح بواسطہ تقدیر کے بعض کے لئے اعمالِ صالحہ کو بعض کے لئے معاصی کو آسان کر دیا ہے اور یہ تشبیہ محض توضیح کے لئے ہے کہ تقدیر سے تیسیر ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسی اس آیت میں تیسیر اعمال سے مذکور ہے پس مقصود تشبیہ سے توضیح ہے مشبہ کی اسی لئے تشبیہ میں شرط ہے کہ مشبہ بہ میں وہ صفت اوضح واشہر ہو گو اقوی

---

لہ تمتہ ولا یخفی ما فی ھذا الجواب من البعد والاسھل فی التوجیہ ان یقال فی معنی الآیۃ ان من اعطی واتقی وصدق بالحسنی فھو الذی اراد بہ التیسیر للیسری ومن بخل واستغنی وکذب بالحسنی فھو ممن اراد بہ التیسیر للعسری وھذا راجع الی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اعملوا فکل میسر ما خلق لہ ای وعلمہ علامۃ لما کتب لہ من السعادۃ والشقاوۃ وھذا ھو الظاھر من الآیۃ لا ان الاعطاء والتقوی موثر فی تیسیر الیسری اما البخل والاستغناء فی عکسہ بل کل ذلک امارات وعلامات لما اراد اللہ بہ وقدر لہ من قبل والمیسر ھو اللہ تعالی واللہ اعلم ۱۲ لے لیس المقصود ترجیح توجیہ علی توجیہ بل المقصود اثبات ان العلماء الراسخین حکموا بکون علم الاعتبار من القرآن ومرتدان یحکموا بالباطل ۱۲ اشرف ۔

بہرحال یہاں سے تشبیہ کے متعلق ایک مشہور سوال کا بھی حل ہوگیا وہ یہ کہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ ــــــ

میں جو صلوٰۃ علی رسول اللہ نبینا صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلّم کو صلوٰۃ علیٰ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

## تشبیہ میں مُشبّہ بہ کا افضل ہونا ضروری نہیں

تو اس پر بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے صلوٰۃ ابراہیمی کے افضل واکمل ہونے کا صلوٰۃ محمدیہ سے اور منشا اس کا وہی ہے کہ عام طور پر لوگوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ تشبیہ میں مشبہ بہ کا مُشبّہ سے اقویٰ وافضل ہونا شرط ہے حالانکہ یہ مقدمہ ہی غلط ہے بلکہ صرف اوضح واشہر ہونا ضروری ہے افضل واکمل ہونا ضرور نہیں اور اسکی دلیل خود قرآن میں موجود ہے فرماتے ہیں :

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ

اسمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو چراغ کے نور سے تشبیہ دی ہے حالانکہ چراغ کے نور کو نورِ حق سے کیا نسبت مگر بوجہ وضوح کے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ نور مصباح لوگوں کے ذہن میں پہلے سے حاضر ہے۔ اس پر اگر یہ سوال ہو کہ لوگوں کے ذہن میں تو نور شمس وقمر بھی حاضر ہے اور ان دونوں کا نور چراغ کے نور سے زیادہ قوی ہے تو انکے ساتھ تشبیہ کیوں نہیں دی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ سورج اور چاند کا نور اگرچہ چراغ کے نور سے اقویٰ ہے مگر سورج میں ایک عیب کہ اس پر نگاہ نہیں جمتی اسکی ساتھ تشبیہ دی جاتی تو سامعین کو شبہ ہوتا کہ شاید خدا کا نور بھی ایسا ہی ہوگا کہ اس پر نگاہ نہ جم سکے تو جنت میں بھی دیدار

سے مایوسی ہوئی اور قمر سے اس لئے تشبیہ نہیں دی کہ اُس کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ نور القمر مستفاد من نور الشمس[1] تو اس کی ساتھ تشبیہ دینے میں اس کا شبہ ہوتا کہ نورِ حق بھی کسی سے مستفاد ہے۔ پھر چراغ میں ایک صفت شمس و قمر سے زیادہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی منورہ و منور بنا دیتا ہے کہ ایک گھنٹہ میں ایک چراغ سے ایک لاکھ چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور اس کے نور میں کچھ کمی نہیں آتی اور شمس و قمر سے دُوسروں کو صرف روشنی پہنچتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ دُوسری شے نورانی بن کر کسی اور کو بھی منور کر سکے۔ (اگر کہا جائے کہ آئینہ

---

[1] اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ نورِ قمر کا مستفاد من الشمس ہونا تو اہلِ علم ہی میں مشہور ہے اور چراغ کے نور کا مستفاد ہونا دیا سلائی یا چقماق کی آگ سے ہر شخص کو مشاہد ہے اور خود نص میں اس کا ذکر ہے یکاد زیتہا یضیئ ولو لم تمسسہ نار۔ پس میرے خیال میں نورِ قمر سے تشبیہ نہ دینے کی توجیہ یہ کیجائے تو اچھا ہے کہ قمر میں محاق کا عیب ہے کہ کبھی ہلال ہے کبھی بدر کامل ہے کمال کے بعد زوال ہے ولیس نور اللہ کذالک۔ نیز اصل سوال کا جواب سہل یہ ہے کہ نورِ شمس و قمر میں بالنقص ہے۔ کہ اس سے روشنی حاصل کرنے میں کسی کے کسب و طلب و اختیار کو دخل نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور سے استفادہ کرنے میں کسب و عمل کو دخل ہے کہ جو کوئی اپنے قلب کو مثل زجاجہ کوکب دری کے صاف و شفاف کرے اور اس میں ذکر اللہ و عشق اور اخلاق کا زیت مبارک بھر لے تو نورِ حق سے مستفید و منور ہو جائے گا ورنہ نہیں پس اس کی مثال نورِ مصباح ہی ہے جس کے استفادہ و تنور باختیار و طلب عبد ہے نہ بالاضطرار علاوہ ازیں یہ کہ نورِ شمس و قمر گو اتویٰ ہے مگر اسکی طرف انسان کی احتیاج اسقدر حاضر فی الذہن نہیں جس قدر نورِ مصباح کی احتیاج حاضر فی الذہن ہے کیونکہ شمس و قمر کا طلوع و غروب عادت کے موافق خود ہوتا رہتا ہے بہت سے آدمیوں کو اس کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا اور نورِ مصباح کی ضرورت کی طرف ہر ایک کو التفات ہوتا ہے۔ رات کے وقت ہر شخص کو اس کی طلب ہوتی ہے اور اسکی طرف التفات بھی ہوتا ہے۔ ہذا ما عندی وکل ذالک من قبیل النکات ولعل ہذا احسن واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ۔

[illegible]

دُوسری حدیث مسلم میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعمال جو لوگ کر رہے ہیں پہلے سے مقدر ہو چکے ہیں کہ کون کیا کرے گا ہر شخص ابتداءً عمل کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بل شَیْئٌ قضی عَلَیْھِمْ وَمَضٰی فِیْھِمْ وَتَصْدِیْقُ ذٰلِکَ فِی کِتَابِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاھَا فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا ـــــــــ

کہ نہیں بلکہ یہ وہ اعمال ہیں جو ان کے لئے پہلے ہی سے مقدر ہو چکے ہیں یہی وہ بات ہے جس کو ایک حدیث میں اس عنوان سے بیان فرمایا ہے۔

جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا ھُوَ کَائِنٌ ـــــ

میں اسوقت تقدیر کا مسئلہ بیان نہیں کر رہا تاکہ شبہات کا جواب دوں ممکن ہے اسوقت کسی کے ذہن میں یہ سوال آیا ہو کہ جب سارے اعمال پہلے سے مقدر ہو چکے تو پھر عمل صالح میں سعی کی کیا ضرورت ہے جو مقدر ہوگا ہو جائے گا یا یہ شُبہ آیا ہو کہ جب پہلے سے سب کچھ مقدر ہو چکا ہے تو پھر کافر وفاجر کا کیا قصور ہے میں اسوقت چونکہ مسئلہ تقدیر کو حل نہیں کر رہا اس لئے ان شُبہات کا جواب دینے کی مجھے ضرورت نہیں ہے (جس کو شوق ہو وہ اس مبحث کو تفسیر بیان القرآن کے شروع میں خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ کی تفسیر میں دیکھ لے ۱۲)۔

## مسئلہ تقدیر

ہاں اسوقت ایک بات کہتا ہوں جو مقنع ہے (یعنی اس سے صاحب انصاف کو تسلی ہو جائے گی گو بحث کرنیوالا ساکت نہ ہو ۱۲) وہ یہ کہ اگر خدا تعالیٰ کے سامنے یہ جواب کافی ہے کہ ہم سے جو گناہ صادر ہوئے ہیں تو ہم کیا کرتے آپ نے مقدر میں یہی لکھ

دیا تھا تو یہ جواب آپ کے غلام اور نوکر اور اولاد کی نافرمانی کے وقت بھی آپ کے مقابلہ میں کافی ہونا چاہیئے جب غلام یا نوکر آپ کی نافرمانی کرنے یا اُس کے ہاتھ سے کوئی نقصان ہو جائے تو اُس کو سزا ہرگز نہ دیا کرو بلکہ تقدیر کو کافی جواب سمجھا کرو کہ غریب معذور ہے اسکی تقدیر میں یہی عمل تھا۔ اسی طرح اولاد اگر تعلیم حاصل نہ کرے لڑکا اسکول سے بھاگتا ہو تو اسکو تنبیہ نہ کیا کرو بس صبر کر لو کہ اسکی تقدیر میں یہی ہے۔ یہ کیا بات کہ یہاں تو باوجود اعتقاد تقدیر کے آپ کو صبر نہیں آتا بلکہ اول پوری تدبیر سے کام لیتے ہو بچہ کو سزا دیتے ہو لالچ بھی دیتے ہو جب کوشش کرتے کرتے تھک گئے اُس وقت تقدیر پر صبر و شکر کر کے بیٹھتے ہو اور خدا کے سامنے عذر تقدیر کو کافی جواب سمجھتے ہو اگر تقدیر پر بھروسہ کر کے دین کے اعمال سے بےفکری اختیار کی جاتی ہے اور اپنے کو بدعملی میں بے قصور سمجھا جاتا ہے تو دنیا کے کاموں میں بھی تدبیر کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور اپنے ماتحتوں پر کسی غلطی کی وجہ سے گرفت نہ کرنا چاہیئے ان کو بھی بے خطا بے قصور سمجھنا چاہیئے۔ صاحبو! اس طریقے کو چھوڑو تم خدا تعالیٰ پر ہرگز الزام قائم نہیں کر سکتے بلکہ وہ ہر مجرم شخص کو لاجواب اور قائل کر کے سزا دیں گے کسی کو ایسے حال میں سزا نہ دی جائے گی وہ اپنے کو بے قصور سمجھتا ہو۔

## عمل کی اہمیت

پس تم باتیں نہ بناؤ باتوں سے کام نہ چلے گا۔ عمل ہی سے کام چلے گا۔ ارے اگر کسی کے لئے پھانسی کا حکم ہو گیا ہو تو اس کو بجائے پھانسی کے علت کی تحقیق کے اور اس علت میں شبہات کے مراحم خسروانہ کی تفتیش و تلاش کرنا چاہیئے اس سے تو کچھ کام چلے گا پھانسی کی علت کی تحقیق سے کیا کام چل سکتا ہے۔

## موسیٰ علیہ السلام اور افلاطون کا عجیب مکالمہ

مشہور ہے کہ افلاطون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر حوادث تیر ہوں اور آسمان کمان ہو اور تیرانداز حق تعالیٰ ہوں تو بچنے کی کیا صورت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تیرانداز کے پہلو میں جا کھڑا ہو پھر تیر سے بچا رہے گا کیونکہ تیر اُسی کو ہلاک کرتا ہے جو اُسکی زد پر ہو اور جو تیرانداز کے پہلو میں کھڑا ہو اُس پر تیر نہیں پہنچتا۔ سبحان اللہ! عجیب جواب ہے جس کو سُن کر افلاطون نے اقرار کیا کہ یہ جواب نبی کے سوا کوئی نہیں دے سکتا ——— صاحبو! بس تدبیر و تقدیر کے مسئلہ میں گفتگو نہ کرو۔

## شبہات کا علاج صرف تعلق مع اللہ ہے

بلکہ حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کر دیں یہ وساوس و شبہات جبھی تک ہیں جب تک خدا سے تعلق نہیں اور تم عقل کے تابع ہو اس عقل کو فنا کر دو خدا کی محبت اور انکا قرب حاصل کرو۔

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اور خدا تعالیٰ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ خود رائی چھوڑ کر اپنے کو کسی صاحب محبت کے حوالہ کر دو۔

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مردِ کاملے پامال شو

سال ہا تو سنگ بودی دلخراش
آزموں را یک زمانے خاک باش

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ
خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

تم اپنی عقل پر ناز نہ کرو کیونکہ اھل اللہ کے سامنے تمہاری عقل ایک طفلِ مکتب سے بھی کم ہے بس اب تو عقل اسکو سمجھتے ہیں کہ چار پیسے کمانے کے قابل ہوگئے۔ بی اے، ایم اے ہوگئے۔ حالانکہ عقل وہ ہے جو خدا کو پہچانے جو اھل اللہ کو عطا ہوئی ہے بس انکے سامنے اپنی عقل پر ناز کرنا ایسا ہے۔ جیسے مولانا فرماتے ہیں ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد | چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

جب تم کو یہ عقل حاصل نہیں تو اہل اللہ کے سامنے اپنی دنیوی عقل پر ناز نکرو ؎

چونکہ یوسف نیستی یعقوب باش | ہمچو او با گریہ و آشوب باش

عیب باشد چشم نابینا و باز | زشت باشد روی نازیبا و ناز

تم اپنے کو جاہل مطلق سمجھ کر کسی محقق کے سپرد کردو۔ اسوقت تعلق مع اللہ کی دولت حاصل ہوگی پھر تعلق مع اللہ اور محبت باللہ کے بعد ان شبہات و اعتراضات کا یہ حال ہوگا کہ ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند
در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت
مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

تعلق مع اللہ کے بعد سب وساوس خود ہی چلے جائیں گے اسی لئے مولانا جوش میں آکر ایک مقام پر عشق کی زور شور سے مدح فرماتے ہیں ؎

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما | اے طبیب جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما | اے تو افلاطون و جالینوس ما

اور اگر یہ حاصل نہیں تو یاد رکھو کہ ان باتوں سے اور دلیلوں سے کچھ کام نہ چلے گا۔

## عُلماء و مشائخ کو تنبیہ

میں علماء سے بھی کہتا ہوں کہ آپ کی یہ تقریریں اور نکات و اسرار سب رکھے رہ جائیں گے اور سالکین سے بھی کہتا ہوں کہ یہ مواجید و اذواق اور معارف و حقائق بدون تعلّق صادق کے سب بیکار ہیں۔

حضرت نوکر کا فیشن کام نہیں آتا کہ وہ بنا ٹھنا رہے اور باتیں بنایا کرے بلکہ اُس کی خدمت کام آتی ہے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت جنیدؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا:

نفدت الحقائق والعبارات وتعطلت الرموز والا

شارات وما نفعنا الا رکیعات فی جوف اللیل:

کہ ساری عبارتیں اور اسرار و نکات و اشارات غائب ہو گئے ان سے کچھ کام نہ چلا بس وہ چھوٹی چھوٹی چند رکعتیں کام آئیں جو آدھی رات میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ صاحبو! بڑی چیز یہ ہے کہ انسان اصل عمل اور مقصود کو لازم سمجھے اگر مقصود کے ساتھ غیر مقصود بھی حاصل ہو جائے تو نور علی نور ہے ورنہ کچھ نفع نہیں اگر مقصود حاصل نہ ہوا۔ آج کل غضب یہ ہے کہ علماء و صوفیہ سب غیر مقصود کے درپئے ہیں۔ مقصود سے اکثر لوگ غافل ہیں بلکہ کوسوں دور ہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسوقت مجھے تقدیر کے مسئلہ کا بیان کرنا مقصود نہیں تا کہ اُن شبہات کا جواب دوں جو اس مسئلہ پر وارد ہوتے ہیں بلکہ اسوقت تقدیر کا ذکر اس سلسلہ میں آگیا کہ ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس مسئلے کے ذکر میں بھی علم اعتبار کا استعمال فرمایا ہے۔
یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
اَنْتُمْ فِیْ عَمَلٍ قَدْ فَرَغَ مِنْہُ وَتَصْدِیْقُ ذٰلِکَ فِیْ
کِتَابِ اللّٰہِ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاھَا:
کہ جو اعمال تم کر رہے ہو یہ وہ ہیں جن سے فراغت ہو چکی ہے یعنی سب پہلے ہی مقدر ہو چکے ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اسکی تصدیق قرآن میں موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاھَا۔
قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اس کو پیدا کیا تا معنی من ہے

**تفسیری نکتہ** اور یہاں نفس کے ساتھ قسم کو قسم بالرب پر جو مقدم کیا گیا ہے تو اس میں اشارہ ہو سکتا ہے اس امر کی طرف کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کہ نفس بڑی چیز ہے یہ ہماری قسم کا مقسم بننے کے قابل ہے تم اسکو پہچانو اگر اسکو پہچان لوگے تو تم کبھی ہمیں پہچان لوگے چونکہ معرفت نفس وسیلہ ہے معرفت رب کا اس لئے نفس کی قسم کو مقدم کیا گیا جیسے مقدمہ ذکر میں مقدم ہوتا ہے گو مقصودیت میں موخر ہوا اور یہی نکتہ ہے کوئی علم مقصود نہیں۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر کو بیان کرنے کے بعد صراحۃً یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اسکی تصدیق کتاب اللہ کی اس آیت میں ہے پہلی حدیث میں یہ صراحت نہ تھی صرف اتنی بات تھی کہ آپ نے مسئلہ تقدیر کے بعد ایک آیت کی تلاوت کی تو وہاں اس بات پر کہ مسئلہ تقدیر کو اس آیت کے مضمون سے مناسبت حاصل ہے صرف قرینہ حالیہ تھا اور یہاں قرینہ مقالیہ موجود ہے مگر اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں بھی تقدیر کے مسئلہ کا ذکر نہیں

ہے بلکہ صرف یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کی اور خالق نفس کی قسم کھائی ہے اور اس کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ: فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا

کہ خدا نے نفس کو پیدا کر کے اُس کو خیر و شر کا الہام کیا یعنی انسان کے نفس میں نیکی اور بدی کی دو طاقتیں فطرۃً رکھدی ہیں اس سے مسئلہ تقدیر کی تائید تصدیق کیونکر ہوئی۔

شاہ صاحب نے یہاں بھی وہی جواب دیا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی علم اعتبار کے طور پر تشبیہ دی ہے کہ جسطرح فجور و تقویٰ کا القاء ہوا ہے اسی طرح اعمال کو تقدیر بھی کر دیا ہے۔ بس بقول شاہ صاحب کے ان دو حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اعتبار کا استعمال فرمایا ہے بڑے شخص کے سر رکھ کر میں یہ کہہ رہا ہوں خود اتنی بڑی بات نہیں کہتا کیونکہ یہ بڑا دعویٰ ہے۔ اور اگر کوئی شخص شاہ صاحب کے قول کو نہ مانے تو میں اس سے کہوں گا کہ پھر وہ ان حدیثوں کی شرح کر دے یقیناً ان حدیثوں اور آیتوں میں وہ کوئی وجہ ربط بجز اسکے جو شاہ صاحب نے فرمایا بیان نہ کر سکے گا۔ یہ شاہ صاحب کا علم وہبی ہے میں نے ان حدیثوں کا ایسا حل کسی کے کلام میں نہیں دیکھا۔

## استعمال علم اعتبار کا ثبوت

اب شاہ صاحب سے بڑے سے اسکو نقل کرتا ہوں وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں اُن سے بھی علم اعتبار کا استعمال منقول ہے چنانچہ آیت أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا۔

کی تفسیر میں ابن عباس نے فرمایا ہے:

يُرِيْدُ بِالْمَاءِ الشَّرْعَ وَالدِّيْنَ وَبِالْأَوْدِيَةِ الْقُلُوْبَ۔

کہ یہاں سے شرع اور دین اور اودیہ سے بطور تشبیہ کے قلوب مراد

ہیں صاحب روح المعانی نے اسکو نقل کر کے اسپر اعتراض کیا ہے کہ یہ تو صوفیہ کی تفسیر کے مثل ہے ابن عباسؓ ایسی تفسیر نہیں کر سکتے اس لئے یہ روایت غیر صحیح معلوم ہوتی ہے پھر بعد تسلیم صحت کے یہ توجیہ کی ہے:

اِنَّمَا قَصَدَ اَنَّ قَوْلَهُ تَعَالٰی كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ مَعْنَاهُ الْحَقُّ يَتَفَرَّدُ فِي الْقُلُوْبِ الخ:

اور میں نے مسائل السلوک میں یہ توجیہ کی ہے کہ:

اِنْ صَحَّ ذٰلِكَ مَقْصُوْدُ الْخَيْرِ مِنْهُ اِلٰی شَادَةٍ.

اسی طرح ابن عباسؓ نے: اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط ——— کی تفسیر میں فرمایا ہے:

لین القلوب بعد موتها وَاِلَّا فَقَدْ عَلِمَ اَحْيَاءُ الْاَرْضِ مُشَاهَدَةً:

یعنی یہاں ارض سے مراد مردہ قلوب ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتے ہیں ورنہ زمین کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ (یعنی اسکی حالت بتلانے کا اتنا اہتمام ضروری نہ تھا) یہ بھی علم اعتبار ہی ہے اور "وَاِلَّا فَقَدْ عَلِمَ اِحْيَاءُ الْاَرْضِ مُشَاهَدَةً" ——— :

سے تفسیر مشہور کی نفی کرنا مقصود نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اے مخاطب تجھ کو اس آیت میں ظاہری مدلول پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ تو ظاہری ہے بلکہ اس سے قلوب کی حالت کی طرف انتقال کرنا چاہیئے کہ دلوں کی بھی وہی حالت ہے جو زمین کی حالت مشاہد ہے۔ اور یہ روایات میرے رسالہ مسائل السلوک میں مذکور ہیں ان آثار وغیرہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ علم اعتبار صوفیہ کی بدعت نہیں بلکہ نصوص میں اسکی اصل موجود ہے پس جو لوگ علم اعتبار کی رعایت کرنے میں صوفیہ پر زندقہ و الحاد کا فتویٰ لگاتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ ہاں جو شخص اس کو

قرآن کی تفسیر سمجھے اُس کے زندقہ و الحاد میں ہم کو بھی کلام نہیں۔

## علم اعتبار کی حقیقت کی توضیح

بہرحال علم اعتبار کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مشبہ کو دوسرے مشبہ بہ سے واضح کیا جائے ثابت نہ کیا جائے بلکہ مشبہ ثابت بدلیل آخر ہے اور یہ نہ مجاز میں داخل ہے خواہ مجاز مرسل ہو خواہ استعارہ کیونکہ کنایہ میں موضوع لہ کے مراد نہ ہونے پر قرینہ ہوتا ہے اس لئے غیر موضوع لہ مراد ہوتا ہے اور یہاں نہ موضوع لہ کے غیر مراد ہونے کا کوئی قرینہ ہے نہ غیر موضوع لہ مراد ہے اور نہ یہ کنایہ میں داخل ہے کیونکہ کنایہ میں معنی موضوع لہ متروک نہیں ہوتے بلکہ کلام کا مدلول اصلی وہی موضوع لہ ہوتا ہے مگر مقصود اُس کا لازم یا ملزوم ہوتا ہے جیسے طویل النجاد کہ اس میں مدلول وضعی متروک نہیں مدلول کلام وہی ہے مگر مقصود طویل القامۃ ہے کیونکہ طویل النجاد کے لئے طویل القامۃ لازم ہے اور اعتبار میں وہ معنی نہ مقصود ہے نہ مدلول کلام ہے۔ پس یہ اعتبار گویا قیاس تفرقی ہے اور مشابہ ہے قیاس فقہی کے مگر ہمیں قیاس فقہی نہیں کیونکہ قیاس فقہی میں علت جامعہ مؤثر ہے حکم مقیس میں اس لئے وہ حکم منسوب الی القیاس ہوتا ہے یہاں یہ بھی نہیں صرف مقیس مقیس میں تشابہ ہے۔ اور اس مشابہت کو حکم میں کوئی اثر نہیں بلکہ وہ حکم خود مستقل دلیل سے ثابت ہے یہ حقیقت ہے علم اعتبار کی پس صوفیہ تو اس کے حدود سے نہیں نکلتے کیونکہ وہ معانی منقولہ کے نہ مدلولیت کے منکر ہیں نہ مقصودیت کے اور جہلاء صوفیہ خود اُن کے مدلولیت ہی کے منکر ہیں اور جدید تعلیم یافتہ مدلولیت کے تو منکر نہیں مگر مقصودیت کے مانع ہیں بلکہ مقصود معانی سیاسیہ ہی کو سمجھتے ہیں ان سب فرقوں کے سب فرقوں کو اچھی طرح سمجھ لو۔

اب سمجھئے کہ جس مضمون کو میں اسوقت بیان کرنا چاہتا ہوں وہ اس آیت کا نہ مدلول ہے نہ مقصود ہے بلکہ صرف اس کو اس کے مدلول سے مشابہت حاصل ہے پس یہ بیان اس آیت کے تحت میں بطور علم اعتبار کے ہوگا۔

## آیۃ سے ماخوذ مضمون

وہ مضمون یہ ہے کہ آپ کو آیت کے ترجمہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر تعلق ازواج میں بہت سی آیات و دلائل قدرت کا ہونا بیان فرمایا ہے تو میں کہتا ہوں کہ علاوہ ان دلائل و آیات کے جو مدلول ظاہری ہیں اس تعلق ازواج میں ایک اور بات بھی ہے جس سے ہم کو سبق لینا چاہئے۔

## نکاح تعلق مع اللہ کی نظیر ہے

نکاح کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں غور کرنے سے آنکھیں کھلتی ہیں اور سالک کو سبق ملتا ہے کہ یہ تعلق نکاح کے معاملات تعلق مع اللہ کی بعض معاملات کے نظائر ہیں، تو گویا معاملات نکاح میں ان معاملات پر بھی ایک طرح کی آیات ہیں کیونکہ نکاح کے اندر تین[1] درجے ہوتے ہیں۔ ایک درجہ عدم تعلق کا ہے کہ ابھی تک نکاح کا پیغام بھی نہیں دیا گیا۔ بلکہ ذہن خالی ہے ایک (دوسرا) درجہ خطبہ کا ہے کہ پیغام دیا گیا اس درجہ میں قدرے تعلق ہو جاتا ہے اس کے بعد ایک تیسرا درجہ ہے کہ پیغام دینے کے بعد پیغام منظور ہوگیا اور رشتہ قرار پاگیا اس درجہ میں پہلے سے زیادہ تعلق ہو جاتا ہے اور آپس میں لین دین آمد و رفت ہدایا تحائف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ۱۲) ایک (چوتھا) درجہ اس کے بعد ہے جس کا نام نکاح ہو جانا اور وصول ہو جانا ہے یہ تو ظاہر

---

[1] بلکہ چار ۱۲ ظ

ہے۔ اب سمجھئے کہ یہی حال سلوک اور تعلق مع اللہ کا ہے کہ وہاں بھی تین درجات ہیں ایک درجہ بے تعلقی کا ہے بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ کی طلب نہیں گو علم ہے تو یہ تو ایسا ہے جیسا ہم کو یہ علم ہے کہ فلاں گھر میں ایک لڑکی ہے سو ظاہر ہے کہ اس علم کا نام تعلق نہیں بلکہ تعلق طلب اور خطبہ سے شروع ہوتا ہے اسی طرح یہاں سمجھو کہ علم و معرفت قبل از طلب کو تعلق مع اللہ نہیں کہا جا سکتا اس کے بعد ایک درجہ یہ ہے کہ طلب پیدا ہوگئی اور کسی بزرگ سے درخواست کی گئی کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے ملنے کا راستہ بتلاؤ اور اس نے راستہ بتلانا شروع کر دیا اور یہ راستہ پر چلنے لگا پھر کوئی ابتداء میں ہے کوئی وسط میں ہے یہ مشابہ خطبہ کے ہے مگر ابھی تک اس کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی مجھ سے تعلق ہے یا نہیں اس کے بعد ایک درجہ یہ ہے کہ ادھر سے بھی اسکے ساتھ تعلق کا اظہار ہونے لگا اور رضا کے آثار و معاملات اس کے ساتھ ظاہر ہونے لگے یہ وہ درجہ ہے جو منظوری خطبہ کے بعد ہوتا ہے ۱۲)

## ایک شبہ کا جواب

اس کے بعد ایک درجہ وصول کا ہے کہ نسبت مع اللہ عطا ہوگئی اور یہ شخص داصل بحق ہو گیا۔ اسپر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ بارگاہ حق کی تو کہیں انتہا ہی نہیں جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست | ہرچہ بروئے میرسی بروے مایست

اور ایک عارف کہتے ہیں ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا
کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

اور جب اسکی انتہا کہیں نہیں پھر وصول کے کیا معنی کیونکہ وصول تو محدود

تک ہوسکتا ہے غیر محدود تک وصول کہاں ہوسکتا ہے۔ اور یہی وہ مضمون ہے جو پہلے وعظ میں بیان سے رہ گیا تھا کیونکہ میں نے پہلے وعظ میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ شریعت میں ہر شئے کے لئے ایک حد ہے اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ تعلق مع اللہ کی تو حسب تصریح صوفیہ کوئی حد نہیں بلکہ یہ تعلق غیر متناہی ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ وصول کے دو معنی ہیں ایک وصول محدود ہے ایک غیر محدود ہے۔

**وصول کے دو معنی**

تفصیل اسکی یہ ہے کہ تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے۔ ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہانتک کہ امراض سے شفا ہوگئی اور ذکر و شغل سے قلب کی تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہوگیا یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد جان گئے موانع مرتفع کر دیئے معالجۂ امراض سے واقف ہوگئے نفس کی اصلاح ہو گئی اخلاق رذیلہ زائل ہوگئے اور اخلاق حمیدہ سے انوار ذکر سے قلب آراستہ ہوگیا اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی اعمال و عبادات میں سہولت ہوگئی نسبت اور تعلق مع اللہ حاصل ہوگیا تو سیر الی اللہ ختم ہوگئی۔ اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا تعلق سابق میں ترقی ہوئی اسرار و حالت کا ورود ہونے لگا یہ غیر محدود ہے یہی وہ تعلق ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
آنجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

---

لہ یہی وہ شبہ ہے جو وعظ الحدود والقیود کے بالکل آخیر میں ایک حاشیہ میں مذکور ہے ۱۲

اور اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص سائنس کا امتحان دیتا ہے یہاں تک کہ پاس ہوگیا اور سند مل گئی تو اسوقت سیر الی سائنس ختم ہوئی۔ اس کے بعد سیر فی سائنس ہے کہ تحقیقات میں اضافہ ہو نئی نئی باتیں منکشف ہوں اسکی کوئی حد نہیں چنانچہ اہل سائنس خود اسپر متفق ہیں کہ تحقیقات سائنس کا سلسلہ غیر محدود ہے۔ جب ایک دنیوی تعلق کا یہ حال ہے تو تعلق مع اللہ کا کیا حال ہوگا۔ دوسری مثال اور لیجئے کہ ایک کرہ جو اپنے مرکز سے الگ ہوگیا ہو اور وہ حرکت اینیہ کرکے مرکز پر پہنچ جائے تو اسوقت حرکت الی المرکز ختم ہوئی پھر اس کے بعد اپنے مرکز پر پہنچ کر وہ حرکت وضعیہ کرتا ہے اسکی کوئی حد نہیں اسی طرح یہاں سمجھو لیس وہ شبہ جاتا رہا کہ جب بارگاہ حق غیر متناہی اور غیر محدود ہے تو وصول کے کیا معنی ——— سو میں نے بتلا دیا کہ تعلق مع اللہ ایک معنی کے اعتبار سے محدود ہے یعنی سیر الی اللہ کے اعتبار سے اور اکثر اسی حد پر خلافت دی جاتی اور سالک کو مجاز بنایا جاتا ہے جیسا علوم ظاہرہ میں ایک نصاب خاص کے ختم کرنے اور پاس کر لینے پر سند دی جاتی ہے یہ محدود ہے پھر آگے عمر بھر علوم میں ترقی ہوتی رہتی ہے یہ غیر محدود ہے اور ایک درجہ غیر محدود ہے اسی طرح یہاں تعلق کا محدود ہونا بھی صحیح ہے اور غیر محدود ہے بھی صحیح ہے (اور اسی کے مشابہ ایک سوال اور ہے کہ جب ہر شئے محدود ہے تو کیا ایمان بھی محدود ہے۔ جواب یہ ہے کہ ایمان کے حدود و قیود یہ ہیں کہ ذات کی کنہ کی تفتیش اور اس میں فکر نہ کرے ظنیات کو مدار اعتقاد نہ رکھے وغیر ذلک یہ سوال وجواب نظر ثانی میں زائد کیا گیا) یہ تو ایک شبہ کا جواب تھا اب میں کہتا ہوں کہ معاملہ نکاح سے ہم کو چند سبق لینا چاہیے کہ یہ دنیا میں نظیر ہے تعلق مع اللہ کی۔ اول یہ سبق

ہو کہ جب تم ایک عورت کی طلب سے مستغنی نہیں ہو تو خُدا کی طلب سے کیونکر مستغنی ہو گئے۔

| | |
|---|---|
| ایکہ صبرت نیست از فرزند وں | صبر چوں داری زرب ذوالمنن |
| ایکہ صبرت نیست از دنیائے دوں | صبر چوں داری زنعم الما بدون |

پھر جب کوئی شخص کسی عورت کو پیغام دیتا ہے تو اسوقت یہ سوچے کہ ایک عورت کی طلب کے لئے اُس کو پیغام دینے میں کتنی کتنی باتوں کی رعایت کرنا پڑتی اور اسکی تلاش میں کیسی کیسی دقتیں اٹھانا پڑتی ہیں کہ بقول عورتوں کے جوتیاں بھی گھس جاتی ہیں خط پر خط اور قاصد پر قاصد بھیجے جاتے ہیں اور لڑکی والا ہے کہ اشارہ کنایہ ہی کرتا رہتا ہے صاف طور سے کُھلتی نہیں کرتا پس حق تعالی کے ساتھ تعلق حاصل کرنیکا جن مشائخ کو ذریعہ بنایا جاتا ہے اگر وہ ایک دو دفعہ ٹالیں اور درخواست کے ساتھ ہی تم کو بیعت نہ کریں تو اس کو بھی تحمل کرنا چاہیئے پھر خطبہ منظور ہو جاتا ہے تو اب یہ حالت ہے کہ ہدایا و تحائف سے اس کے اہل و خاندان کو راضی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اُن کی نامرضی سے پوری طرح بچتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ ہماری حالت کو دیکھ کر پیغام چھوڑ دیں تو ایسے ہی طلب حق کے بعد سالک کو رضائے حق میں سعی اور نامرضیات سے بچنے کا اہتمام بلیغ کرنا چاہیئے پھر ایک اور بات بھی جو اس مجمع میں بیان کرنے کی نہ تھی مگر چونکہ مشہور ہے اس لئے بیان کرتا ہوں کہ جس لڑکی کو پیغام دیا جاتا ہے گو ابھی نکاح نہ ہوا ہو صرف پیغام ہی سے اُس کو بھی اس شخص سے گونہ تعلق ہو جاتا ہے جس نے اس کو پیغام دیا ہے ہم نے بعض واقعات ایسے سُنے ہیں کہ پیغام چھُٹنے پر جیسے لڑکے کو رنج ہوا لڑکی کو بھی رنج ہوا۔

## سالک کو کیا تصور کرنا چاہیے

خیر یہاں تو یہ بات اکثری ہے جس میں لزوم نہیں مگر طلب حق میں تو لزوماً عادۃ اللہ یہی ہے کہ جب کوئی اُن کی طلب کرتا ہے تو وہ بھی اسکی طلب کرتے ہیں یعنی وہ بھی اس کے حال پر متوجہ ہو جاتے ہیں احادیث میں مصرح ہے۔

مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعاً الحدیث۔ [۱]

پس سالک کو طلب میں سرگرم ہونے کے ساتھ یہ بھی تصور کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کو بھی میری ساتھ تعلق ہے وہ بھی مجھ کو چاہتے ہیں یہ مراقبہ مفید ہوگا اس سے محبت بڑھے گی ورنہ افسردہ ہو جائے گا مولانا فرماتے ہیں ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست | تا بجوشد آیت از بالا و پست
تشنگان گر آب جویند از جہاں | آب ہم جوید بعالم تشنگان

یعنی محبوب کو تم سے تعلق ضرور ہے اگر انکو تعلق نہ ہوتا تو تم کو طلب ہی نصیب نہ ہوتی ؎

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق داں
کو بہ نسبت ہست ہم ایں و ہم آں

مگر فرق اتنا ہے کہ ؎

عشق معشوق نہاں ست ❊ عشق عاشق با دو صد طبل و نفیر

یں ڈھنڈورا پیٹ دیتا ہے اور محبوب کا تعلق مخفی ہے مگر ہے تعلق دونوں طرف جیسا مشہور ہے عشق اول در دل معشوق پیدا می شود۔

---

[۱] جو کوئی میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اسکی طرف ایک گز بڑھتا ہوں۔

عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

یہ انہی کی محبت کا اثر ہے کہ تم بدون دیکھے ہوئے انکے طالب ہو تم نے تو ان کو دیکھا بھی نہیں انہوں نے ہی تم کو اپنی محبت و طلب میں لگایا ہے یہ بڑی دلیل ہے اُنکی محبت کی پس یہ تصور کرنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کو بھی میرے ساتھ تعلق ہے ؎

جوششِ عشق ست کاندر می فتاد
آتشِ عشق ست کاندر نے فتاد

گر نبودے نالۂ نے را اثر ؛ نے جہاں را پُر نکردے از شکر

یعنی حق تعالیٰ کی محبت اور تعلق کے آثار تمہارے اندر جو ہیں گو وہ خود مخفی ہیں مگر طالب کے ساتھ جو معاملات ہوتے ہیں جن کو طالب خود جانتے ہیں وہ معاملات و آثار بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بھی ان سے تعلق ہے اور اسی لئے تو اُن کی شان الظاہر و الباطن ہے یعنی ذات سے باطن ہیں اور آثار سے ظاہر ہیں مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق من پیدا و معشوقم نہاں ؛ یار بیروں فتنۂ او در جہاں

ایک مشابہت تعلق نکاح اور تعلق مع اللہ میں یہ ہے کہ نکاح میں جب تک وصول نہیں ہوتا مشاطہ و دلالہ کی احتیاج ہے بعد حصول مقصود و مشاطہ و دلالہ کا دخل نہیں رہتا اسی طرح سلوک میں بعد انتہا شیخ کی حاجت نہیں رہتی اُس وقت اُس کا معاملہ براہِ راست حضرت حق سے ہوتا ہے شیخ کی احتیاج نہیں رہتی بلکہ وہ خود مجتہد ہو جاتا ہے اسطرح خاص مجاہدات بھی حذف ہو جاتے ہیں۔

اسیکو فرمایا ہے خلوت وجلوہ بردلازم نماند اور فرمایا ہے ؎

جلوہ بہ بندشاہ وغیر شاہ نیز

وقت خلوت نیست جز شاہ عزیز

البتہ شیخ کا شکر اس وقت بھی واجب ہوتا ہے اعراض یا اعتراض یا انکار سے مردود و مسلوب البتہ ہو جاتا ہے نکاح کے متعلق ایک تو یہ مضمون تھا جس کا بیان کرنا مجھے مقصود تھا کہ یہ تعلق نظیر ہے تعلق مع اللہ کی ایک اور اثر نکاح کا ہے جس کو استطراداً بیان کرتا ہوں کہ وہ یہ کہ ابتک تو ان آثار سے سبق دیا گیا تھا جو مرد پر نکاح کے معاملہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔

## نکاح کا جو اثر زوجہ پر ہوتا ہے اس سے بھی ہم کو سبق لینا چاہیئے

اب نکاح کا ایک اور اثر جو لڑکی پر ہوتا ہے وہ یہ کہ نکاح سے پہلے تو لڑکی کا گھر وہ تھا جو اس کے ماں باپ کا گھر تھا اور اس کے دوست وہ لوگ تھے جو باپ ماں کے دوست تھے اور دشمن وہ تھے جو اس کے باپ ماں کے دشمن تھے مگر نکاح ہو جانے کے بعد ہی سے وہ کم عمر لڑکی جس کو دنیا کی ہوا بھی نہیں لگی آج ہی سے اپنی زندگی میں ایسا انقلاب عظیم کر لیتی ہے کہ آج سے اس کا گھر وہ ہے جو شوہر کا گھر ہے اور اس کا دوست وہ ہے جو شوہر کا دوست ہے اور دشمن وہ ہے جو اس کے شوہر کا دشمن ہے یہاں تک کہ اگر کبھی خدانخواستہ اس کے باپ اور شوہر میں جھگڑا ہو جائے تو عموماً دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی اپنے باپ کا ساتھ نہیں دیتی بلکہ اس کا گوشۂ خاطر اسوقت بھی شوہر کی طرف ہوتا ہے ——— سا جبو! ایک کم عمر لڑکی اپنے شوہر کے تعلق کا یہ حق ادا کرتی ہے اور اسکی وجہ سے ایسا انقلاب اپنی

زندگی میں کر دیتی ہے افسوس آپ مرد ہو کر خدا کے تعلق کا اتنا حق بھی ادا نہیں کرتے کہ خدا سے تعلق رکھنے والوں کو یگانہ و آشنا سمجھو اور جو اس سے بے تعلق ہو اس کو بیگانہ و ناآشنا سمجھو، خدا کے دوستوں کو اپنا دوست اور اُنکے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھو، افسوس آپ اس کم سن لڑکی سے بھی گئے گزرے۔

صاحبو! محبت کا یہ بہت بڑا حق ہے اسکو ادا کرو آجکل اس میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے بس آپ ہی تو پریشان ہونا چاہیئے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے ایک تن بیگانہ کاشنا باشد

## میاں بیوی میں کبھی شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے

تعلق نکاح کا ایک اور اثر سنئے اور اس سے بھی سبق لیجئے کیونکہ واقعی یہ تعلق ایسا پاکیزہ ہے کہ بلاشبہ دنیا میں یہ تعلق مع اللہ کی نظیر ہے وہ اثر یہ ہے کہ میاں بیوی میں چاہے کیسی ہی لڑائی ہو جائے مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر پوری صفائی ہو جاتی ہے اور ایسی صفائی ہوتی ہے کہ پہلے رنج کا مطلق کوئی اثر باقی نہیں رہتا اس سے یہ سبق لیجئے کہ جب ایک تنگ ظرف کی یہ حالت ہے کہ محبت اور تعلق کے بعد اگر کچھ اس کو ناگواری پیش آجائے تو ذرا سی دیر میں اسکو دل سے نکال دیتی اور دل کو صاف کر لیتی ہے کہ ذرا اُس کے دل میں کینہ نہیں رہتا بلکہ مثل سابق بدستور شوہر کی خیر خواہ جان نثار ہو جاتی ہے تو کیا نعوذ باللہ اگر آپ سے تعلق مع اللہ کے بعد کوئی گناہ یا خطاء سرزد ہو گی تو بعد توبہ و استغفار کے وہ تعلق کو بحال کریں گے اور نعوذ باللہ تم سے کینہ رکھیں گے۔ حالانکہ وہ غیر متاثر ہیں کہ کسی کی نافرمانی و مخالفت سے انکو بے اختیار ہو کر غصہ نہیں آتا بلکہ اُن کا غضب رحم سبب

اختیاری ہے پھر انکی شان یہ ہے سبقت رحمتی علی غضبی کہ رحمت غصہ پر غالب ہے تو کیا تم نے خدا کو نعوذ باللہ کم حوصلہ سمجھ لیا ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں پس اس کا تصور کیا کرو کہ جیسے میاں بیوی میں شکر رنجی کے بعد بہت جلد صفائی ہو جاتی ہے یوں ہی حق تعالیٰ سے تعلق کے بعد اگر کچھ کوتاہی ہوجائے تو بعد توبہ و معذرت کے وہ تعلق کو ویسا ہی بحال کر دیں گے اسکو سوچ کر دیکھو بہت نفع ہوگا۔

## مرد بیوی کی باتوں کا بہت تحمل کرتا ہے

میاں بیوی کے تعلقات میں ایک بات یہ ہے کہ بعض دفعہ میاں کو بیوی کی جہالت و نادانی سے تکلیف بھی ہوتی ہے تو وہ تحمل کرتا ہے خاص کر بیوی محبوبہ بھی ہو تو اُس کے ہر امتحان پر تحمل کیا جاتا اور اُس کے ناز نخروں کو برداشت کیا جاتا ہے پھر یہ کیا غضب ہے کہ حق تعالیٰ کے امتحانات کا تحمل نہ کیا جائے کہ اگر کبھی وہ بیمار کر دیں یا مال کا نقصان کر دیں یا کسی عزیز کو موت دے دیں تو اسپر ناگواری ظاہر کی جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ظاہری تکلیف بھی نہ ہو اور طبعی رنج بھی نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ عقلاً کو رنج و شکایت نہ ہونا چاہیے بلکہ عقلاً کو اسوقت بھی اللہ تعالیٰ سے ویسا ہی راضی اور خوش رہنا چاہیئے جیسا انعامات اور راحت کے وقت خوش رہتے ہو مولانا فرماتے ہیں۔

تو بیک زخمے گریزانی زعشق
تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

## ایک حکایت

مولانا نے اس مقام پر ایک شخص کی حکایت لکھی ہے کہ وہ ایک دلاک یعنی گودنے والے کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ میری کمر پر شیر کی تصویر بنادے اُس نے ایک جگہ سوئی چبھوئی تو اُس نے ایک آہ کی اور پوچھا کیا بناتے ہو کہا دُم بناتا ہوں۔ کہنے

لگا دُم کو رہنے دو یہ لنڈورا ہی سہی اُس نے دوسری جگہ سوئی چبھوئی اُس نے پھر آہ کی اور پوچھا اب کیا بناتے ہو کہا کان بنا رہا ہوں کہنے لگا کان بھی رہنے دو یہ بوچا ہی سہی۔ اُس نے تیسری جگہ سوئی لگائی اُس نے پھر آہ کی اور پوچھا اب کیا کر رہے ہو کہا پیٹ بناتا ہوں کہنے لگا اُس کو بھی رہنے دو اس شیر کو کھانا پینا تھوڑا ہی پڑے گا یہ بدون پیٹ ہی کے سہی۔ اُس نے چوتھی جگہ سوئی ماری ——

—— اُس نے آہ کر کے پوچھا اب کیا بناتے ہو کہا سر بناتا ہوں۔ کہنے لگا سر بھی رہنے دو یہ بے سر ہی سہی دلاک نے جھلا کر سوئی پھینک دی اور کہا ؎

شیر بے گوش و سر و اشکم کہ دید
اینچنیں شیرے خدا ہم نافرید

کہ بیوقوف! ایسا شیر بھی کسی نے دیکھا ہے جس کے نہ سر ہو نہ پیٹ ہو ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں پیدا کیا۔ مولانا اس پر فرماتے ہیں:

چوں نداری طاقت سوزن زدن  بس تو از شیر ژیاں ہم دم مزن

کہ جب تم کو ایک سوئی کی برداشت نہیں تو شیر کی تصویر کے طالب کیوں بنتے ہو؟ ؎

چوں بیک زخمے گریزانی ز عشق
تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

جیسا کہ تم ایک ہی چرکہ میں عشق کو خیرباد کہنے لگے تو بس تم کو عشق کا نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے عشق کی تم کو ہوا بھی نہیں لگی۔ جو مضمون میں بیان کرنا چاہتا تھا بیان کر چکا اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔

**خلاصۂ وعظ** | خلاصہ پھر عرض کرتا ہوں کہ میں نے اس وقت نکاح کے آثار

آپ کو اسلئے یاد دِلائے ہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ تعلق مع اللہ کی ایک نظیر دنیوی تعلقات میں موجود ہے پس آپ کو اللہ تعالیٰ کی طلب کم از کم اسطرح تو کرنا چاہیئے جس طرح نکاح میں بیوی کی طلب کرتے ہو اور اُس کے آثار سے تعلّق مع اللہ میں سبق حاصل کرنا چاہیئے پس یہ بڑی آیت اور نشانی ہے جو تعلق نکاح میں عبرت حاصل کرنیوالوں کے لئے موجود ہے۔

**نکاح کا تکوینی راز** اس کے بعد میں ایک تکوینی راز نکاح کا بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بندہ کا کمال یہ ہے کہ وہ مظہر اتم حق تعالیٰ کا بنجاوے سو بدون نکاح کے یہ مظہریت اتم نہیں ہوتی کیونکہ حق تعالیٰ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔

کہ وہ جب کسی چیز کو بنانا چاہتے ہیں تو اس سے کہہ دیتے ہیں ہو جا تو وہ فوراً پیدا ہو جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ بدون احتیاج اسباب کے محض ارادہ ہی سے جس چیز کو چاہتے ہیں پیدا کر دیتے ہیں اور اس شان کا ظہور بندہ میں نکاح ہی سے ہوتا ہے کہ بچہ کے پیدا ہونے میں بھی بندہ بھی زیادہ اسباب کے اہتمام کا محتاج نہیں بے مشقت ایک فعل کیا اور اگر کوئی عارض نہ ہوا حمل رہ گیا اور بچہ بن گیا۔ گو واقع میں یہاں بھی اسباب ہوتے ہیں مگر وہ اسباب ایسے نہیں ہیں جن کی تلاش اور فکر کی ضرورت ہو بس اب میں ختم کر چکا۔

**ماخذ مضمون** چونکہ اسوقت یہ اجتماع ایک نکاح کی تقریب میں ہوا ہے اس لئے اس تقریب کے سلسلہ میں نکاح ہی کے آثار سے میں نے یہ مضمون اخذ کیا تاکہ لوگوں کو اس سے سلوک اور تعلق مع اللہ میں سبق ملے اور تقریب محض دنیوی تقریب نہ رہے بلکہ جب اس سے سبق دین کا لیا جائے گا تو یہ دینی تقریب بن جائے گی۔ اگر میں اس مضمون کے متعلق

یہ بھی کہوں کہ میں نے اسپر اس آیت میں جو لفظ آیات ہے اس کے عموم سے استدلال کے لئے تو کہہ سکتا ہوں مگر میں حدِ ظاہری سے بھی تجاوز نہیں کرتا۔ میں صاف کہتا ہوں کہ فی ذلک لآیات سے نکاح کے اندر جن دلائل کا وجود تبلایا گیا ہے یہ مضمون اس میں صراحۃً داخل نہیں بلکہ میں نے اسکو صرف علمِ اعتبار کے طور پر بیان کیا ہے۔ اب دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہمِ سلیم اور توفیق عمل عطا فرمائیں:

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اشرف علی ۲۷ رجب ۱۳۴۸ھ



ملفوظ

# نصرۃ النساء

مستورات کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ

از

الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ

جلد ۲

مردوں کے ظلم اور تعدّی کی بنا پر حضرتِ والا نے عورتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ زندگی کے دستور العمل کے متعلق احکامِ شریعت کے ماتحت حسبِ ذیل تقریر فرمائی :

○

**فرمایا** : کہ آج ایک بی بی کا خط آیا ہے عرصہ تقریباً چالیس ۴۰ برس کا ہوا یہ مجھ سے بیعت ہوئی تھیں یہ بی بی نہایت دیندار ہیں خاوند کے ستانے اور بے مروتی اور بیوفائی کی شکائتیں لکھی ہیں جس کو پڑھ کر بیحد دل کو قلق اور صدمہ ہوا ۔ فرمایا کہ ان عورتوں کے بارے میں عدم ادائے حقوق کے متعلق لوگوں نے بیحد ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے اس غریب نے یہاں تک لکھا ہے کہ روتے روتے میری بینائی کمزور ہو گئی ہے کبھی کبھی جی میں آتا ہے کہ کپڑے پھاڑ کر باہر نکل جاؤں یا کنوئیں میں ڈوب مروں مگر دین کے خلاف ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتی دل کو سمجھا کر رُک جاتی ہوں شب و روز سوائے رونے کے کوئی کام نہیں فرمایا کہ بڑے ظلم کی بات ہے آخر رونے کے سوا اور بیچاری

مرے بھی کیا۔ ان بی بی کے عقدِ ثانی کو تقریباً عرصہ سترہ برس کا ہُوا ان صاحب نے بڑی آرزوؤں اور تمناؤں سے ان بی بی سے نکاح کیا تھا اسوقت رنگ و روغن اچھا ہو گا اسوقت تو سفارشیں کراتے پھرتے تھے۔ لٹو ہو رہے تھے۔ اب ضعیفی کا وقت ہے اب بیچاری کو مُنہ بھی نہیں لگاتے حتیٰ کہ نان نفقہ سے بھی محتاج ہے میاں عمر میں چھوٹے ہیں اور بیوی بڑی ہیں۔ فرمایا کہ اتنے زمانہ تک رفاقت رہی یعنی سترہ برس اس کا حق ہی ادا کیا ہوتا کیا ٹھکانا ہے اس سنگدلی اور بے رحمی کا کسی بات کا بھی اثر نہیں اگر وہ بیچاری کہتی بھی ہے کہ میری دیرینہ خدمات کا کیا یہ ہی ثمرہ ہے تو کہتے ہیں کہ تو نے خدمات ہی کونسی کی ہیں فرمایا کہ نہ معلوم خدمات کی فہرست اُن کے ذہن میں کیا ہے جس کو یہ پورا نہ کر سکیں۔ میں آجکل ایک رسالہ لکھ رہا ہوں اس میں ان ہی عاجزوں کے حقوق کے متعلق بیان کیا گیا ہے حکومت کرنے کو تو سب کا جی چاہتا ہے محکوم پر اس کا مضائقہ نہیں مگر محکوم کے کچھ حقوق بھی تو ہیں انکی بھی تو رعایت کی ضرورت ہے۔ فرمایا کہ ذکر کرنے کی تو بات نہ تھی مگر چونکہ ضرورت ہے اس لئے کہتا ہوں کہ میرے گھر والوں سے معلوم کیا جائے کہ میں اپنے گھر والوں پر کس قدر حکومت کرتا ہوں اور اُن سے کیا کیا خدمتیں لیتا ہوں۔ الحمدللہ میں نہ خود مقید ہوتا ہوں نہ دوسروں کو مقید کرتا ہوں۔ بادشاہوں کی سی زندگی بسر ہوتی ہے۔ میرا معمول ہے کہ گھر جا کر دیکھا کہ تازی روٹی نہیں پکی تو باسی روٹی کھالی اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ دیکھا کہ وہ کسی کام میں مشغول ہیں خود اپنے ہاتھ سے روٹی لے لی پانی بھر کر پاس رکھ لیا برتن لیکر اپنے ہاتھ سے سالن لے لیا اور بیٹھ کر کھا لیا بلکہ یہاں تک کرتا ہوں کہ دیکھتا ہوں کہ وہ روٹی وغیرہ پکانے میں مشغول ہیں اور اُن کو کسی چیز کی ضرورت ہے

اکثر گھروں میں ایسا ہوتا ہے مثلاً پانی کی ضرورت ہے اپنے ہاتھ سے نل سے یا گھڑے سے لوٹا بھر کر دیدیتا ہوں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جا کر جب دیکھا کہ فارغ ہیں تو کہہ دیا کہ کھانا لاؤ وہ بیچاری دیدیتی ہیں ان باتوں کی رعایت رکھنا ضروری ہے اور مشغولی عدم مشغولی ہی پر کیا موقوف ہے انسان ہی تو ہے ہر وقت طبیعت یکساں نہیں رہتی کسی وقت خادم کی طبیعت پر کسل ہوتا ہے اور اپنی طبیعت بشاش دیکھی اپنے سب کام اپنے ہاتھ سے کر لئے غرضیکہ اس کا کوئی معمول یا التزام نہیں کر رہی کریں، سو اگر حدود میں رہتے ہوئے اور ان کے راحت و آرام کا خیال کرتے ہوئے اُن سے خدمت بھی لیجائے تو کوئی مضائقہ نہیں آخر یہیں کس مرض کی دوا، لیکن بیمروتی اور بیرحمی اور ظلم کا درجہ تو نہ ہونا چاہیئے، یہ عورتوں کا طبقہ تو مردوں کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ کا مصداق ہوتا ہے انکو ستانے سے کتنے رکعت کا ثواب ملتا ہے اگر ایسی ہی بہادری اور حکومت کا جوش ہے تو کسی قدرت والے پر آدمی حکومت کرے ہم تو جب جانیں مثلاً کوئی ملازم ہو اور ہو تڑا اسکو ذرا کچھ کہیں میاں کو حکومت کی حقیقت معلوم ہو جائے بعض بے رحم تو حدود سے گزر کر عورتوں کو زدوکوب کرتے ہیں جس کے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے عورتوں پر اس قسم کے تشدد کرنا نہایت کم حوصلگی اور بزدلی کی دلیل ہے جو مرد کی شان کے بالکل خلاف ہے، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میں بہت سے کام اپنے ہاتھ سے کر لیتا ہوں تو مجھ کو کونسی تکلیف ہوتی ہے اور میرا کونسا کام ہونے سے رہ جاتا ہے بلکہ جیسی مجھے اس سے راحت ہوتی کہ وہ میری خدمت کرتیں اس سے بھی راحت ہوتی ہے کہ ان کو راحت مل گئی، رات کو مجھ کو نیند کم آتی ہے تو گھر والوں کو سوتا دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ان کو تو نیند آرہی ہے ورنہ دو قلق جمع

ہو جاتے ایک اپنے نہ سونے کا اور نیند نہ آنے کا اور ایک ان کا پھر گھر سے چلنے کے وقت پوچھتا ہوں کہ کوئی ضروری کام میرے متعلق تو نہیں، میں جا رہا ہوں اگر کہا کہ کوئی کام نہیں چلا آیا اگر کہا کہ ہے بیٹھ گیا مثلاً کوئی خط ہی لکھوانا ہے سو اس کام کو پورا کر کے چلا آیا۔ کھانا کھا کے فارغ ہوا اور پان کو جی چاہا پوچھ لیا کہ پاندان کہاں ہے انہوں نے بتلا دیا۔ اس میں سے پان نکال کر کھا لیا آجکل کے نوجوانوں کا محاورہ ہے کہ بیوی کو رفیقِ زندگی کہتے ہیں ارے بھلے مانسو رفاقت کا کوئی حق بھی ادا کرتے ہو کہ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں عملی صورت میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیچاری کو فریقِ زندگی بنا رکھا ہے۔ اور سننے کہ خاوند کی طرف سے تو یہ ظلم اور تشدد اب وہ شکایت کرتی ہے ماں باپ سے اکثر وہ بھی اُسی کو دباتے اور دھمکاتے ہیں اب بیچاری کے پاس کوئی ذریعہ بظاہر نہیں رہا بجز اس کے کہ وہ خدا سے فریاد کرے اور کوسا کرے اور واقعی وہ کوسنا کوس نہ دو کوس اس قدر قریب ہوتا ہے کہ فوراً قبول ہوتا ہے مظلوم کی آہ حق سبحانہٗ تعالیٰ بہت قبول فرماتے ہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ عورتیں تو خود ہی گھر کے اس قدر کام کرتی ہیں اور مشقتیں اٹھاتی ہیں کہ کبھی وقت چین سے نہیں بیٹھتیں تو وہ خود ہی اپنی راحت نہیں چاہتیں، فرمایا اُن کا ایسا کرنا اُنکی ذاتی مصلحت ہے وہ یہ ہے کہ اس سے انکی تندرستی ٹھیک رہتی ہے مثلاً کھانا پکانا ہے، پیسنا ہے، کوٹنا ہے خود ہمارے گھروں میں سب کام اپنا اپنے ہاتھ سے کرتی ہیں حتیٰ کہ اگر ضرورت ہو تو سیر ڈیڑھ سیر بھی پیس لیتی ہیں۔ سو وہ اگر اپنی رائے اور مصلحت سے مشقت اختیار کریں، یہ دوسری بات ہے مگر ان پر ظلم کی راہ سے مشقت ڈالنا نہایت بیرحمی اور

ہمدردی کی بات ہے۔ فرمایا کہ ان بی بی کے خاوند نے ایک مرتبہ مجھ سے خود شکایت کی تھی کہ یہ وظیفہ وظائف میں رہتی ہیں میری خدمت کی پرواہ نہیں کرتیں بندۂ خدا ایسی کونسی خدمات ہیں جو بغیر وظائف ترک کئے ہوئے نہیں ہوسکتیں۔ مرد کی خدمات ہی کیا ہیں چند محدود خدمات یہ دوسری بات ہے کہ خدمات کا باب اسقدر وسیع کر دیا جائے جن کا پورا کرنا ہی بیچاری پر دوبھر ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ ایک مقولہ مشہور ہے کہ مرد ساٹھا پاٹھا اور عورت بیس کھیسی۔ سو عورت کے اعضاء کا جلد ضعیف ہو جانا اس کا سبب بھی زیادہ یہ ہی ہے کہ اس پر ہر وقت غم اور رنج کا ہجوم رہتا ہے سینکڑوں افکار گھیرے رہتے ہیں امورِ خانہ داری کا انتظام بیچاری کے ذمہ ڈال کر مرد صاحب بے فکر ہو جاتے ہیں۔ وہ غریب کھپتی ہے مرتی ہے۔ اگر یہ حضرت دو روز بھی انتظام کر کے دکھا دیں ہم تو اس وقت ان کو مرد سمجھیں باوجود ان سب باتوں کے کمال یہ ہے کہ اپنی زبان سے اظہار بھی نہیں کرتی کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ یہ سبب ہے عورت کے جلد ضعیف ہو جانے کا یہاں پر بعض عورتیں عیش اور راحت میں ہیں اور عمر ان کی تقریباً چالیس چالیس پینتالیس پینتالیس برس کی ہے کم و بیش۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سال دو سال کی بیاہی ہوئی آئی ہیں اور ان کو کوئی پچیس برس کی عمر سے زائد نہیں بتلا سکتا تو بیوی کو عیش و آرام میں رکھنے میں ایک یہ بھی بڑی حکمت ہے کہ وہ تندرست رہے گی ضعیفی کا اثر جلد نہ ہوگا دراز مدت تک ان کے کام کی رہے گی مگر لوگ اپنی راحت و مصلحت کا خیال کر کے بھی تو ان کی رعایت نہیں رکھتے اور میں یہ نہیں کہتا کہ جوروں کے غلام بن جاؤ۔ ہاں یہ ضرور

کہتا ہوں کہ حدود کی رعایت رکھو اور ظلم تک نوبت نہ پہنچاؤ اگر کبھی ضرورت ہو دباؤ بھی دھمکاؤ بھی کوئی حرج نہیں حاکم ہوکر رہنا چاہیئے اور محکوم کو محکوم بن کر ———— لیکن جیسے محکوم کے ذمہ حاکم کے حقوق ہیں اسی طرح حاکم کے ذمہ محکوم کے بھی حقوق ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے برتاؤ کرنا چاہیئے، ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ عورتوں کے ذمہ واجب ہے کھانا پکانا، میری رائے ہے کہ ان کے ذمہ واجب نہیں میں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے عدم وجوب پر:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۔[1]

حاصل یہ ہے کہ عورتیں اس واسطے بنائی گئی ہیں کہ ان سے تمہارے قلب کو سکون ہو قرار ہو جی بہلے تو عورتیں جی بہلانے کے واسطے ہیں نہ کہ روٹیاں پکانے کے واسطے اور آگے جو فرمایا کہ تمہارے درمیان محبت و ہمدردی پیدا کر دی، میں کہا کرتا ہوں کہ مودۃ یعنی محبت کا زمانہ تو جوانی کا ہے اُسوقت جانبین میں جوشش ہوتا ہے اور ہمدردی کا زمانہ ضعیفی کا ہے دونوں کا اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ ضعیفی کی حالت میں سوائے بیوی کے دوسرا کام نہیں آسکتا۔ اس ضعیفی اور ہمدردی پر ایک حکایت یاد آئی ایک مقام میں ایک ولائتی رئیس تھے۔ گورنمنٹ میں ان کا بڑا اعزاز اور بڑی قدر تھی، یہ کابل سے یہاں پر آکر رہے تھے، گورنمنٹ نے کچھ گاؤں دیدیئے تھے انکی بیوی کا انتقال ہوگیا کلکٹر صاحب تعزیت کے لئے آئے ملاقات ہوئی کلکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ کی بیوی کا انتقال ہوگیا ———— ہم کو

---

[1] اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم کو اُن کے پاس آرام ملے اور میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ ۱۲

بڑا رنج ہوا اس پر یہ ولائتی صاحب اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں فرماتے ہیں کلٹر صاحب (کلکٹر صاحب) وہ ہمارا بیوی نہ تھا ہمارا اما تھا ہم کو گرم گرم روتی (روٹی) کھلاتا تھا پنکھا جھلتا تھا تھندا تھندا (ٹھنڈا ٹھنڈا) پانی پلاتا تھا یہ کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، خیر وہ تو ولائتی تھے کچھ لکھے پڑھے نہ تھے اپنی سادگی سے ایسا کہہ دیا مگر ایک ہندو لیڈر نے اپنے ایک لکچر میں یہ ہی کہا کہ یہ میری بیوی نہیں اماں ہے یہ میں نے خود ایک اخبار میں دیکھا ہے یہ تو تعلیم یافتہ بیرسٹری پاس کئے ہوئے ہے اس کو کیا سوجھی یہ بھی کوئی فخر کی بات تھی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ضعیفی میں سوائے بیوی کے کوئی کام نہیں آسکتا ایسے بہت سے واقعات ہیں شاہجہان پور میں ایک صاحب نے نوے برس کی عمر میں شادی کی تھی۔ لڑکے لڑکیاں بہوئیں سب خلاف تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم خدمت کو موجود ہیں آپ کو نکاح کی ضرورت ہی کیا ہے بڑے میاں نے کہا کہ تم میری مصلحت کو کیا سمجھ سکتے ہو۔ اتفاق سے بڑے میاں بیمار ہوگئے اور بیماری بھی دستوں کی اور ان دستوں میں تعفن بجد کہ مکان تک سڑ جاتا تھا لڑکے لڑکیوں وغیرہ میں سے کوئی پاس نہ آیا، سب نفرت کرتے تھے اس بیوی بیچاری نے خدمت کی اور ذرا نفرت نہیں کی باوجود اس کے کہ نئی شادی ہو کر آئی تھی اور عمر بھی تھوڑی تھی ایسا تعلق ہوتا ہے بیوی کو خاوند سے جس کی خاوند صاحب کو قدر بھی نہیں ہوتی

**دوسرا واقعہ:** ایک صاحب بڑے آدمی تھے انہوں نے نکاح کیا مگر ان کو ضعف تھا کشتوں وغیرہ سے کام چل جاتا تھا، ایک طبیب نے نہایت گرم کشتہ دیدیا جس سے ان کو جذام کا مرض ہوگیا تمام بدن پھوٹ نکلا کوئی پاس جانا بھی گوارا نہ کرتا تھا مگر بیوی کے

اولاد ہوتی تھی تو ایسی حالت میں بھی اُس نے نفرت نہ کی اور کسی خدمت سے عذر نہ کیا۔ کیا ٹھکانا ہے اس تعلق اور ایثار کا دوسرا کر نہیں سکتا۔

**تیسرا واقعہ:** حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آخر وقت میں نکاح کیا تھا محض اس وجہ سے کہ حضرت کو ناسور کا مرض ہو گیا تھا اسکی دیکھ بھال سوائے بیوی کے ہو نہیں سکتی تھی وہ بی بی بیچاری برابر اپنے ہاتھ سے شب و روز میں کئی کئی مرتبہ دھوتیں اور صاف کرتی تھیں نہایت خوشی کے ساتھ کوئی گرانی یا نفرت اُن کو نہ ہوتی تھی دنیا میں کوئی اس تعلق کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔

**چوتھا واقعہ:** حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آخر عمر میں نکاح کیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت پیرانی صاحبہ نابینا ہو گئی تھیں، حضرت نے محض خدمت کی غرض سے نکاح کیا تھا یہ بی بی حضرت کی بھی خدمت کرتیں اور پیرانی صاحبہ کی بھی۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ عورت محض شہوت ہی کے لئے تھوڑا ہی ہوتی ہے اور بھی مصالح اور حکمتیں ہیں، ایک صاحب نے عرض کیا کہ بعض عورتیں پھوہڑ ہوتی ہیں اس وجہ سے بھی بعض اوقات خاوند کو اسکی حرکات سے بد دلی پیدا ہو جاتی ہے، فرمایا کہ عورت کا پھوہڑ ہونا تو اپنے ایک خاص اثر کے سبب ایسے کمال کی صفت ہے جو نہایت ہی محبوب اور قدر کی چیز ہے اور وہ خاص اثر عفیف ہونا ہے، پھوہڑ عورتیں اکثر عفیف ہوتی ہیں بخلاف غیر عفیف عورتوں کے کہ وہ ہر وقت بناؤ سنگار اور تصنع اور ظاہری تہذیب وصفائی میں رہتی ہیں اسی طرح بعض عورتیں بدمزاج بدخلق ہوتی ہیں مگر یہ بھی اُن کے کھرے پن کی دلیل ہے بعض تو خاوند تک کو منہ نہیں لگاتیں مگر مجھ کو ایسی صورتوں کی عفت میں شبہ نہیں

ہوتا اور غیر عفیف لس ہکی پھکی چیزیں رہتی ہیں اور پھر ظاہری اخلاق بھی شائستہ ہوتے ہیں یہ خطرناک ہوتی ہیں ——— اپنی چالاکیوں سے اپنی شرارتوں کو بلی کے گوہ کی طرح چھپاتی ہیں اور مرد کو گرویدہ بنائے رکھتی ہیں ایسی عورتوں پر مجھے اطمینان نہیں۔ اور پھوہڑ عورت کا پھوہڑپن گو طبعاً ناگوار ہوتا ہے وہ اس لئے کہ بھنگن سی بنی ہوئی ہے نہ بات میں مزا نہ اٹھنے بیٹھنے کی تمیز نہ کھانا پکانے کا سلیقہ نہ بچوں کی خبر گیری اور خدمت مگر ایک صفت عفت کی وجہ سے اسکی تمام برائیاں اور بدتمیزیاں مبدل بکمال ہو جاتی ہیں کہ وہ عفیف ہوتی ہیں مجھ کو ایسی عورتوں پر بے حد اطمینان ہے، عفیف ہونے ہی کی وجہ سے وہ بناوٹی باتوں سے مستغنی ہے اس بناء پر یہ عورت کا ایک بہت بڑا جوہر ہے اسکی قدر کرنا چاہیئے۔ خیر سب کچھ سہی مگر ہر حال میں ہر شئے کے حدود ہیں عورتوں کو مجبور اور کمزور سمجھ کر ظالم تو نہ بننا چاہئے۔ بادشاہ اپنی رعیت پر حکومت کرے گو را مگر ظلم گوارا نہیں۔ اور یہاں تو خاوند اور بیوی میں محض حاکم اور محکومیت کا ہی علاقہ نہیں، بلکہ دو علاقہ ہیں ایک حکومت کا دوسرا محبوبیت کا دونوں کے حقوق ادا کرنے کی ضرورت ہے بڑا شبہ لجضے مردوں کو اس سے ہوتا ہے کہ مرد تو اظہارِ محبت کرتا ہے اور عورت اظہارِ محبت نہیں کرتی مگر اسکی وجہ یہ ہے کہ مرد کے لئے تو اظہارِ محبت زینت ہے اور عورت کے لئے عیب ہے اس کو شرم و حیاء مانع ہوتی ہے گو دل میں اس کے سب کچھ ہوتا ہے جس کا رات دن واقعات سے مشاہدہ ہوتا ہے مزاحاً فرمایا کہ اگر مجھ کو سلطنت مل جائے تو میں سب سے پہلا اعلان یہ کروں کہ جو عورتیں ستائی جائیں اور ان پر ظلم ہو تو وہ میرے یہاں درخواست کریں میں تحقیق کر کے فیصلہ اور راحت

رسائی کا انتظام کروں گا مگر خدا گنجے کو ناخون ہی کیوں دینے لگا جب پہلے ہی سے یہ نیت ہے کہ مردوں کو ماروں گا مرد ووٹ ہی نہ دیں گے، گو عورتیں روٹ پکا کر کھلا دیں کیونکہ انکی نصرت اور اعانت ہو گی اس لئے کہ آج کل سلطنت ووٹ پر موقوف ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ قرآن میں عورتوں کو مکار فرمایا گیا ہے فرمایا سب کا مکار ہونا تو کہیں قرآن میں نہیں آیا البتہ حدیث شریف میں ناقص العقل والدین فرمایا ہے پھر حضور نے اس ناقص ہونے کی شرح بھی فرما دی ہے تاکہ اعتقاد میں حدود سے تجاوز نہ ہو جائے مثلاً دین کا نقصان اسکو فرمایا کہ یہ حیض میں نفاس میں نماز نہیں پڑھ سکتیں اور نقصانِ عقل اس کی شہادت کا نصف ہونا فرمایا سو یہ نقصان عقل و دین کوئی معصیت نہیں جو مقتضیٰ ہو اُن پر تشدد کرنیکو پھر فرمایا کہ آج عورتوں کی میں نے بیحد نصرت کی ہے اس لئے اس ملفوظ کا نام نصرۃ النساء کہہ دینا مناسب ہے۔

